دردگر

اُمِّ مریم

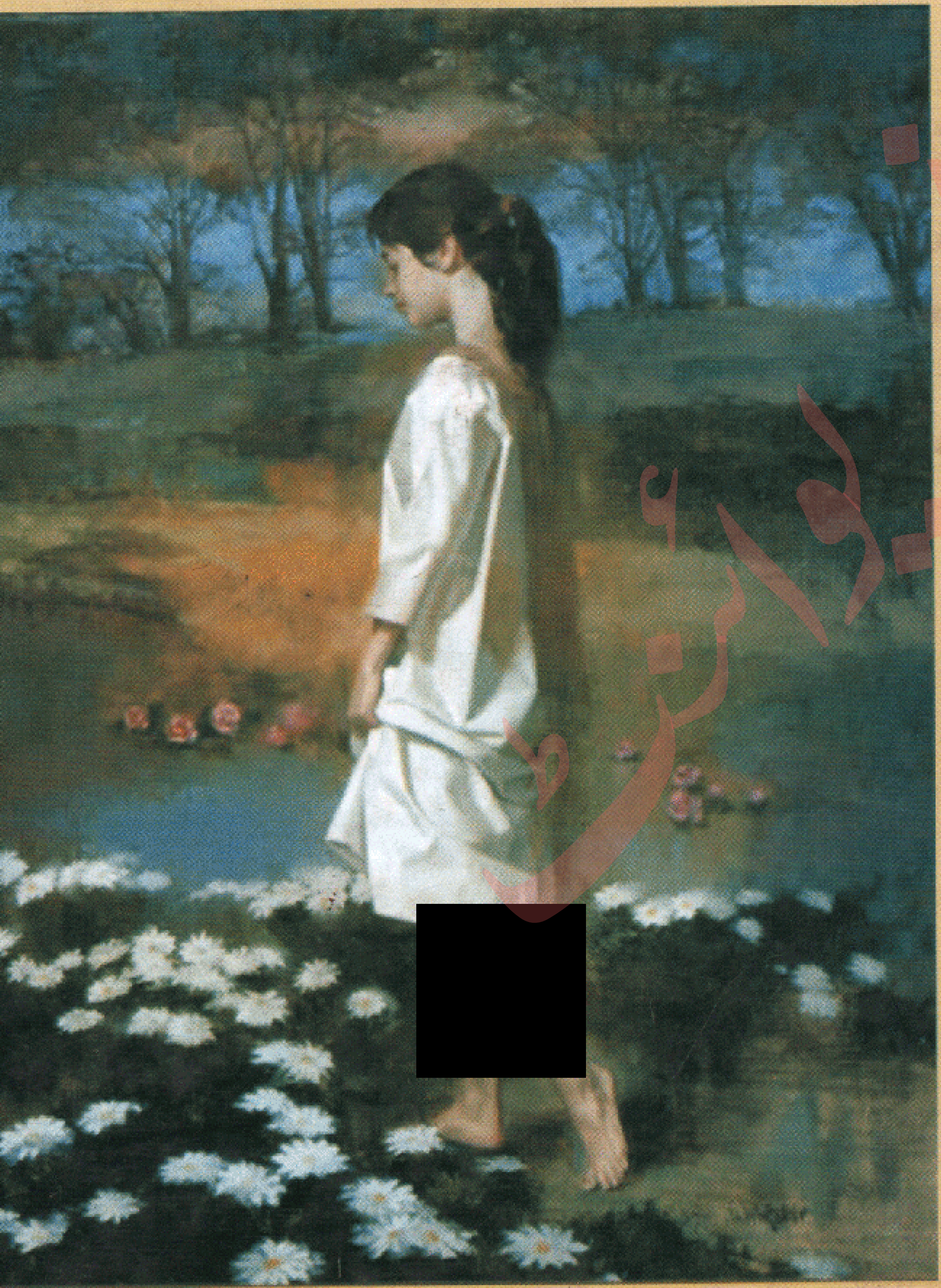

انتساب!

ثمینہ کے نام

جو بہت پیاری

اور

بہت خاص ہے

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

پیش لفظ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تمام تر لازوال اور بے مثال تعریفوں کے لائق ہے وہ پاک ذات جو تمام جہانوں کا خالق و مالک ہے۔ محبت ہمیشہ سے فاتح عالم رہی ہے۔ نفرت کی کاٹ کرنی ہو یا انتقام کی آگ بجھانا ہو۔ محبت ہی وہ اسم ہے جس سے کام نکالا جاسکتا ہے۔

ڈیئر قارئین!

اس ناول کی کہانی محبت اور نفرت کے گرد ہی گھومتی ہے۔ جسے محبت کا اسم ہی بے اثر کرتا ہوا نظر آئے گا۔ اس ناول کی سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ایک ہی کہانی کو تین مختلف لوگ آپ تک پہنچا رہے ہیں۔ کہانی ایک ہے مگر سنانے والوں کے مزاج ہی نہیں عادات بھی مختلف ہیں جبھی ہر کسی کا کہانی گوئی کا اپنا الگ انداز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو کہیں بھی یکسانیت کا احساس نہیں ہوگا۔ اس کہانی کے تین اہم اور مرکزی کردار ہیں جن کے گرد یہ کہانی گھومتی ہے۔ حجاب، ابوداؤد اور عون مرتضیٰ! مجھے عون مرتضیٰ کا کردار سب سے زیادہ پسند ہے تو اس کی وجہ عون مرتضیٰ کی نیچر ہے۔ سوفٹ کیئرنگ اور اپنی غلطی کو تسلیم کرنے والے لوگ ہی مجھے اچھے لگتے ہیں۔ عون مرتضیٰ ایسا ہی کردار ہے۔ یہ بہت مختلف اسٹواری نہیں ہے عام سی کہانی ہے۔ مگر میرا اسے آپ کے سامنے پیش کرنے کا انداز ضرور بہت خاص ہے۔ مجھے امید ہے میری دیگر تحریروں کی طرح یہ بھی آپ کے ذوق پسند اور معیار پر پوری اترے گی تو وجہ یہی ہے الحمدللہ خدا نے مجھے جو صلاحیت لکھنے کی بخشی ہے اُسی رب نے مجھے معیار پر سمجھوتہ نہ کرنے کا بھی ادراک بخشا ہے۔ اس سلسلے میں میری نگاہ میں جو نام ہیں اور ان کا معیار برقرار ہے۔ ان میں مائی فیورٹ ہارٹ فیورٹ شازیہ آپی (شازیہ چوہدری) اور فرحت بھائی۔ (فرحت عباس شاہ) کے نام ہیں جن کے طرز تحریر اور معیار نے مجھے اتنا امپریس کیا ہے کہ میں کہہ سکتی ہوں نام ہی گارنٹی ہے۔ میری خواہش ہے اور خدا سے دعا بھی کہ ان دو بڑے ناموں کی طرح میں بھی جب تک لکھوں جتنا لکھوں۔ معیاری اور اچھا لکھوں معیار پر سمجھوتہ مجھے پسند نہیں۔ باقی جہاں تک آپ کی آراء مجھ تک پہنچتی ہیں تو وہ الحمدللہ ہمیشہ اچھی اور بہترین ہی نہیں حوصلہ افزا بھی ہیں۔ خوش رہیے اور خوشیاں بانٹیے۔ مریم کو اپنی دعاؤں

میں شامل رکھیے گا۔ لکھنے کا مجھے جنون ہے اور جنون میں کیے گئے اکثر کام اوٹ پٹانگ ہوتے ہیں مگر یہ کام ایسا نہیں ہے میری اسی لکھنے کی دیوانگی اور محبت کی نذر یہ کچھ اشعار ہیں

یوں تو لکھنے کو کیا نہیں لکھا میں نے
پھر بھی جتنا تجھے چاہا نہیں لکھا میں نے
یہ تو اک لہر میں کچھ رنگ جھلک آئے ہیں
ابھی مجھ میں ہے جو دریا نہیں لکھا میں نے
میرے ہر لفظ کی وحشت میں ہے اک عمر کا عشق
یہ کوئی کھیل تماشا نہیں لکھا میں نے

اُم مریم

پہلا حصہ

پچھلے تیس منٹ سے میں مسلسل ایک کام کر رہی تھی اور وہ تھا بالوں کو سلجھانے کا کام مگر بال ابھی تین تہائی حصے سلجھے تھے ایک حصہ ابھی بھی سلجھانے والا رہتا تھا۔ ہاتھ شل ہو کر میری جھنجھلاہٹ کو بڑھا گئے تو روہانسی ہو کر میں نے پہلے برش پٹخا پھر گھٹنوں میں منہ چھپا کر بے بسی سے سسکنے لگی۔ یہ بے حد گھنیرے اور لمبے ریشمی بال میری مما کو جتنے پسند تھے۔ میرے لیے اسی قدر وبال جان ہو چکے تھے۔ انہیں سنبھالنا اور سنوارنا میرے لیے سب سے دشوار امر ہو چکا تھا۔ ایک حد تک یہ ذمہ داری مما کی ہی تھی مگر پچھلے کچھ دنوں سے چونکہ ان کی طبیعت کچھ بہتر نہ تھی اور یہ کام تن تنہا میرے اوپر آ گیا تھا اور میری وہی لاپرواہی ہر روز کالج جاتے وقت تیاری میں بس اوپر اوپر سے سیدھے کیے اور کیچر میں جکڑ کر کام چلا لیا یہ یقیناً اسی کوتاہی کا نتیجہ تھا کہ میرے بال اس وقت کسی جھاڑی کا نقشہ پیش کر رہے تھے وہی ریشمی سلکی بال جن پر میری مما سمیت میری دوستیں دل و جان سے فدا تھیں اور مما تو اس عاشقی میں اتنا آگے تھیں کہ مجھے کبھی بال کٹوانے کی اجازت ہی نہیں دی تھی۔ حالانکہ میں نے کتنی منتیں کی تھیں ہر طرح سے ضد کر کے دیکھ لی مگر واحد میری یہی ایک خواہش تھی جو بھائیوں سمیت مما نے بھی بڑی بے نیازی سے رد کر دی تھی جس کے نتیجے میں مَیں نے روزمرہ کی ذمہ داری بھی مما پر ڈال دی تھی۔ یہ میرا بڑا معصوم سا احتجاج تھا جس میں مَیں خود کو حق بجانب سمجھتی تھی۔

"کیا ہوا بیٹے؟"

میں یونہی بال بکھرائے سر نیوڑائے بیٹھی ہوئی تھی جب مما دودھ کا گلاس لیے اندر آئی تھیں جواباً میں نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا اور آنسو بھری آنکھیں جھکا لیں۔

افوہ یہ بھی کوئی رونے والی بات ہے؟ لاؤ میں منٹوں میں سلجھا دیتی ہوں۔" انہوں نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور میرا پھینکا ہوا برش اُٹھا کر نزدیک آ گئیں۔"

"کب تک کریں گی آخر آپ۔ کیا ہے اگر تھوڑے سے کٹوانے دیں۔"

میری جھنجھلاہٹ بے بسی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"آپ بہت ناشکری کا مظاہرہ کر رہی ہو جناب بیٹا! آپ کو احساس تک نہیں ہے آپ کفران نعمت کی مرتکب ہو رہی ہو۔ ارے لڑکیاں تو ترستی ہیں ایسے حسین بالوں کے لیے جان ماری کرتی ہیں طرح طرح کے ٹوٹکے استعمال کر کے اور تم...... فکر مت کرو آپ کی شادی کروں گی تو ایک نوکرانی دے دوں گی۔ اس کام کو"

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

وہ جب بھی غصہ ہوتیں مجھے آپ کہہ کر مخاطب کرتی تھیں ان کا انداز اس غصے میں بھی اتنا دھیما اتنا پر جذب ثابت ہوا کرتا تھا کہ میں اپنی جھنجلاہٹ کو بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہوتا محسوس کرتی۔ مجھے پتا بھی نہ چلتا اور میرے اندر کی تمام تلخی سارا تناؤ ختم ہو جاتا۔ اب پھر ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے گہرا سانس کھینچا اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا گویا ہار تسلیم کر لی۔

''آپ نے بس اَنا کا مسئلہ بنایا ہوا ہے مما۔ ورنہ اگر بال کٹ جائیں تو آپ کو بھی اس مفت کے بیگار سے نجات حاصل ہو۔''

بال سلجھ گئے تھے مما چوٹی گوندھ رہی تھیں جب میں نے پھر انہیں طیش دلانے والی بات کی۔

یہ اَنا کا نہیں مذہب کا مسئلہ ہے۔ آپ کو پتا ہے بال کٹوانا سخت گناہ ہے۔

''ایگزیکلی مما یہی تو میں اسے سمجھاتا ہوں کہ یہ بال اسے بہت جگہ کام دے سکتے ہیں۔'' اسی پل موسیٰ بھائی بولتے ہوئے کمرے میں آ گھسے تو میرے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔

''اونہہ بال نہ ہو گئے مسئلہ کشمیر ہو گیا۔ جو حل ہونے کا نام نہیں لے رہا۔''

میں حلق تک بے زار ہو چکی تھی اس بحث سے۔

''افوہ پہلا فائدہ تو سنو یہ جو تمہاری اپر سٹوری عقل سے خالی ہے اس ایک بڑی خامی کو تمہارے انہیں بالوں نے بڑی خوبصورتی سے چھپا رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے ہمارے دولہا بھائی کو لمبے گھنے بالوں والی دلہن پسند ہو۔ اور تو تم میں کچھ بھی ایسا خاص نہیں کہ اگلے گھر سدھارنے کی وجہ بن سکے۔ اس ایک وجہ کو بھی اگر ہم ہاتھ سے گنوا دیں تو سوچو تمہاری شادی کیسے ہو گی۔''

وہ شروع ہو چکا تھا اور میرا غم و غصے سے بُرا حال ہونے لگا۔ میں تلملا کر اُٹھی تھی اور آؤ تاؤ دیکھے بغیر صوفے سے کشن اُٹھا کر اسے دے مارا ابھی غصہ ختم نہیں ہوا تھا جبھی مزید کشنز کی طرف جھپٹی مگر مما بر وقت ہمارے درمیان حائل ہو گئیں۔

''حجاب یہ کیا حرکت ہے بیٹا! بھائی بڑا ہے آپ سے۔''

''مگر اسے بھی تو دیکھیں نا کیسی باتیں کر رہا ہے''

میری آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔

''مذاق کر رہا ہے۔ بھائی ہے۔''

مما نے مجھے اپنے ساتھ لگا کر تھپکا۔

''مجھے ایسے مذاق پسند نہیں اگر کرے گا تو پھر مار کھائے گا مجھ سے۔''

میں نے تڑخ کر کہتے پیر پٹخے۔

''دیکھ لیں مما! اور سمجھا لیں اسے۔ ورنہ عنقریب آپ کے داماد صاحب کا بھی یہ حشر کر دیں گی۔'' موسیٰ بھائی جو باہر جا چکے تھے۔ پھر سے دروازے میں سر ڈال کر ہانک لگانے والے انداز میں بولے چہرے پر

مسکراہٹ تھی۔

''مما!'' میں پھر احتجاجاً چیخی۔ مما نے اب کی مرتبہ میری بجائے موسیٰ بھائی کو گھورا تھا ان کی صورت پر اُترنے والی خفت دیکھ کر میری ہنسی نکل گئی تھی۔

☆☆

مجھ سے پہلے مما اور پاپا چار بچوں کے والدین ہونے کا شرف پا چکے تھے۔ یہ چاروں بچے لڑکوں کی صورت میں تھے۔ سب سے بڑے بھائی یعنی عون مرتضیٰ پھر فیضان بھائی تھے ان کے بعد عیسیٰ اور موسیٰ تھے۔ میری پیدائش کے وقت موسیٰ کی عمر چار سال جبکہ عیسیٰ بھائی سات سال کے تھے۔ فیضان بھائی دس جبکہ عون بھیا بارہ سال کے۔ ان چار بھائیوں کو جب میری صورت بہن میسر آئی تو صحیح معنوں میں اتنے لاڈ اُٹھائے کہ مجھے سر پر چڑھا لیا پاپا سمیت سب نے...... ایک مما ہی تھیں جنہیں میری تربیت کا خاص خیال تھا۔ ناز و نعم اور محبتوں میں بچپن گزار کر میں اپنی عمر کی اُٹھارہ بہاریں دیکھ چکی تھی۔ بڑے بھیا نے ایم بی اے کیا تھا اور پاپا کے ساتھ بزنس میں شریک ہو گئے تھے۔ جبکہ فیضان بھائی نے لندن سے بار ایٹ لا کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور آج کل وہ ملک کے نامور وکلاء میں شمار ہونے والے تھے۔ عیسیٰ نے حال ہی میں ہاؤس جاب مکمل کی تھی۔ پاپا نے ان کی خواہش پر انہیں باہر پڑھنے کے لیے بھیجنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ جبکہ موسیٰ بھائی سب سے شوخ اور کھلنڈرے تھے ہمہ وقت شرارت پر آمادہ رہتے اور ان کی اس شوخی و شرارت کا سب سے زیادہ نشانہ میں ہی بنا کرتی تھی۔ وہ اُردو ادب میں ماسٹرز کر رہے تھے اور یہ ان کا پارٹ ون تھا۔ مجھے چھیڑنا زچ کرنا اور پھر میری ناراضگی پر گھنٹوں منانے پر صرف کرنا اور اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنا بھی ان کا من پسند مشغلہ تھا۔ مما مکمل ہاؤس وائف ہیں سادگی انکساری اور گرہستی میں طاق ہونا ہی ان کا تعارف ہے اضافی خوبی مکمل مذہبی ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی سی عمر میں انہوں نے مجھے نہ صرف گھر داری میں طاق کر چھوڑا (میری ہزار پہلوتہی کے باوجود) بلکہ نماز پنجگانا کی بھی سختی سے پابندی کرواتی ہیں۔

''حجاب بیٹے یہاں ٹیرس پر کیا کر رہی ہو؟ اندر چلو شام کو ننگے سر باہر نہیں رہتے۔'' عین اسی پل مما چلی آئی تھیں۔ میں جو اپنے خیالوں میں گم بالکونی سے سمندر کا نظارہ کر رہی تھی گہرا سانس بھر کے پلٹی۔

''بس تھوڑی دیر میں آتی ہوں مما!''

میں نے انہیں تسلی دی تھی اور پھر سے اسی منظر میں گم ہونے لگی۔ ہمارا گھر ساحل سمندر سے اتنا نزدیک نہیں تھا مگر اس لوکیشن سے تھا کہ میرے کمرے کی کھڑکی سے سمندر کا ساحل نظر آتا تھا دور سے جھاگ اُڑاتا سمندر اور سمندر کے پانیوں پر ڈوبتے سورج کا عکس مجھے ہمیشہ اپنے طلسمی حصار میں جکڑ لیا کرتا تھا۔

''پگلی ہر روز یہاں کھڑی ہو کر اس منظر کو دیکھتی ہو پھر بھی اشتیاق کا وہی عالم ہے۔'' مما مسکراتے ہوئے میرے پہلو میں آن کھڑی ہوئیں۔

''یہ شروع سے نیچر کی دیوانی ہے۔ آپ جانتی تو ہیں مما! بس اب ہمارے بہنوئی صاحب کی تلاش کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیے کہ محترم نہ صرف پیسے والے ہوں بلکہ باذوق بھی انگلینڈ یورپ نہ سہی شمالی

علاقہ جات تو ضرور گھما لائیں۔"

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی۔ موسیٰ بھائی آن دھمکے تھے اور مجھے تاؤ دلانے کو آج کل ان کے پاس یہی ایک موضوع تھا۔

"موسیٰ بھائی پلیز!"

میں کچھ شرم اور کچھ خفت سے سرخ پڑی مگر ان پر خاص اثر نہیں ہوا تھا۔

"سنو ہر روز یہاں کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ایک دن ناغہ کر لیا کرو ضروری نہیں وہ لازمی باذوق ہوں۔ اور کمپرومائز تو ہر لڑکی کو کرنا آنا چاہیے نا۔"

وہ مدبر بنے کہہ رہے تھے میں ہونٹ بھینچے غصے سے انہیں گھورتی وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی وہ ہنس رہے تھے۔ مقصد جو پورا ہو گیا تھا مجھے وہاں سے ہٹانے کا۔

☆☆

پچھلے چار گھنٹوں سے میں مسلسل رو رہی تھی اور مجھے کسی نے چپ بھی نہیں کروایا تھا۔ وجہ گھر والوں کی بے حسی نہیں بلکہ میرا حد سے تجاوز کرتا ہوا غصہ بدگمانی اور ناراضی تھی۔ پاپا نے میرا رشتہ طے کر دیا تھا۔ مما نے جب مجھے بتایا تو پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آ سکا تھا۔ مگر جب یقین آیا تو مجھے لگا تھا۔ یکلخت میرے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی گئی ہے۔ موسیٰ بھائی کی شوخ مسکراہٹیں اور چھیڑ چھاڑ، سب بھائیوں سمیت مما، پاپا کے مطمئن سرشار چہرے جیسے مجھے برزخ میں دھکیل گئے تھے۔ مجھے دکھ کسی ایک بات کا نہیں تھا۔ سب سے بڑا دکھ پاپا کی وعدہ خلافی کا تھا۔ وہ جانتے تھے مجھے ڈاکٹر بننے کا کتنا جنون تھا۔ اور انہوں نے ہمیشہ میری اس معاملے میں فیور کی تھی۔ مما چاہتی تھیں جلد میری شادی ہو یہ پاپا ہی تھے جو میری تعلیم وہ بھی اعلیٰ تعلیم کے حامی تھے۔ اور اس معاملے میں مما کے روشن خیالات کے خلاف تھے جو وہ لڑکی کی جلدی شادی کے متعلق رکھتی تھیں۔

"ہماری بیٹی بہت ذہین ہے میں اسے ایک بلند مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ بلکہ اگر یہ چاہے تو اپنے بھائیوں کی طرح پڑھنے باہر بھی جائے گی۔"

یہ بات پپا ہمیشہ راز داری سے میرے کان میں کہا کرتے پھر اب ایکا ایکی کیا ہوا تھا کہ وہ خود اپنا عہد فراموش کر گئے تھے۔ میرا ذہن منفی خیالات کی یورش سے بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔ میں چاروں بھائیوں سے چھوٹی تھی اور ابھی صرف میڈیکل پارٹ ون میں تھی۔ پھر بھی سب سے پہلے مجھے اس گھر سے دھکا دینے کا منصوبہ بنا لیا گیا تھا۔ یقیناً میں اپنے گھر والوں پر کسی ناگوار بوجھ کی طرح تھی۔ جسے وہ موقع ملتے ہی اُتار پھینکنا چاہ رہے تھے۔ مجھے کسی کی کوئی وضاحت نہیں چاہیے تھی جبھی میں نے مما کی مسلسل پکاروں کو جو وہ بند دروازے کے پار سے دے رہی تھیں نظر انداز کر دیا تھا۔ موسیٰ بھائی کی منت سماجت بھی مجھ پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھی رنج اور کرب میرے دل کو خون کر چکا تھا۔ بے مائیگی کا احساس اتنا شدید تھا جو کچھ اور سوچنے نہیں دے رہا تھا۔

"حجاب! ہنی بیٹے دروازہ تو کھولو گڑیا!"

مما اور موسیٰ بھائی کے بعد اب جو آواز بند دروازے کے پار سے اُبھری وہ عون بھیا کی تھی۔ ان کی مہربان اور گھمبیر آواز نے میرے ہچکیوں سے لرزتے وجود کو جیسے زلزلوں کی زد پہ لا کھڑا کیا۔ مما نے بتایا تھا۔ مسٹر بڑے بھیا کے پرانے دوست اور یونیورسٹی فیلو رہ چکے ہیں۔ گویا یہ سارا کیا دھرا بڑے بھیا کا تھا اور مجھے سب سے زیادہ غصہ بھی انہیں پر تھا۔

"ہنی مائی سویٹ دروازہ کھولو۔"

بڑے بھیا کی آواز میں اب کے ہلکی سی تشویش بھی تھی یقیناً وہ باہر میری وجہ سے بے حد مضطرب تھے میں اب تمام تر خفگی کے باوجود خود کو اُٹھ کر دروازہ کھولنے سے باز نہ رکھ سکی۔ بالٹ گرایا مگر پھر خفگی کے اظہار کو رخ پھیر لیا۔

"ہنی! حجاب بیٹا واٹ از دس؟ کوئی یوں بھی کرتا ہے۔ پاگل ہو بالکل!"

انہوں نے بے تابانہ مجھے تھاما اور اپنی طرف گھماتے ہوئے بولے مگر جیسے ہی نگاہ میرے آنسوؤں سے جل تھل چہرے اور سرخ متورم آنکھوں پر اُٹھی وہ ایک پل کو شاکڈ رہ گئے تھے۔

"حجاب میری جان!"

انہوں نے یکدم سے کھینچ کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ میرے رکے ہوئے آنسو جیسے پھر سے سرعت سے بہنے لگے گھٹی گھٹی سسکیاں بھی فضا میں بکھرنے لگی تھیں۔

"خوشی کے اس موقع پر یوں آنسو بہاتی یہ لڑکی مجھے بہت بے وقوف لگی ہے۔"

آہستگی و نرمی سے میرا سہلاتے ہوئے انہوں نے رسانیت سے کہا تو میں خفگی کے بھرپور احساس سمیت ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہوئی۔

"آپ زبردستی مجھے گھر سے نکالنے کے درپے ہیں یہ کیا خوشی کا موقع ہے؟"

بھیگا لہجہ بھرائی ہوئی آواز...... میں کوشش کے باوجود چیخ نہیں سکی۔ بڑے بھیا نے بے ساختہ مسکرا کے پھر مجھے بازو کے حصار میں لے کر بیڈ پر بٹھانا چاہا مگر میں بپھری ہوئی موج کی طرح ان کے حصار سے نکل گئی۔

"کس نے کہا کہ تمہیں گھر سے نکال رہے ہیں؟۔ ہے کسی میں اتنی جراٗت کہ میری گڑیا کی مرضی کے خلاف کچھ کرے۔"

"اونہہ۔ یہ سب تو جیسے میری مرضی سے طے ہوا ہے نا؟"

میرے زہر خند لہجے میں گہرے طنز کی کاٹ تھی۔ جبھی جوش سے بولتے بڑے بھیا کھسیاہٹ کا شکار ہو کر سر کھجانے لگے۔

"شادی تو ہر لڑکی کی ہوا ہی کرتی ہے نا۔"

انہوں نے اپنے دفاع میں کمزور سی دلیل دی تو میں سر جھٹک کر نخوت سے بولی تھی۔

"شادی لڑکوں کی بھی ہوا کرتی ہے۔"

"ہاں نا جبھی تو ابو داؤد کو بہت جلدی ہے اور شوق بھی بہت"

بڑے بھیا مسکرائے تو میرے تیوری پر بل پڑنے لگے۔

"یہ داؤد شاؤد کا یہاں کیا ذکر ہمیں کسی سے کیا لینا دینا۔"

"انہی کا تو ذکر ہے۔ ہمارے برادران لاء ان شاءاللہ!"

ان کے وجیہہ چہرے پر شوخ سی مسکان بکھری تو میں حق دق سی انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔ بڑے بھیا جیسا انسان جسے مسکراتے بھی بہت کم دیکھا گیا تھا کیسی سرشار قسم کی مسکراہٹ تھی ان کے لبوں پر میری عجیب کیفیت ہوئی تھی ہاتھ پیر جیسے ایک دم سن پڑنے لگے اور زبان لڑکھڑا گئی۔

"مم میں آپ کی بات کر رہی تھی۔ آپ سب بھائی بڑے ہیں مجھ سے۔"

میرے شکوے میں بھی احتجاج کا رنگ واضح تھا۔ مجھے نظریں چراتے پا کر بڑے بھیا بڑے خوبصورت انداز میں مسکرائے۔

"حجاب کیا تم اس بات پہ خفا ہو کہ تم سے اس معاملے میں رائے کیوں نہیں لی گئی؟ وہ لوگ آتے تھے میں نے مما سے کہا تھا حجاب کی رائے کو اولیت دی جائے گی۔ ویسے تم نے ابوداؤد کی تصویر تک نہیں دیکھیں ورنہ تم اس وقت مجھ سے اس طرح نہ جھگڑ رہی ہوتیں۔"

"کیا مطلب ایسے کون سے لعل لگے ہوئے ہیں محترم میں؟"

مجھے شدید غصہ آنے لگا۔

"یہ کیا کم بات ہے کہ وہ میرا انتخاب ہے۔"

ان کے لہجے کے تفاخر، مان اور محبت نے جیسے مجھے جکڑ لیا۔

"بھیا مجھے ابھی پڑھنا ہے اینڈ دیٹ از اٹ۔ پھر دوسری شرط آپ لوگوں کی شادیاں ہیں میرا نمبر آخر میں آتا ہے۔"

میں نے پھر وہی بات دہرائی جو وجہ اختلاف تھی۔

"تم داؤد کی تصویر دیکھ لو۔ پھر مجھ سے بات کرنا۔ اور میری شادی کی بات پھر مت کرنا اوکے۔" مجھے نہیں دیکھنی۔ میں نے غصے میں ترخ کر کہا مگر انہوں نے جیسے میری سنی ہی نہیں تھی۔ باہر گئے اور اگلے چند لمحوں میں واپس بھی آ گئے ان کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جس سے انہوں نے کارڈ سائز فوٹو نکال کر زبردستی میری آنکھوں کے سامنے کر دی۔ میں نے فوٹو پر نگاہ ڈالنے کی بجائے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ ان کا دوٹوک قطعی انداز مجھے بے حد ہرٹ کر چکا تھا۔

"لک لک مائی سویٹ سسٹر۔ ابوداؤد ہرگز ایسی پرسنالٹی نہیں رکھتا کہ اسے رد کیا جائے۔" اب کے ان کا لہجہ ایک مرتبہ پھر بے حد سنجیدہ اور بردبار تھا۔

"جب آپ کچھ کرنے کا ٹھان ہی چکے ہیں تو پھر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کیسا ہے اور کیا ہے" میں نے بے حد خفگی سے کہا اور تصویر پر نگاہ ڈالے بغیر ہاتھ سے پرے کر دی۔ بڑے بھیا نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"دیکھو ہنی ابوداؤد بے حد شاندار شخصیت کا مالک ہے۔ یہ پرپوزل اس کی خواہش پر طے ہو رہا ہے۔ میرا دوست ہے میں ایک عرصے سے جانتا ہوں اسے۔ بہت نائس ہے بالکل ویسا جیسا میں تمہارے لیے خواہش کرتا تھا۔ ابھی صرف رشتہ پکا ہوگا۔ شادی تمہاری تعلیم مکمل ہونے پر کریں گے۔ اس بات کو لے کر ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہوسکتا ہے اس دوران تمہاری بھابیاں لانے کی خواہش بھی پوری ہو جائے۔ اب بتاؤ اب بھی تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

ان کے لہجے کا رسان اور ٹھہراؤ ہمیشہ کی طرح اثر پذیر ثابت ہوا میں کچھ دیر ساکن کھڑی رہی پھر ان سے لپٹ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ جیسی آپ کی مرضی!"

انہوں نے پرسکون ہو کر میرا سر تھپکا اور مسکراتے ہوئے پلٹ کر چلے گئے۔ میں کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر سر جھٹک کر خود کو ہر قسم کے خیالات سے آزاد کرانے لگی تھی۔

☆☆

رسمی کارروائی تو ہو چکی تھی۔ وہ خواتین جو کچھ دن پہلے مجھے دیکھنے آئی تھیں ایک بار پھر آن دھمکیں ان کے تمام تر لاڈ پیار کے باوجود جانے کیوں مجھے یہ سب دکھاوا سا محسوس ہوا اور پرا اور پرا سا جیسے مارے بندھے یہ سب کر رہی ہوں۔ اب کی مرتبہ یہ لوگ منگنی کی تاریخ لینے آئے تھے۔ عجیب خشک مزاج لوگ تھے۔ روایتی جوش اور شوق کا فقدان تھا ان کی گفتگو میں جانے کیوں مجھے یہ لوگ قدردان نہیں لگے میرا جی چاہا تھا مما سے اس حوالے سے بات کروں مگر مجھے مناسب نہیں لگا تھا۔ بڑے بھیا پر مما پاپا کو ہی نہیں مجھے بھی پورا بھروسہ تھا اور یہ انہیں کا فیصلہ تھا۔ شام تک وہ لوگ چلے گئے یہ اس سے چند دن بعد کی بات تھی۔ یہ چھٹی کا دن تھا اور تقریباً سبھی گھر پر تھے۔ موسیٰ اور عیسیٰ کے کمرے سے زور زور سے بولنے اور دھما چوکڑی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یقیناً پھر عیسیٰ بھائی کی کوئی چیز موسیٰ نے ان کی اجازت کے بغیر استعمال کر لی تھی اب ان کا قہر موسیٰ پر ٹوٹ رہا تھا۔

"حجاب چائے مل جائے گی؟"

میں جو ٹی وی لاؤنج کے ایک صوفے پر بیٹھی اپنے ناخن فائل کر رہی تھی چونک کر متوجہ ہوئی۔ فیضان بھائی اخبار کی سمت ہی متوجہ تھے۔ میں نے گہرا سانس کھینچا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ابھی بنا لاتی ہوں بھائی!"

کچن میں آ کر میں نے چائے کا پانی رکھا اور خود پلٹ کر فریج سے دودھ کا برتن نکال رہی تھی جب موسیٰ بھائی کی چہکار سنائی دی۔

"اے اداس بلبل! ابھی تک ناراض ہو؟"

اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھتے ہوئے وہ مسکرا کر بولا تو مجھے جانے کیا ہوا یک لخت آنکھیں بھر آئیں۔ پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا تھا میرے معاملے میں عجلت سے کام لیا گیا ہے۔ ابوداؤد کی والدہ اور بہنیں مجھے اپنے

روکھے پھیکے رویوں کی بدولت بہت بدمزاج لگی تھیں اور ایسے ناقدرے لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرنا مجھے ابھی سے حراساں کر رہا تھا۔

”تم نے ابھی تک داؤد بھائی کی تصویر نہیں دیکھی نا؟“

میرے آنسوؤں کے جواب میں موسیٰ بھائی کی بات مجھے بے تکی ہی لگی تھی۔

”ایک بار ان سے مل لو سارے گلے شکوے بھول جاؤ گی۔ ریئلی بہت امپریسو پرسنالٹی ہے ان کی۔“

میں جواب میں کچھ کہے بغیر رخ پھیر کر آنسو پونچھتے ہوئے کھولتے پانی میں پتی ڈالنے لگی۔

”کیا ہوا کیوں رو رہی ہے ہنی!“

تبھی فیضی بھائی چلے آئے تھے۔ ان کے لہجے میں ازحد تشویش تھی۔

”تم نے کچھ کہا؟“

انہوں نے روئے سخن موسیٰ کی جانب موڑا تیور بے حد کڑے تھے۔

”کہاں بھائی میں تو چپ کرا رہا تھا۔ اسے شکوہ ہے جانے ہم نے کیسے بے ڈھنگے بندے سے انہیں باندھ دیا ہے۔“ موسیٰ کے جواب نے مجھے اور بوکھلا کے رکھ دیا کہ بھائی کی سوالیہ متحیر نگاہوں کا رخ اب میری جانب تھا۔

”نہیں نہیں بھائی یہ جھوٹ بول رہے ہیں میں تو............“

میں کچھ اس طور بوکھلائی تھی جبکہ موسیٰ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

امی میں چھوڑ چلی بابل کا دیس

پیا کا گھر پیارا لگے۔

مجھے پھنسا کر وہ گنگناتا ہوا بھاگ لیا تھا۔ فیضان بھائی بنا کچھ کہے اس کے پیچھے لپکے۔

”موسیٰ کیا واقعی حجاب کو داؤد پسند نہیں آیا؟“

ان کی آواز میں تشویش تھی۔ جانے کیوں میرا دل ڈوب سا گیا۔

”اُف یہ بھائی کیا سمجھ رہے ہیں۔“

موسیٰ نے کیا جواب دیا میں کوشش کے باوجود سن نہیں سکتی تھی کہ وہ دونوں باتیں کرتے دور جا چکے تھے میں گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

☆☆

”اپنا خیال رکھنا زبیدہ سے میں نے کہہ دیا ہے۔ جب تک ہم واپس نہیں آتے وہ تمہارے پاس رہے گی۔ گھبرانے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہم لوگ جلدی لوٹ آئیں گے انشاءاللہ! کھانا ضرور کھا لینا میں نے سب چیزیں تمہاری پسند کی بنائی ہیں۔“

آج میرے گھر والے ابوداؤد کے ہاں جا رہے تھے۔ مما جانے سے قبل میرے کمرے میں آ کر خاص ہدایات دے رہی تھیں۔ پیازی کلر کے شیفون کرنکل کا بے حد نفیس سوٹ ان کے متناسب سراپے پر

بے حد جچ رہا تھا۔ ہلکی پھلکی جیولری اور میک اَپ کے نام پر نیچرل کلر لپ اسٹک سر پر دوپٹہ اوڑھے میری مما کا تقدس بے مثال تھا۔ سفید کرتا شلوار پر بلیک ویسٹ کوٹ پہنے پپا کے باوقار چہرے پر الوہی چمک اور خوشی تھی۔ چاروں بھائی پینٹ کوٹ میں ملبوس تھے اور بے حد وجیہہ لگ رہے تھے۔ یہ چھوٹا سا قافلہ گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہوا تو میں اپنے کمرے میں جاتے جاتے وہیں لاؤنج میں رک گئی۔ گھر کی حالت کچھ بکھری ہوئی تھی [illegible]ی بھائی اور موسیٰ بھائی نے عادت کے مطابق خوب بکھیرا تھا ہر شے کو۔ زبیدہ کھانے کا پوچھنے آئی تو میں نے ناپسندیدہ نگاہوں سے لاؤنج میں بکھرے کشنز کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

گھر بہت گندہ ہو رہا ہے۔ ایسا کرو پہلے گھر کی صفائی کر لو۔

”ابھی صبح تو کی تھی اچھا بھلا تو ہے۔“

زبیدہ صدا کی کام چور تھی چہرے پہ بارہ بجا کر بولی۔

”صبح کی تھی اور اس کے بعد آندھی آئی تھی کتنی خاک اڑی ہے پتا ہے؟“

”پر جی پہلے روٹی کھا لوں پھر کر دوں گی۔“

اس نے عذر تراشا میں جانتی تھی وہ بہانہ گھڑ رہی ہے

”چلو میں ساتھ کراتی ہوں تمہارے۔ پہلے گھر کی صفائی ضروری ہے۔“

میں نے کسی قدر ہٹ دھرمی سے کہا اور اسے زبردستی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ پہلے جھاڑ پونچھ ہوئی پھر دھلائی کا مرحلہ آیا۔ اتنا بڑا گھر تھا مجھے سب سے زیادہ ٹائم موسیٰ کا کمرا صحیح حالت میں لانے کی کوشش میں لگا تھا۔ وارڈروب کے دونوں پٹ کھلے تھے ہینگر کیے سوٹ بھی تہہ کیے کپڑوں کے ساتھ کارپٹ پر ڈھیر تھے۔ بیڈ شیٹ آدھی بستر پر آدھی نیچے جھول رہی تھی ڈریسنگ ٹیبل کا سارا سامان بکھرا ہوا تھا اور تو اور موصوف نے شیو بھی وہیں بنائی تھی۔ سیفٹی اور پانی کا مگ جو چھلک گیا تھا وہیں ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔ آرکیسٹرا پر ابھی تک کوئی دھن بج رہی تھی۔ کارپٹ پر چائے کے دو تین مگ لڑھکے ہوئے تھے۔ واش روم بھی ایسی ہی ابتری کا شکار تھا۔ اس کام سے فراغت کے بعد میں باہر نکلی تو زبیدہ سارے پنکھے چلائے وائپر لگاتے ہوئے اونچے سروں میں گا رہی تھی۔

گھر آیا میرا پردیسی پیاس بجھی میری اکھین کی۔

اس گنگناہٹ کے برعکس چہرے پر بے زاری اور اکتاہٹ کے تمام رنگ سجے ہوئے تھے کہ ابھی گیراج کے ساتھ ڈرائیووے کی دھلائی باقی تھی۔

زبیدہ آپا آپ ایسا کرو پائپ لگا دو باقی کام میں نپٹاتی ہوں۔

دوپٹہ اُتار کر برآمدے کے پلر سے بل دے کر گرہ لگاتے ہوئے میں نے زبیدہ کے حال پر رحم کھایا۔ زبیدہ نے پلک جھپکتے حکم کی تعمیل کی۔ کجا میرا کا ارادہ بدل جائے۔ پھر جب تک میں دھلائی سے فارغ ہوئی زبیدہ نے کھانا گرم کر لیا تھا۔

”آ جائیں حجاب بی بی پہلے کھانا کھا لیں۔“

نہیں میں پہلے نہاؤں گی۔

میں نے کچھ اکتاہٹ آمیز انداز میں اپنے گیلے کپڑوں کو دیکھا۔

"ہائے ہائے اتنی دیر میں اور بھوکی رہوں۔ نہ بی بی مجھ سے اور بھوک برداشت نہیں ہو گی پہلے کھانا کھالیں۔" وہ اتنی بے چارگی اتنی بے صبری سے بولی کہ میں گہرا سانس بھر کے رہ گی۔ زبیدہ مما کی سرچڑھی تھی۔ یہاں ملازمہ والا سلوک تو ہوتا ہی نہیں تھا اس سے ایک طرح سے گھر کے فرد کی حیثیت تھی جس نے زبیدہ کو خاصا میرے خیال میں بدتمیز بنا دیا تھا۔

"ہاں تو تم کھالو نا۔ میں ایسے مصلیوں والے حلیے میں کچھ نہیں کھا پی سکتی۔"

"مگر میں اکیلی نہیں کھا سکتی آپ کو پتا ہے۔"

زبیدہ کے چونچلے ہی الگ تھے میں جھنجلا سی گئی۔ کچھ سمجھ نہ آیا کیا کروں۔ پھر گہرا سانس بھر کے کاندھے اُچکا دیئے۔

"چلو ٹھیک ہے پہلے کھانا کھا لیتے ہیں۔"

میں اس کے ہمراہ کچن میں آ گئی۔ کھانے کے دوران زبیدہ مجھے اسے اپنے پنڈ اور بے بے کی مزے دار باتیں سناتی رہی"

"آپ تھوڑی دیر بیٹھیں میں چنگی سی چا بنا کے لاتی ہوں۔"

زبیدہ میری سنے بغیر برتن اُٹھائے کچن میں بھاگ گئی۔ میں نے گہرا سانس کھینچ کر اپنے کپڑوں کو دیکھا شرٹ کا دامن اور شلوار کے پائنچے ابھی بھی گیلے تھے۔ دوپٹہ برآمدے کے پلر سے ہی بندھا ہوا چھوڑ آئی تھی۔ خیال آنے پر اُٹھ کر باہر آئی۔ ابھی دوپٹے کی گرہ کھول رہی تھی جب گیٹ پر گاڑی کی پہلے ہیڈ لائٹیں چمکیں پھر ہارن تسلسل سے بجنے لگا۔ چوکیدار بابا اپنی چادر سنبھالے کسی کونے سے نکلا اور لپک کر گیٹ وا کر دیا۔ میں دوپٹہ کاندھوں پر ڈالتی ہوئی پلٹی تو گاڑی کی تیز روشنیوں میں آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔

"حجاب یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ تمہارے پاس کوئی ڈھنگ کا لباس نہیں تھا؟"

ابھی میں سنبھل کر آنکھوں سے ہاتھ ہٹا بھی نہیں پائی تھی جب بڑے بھیا کی سرد سی آواز کسی قدر جھنجلاہٹ بھرے انداز میں میرے کانوں میں اُتری۔ میں بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹی تو پہلی مرتبہ نگاہ بھیا اور فیضی بھائی کے ساتھ کھڑے اس دراز قد قطعی انجان شخص پر پڑی تھی۔ تب مجھے بھیا کی جھلاہٹ کی وجہ سمجھ میں آئی تھی۔ اجنبی مہمان کے سامنے میں کچھ اور خفیف ہو گئی جبھی کچھ کہے بغیر تیز قدموں سے پلٹ کر اندرونی حصے کی جانب بڑھتی چلی گئی۔ ابھی میں اندر آ کر صوفے سے اپنا سیل فون اور کتابیں اُٹھا رہی تھی جب بھیا اجنبی شخص کے ہمراہ وہیں چلے آئے۔ ایک بار پھر اس ہونے والے سامنے نے مجھے شرمندگی کے ساتھ ساتھ بے زاری سے بھی دوچار کر دیا تھا۔

بھیا کو جانے کیا ہو گیا تھا ایک غیر آدمی کو ڈرائنگ روم تک محدود کرنے کی بجائے گھر کے اندر گھسا

لائے تھے۔ میں کچھ تلملا کر باہر جانے کو لپکی مگر اس چٹانی وجود کو دروازے میں ایستادہ اور پوری طرح اپنی سمت متوجہ پا کے کچھ گڑبڑا سی گئی۔

"حجاب زبیدہ کہاں ہے اسے کہو چائے بنائے۔"

فیضی بھیا کا لہجہ ہمیشہ کی طرح نرم اور متوازن تھا۔ مجھے کچھ ڈھارس ہوئی میں نے کچھ تشکر سے انہیں دیکھا مگر نگاہ جیسے ان کے مقابل کھڑے دراز قامت مہمان سے جا ملی۔

اُف کیسی نگاہیں تھیں لپکتی ہوئی آر پار ہوتی ہوئیں۔ مجھے لگا میرے پورے وجود میں کوئی سنسنی کی رو دوڑ گئی ہے۔

"آؤ نا داؤد بیٹھو۔"

میں کترا کر نکل رہی تھی جب بڑے بھیا کی آواز میری سماعت میں اُتری اور مجھے ساکن و سامت کر گئی۔

"داؤد۔ یعنی ابوداؤد! کیا یہ وہی ہیں؟"

میرا دل پوری شدتوں سے دھڑکا اور بے اوسان ہو کر دھڑکتا چلا گیا۔

"مائی گڈنیس! تو بھیا کی ناراضگی کی یہ وجہ تھی۔ یقیناً مجھے ماسیوں والے اس حلیے میں دیکھ کر انہیں اپنے دوست کے سامنے شرمندگی اُٹھانا پڑی ہے۔"

مجھے بے تحاشا ندامت نے آن لیا۔

"کیا سوچ رہے ہوں گے؟"

انہی سوچوں میں گھری میں کچن تک آئی تھی۔ جہاں زبیدہ پہلے سے موجود پوری ترنگ میں گنگناتے ہوئے چائے بنانے میں مگن تھی۔

"زبیدہ چائے کے ساتھ اہتمام کر لینا۔"

ہاں جی پتا ہے مجھے پروہنے آئے ہیں۔ خاص پروہنے لگتے ہیں۔ اونچے لمبے بے حد سوہنے"

وہ داؤد کی تعریفوں میں طلب اللسان تھی۔ میں کوئی جواب دیئے بنا ٹرالی میں مختلف چیزیں رکھنے لگی۔ بسکٹس، نمکو، کیک اور دیگر بیکری کی چیزیں پلیٹوں میں نکالنے میں نے زبیدہ کو کباب تلنے کی بھی تاکید کی تھی۔ چائے دم پر تھی میں برتن نکالنے لگی۔ اس کام سے فراغت کے بعد میں نے چائے چھان کر ٹی پارٹ میں ڈالی تھی۔ تب تک زبیدہ نہایت پھرتی سے کباب فرائی کرنا شروع کر چکی تھی۔

"انہیں پلیٹ میں نکال کر ٹرالی ٹی وی لاؤنج میں لے جانا۔"

میں نے رسانیت سے کہا اور خود کچن سے نکل آئی۔ اپنے کمرے کی سمت جا رہی تھی جب اسی سمت سے موسیٰ بھائی نے آ کر میرا راستہ روک لیا۔ کچھ دیر آنکھیں پھاڑ کر مجھے گھورا پھر ہنسنے لگا۔

"یہ تم ہو، میں سمجھا زبیدہ ہے۔"

"شٹ اَپ!" میں ضبط کھو کر حلق کے بل چیخی۔

سبکی، توہین اور غصہ پہلے ہی مجھے بے حال کر رہا تھا یہ مزید توہین میں تو جیسے جھلس کر رہ گئی تھی۔
تمہیں ضرورت کیا تھی گھر کی صفائی کرنے کی؟ نوکرانیوں والا حلیہ بنا کر بیٹھی ہوئی ہو تو دوسروں پر تو مت برسو۔ مجھے تو یہ فکر ستا رہی ہے کہ داؤد بھائی نے بھی تمہیں اسی اسپیشل حلیئے میں دیکھا ہے۔ اب بھلے وہ ساری عمر تمہیں بیوی کی بجائے ملازمہ سمجھتے رہیں۔ وہ انگریزی کا ایک مقولہ ہے نا فرسٹ امپریشن از دی لاسٹ امپریشن۔"
وہ ہنس رہا تھا مگر میری آنسوؤں سے بھری آنکھیں بے ساختہ چھلک گئی تھیں۔
"بڑے بھیا کا موڈ بے حد خراب ہے۔ تم نے جو رونا دھونا مچایا ہوا تھا جبھی بھیا داؤد بھائی کو لائے تھے کہ تم انہیں دیکھ لو ان سے مل لو مگر تم......"
میری سسکیاں ہچکیوں میں ڈھلنے لگیں میں نے رُخ پھیر لیا تھا۔
"غلطی بھیا کی ہے۔ انہیں کم از کم فون کرنا چاہیے تھا تا کہ تم ذہنی طور پر تیار ہوتیں۔"
مجھے ہنوز روتے پا کے وہ جیسے ترس کھا کر بولا۔ میں تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔
"اچھا چھوڑو سب کچھ ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہن لو۔"
"کیوں؟؟"
"ہو سکتا ہے بھیا تمہیں بلوا لیں۔"
میری دھاڑ نظر انداز کرتے وہ رسانیت سے بولا مگر میں نے مکھی اڑانے والے انداز میں سر جھٹک دیا۔
"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے سنگھار کرنے کی۔ میں جیسی ہوں ویسی ہی نظر آنا چاہتی ہوں۔" میری جھنجھلاہٹ بتدریج بڑھ رہی تھی۔ بنا غور کیے بولی تو موسیٰ کا چھت پھاڑ قہقہہ مجھے کچھ اور مشتعل کر گیا۔
"تو تم حقیقت میں ایسی ہو داؤد بھائی تو کیا مجھے خود آج ہی حقیقت پتا چلی تمہاری" اس کا دل جلانے والا انداز مجھے دانت کچکچانے پر مجبور کر گیا۔
"بھائی آپ چلے جائیں یہاں سے ورنہ میں آپ کا سر پھاڑ دوں گی قسم سے۔"
مٹھیاں بھینچے میں ہذیانی انداز میں چلائی تو موسیٰ خائف ہوتا اُٹھ کھڑا ہوا۔
"او کے جاتا ہوں۔ مگر میری بات پر غور ضرور کرنا۔"
وہ جاتے جاتے پھر چلایا تھا میں نے تھکے ہوئے انداز میں سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ جو کچھ ہوا وہ واقعی غلط تھا مگر مجھے کچھ خاص فکر نہیں تھی۔ تقریباً آدھ پون گھنٹے بعد میں نے پورچ کی طرف سے آتی آوازوں کو سنا تو تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر تیزی سے اُٹھ کر آگے بڑھی براؤن گلاس ونڈو کے پار چاروں بھائیوں کے ہمراہ وائیٹ کلف شدہ دراز شلوار کرتے میں اپنے نمایاں ہوتے قد اور بے حد کروفر اور شان استقامت سمیت کھڑے وہ گاڑی کا دروازہ کھول رہے تھے۔ مجھے وہ بڑے بھیا اور زبیدہ کی گئی تعریفوں سے کہیں بڑھ کر ڈیشنگ محسوس ہوئے تھے۔ بڑے بھیا کی کسی بات پر ایک بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے ان کی نگاہ لمحہ بھر کو میرے کمرے کی کھڑکی کی جانب اُٹھی تھی۔ مجھے اتنے فاصلے کے باوجود بھی ان کی نگاہ کی وہ لپک اور بے باکی محسوس

ہولی تھی جانے کیوں میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں سٹپٹا کر سرعت سے پیچھے ہٹی اور پردہ برابر کر دیا۔ اگر وہ جان لیتے کہ میں ہی کھڑکی میں کھڑی ہوں تو یہ بہت فضول بات ہوتی۔ اور یہ مجھے بہر حال گوارا نہیں تھا۔

☆☆

اگلے کچھ دن میں بڑے بھیا سے کچھ خائف رہی کہ وہ مجھے اس لاپرواہی اور کوتاہی پر ڈانٹیں گے مگر جب ایسا کچھ نہیں ہوا تو میں ریلیکس ہو گئی۔ انہی دنوں گھر میں میری منگنی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں۔ اور میں پڑھائی میں مگن بظاہر ہر شے سے لاتعلقی کا اظہار کر رہی تھی۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ داؤد کو دیکھنے کے بعد میری ساری یاسیت اور بے دلی کہیں غائب ہو گئی تھی۔ آج کل ویسے بھی مجھے اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ابو داؤد جیسا ویل ایجوکیٹڈ ویل ڈریسڈ بندہ جو اپنی وجاہتوں اور خوبروئی کی بدولت ہر جگہ چھا جاتا تھا۔ میرا طلبگار تھا ابھی کل ہی تو مما عیسیٰ بھائی سے بات کر رہی تھیں۔ عیسیٰ کو ابو داؤد اور میری عمروں کے فرق پر تھوڑا سا اعتراض تھا۔ اسی اعتراض کو وجہ بناتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔
"حجاب ابھی بہت چھوٹی ہے مما آپ لوگوں نے میرے خیال میں بہت عجلت میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ مما لوگ منگنی کے بعد شادی پر زور ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔"
"بیٹے ہم نے بات کر لی ہے شادی حجاب کی تعلیم مکمل ہونے پر ہی ہو گی۔ عمروں کا اتنا فرق اتنا اہم نہیں ہے لڑکی اگر لڑکے کی ہم عمر ہو تو جلدی بڑی بھی لگنے لگتی ہے۔ چھوٹی عمر کی لڑکی شادی کے بعد بچوں میں پڑ کے بھی بہت عرصے تک جوان نظر آتی ہے اور جوڑی بھی آنکھوں کو بھلی لگتی ہے۔" مما کی اپنی منطق تھی۔
"عمروں کا اتنا فرق عموماً ذہنی تفاوت کا بھی باعث بنتا ہے۔ داؤد بھائی میچور ہیں جبکہ حجاب کی ساری حرکتیں ابھی بچوں والی ہیں۔"
"آپ غلط نہیں کہتے بیٹے مگر پہلی بات تو یہ ابھی شادی میں ٹائم ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ لڑکیاں شادی کے بعد چاہیے کتنی ہی کم عمر میں ہوں بہت جلدی سوجھ بوجھ والی ہو جایا کرتی ہیں۔" مما کے لہجے میں رسان اور دانائی تھی۔ فیضی بھائی پتا نہیں کس حد تک قائل ہوئے البتہ انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ جبکہ مجھے لگا تھا جیسے میری اٹکی ہوئی سانسیں بحال ہو گئی ہوں۔ دیکھا جائے تو یہ بات حیرانی کی تھی۔ عجیب معاملہ ہوا کرتا ہے یہ دلوں کا بھی لمحوں میں کایا پلٹ جاتی ہے۔ میں خود بھی حیران تھی کوئی اتنا زور آور بھی ہو سکتا ہے کہ محض ایک بار سامنے آئے اور پورے وجود پر اپنی حکمرانی قائم کر لے۔ ابو داؤد کی شخصیت میں ایسی ہی سحر انگیزی تھی مجھے لگا تھا مجھ پر ابو داؤد کی شخصیت کا جادو چل گیا تھا۔ یہ بہت واضح ہار تھی مگر کسی جیت کے دلنشین احساس کے ہمراہ۔
"بیٹے ہر معاملے میں ایسا نہیں ہوا کرتا۔ زندہ مثال تمہارے سامنے میری اور تمہارے پپا کی ہے۔ تمہارے پپا مجھ سے پورے پندرہ سال بڑے ہیں اور ہماری انڈر اسٹینڈنگ کی ہر جگہ مثالیں دی جاتی ہیں۔ پھر زین تو عون کی عمر کی تھی نا۔ کیا ہوا۔ علیحدہ ہو گئے دونوں۔"
مما شاید ابھی تک بھائی کو قائل کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ ان کی دونوں مثالیں ایسی تھیں کہ فیضی

بھائی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہے۔ جانے وہ کیا سوچ کر متفکر تھے کہ مما نے ان کی تسلی کی خاطر وہ انکشاف کیا تھا جسے سن کر میں گنگ ہونے لگی تھی۔

''ابو داؤد حجاب کا پچھلے آٹھ دس مہینوں سے چاہت مند ہے۔ بہت چاہ اور محبت سے اس نے ہمارے سامنے یہ خواہش رکھی ہے۔ ہمیں اور کیا چاہیے۔؟''

میں اس انکشاف کے بعد وہاں مزید نہیں ٹھہر سکی۔ یہ خیال ہی کتنا تاثر انگیز تھا کہ میں کسی کے لیے صرف خاص نہیں بہت خاص ہوں۔

☆☆

پھر بیچ کے دن بہت تیزی سے گزر گئے۔ تیاریاں بہت بھرپور تھیں۔ پپا کے ساتھ بھائی بھی کسی قسم کی کمی نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔ میرے لیے جو تقریب کا جوڑا منتخب ہوا تھا وہ پیازی کلر کا تھا۔ جس کی تراش خراش اور کام نگاہوں کو بے حد بھلا محسوس ہو رہا تھا۔ منگنی کی تقریب رات کی تھی۔ ساری ارینج منٹ لان میں کی گئی تھی۔ جس وقت موسیٰ بھائی مجھے پارلر سے واپس لے کر آئے تقریب کی رونقیں عروج پر جا پہنچی تھیں۔ برقی قمقموں سے سجے لان کے درخت اور ریڈ کارپٹ سے سجا اسٹیج تک جاتا ہوا راستہ پھولوں سے آراستہ تھا۔ میرے گاڑی سے باہر نکلنے تک مووی میکرا اپنے کیمرے سنبھالے لپک کر آئے اور یکا یک میں روشنیوں کی یلغار میں گھر گئی۔ میں جو پہلے ہی نروس تھی حد درجہ کنفیوزڈ ہو کر رہ گئی۔

''بھائی پلیز منع کریں انہیں۔''

میں موسیٰ بھائی کے آگے منمنائی مگر انہوں نے شاید اتنے شور میں میری آواز سنی بھی نہیں تھی۔ ابو داؤد کی بہنوں نے اس موقع پر مجھے اپنے حصار میں لے لیا اور دائیں بائیں سے سہارا دیئے اسٹیج کی جانب لے آئیں۔ مما کی غیر موجودگی کے باعث ہی مجھے اعتماد بحال کرنے میں خاصی دشواری محسوس ہوئی ابوداؤد کی فیملی ہنوز مجھے گھیرے ہوئے تھی۔

''بہن جی اجازت ہے۔ ابوداؤد کو رسم کے لیے اسٹیج پر بلائیں؟''

یہ آواز میرے دائیں پہلو سے اُٹھی تھی اور ابوداؤد کی والدہ کی تھی۔ میرا دل ایک دم بے تحاشا دھڑک اُٹھا۔ اس کا مطلب تھا ابوداؤد بھی منگنی کی تقریب میں بہ نفس نفیس موجود تھے۔ میں نے کچھ متحیر انداز میں نگاہ اُٹھائی تھی۔ بلیک ٹو پیس میں ملبوس اسٹیج کے بالکل سامنے کھڑے ابوداؤد سے جا ملی۔ ہونٹوں کے درمیان سگریٹ دبائے گہرا کش لیتے ہوئے وہ پہلے سے میری سمت ہی موجود تھے۔ وہی جاندار بھرپور روح کھینچ لینے والی نظریں جو مجھے جانے کیوں مضطرب کر دیا کرتی تھیں۔ ان کی شخصیت کے بالکل برعکس تھا ان کے دیکھنے کا انداز، میرا دل میری روح اس پل بھی گویا اُتھل پتھل ہو کے رہ گئی۔ پورے وجود میں جیسے کوئی سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ پلکیں بے ساختہ لرز کر جھک گئیں۔ میرے اِردگرد ابوداؤد کے ہی رشتہ دار تھے شوخ ہنسی کی جھنکار چلبلے فقرے اور معنی خیز سرگوشیاں میرا دل ڈانواں ڈول کر رہی تھیں۔ تبھی ابوداؤد اسٹیج پر چلے آئے اور میرے پہلو میں بیٹھی کسی اپنی کزن کو اُٹھا کر نہایت استحقاق بھرے

انداز میں خود براجمان ہو گئے۔ ان کا اس درجہ قرب اور قرب کی آنچ دیتی ہوئی خوشبو میرے حواس معطل کرنے لگی۔

''داؤد کم آن رسم شروع کرو نا کیوں اتنی نازک سی لڑکی کو پریشان کر رہے ہو؟

یہ کسی لڑکی کی آواز تھی جس میں شوخی کا رنگ گھلا ہوا تھا۔ میں جو بنا پلکیں اٹھائے بھی داؤد کی پرتپش گہری اور اندر تک سرائیت کر جانے والی نظروں سے بے تحاشا پریشان ہو رہی تھی کچھ اور بھی پزل ہو کر رہ گئی۔

''اجازت ہے؟''

ان کی بھاری آواز کی گھمبیرتا میرے آس پاس بکھری جانے کسے مخاطب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد چند لمحوں کے توقف سے انہوں نے ہاتھ بڑھا کر میرا کپکپاتا سرد ہاتھ اپنے پرحدت مضبوط ہاتھ میں لے لیا۔ اس لمس نے جیسے کوئی تیز برقی رو میرے وجود میں بھر دی تھی۔ میں ذرا سا کسمائی تھی اور فطری حجاب میں گھرتے اپنا ہاتھ واپس کھینچنا چاہا مگر مقابل کی گرفت از حد مضبوط تھی بھرپور استحقاق سے بھری ہوئی۔ میری دھڑکنیں انتشار کا شکار ہونے لگیں۔ بہت سارے شوخ اور ذو معنی فقروں کی بوچھاڑ میں انہوں نے مجھے رِنگ پہنائی تھی۔ میری رنگت تمتمائی ہوئی تھی اور چہرا جیسے بھاپ چھوڑ رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں کسی غیر مرد کے اس قدر نزدیک تھی۔ وہ بھی ایسے رشتے کے احساس سمیت مجھ سے اپنا آپ سنبھالا ہی نہ جا رہا تھا۔ گھبراہٹ واضطراب ایسا کہ یوں لگنے لگا اگر مزید چند لمحے ایسی ہی صورتحال سے دوچار رہی تو بے ہوش ہو جاؤں گی۔

''اماں آپ جایئے بات کریں عون سے۔''

داؤد نے میرا ہاتھ چھوڑے بنا کہا تھا ان کی مخاطب یقیناً ان کی والدہ تھیں۔

''بیٹے تم خود بات کرتے۔''

آنٹی کی آواز میں کچھ گھبراہٹ اور ہچکچاہٹ تھی۔

''نہیں آپ کہیں جا کر اس سے۔ ویسے میں نے داؤد سے بھی کہا ہے وہ نیچے ہے وہ بھی بات کرے گا۔'' داؤد کا لہجہ عجیب تھا حاکمانہ دھونس بھرا سا۔ مجھے عجیب سا لگا میں ابھی اسی پوائنٹ پر غور کر رہی تھی۔ جب ایک نسوانی آواز نے مجھے سوچوں کے بھنور سے کھینچ لیا تھا۔

''بہت خوبصورت انتخاب ابوداؤد۔ اب سمجھی ہوں تمہارے ہر خوبصورت وجود کو ٹھکرانے اور شادی لیٹ کرنے کی وجہ، تم تو اپنی سوہنی کے جوان ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نوخیز کلی کے سامنے ہماری جیسیوں کی دال کیا گلنی تھی۔''

آواز میں تلخی و ناگواری کے ساتھ ساتھ رشک وحسد کی بھی آمیزش تھی میں نہ چاہتے ہوئی بھی متوجہ ہوئی تھی۔

ڈیپ ریڈ بے حد اسٹائلش سلیولیس شرٹ اور شلوار میں ملبوس دوپٹے سے بے نیاز وہ کسی حد تک بے باک نظر آتی تھی۔ اس کی جلد کرسٹل کی طرح چمکدار اور بے داغ تھی۔ بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی۔ جواباً ابوداؤد نے بھرپور انداز میں قہقہہ لگایا۔

"سمجھ دار ہو میرے خیال میں وضاحت کی ضرورت نہیں۔"

یو آر وری لکی سویٹ گرل! یہ شخص کسی کے لیے بہت خاص تھا اور بھرپور دعاؤں کے باوجود نہیں ملا اور تم......"

"علینہ ضروری نہیں کہ تم اپنی بے مائیگی کا اشتہار ہر جگہ لگاتی پھرو۔ چلو آؤ۔"

یہ ایک دوسری لڑکی تھی جو حلیے میں علینہ جیسی ہی تھی مگر اس کا انداز کچھ تناؤ اور تلخی بھرا تھا وہ ایک لمحے کے اندر علینہ کو ہاتھ سے پکڑ کر گھسیٹتی اسٹیج سے اُتار لے گئی۔ میں حق دق ششدر سی بیٹھی تھی ابوداؤد کی کھنکھار پر قدرے سٹپٹائی۔

"آپ کے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں حجاب!"

میرا ہاتھ ایک بار پھر ان کی گرفت میں چلا گیا اور میری بدحواسی میں اضافہ ہونے لگا۔

"آپ کو اس روپ میں دیکھ کر دل بے ایمان ہو چلا ہے حجاب! جبھی منگنی کی بجائے نکاح کرنا چاہ رہا ہوں۔" "جی!......!" میرے سر پر جیسے آسمان آن گرا۔ سراسیمگی کی انتہا کو چھوتے میں نے انہیں دیکھا مگر ان کی شرارت پر مائل شوخ نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے مجھے سر جھکانا پڑا تھا۔ مگر جو بم انہوں نے میرے اعصاب پر پھوڑا تھا وہ اتنی جلدی مجھے سنبھلنے نہیں دے سکتا تھا۔

"حجاب میں نے بہت انتظار کیا ہے تمہارا اب میں تم سے اور دور نہیں رہ سکتا۔ آج ہر صورت تمہیں پانا چاہتا ہوں۔ ورنہ شاید کچھ بھی ٹھیک نہ رہے۔"

وہ بے حد جذباتی ہو رہے تھے۔ جذبوں سے بوجھل گھمبیر آواز میں جو ارادے انہوں نے ظاہر کیے تھے مجھے چکرا کے رکھ گئے۔ میں نے ہوائیاں اڑاتے چہرے کے ساتھ غیر یقین نظروں سے انہیں دیکھا۔

"پلیز......!!!"

میں جیسے ایک دم روہانسی ہوگئی۔

"میرا تو کوئی قصور نہیں یہ آپ کے ہوش ربا حسن کی کرشمہ سازی ہے بھگتنا تو پڑے گا۔"

ان پر جیسے مطلق اثر نہیں تھا۔ اسی بے نیازی اور ہٹیلے انداز نے میرا دل گہرائیوں میں ڈبو دیا تھا۔

اس قسم کی سچویشن کے متعلق تو میں نے گمان تک بھی نہیں کیا تھا۔ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ میں نے اضطراب کے عالم میں پہلو بدلا۔ داؤد کی والدہ اور بھائی مما پاپا اور بھائیوں کو الگ تھلگ لیے کھڑے تھے۔ پاپا کے چہرے پر تردد جبکہ بھائی کچھ تناؤ میں لگ رہے تھے۔ میرا دل ڈوبنے لگا جانے کیا ہونے والا تھا معاً ابوداؤد میرے پہلو سے اُٹھ کر وہیں چلے گئے۔ کچھ دیر تک مزید بات ہوئی تھی میں متفکر انداز میں گاہے بگاہے اس سمت دیکھتی رہی۔ معاً میں نے بڑے بھیا کو اسٹیج کی سمت آتے دیکھا۔ ان کا چہرا سپاٹ تھا۔ میں نے جلدی سے نظریں جھکا لیں اور گود میں رکھے حنائی ہاتھوں کو اضطراری انداز میں باہم جکڑ لیا۔

"حجاب اُٹھو گڑیا اپنے کمرے میں جاؤ۔"

بڑے بھیا کا لہجہ بھی ان کے چہرے کی طرح سرد اور سپاٹ تھا۔ میری دھڑکنیں چیخنے لگیں۔ مہمان خواتین میں سے بڑے بھیا کے اشارے پر دو لڑکیاں اُٹھ کر میری جانب آئیں اور مجھے سہارا دے کر اسٹیج سے اتار لائیں۔ اپنا شرارہ سنبھالتے اچانک میری نظر اُٹھی تھی۔ یقیناً یہ ابوداؤد کی مسلسل نظروں کا ارتکاز تھا کہ میں متوجہ ہوئی تھی۔ دلچسپی سمیٹے مسکراتی شوخ نگاہوں کا سامنا میرے لیے خاصا دشوار مرحلہ تھا۔

"جلدی نہیں سونا میں کال کروں گا تمہیں۔"

پاس سے گزرتے ہوئے انہوں نے سرگوشی کی تھی۔ میرا دل یکبارگی اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میرے یوں خوفزدہ ہو جانے پر دونوں لڑکیاں ایک دم سے کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"وری انوسینٹ سو پریٹی گرل!"

میں خفت سے سرخ چہرا لیے اپنے کمرے میں آئی اور دھڑ دھڑاتے دل کے ساتھ بستر پر ڈھے گئی۔ اُف کیا سوچتی ہوں گی وہ دونوں؟ اور داؤد اُف کس قدر بے باک ہیں ہر معاملے میں۔ میں نے گھبراہٹ دبائی تھی اور کپڑے بدلنے کے خیال سے اُٹھ گئی۔

☆☆

"حجاب بی بی آپ کا فون ہے جی!"

میں پوری توجہ سے کل ہونے والے ٹیسٹ کی تیاری میں مصروف تھی جب زبیدہ نے آ کر بہت خاص قسم کے انداز میں راز داری سے اطلاع دی تو میرے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔ دھیان فوری ابوداؤد کی سمت گیا تھا۔ اپنی کہی بات اس رات انہوں نے پوری کی تھی۔ رات ایک بجے کے بعد میرے سیل پر ان کی کال آتی رہی تھی۔ میں جو شعوری لاشعوری طور پر ان کی کال کی منتظر تھی کچھ اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ کمبل میں گھس کر سوتی بن گئی۔ سیل فون کو میں نے سائلنٹ پر کر دیا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وقفے وقفے سے فون کی لائٹ بلینک کرتی رہی تھی لیکن میں نے اگنور کیے رکھا۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا فون پر منگیتروں سے باتیں کرنے والی لڑکیاں آج سے قبل مجھے زہر لگا کرتی تھیں پھر میں خود اس ڈگر پر بھلا کیسے چل پڑتی۔

"کون ہے؟ میرا مطلب کس کا فون ہے؟"

"پتا نہیں جی آپ کو بلانے کو کہا ہے۔"

میرے سوال کے جواب میں زبیدہ نے ازلی کام چوری سے جواب دیا وہ پھسکڑا مار کر قالین پر بیٹھ گئی تھی اب اُٹھنے میں تامل سے کام لے رہی تھی۔

"جاؤ پوچھ کے آؤ کون ہے؟"

میں نے غصے میں ڈپٹ کر کہا اور خود پھر سے کتاب کی سمت متوجہ ہو گئی؟ زبیدہ کے بُرے بُرے منہ بنانے کا خاص نوٹس نہ لیا یہ اس کی عادت تھی۔ ابھی میں کتاب کی سمت متوجہ ہوئی ہی تھی کہ وہ پھر سے آن دھمکی۔

"وہ جی آپ کی سہیلی کا فون ہے۔"

کون سی سہیلی؟

اس کی بتیسی نکلتے دیکھ کر میں اُٹھتے اُٹھتے ٹھٹکی تو زبیدہ نے تیکھے چتونوں سے جواب دیا تھا۔

”جی اب مجھے یہ تو خیال نہیں رہا کہ نام بھی پوچھ لوں۔ ویسے آپ کی کوئی نہ کوئی سہیلی تو ہوگی نا۔ بات کر کے دیکھ لو پتا چل ہی جائے گا۔“

اس کے لٹھ مار انداز میں ہلکی سی طنز کی بھی آمیزش تھی۔ جیسے میری یہ جانچ پڑتال پسند نہ آئی ہو۔ میں کچھ سوچتی ہوئی فون اسٹینڈ تک آگئی۔ کل ہی ابھی آسیہ نے مجھ سے نوٹس مانگے تھے۔ شاید انہی کے متعلق کوئی پوائنٹ سمجھ نہ آرہا ہو۔

”ہیلو!“

ایسی ہی سوچوں میں گھرے میں نے ریسور کان سے لگایا تھا۔

”آپ بتائیے آپ کی صرف آواز سننے کے لیے ہمیں اتنا انتظار کرنا پڑے گا تو آپ تک پہنچنے کے لیے تو صدیاں درکار ہیں کچھ تو رحم کریں۔“

میں جہاں کی تہاں رہ گئی۔ اتنا دھیما گھمبیر لہجہ میرا دل پوری قوت سے اچھل کر سکڑا

”آ آپ!؟؟“ میں ہکلا کر یہی کہہ سکی۔

”جناب!!“ وہ ہنسے تھے۔ میں فق چہرا لیے کھڑی تھی۔

”مگر وہ زبیدہ کہہ رہی تھی میری دوست......“

مجھ سے کوئی بات نہیں بن رہی تھی۔

”کاش ہمیں بھی آپ کے دوست ہونے کا شرف حاصل ہوا ہوتا۔“

بڑی حسرت سے فرمایا گیا تو میں کھسیا کر رہ گئی۔ گھبراہٹ بتدریج کم ہو رہی تھی۔

”آپ نے یہی کہنے کے لیے فون کیا ہے؟“

میرا فطری اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

”یہ تو مت پوچھیں اگر فون پر ہی بتا دیا تو آپ سے خدشہ ہے آئندہ فون سننے سے پرہیز کریں گی۔“ معنی خیز شوخ لہجہ ذو معنی الفاظ، میرا دل اپنی رفتار سے بڑھ کے دھڑکنے لگا۔ اگلے کئی ثانیوں تک کچھ بولنے کے قابل نہیں ہو سکی۔

”حجاب میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔“

یہ غیر متوقع مطالبہ سن کر میں دھک سے رہ گئی۔

”ک کیوں؟“

بس جی چاہ رہا ہے۔ شاہانہ انداز میں بے نیازی تھی۔

”حجاب کیا واقعی آپ کو میری پرواہ نہیں؟ میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے بے تاب ہوں۔

وقت کاٹنا بھاری ہو گیا ہے۔ ایک ایک لمحہ گویا صدی بن کر گزرتا ہے۔ رات تو خاص طور پر ایک عذاب ہے۔“

ان کے لہجے میں چھپا اضطراب لہجے کے زیروبم کے ساتھ جیسے میری سماعتوں میں اُتر آیا۔ ایک عجیب سی ٹھنڈک میرے اندر پھیل گئی۔ اتنی چاہ، اتنی محبت، پانا کس کو بُرا لگتا ہے۔ میں جیسے خواب کی سی کیفیت میں کھڑی تھی۔

”حجاب میں تم سے ایک بار تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ اپنی بے پناہ چاہتوں کی شدتیں ظاہر کرنا چاہتا ہوں تم پر، ایک بار ملو گی نا مجھ سے۔“

ان کے لہجے میں ایک وحشت سی در آئی میرا دل سٹپٹانے لگا۔ تکلف کی دیوار انہوں نے کیسے ایک دم گرا دی تھی۔

”پلیز آپ فون بند کر دیں اب مجھے پڑھنا ہے۔“

مجھے لگا ان کی جنون خیزی کی تند لہریں مجھے بھی بہا کر لے جائیں گی یہ گھبراہٹ بے حد فطری تھی۔

بھلا آج تک میں نے کبھی کسی سے ایسی باتیں سنی تھیں۔ میرے تو اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

بہت کٹھور ہو تم حجاب، بہت بے حس! ایک بار میرے پاس آؤ میں تمہیں اپنے جیسا بے قرار کر دوں گا۔ تمہیں محبت کرنا سکھاؤں گا۔

وہ سرگوشی جیسی آواز میں کہہ رہے تھے۔ میرے ہاتھ پیر سنسنانے لگے۔ دل کی دھڑکن مجھے اپنے کانوں میں دھڑ دھڑاتی محسوس ہو رہی تھی۔ میرے چہرے نے جیسے بھاپ چھوڑنا شروع کر دی۔ مزید کچھ سننے کی تاب نہ پا کر میں نے بوکھلاہٹ میں ریسور کریڈل پر پھینک دیا۔ پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو بے تاب ہوتے دل پر ہاتھ رکھے میں پلٹی تو زبیدہ کو اپنے مقابل کھڑے پایا۔ اس کی معنی خیز نظروں نے جیسے مجھے سراپا آتش فشاں بنا دیا۔

”تم تم اب یہاں کیا گھاس چر رہی ہو؟ جب تمہیں پتا تھا کس کا فون ہے تو مجھے بتایا کیوں نہیں۔“

میں اس پر برس پڑی تھی مگر سامنے زبیدہ تھی جو مما کی شہہ پا کر اب کسی کے رعب میں نہیں آتی تھی۔

”تو جی جب آپ کو پتا چل گیا تھا تو فون بند کر دینا تھا ہم تو حکم کے غلام ہیں۔“

وہ تن فن کرتی چلی گئی۔ میں ہونٹ بھینچے اپنا غصہ ضبط کر رہی تھی۔

☆☆

رات کو میں سونے کی غرض سے کمرے میں آئی۔ تو دوپہر کا یہ واقعہ کسی حد تک پڑھائی میں کھو کر گم ہو چکا تھا۔ لائٹ آف کرنے سے پہلے میں نے عادتاً یونہی سیل فون چیک کیا تھا۔ قریباً بیس کے نزدیک مسڈ کالز تھیں سبھی کی سبھی ابوداؤد کی اس کے علاوہ کچھ میسجز تھے میں نے عجیب سے احساسات سے دوچار ہوتے پہلا میسج کھولا۔

یہ تھوڑا سا جیون
ادھورا سا موسم
یہ رنگوں کی چاہت
گلابوں کی حسرت

یہ روشن سویرے
یہ مدھم اندھیرے
کسی روز تنہا ملو تو بتائیں
خیالوں کی راہیں
چمکتی نگاہیں
ادائیں دکھانا
یہ اک سلسلہ ہے
مگر فیصلہ ہے
اگر جان جاؤ
تو احساس رکھنا
اسے راز رکھنا
کرو ایک وعدہ
بنا لو گے اپنا
ملاقات کو تم
نیا نام دو گے
کسی روز تنہا ملو تو بتائیں
ہماری محبت ہماری ادائیں

میں نے بے ساختہ ہونٹ کا زیریں کنارہ دانتوں سے بھینچ لیا۔ ابوداؤد کیا تھے۔ مجھے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ منگنی کے روز انہوں نے نکاح پر دباؤ ڈالا تھا بالکل غیر متوقع طور پر اور ماحول خراب ہوتے ہوتے رہ گیا۔ بڑے بھیا کا موڈ اگلے کئی دن تک بہت گھمبیر رہا تھا۔ ادھر ابوداؤد تھے کہ اس حد تک دیوانے ہو رہے تھے۔ میں نے یونہی پریشانی کے عالم میں اس میسج کو ڈیلیٹ کیا تھا اور اگلا میسج دیکھنے لگی۔

''حجاب اگر تم ایک رات کو ہی مجھے مستعار مل جاؤ نا تو اگلی صبح تمہارے قریب کہیں جلے ہوئے پروں کے ساتھ پایا جاؤں۔''

کیسی عجیب حسرت تھی۔ میں ایک دم گم صم سی ہو گئی۔ باقی کے تمام میسج میں نے پڑھے بغیر ڈیلیٹ کر ڈالے اس رات میں ہمیشہ کی طرح بھرپور اور مکمل نیند نہیں لے سکی۔ بار بار آنکھ کھلتی رہی ایک دو بار تو مجھے داؤد پر غصہ بھی آیا کس مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا مجھے۔ صبح میرا چہرا کچھ ستا ہوا تھا اور میں مضمحل سی نظر آتی تھی۔

''ہنی کیا بات ہے بیٹے آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

سب سے پہلے یہ سوال پپا نے مجھ سے کیا تھا۔ میں کچھ چونک سی گئی۔

''جی پپا رات دیر تک پڑھتی رہی نیند پوری نہیں ہوئی۔''

پپا کو جواب دیتے میں نے بڑے بھیا کی نگاہوں کو خود پر اُٹھتے اور ٹھہرتے محسوس کیا تھا تو ایک سرد سی لہر میرے اندر دوڑ گئی۔ میں نے دانستہ سر اُٹھانے سے گریز کیا۔ مما روٹین کے مطابق دوپہر اور رات کے کھانے کا مینیو سیٹ کر رہی تھیں اس دوران انہوں نے بیٹوں اور شوہر کے مشورے بھی لیے۔ تینوں بھائیوں نے الگ الگ فرمائش کی تھی۔ ہمارے ہاں رات کا کھانا خاص طور پر بہت اہتمام سے تیار ہوا کرتا تھا۔

''عون بیٹے آج آپ نے کچھ نہیں بتایا۔ کچھ خاص کھانے کو جی نہیں چاہ رہا؟''

مما نے پیار بھرے انداز میں بڑے بھیا کو مخاطب کیا تھا وہ کچھ چونک کر متوجہ ہوئے۔ ''نہیں۔ مما میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں۔ ہنی بھی آج کل اسٹڈی میں بزی ہے سارا بوجھ آپ پر آ گیا ہے۔''

''ارے'' مما ہنسیں تھیں۔

''بیٹا میں تمہارے کام کرتے کبھی نہیں تھکی۔ پھر بھی اگر میرا اتنا خیال ہے تو دلہن لے آؤ اپنی ہاتھ بٹا دیا کرے گی میرا اور گھر میں بھی رونق ہو جائے گی حجاب تو پرایا دھن ہے اب جانے کب وہ لوگ شادی پر زور ڈال دیں۔''

بھیا کے فراخ ماتھے پر ایک شکن نمودار ہوئی۔

فیض کی شادی کر دیں مما! مجھے یہ بات مت کہا کریں پلیز! لایا تو تھا دلہن مگر کیا ہوا تھا؟ نہ اس نے اس گھر کو اپنا گھر سمجھا تھا نہ رونق آنے دی تھی بلکہ اپنی جہالت سے رہا سہا سکون بھی برباد کر دیا تھا۔'' انہوں نے سرد لہجے میں کہا اور یکا یک کرسی دھکیل کر اُٹھے اور باہر نکلتے چلے گئے۔ مما کا چہرا ایک دم پیلا پڑ گیا۔ میں لپک کر ان کے قریب گئی تھی۔

''ریلیکس مما!''

ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ باقی سب بھی ماحول کے تناؤ کے زیر اثر تھے۔

''یہ اپنی زندگی برباد کرے گا۔ ساری لڑکیاں ایک جیسی تو نہیں ہوتیں۔'' وہ سسک کر بولی تھیں۔

''خود کو سنبھالو حاجرہ! سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

پپا نے نرمی سے حوصلہ بندھایا مگر مما کے آنسو گالوں پر چھلک آئے تھے۔

''نہیں یہ کبھی اس دکھ کے حصار سے نہیں نکلے گا محبت کی تھی اس جنم جلی سے میرے بیٹے نے مگر وہ بہت منحوس نکلی برباد کر گئی میرے بچے کو۔''

مما ایک دم ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر بلک اُٹھی تھیں۔ ماحول کی کشیدگی اور تناؤ کچھ اور بڑھ گیا۔

''حاجرا کیا ہو گیا ہے بھئی۔ ریلیکس آپ بچوں کو بھی ڈسٹرب کر رہی ہیں۔''

''میرا عون ڈسٹرب ہے کئی سالوں سے خوشی حرام کر لی اس نے خود پر میں کیسے ریلیکس ہو سکتی ہوں؟'' ان کے آنسوؤں میں شدت آتی جا رہی تھی۔

''میں سمجھاؤں گا اس کو کیوں نہیں کرے گا وہ شادی! آپ پلیز خود کو سنبھالیں۔''

پپا اُٹھ کر ان کے نزدیک آ گئے تھے اور اب کاندھے کو تھپک کر رسانیت سے کہہ رہے تھے۔ مما نے

بہت جبر کیا تھا خود پر اور آنسو پونچھ لیے مگر ان کے انداز میں بہت بے دلی اور دل گرفتگی تھی۔ میرا کالج جانے کا جی نہیں چاہ رہا تھا مگر ٹیسٹ کی وجہ سے چھٹی بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس روز میں دل پر بوجھ لیے کالج گئی تھی۔

☆☆

میری منگنی کی خبر میری فرینڈز تک بھی پہنچ چکی تھی۔ میں جیسے ہی کالج پہنچی وہ سب مجھے خونخوار نظروں سے گھورتیں میرے گرد جمع ہو گئیں۔

''اتنی بڑی اور اہم خبر چھپا گئیں ہم سے کیا سزا ہونی چاہیے تمہاری خود ہی بتاؤ؟''

طیبہ نے مجھے گھورتے ہوئے کہا تو میں بے دلی سے مسکرا دی۔

''ہم تم سے تمہارا فیانسی تو نہ چھین لیتے بے ڈھنگی لڑکی اگر منگنی میں بلا لیتیں۔''

ضویا کا غصہ سے شدید تھا۔

''اس کا منگیتر چھیننا آسان نہیں۔ محترمہ کا حسن اور دلکشی ہی وہ ہتھیار ہے جس سے مردوں کو متوجہ کیا جا سکتا ہے اور یہ ہمارے پاس نہیں ہے۔''

سونیا نے آنکھیں گھما کر کہا تو سب کھی کھی کرنے لگیں۔

''کیسے ہیں محترم ابوداؤد صاحب!''

طیبہ کے لہجے میں بے پناہ اشتیاق تھا۔

''میں کل تصویریں لے آؤں گی دیکھ لینا۔'' میں ہنوز مما اور عون بھیا کی وجہ سے ڈسٹرب تھی۔

''وہ تو بعد کی بات ہے ابھی تم تو بتاؤ نا۔ تم نے تو دیکھا ہے اسے۔''

سونیا نے میری آنکھوں میں جھانک کر شوخی سے کہا تو میں بے ساختہ نظریں چرا گئی۔

''بولو نا بتاؤ یار!'' وہ سب میرے پیچھے پڑ گئیں۔

''کہا نا کل تصویریں لادوں گی خود دیکھ لینا۔'' میں نے ایک بار پھر جان چھڑائی۔

''چلو ٹھیک ہے۔ ابھی تم ہمیں ساری تفصیل بتاؤ اور اس کے بعد ایک زبردست قسم کی ٹریٹ دینا۔''

طیبہ کے کہنے پر سب نے تائید کی میں جو ٹیسٹ کی وجہ سے کالج آئی تھی ان ضدی اور بدتمیز لڑکیوں نے مجھے کلاس روم تک بھی جانے کی اجازت نہیں دی۔ آخری دو پیریڈ بنک کر کے جب وہ مجھے کھینچ کھانچ کر قریبی ریسٹورنٹ تک لے آئیں تو میرا احتجاج قابل دید تھا۔

''اتنی ندیدی مت بنو آج میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ تم لوگوں کو اتنا مہنگا من پسند ٹھنسوا سکوں'' میں جھنجلا کر بولی تھی۔ مگر ان پر جوذرا برابر اثر ہوا ہو۔

''اٹس اوکے نو ٹینشن جناب ہم سب چندہ کر کے بل دے دیں گے مگر کل تمہیں ہمارا یہ قرض چکانا ہوگا۔''

اور میں کوئی راہ فرار نہ پا کر گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

''دیکھو ہم یونیفارم میں ہیں۔ اچھا نہیں لگتا۔ لوگ کیا سوچیں گے ہمارے متعلق۔؟''

مجھے واقعی آکورڈ لگ رہا تھا۔ طیبہ میری بات سن کر زور سے ہنسنے لگی۔

''محترمہ آپ اپنے فیانسی کے ساتھ نہیں ہیں کہ جو لوگ آپ کو ڈیٹ پر سمجھیں ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ کی نمانی سی سہیلیاں جو خود بھی تمہاری طرح کڑیاں ہی ہیں۔''

میں کچھ کھسیاسی گئی۔

کالج کے کینٹین میں میں نے انہیں آفر دی تھی جو مرضی کھا لیں مگر وہ ماننے والی کہاں تھیں۔ ان کے خیال میں جتنا بڑا کارنامہ میں نے انجام دیا تھا اسی لحاظ سے اب خرچہ بھی کرنا چاہیے تھا۔

وہ سب فراخ دلی سے اپنی اپنی پسند کے مطابق آرڈر کر رہی تھیں میں کچھ گھبرائی ہوئی سی بیٹھی تھی۔

مجھے واقعی کسی کے دیکھ لیے جانے کا خوف کھائے جا رہا تھا۔

''رنگ کیوں فق ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ چند ہزار لگیں گے تمہارے۔ جناب اطلاعاً عرض ہے۔ آپ چار کماؤ بھائیوں اور امیر کبیر والد محترم کی اولاد ہیں اب تو خیر سے بزنس ٹائیکون کی شریک حیات بننے والی ہیں۔''

ضویا کی شوخیاں عروج پر تھیں۔ میں ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔ آرڈر سرو ہو چکا تو وہ سب بھوکے ندیدوں کی طرح ٹوٹ پڑیں۔

''کھاؤ نا یار اس طرح منہ لٹکائے کیوں بیٹھی ہو؟ مجھے اتنا مالدار منگیتر ملا ہوتا نا تو میں پورا ہوٹل خرید کر اپنی دوستوں کے نام کر دیتی۔''

طیبہ نے ہنس کر کہا تو میں پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے آگے پڑی خالی پلیٹ میں پیزا کا ایک پیس کاٹ کر رکھنے لگی۔

''ایکسکیوزمی!''

یہ بھاری مگر بوجھل مردانہ آواز سن کر میں نے چونک کے سر اٹھایا۔ ایش گرے ٹو پیس سوٹ میں ملبوس ابوداؤد کی شاندار قامت بے حد نمایاں ہو رہی تھی۔ مگر ان کی اپنے پاس موجودگی نے مجھے حق دق کر ڈالا

''یا وحشت! یہ کیا ہو گیا؟''

میں سن ہوتے اعصاب کے ساتھ بس یہی سوچ کر رہ گئی۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟''

متبسم لہجہ، شوخ بے حد گہری نگاہیں، میری رہی سہی صلاحیتیں بھی بے کار کر گئیں۔

''شیور وائے ناٹ سر!''

میری بجائے یہ جواب ضویا نے دیا تھا۔ وہ سب کی سب ابوداؤد کی سمت متوجہ تھیں اور ان کی نظروں میں ابوداؤد کے لیے بے حد ستائش چھلک رہی تھی۔

''تھینکس میم!'' وہ مسکرائے اور میرے مقابل نشست سنبھال لی۔ میں ہنوز گم صم تھی۔

''اب بتایئے کون ہیں آپ؟''

ایک بار پھر ضویا نے انہیں مخاطب کیا باقی سب ہاتھ روکے ہنوز ستائشی نگاہوں سے ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا ان کے انداز سے کہ داؤد کی گرومڈ شائننگ پرسنالٹی سے مرعوب ہو چکی ہیں۔

اس سوال پر وہ مبہم سا مسکرائے پھر بھنوؤں کو خفیف میں جنبش دی تھی۔

"مگر یہ سوال تو آپ کو پہلے کرنا چاہیے تھا۔"

"اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ میں اتنا تو جان گئی ہوں آپ حجاب کے جاننے والے ہیں۔"

ضویا کا اعتماد اب کچھ اور بحال ہو گیا تھا۔ اس جواب پر ابوداؤد بے ساختہ مسکرائے پھر براہ راست مجھے دیکھا اور مسحور کن انداز میں بولے تھے۔

"بجا فرمایا میں صرف انہی کا تو جاننے بلکہ ماننے والا ہوں۔" انداز ہذیانہ تھا میں کچھ جھینپ سی گئی۔

"آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کروایا۔"

ضویا کو جیسے بے چینی ہونے لگی تھی مگر وہ اس کی جانب یکسر متوجہ نہیں تھے۔

"آئی تھینک آپ کو میرا یوں آپ کی محفل میں شریک ہونا پسند نہیں آیا۔"

وہ میری جانب نسبتاً جھک کر بولے تھے۔ سگریٹ کے ساتھ پرفیوم اور آفٹر شیو لوشن کی مہک براہ راست میرے اعصاب پر چھا گئی میں گھبرا کر ذرا پیچھے کو سرکی۔

نا...... نہیں۔ میں نے بوکھلا کر کہا۔ میری گھبراہٹ سے شاید حظ لے کر وہ ہلکا سا مسکرائے۔

"چلیں مان لیا۔ اب انہیں بتائیں میں کون ہوں آپ کا۔"

ان کی دل آویز مسکان کچھ اور گہری ہو گئی جبکہ میرا چہرا شرم کی حدت سے دہک کر رہ گیا۔

میں نے بے ساختہ گھبرا کر سر کو نفی میں جنبش دی تو انہوں نے جیسے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"چلیں میں بتا دیتا ہوں۔"

نہیں پلیز آپ جائیں یہاں سے۔ میں گھبرا کر سٹپٹا کر ملتجی ہو گئی۔

"میں یہ کہنا نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیسے گھبراہٹ میں میرے منہ سے پھسل گیا انہوں نے بے ساختہ مجھے دیکھا ان نگاہوں میں کیا تھا میری روح کانپ سی گئی۔

"بھئی یہ راز و نیاز ختم کریں آپ لوگ! کیوں ہمارے ضبط کا پیمانہ چھلکاتے ہیں؟"

ضویا کا انداز دہائی دینے والا تھا۔ ابوداؤد چونک اٹھے۔

"اوہ سوری مس! چلیں میں بتاتا ہوں میں ابوداؤد ہوں اور......"

"اور یہ کہ حجاب کے ہونے والے سب کچھ ہے نا؟" ضویا نے جھک کر ان کی بات کاٹ دی تو داؤد حیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قدرے معصومیت سے بولے تھے۔

"اوہ آپ تو مجھ سے غائبانہ متعارف ہیں مگر کیسے؟"

داہنے ہاتھ کی بند مٹھی تھوڑی کے نیچے ٹکاتے ہوئے ان کی پرتپش نگاہوں کا فسوں پھر سے میرے

گرد حصار باندھنے لگا۔

"آف کورس حجاب نے۔ یہ ٹریٹ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔"

مجھے ضویا پر جی بھر کے تاؤ آیا۔ اس نے میری پوزیشن کا خیال کیے بغیر داؤد کو یہ سب بتا دیا تھا۔ کیا سوچیں گے وہ۔ میں اتنی سطحی سوچ رکھنے والی لڑکی ہوں جو منگنی کے شوق میں بے حال ہوٹلوں میں سہیلیوں کو دعوتیں کھلاتی پھر رہی ہوں۔ خفت اور سبکی کے احساس نے مجھے گویا زمین میں دھنسا دیا میں سرخ چہرے سمیت ساکن بیٹھی رہ گئی تھی۔ بے بسی کی انتہاؤں کو چھوتے میں نے اپنی آنکھوں میں نمی کو پھیلتا محسوس کیا۔ وہ بے حد شوخ ہو رہے تھے بار بار اشعار پڑھ رہے تھے۔ مجھے آکورڈ لگا۔

"حجاب تم بھی تو کچھ لو نا سب کچھ ہم ہی ہڑپ کر رہے ہیں۔"

سمعیہ کو میرا خیال بھلے دیر سے آیا تھا مگر آ گیا تھا۔ سونیا ابوداؤد پر خاص توجہ دے رہی تھی۔ ان کی پلیٹ مختلف لوازمات سے بھرنے کے بعد مسلسل کھانے پر اصرار جاری تھا۔

"حجاب واٹ از اٹ؟ آپ رو رہی ہیں؟"

سونیا کے التفات کو اگنور کیے ابوداؤد میری جانب ہی متوجہ تھے۔ میری آنکھوں کی نمی ان سے مخفی نہیں رہی تھی۔ مگر یہ سوال مجھے انگارے کی طرح سلگا کے رکھ گیا۔

میں نے ہونٹ بھینچے اور سر کو نفی میں جنبش دی۔ ابوداؤد کچھ دیر کو بالکل چپ سے ہو گئے۔ پھر جتنی دیر ہم وہاں موجود رہے میں دل ہی دل میں ابوداؤد کے وہاں سے اُٹھ جانے کی دعا مانگتی رہی۔ مگر ہر دعا قبول نہیں ہوتی مجھے کسی کے دیکھ لینے کا خوف سرد کر رہا تھا۔ سونیا وغیرہ الگ وہاں جم گئی تھیں۔ کھانے کے بعد انہوں نے آئسکریم منگوائی تھی۔ جبکہ میری بے چینی اب اضطراب میں ڈھلنے لگی۔ خدا خدا کر کے جب وہ اُٹھی تو میں نے فوراً پرس کھول لیا۔ مگر ابوداؤد نے چند ہرے نوٹ نکال کر مجھ سے پہلے پے منٹ کر دی تھی۔ میں نے احتجاج کرنا چاہا تو انہوں نے پیسوں سمیت میرا ہاتھ اپنے فولادی ہاتھ میں جکڑ لیا۔ یہ لمس آگ بن کر میرے پورے وجود میں سرسرایا تھا۔ اپنی فرینڈز کی موجودگی میں ان کی یہ حرکت مجھے سن کر کے رکھ گئی۔

"یہ پارٹی ہماری خوشی کے اعزاز میں تھی نا حجاب! اصولاً پے منٹ مجھے ہی کرنا چاہیے ویسے بھی میرے پیسے آپ سے الگ تھوڑی ہیں۔"

اپنائیت آمیز گھمبیر لہجہ۔ وارفتگی سے بھرپور شوخ تبسم آمیز نظریں اور لوٹ لینے والا انداز۔ میں گڑبڑا کر رہ گئی۔ میرا چہرا بے تحاشا سرخ پڑنے لگا میں مزید ایک پل کو بھی ان کی جانب نہیں دیکھ سکی۔ ہاتھ چھڑانے کو مزاحمت کی تو ابوداؤد نے آہستگی و اپنائیت آمیز انداز میں نرمی سے میرا ہاتھ دبایا جیسے اس لمس کو پوری طرح محسوس کرنا چاہتے ہوں پھر آہستگی سے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اس پر ان کی پرتپش بہت کچھ کہتی ہوئی نظریں۔ میرے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ قدم رکھتی کہیں تھی پڑتا کہیں تھا۔ سونیا وغیرہ سے الگ ٹوٹ کر حیا آ رہی تھی۔

"آپ لوگ واپس کیسے جائیں گی؟"

گلاس ڈور دھکیل کر ریسٹورنٹ سے باہر آتے ہوئے ابوداؤد نے اپنے مقابل چلتی سونیا کو مخاطب کیا تھا۔ سونیا کاندھے اچکا کر لاپرواہی سے بولی۔

''اب تو کالج آف ہو گیا ہے۔ ہم لوگ پوائنٹ سے جائیں گے۔''

''یہ مناسب نہیں ہے۔ ایکچوئلی مجھے کسی کام سے جانا ہے ورنہ میں خود آپ کو ڈراپ کر دیتا۔ اینی وے میں کیب کروا دیتا ہوں۔''

رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے انہوں نے روڈ پر پہنچ کر ایک ٹیکسی کو روکا۔

''آیئے پلیز!''

ڈرائیور سے کچھ دیر بات کر کے اور ایڈوانس میں کرایہ دے کر وہ پلٹ کر سونیا وغیرہ سے مخاطب ہوئے، ان کا انداز بے حد شائستگی لیے ہوئے تھا۔ میں نے بے اختیار سکھ کا سانس بھرا اور سب نے پہلے کھلے دروازے سے اندر بیٹھنے لگی میرے انداز میں عجلت تھی مگر اس کا وقت مجھے شدید دھچکا لگا جب مجھ سے بھی زیادہ تیزی اور سرعت سے ابوداؤد نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنی جانب کھینچ لیا۔ یہ میری توقع اور سوچ کے برخلاف تھا جھی میں لڑکھڑا کر سنبھلے بنا کٹی ہوئی شاخ کی طرح ان سے جا کر ٹکرائی تھی۔ میں حواس باختہ سی ہو کر سرعت سے انہیں پیچھے ہٹانا چاہتی تھی مگر ابوداؤد نے خود مجھے نرمی سے سنبھال کر فاصلے پر کھڑا کر دیا۔

''ریلیکس ٹیک اٹ ایزی!''

میری خوف سے پھیلی پھیلی آنکھوں میں جھانک کر وہ کسی قدر رسانیت سے بولے تو مجھے ان کا لہجہ کسی قدر سرد لگا۔

''حجاب ہمارے ساتھ نہیں جائے گی کیا؟''

وہ سب اندر بیٹھ چکی تھیں تب سونیا نے کچھ اچنبھے سے استفسار کیا تھا۔ میں ماہی بے آب کی مانند مچل سی گئی مگر میرا ہاتھ ایک بار پھر ابوداؤد کے آہنی ہاتھ کی گرفت میں تھا۔

''نہیں انہیں میں خود ان کے گھر ڈراپ کر دوں گا۔''

ابوداؤد کے جواب نے مجھے بھک سے اُڑا دیا۔ میں نے بے ساختہ دہل کر انہیں دیکھا جبکہ وہ میری بجائے دور ہوتی ٹیکسی کی جانب متوجہ تھے پھر اس کے بعد کوٹ کی جیب ٹٹولتے پارکنگ میں موجود اپنی گاڑی کی جانب بڑھے تب بھی ان کا ہاتھ میری کلائی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔ میں جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ گھسٹتی ہوئی آئی تھی۔

''آپ کو میرا یہ اقدام پسند نہیں آیا تو اس کی وجہ یقیناً یہی ہے آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں۔''

وہ گاڑی کا دروازہ ان لاک کر رہے تھے۔ مجھے ان کا انداز اور لہجہ ایک بار پھر بے حد سرد محسوس ہوا۔ میں بے ساختہ گھبرا کر رہ گئی۔

''ناں نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

انہوں نے فرنٹ ڈور اوپن کر کے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اس دوران انہوں نے میری بات کے جواب پر پرکھتی نظروں سے اچھی طرح میرا جائزہ لیا تھا مجھے ان کا رویہ الجھا رہا تھا میں لرزتے دل کے ساتھ سکڑ کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اور اس وقت کو کوسنے لگی جب ان بدتمیز لڑکیوں کی وجہ سے میں اس مصیبت میں پڑ گئی تھی۔ ان کی قربت مجھے خائف کر رہی تھی۔ میرے دل کی دھڑکن خلاف معمول بہت بڑھی ہوئی تھی۔

''حجاب آپ بہت خوبصورت ہیں۔ اتنی خوبصورت کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہاں سے سراہنا شروع کروں؟''

بنا ان کی جانب دیکھے بھی میں ان کی لپکتی بے تاب نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے اندر ہی اندر ہول رہی تھی۔ اس بے باکانہ انداز پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے لگا میرے گال سلگ اُٹھے ہیں۔ معاً ان کا ہاتھ میری جانب بڑھا اور بہت ملائمت سے میرے رخسار کو چھو گیا۔ مجھے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ میں بدک کر ذرا دور ہوئی اور سراسیمگی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''یہ یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟''

ان کا ہاتھ اپنے کاندھے پر ٹھہرتا پا کر میں جیسے بپھر سی اُٹھی۔ مگر ان کی نگاہیں۔ اُف مجھے لگا میرا پورا وجود یخ بستہ ہواؤں کی زد پر آ گیا ہو۔ ان نگاہوں کی جنوں خیزی شدت اور بے لگام جذبوں کی لپک مجھے خوف کی اتھاہ میں گرا گئی۔ وہ عون بھیا کا انتخاب تھے اور عون بھیا کی فہم و فراست پر مما پپا کو بھی ڈاؤٹ نہیں تھا مگر مجھے لگا تھا کچھ غلط تھا۔ ابوداؤد کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی جس نے مجھے گنگ کر چھوڑا۔ جسے میں الفاظ میں بیان کرنے سے شاید ہمیشہ قاصر رہتی۔ ان کا ہاتھ بہت گستاخانہ انداز میں میرے کاندھے پر تھا اور آنکھیں میری آنکھوں میں گڑھی ہوئیں بے بسی کا احساس مجھے بے ساختہ رلا کے رکھ گیا۔

''ابوداؤد پلیز!''

میں بولی تو میرے لہجے میں میری ہار آنسوؤں کی نمی کی صورت در آئی تھی۔ میں نے اتنی گھبراہٹ اور سراسیمگی کے باوجود محسوس کیا ابوداؤد جیسے سنبھل سے گئے ہوں۔

''ڈر گئیں نا؟'' وہ ذرا سا ہنسے پھر ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔

''بس یہی تھی آپ کی بہادری؟''

''جی..........!!!''

میں گنگ ہونے لگی تھی۔

''رومینس کے موڈ میں تھا یار! بھول گیا تھا ابھی آپ کو چھونے، آپ کو ہاتھ لگانے کا پرمٹ حاصل نہیں کیا۔'' وہ ایک بار پھر نارمل تھے۔ ڈیش بورڈ سے سگریٹ کیس اور لائٹر اُٹھا کر انہوں نے ایک سگریٹ ہونٹوں کے درمیان رکھا اور شعلہ دکھایا پھر گہرا کش لے کر دھواں میرے اور اپنے درمیان حائل کر دیا۔ میں ساکن بیٹھی تھی۔

''کم آن حجاب! تم میری ہونے والی بیوی ہو عزت ہو میری، پھر بھلا میں تمہارے ساتھ......اوہ نو......''

وہ سر جھٹک رہے تھے۔ مجھے جانے کیا ہوا۔ میں ایک دم ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر رو دی۔

"مما کہتی ہیں۔ کسی غیر محرم کو بھی اتنا حوصلہ نہ بخشو کہ وہ تمہاری شہ پا کر تمہارے نزدیک آجائے اور اس حصار کو توڑ دے جو مذہب اور خدا نے مقرر کیا ہوا ہے۔"

میں نے آنسوؤں کے بیچ سسک کر کہا تھا۔ درحقیقت ابوداؤد کے اس رویے نے مجھے ہرٹ کیا تھا۔

"اچھا اور کیا کہتی ہیں تمہاری مما!"

انہوں نے ڈھیروں ڈھیر دھواں اپنے آگے پھیلاتے ہوئے عجیب سرد سے انداز میں پوچھا۔ میں کچھ کہے بغیر ہچکیاں لیتی آنسو پونچھتی رہی۔

"دیکھو حجاب یوں بچ کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا۔ میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں۔"

انہوں نے جیسے نرمی سے جھنجلا کر کہا تھا۔

"ہونے والے ہیں نا۔ ہوئے تو نہیں؟"

میں نے شدید ناراضی سے جتایا تو داؤد نے ٹھٹک کر مجھے دیکھا تھا اور اتنی دیر تک دیکھا تھا کہ مجھے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا میں ضرورت سے زیادہ بول چکی تھی میرا چہرا خفت سے سرخ پڑنے لگا۔

"اب چلیں نا پلیز!"

ان کی نگاہوں سے جز بز ہو کر میں گھبرا کر بولی تھی۔

"یہی تو چاہا تھا میں نے مگر عون نہیں مانا۔ وہ بہت ضدی انسان ہے۔"

وہ کسی قدر درشتی سے بولے۔ ایک بار پھر مجھے ان کا لہجہ بے حد سرد محسوس ہوا۔ وہ کچھ دیر ہونٹ بھینچے کچھ خاموش بیٹھے رہے پھر ایک دم سے میرے دونوں ہاتھ جکڑ لیے۔

"حجاب تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ تمہارا حصول میری زندگی کا مقصد ہے۔ تمہاری محبت مجھے دیوانہ کر رہی ہے میں تب تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک تمہیں اپنی طرح اپنے لیے بے قرار نہ کرلوں۔ تب تک مجھے سکون نہیں مل سکتا جب تک تمہارے لیے میری دوری روح فرسا خیال نہ بن جائے۔"

ان کے سرخ و سفید چہرے پر ایک جارحیت اور لہجے میں بلا کی خوفناکی تھی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"کیا یہ محبت تھی؟ ہرگز نہیں یہ حکمرانی تھی۔ مطلق العنانی تھی یا پھر جارحیت کا کوئی انداز"

گاڑی جھٹکے سے رکی تب میں نے چونک کر دیکھا۔ ان کا چہرا بالکل سپاٹ تھا۔

"سوری حجاب میں اس وقت ذرا جلدی میں ہوں۔ آپ خود گھر چلی جائیے۔"

ان کے چہرے کی طرح سے ان کا لہجہ بھی سپاٹ تھا۔ میں کچھ کہے بنا اپنا بیگ اور چادر سنبھالے گاڑی سے اتر گئی۔ البتہ میں نے باہر آنے سے قبل اپنا اطمینان کرلیا تھا۔ آس پاس کسی کی موجودگی کا خدشہ نہیں تھا مجھے اطمینان ہوا تھا۔

☆☆

اس کے بعد بہت سارے دن چپکے سے بیتتے چلے گئے۔ کالج میں وہ خبر بہت شدت سے گردش کر رہی تھی۔ ان کی وجاہت اور ٹھاٹ باٹ بہت دن موضوع گفتگو رہا۔ لڑکیاں باقاعدہ مجھ پر رشک کرنے میں مصروف تھیں۔ ان کے نزدیک میں دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تھی۔ جسے بیک وقت اتنا شاندار، خوبرو، دولت منداور ٹوٹ کر چاہنے والی خوبیوں سے مالا مال منگیتر ملا تھا مگر میں گم صم تھی۔ ان بیتے ہوئے دنوں میں ابوداؤد نے متعدد بار فون پر مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے یہ کوشش ناکام بنادی۔ ان کے لاتعداد میسجز میں نے ایک نگاہ ڈالے بغیر ضائع کیے تھے۔ جانے کیوں اس ملاقات نے مجھے ابوداؤد کی جانب سے کھٹکا دیا تھا۔ میں سینے میں چبھتی پھانس کو محسوس کرتی بے حد محتاط ہوگئی تھی۔ ابوداؤد بے تحاشا دولت مند تھے۔ اور دولت مند لوگ اکثر بھٹکے ہوئے اور گمراہی کے راستوں پر چلنے والے ہوتے ہیں۔ کیونکہ دولت قارون کا ورثہ ہے اور قارون بھٹکا ہوا گمراہ انسان تھا۔ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا ابوداؤد کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا تھا۔ انہی دنوں گھر میں فیضان بھائی کے رشتے کی بات چلنے لگی۔ عون بھیا کی طرف سے مایوس ہو کر مما نے پپا کے سمجھانے پر فیضی بھیا کے لیے لڑکیاں دیکھنا شروع کردی تھیں۔ اور ایک لڑکی کو پسند بھی کرلیا گیا تھا۔ اس اہم موقع پر مما ہر جگہ مجھے اپنے ساتھ ساتھ لیے پھر رہی تھیں۔ ثانیہ واقعی بہت چارمنگ تھی۔ فیضان بھائی جیسے ڈیسنٹ اور شاندار شخص کے ساتھ خوب جچتیں۔ دونوں اطراف سے بات تقریباً طے ہوگئی۔ اس روز منگنی کی فائنل ڈیٹ لینے ہم لوگ جا رہے تھے۔ میں تیار ہونے اپنے کمرے میں آئی تو اسی پل میسج ٹون بجی تھی۔

جانے کس رو میں میں نے سیل فون اٹھالیا۔ ابوداؤد کے نمبر سے ایک غزل تھی۔ میں یونہی بے خیالی میں نظریں دوڑانے لگی۔

چہرے پر میرے زلف بکھراؤ کسی دن
کیا روز گرجتے ہو برس جاؤ کسی دن
رازوں کی طرح اترو میرے دل میں کسی شب
دستک پہ میرے ہاتھ کی کھل جاؤ کسی دن
پھولوں کی طرح حسن کی بارش میں نہالوں
بادل کی طرح جھوم کے گھر آؤ کسی دن
خوشبو کی طرح گزرو میرے دل کی گلی سے
پھولوں کی طرح مجھ پہ بکھر جاؤ کسی دن
پھر ہاتھ کو خیرات ملے بند قبا کی
لطف شب وسیع کو دہراؤ کسی دن
گزریں جو میرے گھر سے تو رک جائیں ستارے۔

دوسرا حصہ

اس طرح میری رات کو چکاؤ کسی دن
میں اپنی ہر اک سانس اسی رات کو دے دوں
سر رکھ کر میرے سینے پر سو جاؤ کسی دن

☆

میں کچھ خائف کچھ سٹپٹائی ہوئی سی کھڑی تھی۔ ابوداؤد کا انتخاب تھا۔ بے باکی کا رنگ کیسے نہ چھلکتا۔ مجھے خود پر غصہ آیا۔ آخر کیا ضرورت تھی یہ میسج پڑھنے کی۔ انگلی اور انگوٹھے کی جنبش سے میں نے دوسرے لمحے اس سمیت دوسرے تمام میسجز بھی ضائع کیے تھے اور سیل فون کو لاپرواہی سے بیڈ کی سائیڈ دراز میں پھینک کر خود تیار ہونے لگی۔ میں لائٹ پر پل سوٹ کے ہمرنگ دوپٹہ سنبھالتی باہر آئی تو مما میری ہی منتظر تھیں۔ عون بھیا ان کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر تلخی اور بے زاری کا واضح رنگ تھا۔ نزدیک آنے پر مجھے پتا چلا مما ان کو ایک بار پھر شادی پر آمادہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ سبرینہ بھابھی والا قصہ ختم ہوئے بھی تین چار سال ہو چکے تھے مگر عون بھیا کے زندگی میں ابھی تک اس واقعہ کی تلخی قائم تھی۔ مما ان کو پھر سے خوش اور مگن دیکھنے کی متمنی تھیں جبھی ہر صورت ان کی شادی کی خواہاں تھیں مگر عون بھیا کسی طرح بھی پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہے تھے۔ مما فیضی بھیا کے سسرال پہنچیں تب بھی دل برداشتہ ہی تھیں۔ ثانیہ بھابھی سے ایک بار پھر سے ملنا مجھے بے حد اچھا لگا۔ منگنی کی ڈیٹ بھی طے پا گئی۔ ہم واپس گھر پہنچے تو چاروں بھائی موجود تھے۔ دروازہ فیضان بھائی نے ہی کھولا تھا۔

میں نے محسوس کیا جیسے وہ وہاں کی تفصیل جاننے کے خواہش مند ہوں۔ مجھے ہنسی آ گئی تھی۔ اس رات ہم بہت رات گئے تک جاگے تھے۔ میں ثانیہ بھابھی کی ایک ایک بات دہراتی رہی۔ مقصد فیضان بھائی کو چھیڑنا تھا۔ عون بھیا نے اس رتجگے میں ہمارا ساتھ نہیں دیا تھا۔ وہ جلدی سونے کو اُٹھ گئے تھے۔

''کیا عون بھیا آج بھی سبرینہ بھابھی سے محبت کرتے ہوں گے؟''

یہ سوال میرے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ وہ عورت اس قابل نہیں تھی کہ اس کی خاطر زندگی برباد کی جائے۔''

عیسٰی بھائی کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔ میں نے ٹھنڈا سانس کھینچا!

''یہ آپ کا خیال ہو سکتا ہے بھائی۔ ہو سکتا ہے عون بھیا بھابھی کو بھلانے میں واقعی ناکام ہوں۔''

میرے لہجے میں گہرا دکھ تھا۔ ایک جان لیوا خاموشی ہمارے بیچ حائل ہو گئی۔

''پچھلے تین سالوں سے میں نے کبھی عون کو کھل کر مسکراتے نہیں دیکھا۔ مگر جب ابوداؤد سے ملا تو اس میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ ابوداؤد کی آمد اس کی زندگی کے لیے بہار کے جھونکے کی مانند تھی۔ مگر اب وہ ایک بار پھر جیسے اسی خول میں سمٹ گیا ہے۔''

فیضان بھائی کے لہجے میں دکھ کا رنگ گہرا تھا۔ میں نے چونک کر انہیں دیکھا مگر کچھ کہنے سے گریز کیا۔ ''بھائی بہت تنہائی پسند ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یہ تنہائی زہر قاتل ثابت ہوا کرتی ہے زندہ انسانوں کے لیے میرا خیال ہے مما اور پاپا اپنے طور پر یہ کوئی پیاری سی لڑکی دیکھیں اور بھائی کی شادی کر دیں۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے ذرا جوش کا مظاہرہ کیا تو موسیٰ نے گھور کر مجھے دیکھا۔

''تم سے ایسی ہی بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ جتنی عقل ہے اسی حساب سے استعمال کرو گی نا۔ احمق لڑکی عون بھیا کسی فلم ڈرامے یا پھر کہانی کے ہیرو نہیں ہیں جو اس قسم کی چویشن میں تھوڑی سی اکڑ دکھا کر پھر نارمل ہو جائیں گے۔ اس قسم کا اقدام فریق ثانی کی زندگی پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے۔''

میں کچھ کھسیا کر رہ گئی۔ پھر اسی خجالت کو مٹانے کو ذرا جھنجلا کر بولی تھی۔

''پھر اس مسئلے کا کوئی حل بھی تو ہو نا۔ کیا عون بھیا ساری زندگی خود بھی پریشان رہیں گے اور اپنے ساتھ ہمیں اور ممی پاپا کو بھی پریشان رکھیں گے؟''

''خدا کرے۔ خدا بہتر حل نکالے گا اس مسئلے کا۔''

فیضان بھائی نے بے حد پرامید لہجے میں کہا تو میں نے دل کی گہرائیوں سے آمین کہا تھا۔

☆☆

اگلے دن میں کالج آئی تو کچھ معمول سے زیادہ سنجیدہ تھی۔ عون بھیا کی بے رنگ زندگی ڈھیرے ڈھیرے ہم سب گھر والوں کی گہری پشیمانی کا باعث بنتی جا رہی تھی۔ سونیا وغیرہ کا ارادہ آج پھر میرے ساتھ فضول کی باتیں ہانکنے کا تھا مگر میں نے ایسا کوئی موقع نہیں دیا اور ساری توجہ پڑھائی پر مرکوز رکھی۔ اس کے بعد میں لائبریری میں جا کر نوٹس بنانے لگی تھی۔ چھٹی ہوئی تو میں سونیا وغیرہ کا انتظار کیے بنا اپنا بیگ اور جرنل سنبھالے گیٹ کی جانب آ گئی۔ مگر بلیک مرسیڈیز کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑے سیل فون پر محو گفتگو ابوداؤد کو وہاں موجود پا کہ مجھے دھچکا لگا تھا۔ چند ثانیوں کو میں متحیر سی وہیں کھڑی ان کی وہاں موجودگی کی وجہ سوچتی رہی۔ وہ میری سمت متوجہ نہیں تھے۔ آف وائیٹ پینٹ کوٹ میں ملبوس آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ چڑھائے وہ اپنے ڈیل ڈول اور وجاہت کی وجہ سے سینکڑوں نگاہوں کا مرکز بن چکے تھے۔ میں نے خود کو سنبھالا اور سر جھٹک کر اپنی راہ لی۔ پہلے سے دوسرے قدم کے بعد میں تیسرا قدم نہیں اُٹھا سکی تھی۔ ابوداؤد اپنی ہر مصروفیت

ترک کیے میرا راستہ روک کر کھڑے تھے۔

"دس از ناٹ فیئر حجاب! پچھلے ایک گھنٹے سے میں یہاں آپ کا منتظر ہوں مگر آپ نے جتنی خوبی سے مجھے دیکھ کر بھی اگنور کیا اس سے میں کیا سمجھوں؟"

وہ میرے بالکل قریب آ کر بے حد شاکی پن سے بولے تھے۔ میں نے جز بز ہو کر پہلے انہیں پھر اطراف میں اپنی جانب متوجہ لڑکیوں کو دیکھا اور سخت بے چینی کی کیفیت میں ہونٹ کچلے۔ اس سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتی انہوں نے ہاتھ سے گاڑی کی سمت اشارہ کیا۔

"آیئے پلیز!"

وہ یوں بولے تھے جیسے یہ روٹین کی بات ہو۔ میں کچھ چڑ سی گئی۔

"پلیز آپ جایئے یہاں سے۔ یہ سب کچھ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔"

مجھے بے حد آکورڈ فیل ہوا تھا۔ جواباً انہوں نے مجھے کچھ دیر عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"مناسب تو وہ بھی کسی طرح نہیں کہا جا سکتا جو آپ میرے ساتھ کر رہی ہیں حجاب!"

ان کا دھیما لہجہ بھی سلگتا ہوا تھا۔ میں نے کچھ عاجز ہو کر انہیں دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں ایک آگ سی دہک رہی تھی۔ یوں جیسے وہ کسی گہرے ضبط سے دوچار ہوں۔ مجھے پھر کچھ محسوس ہوا مگر کیا یہ میں سمجھنے سے قاصر رہی۔

"آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے نا حجاب!"

ان کا لہجہ کیسا تھا۔ ٹوٹ کر بکھر جانے والے کانچ کی طرح چٹخا ہوا، میرے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا، میں نے اس پل جانا یہ شخص یوں بکھر کر بات کرتا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ وہ پہلا آدمی تھا جو میرے زندگی میں اتنے بھرپور انداز میں داخل ہوا تھا۔ جس نے مجھے تمام استحقاق سے چھوا تھا مجھے اپنی محبت کی دیوانگی کا احساس دلا کر میری اہمیت مجھ پر واضح کی تھی۔ اس شخص کی حیثیت میری زندگی میں عام نہیں تھی۔ پھر وہ فیصلہ اسی کیفیت میں ہوا تھا میں کچھ کہے بغیر ان کے ساتھ ان کی گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔

"تھینکس فار دس آنر!"

ان کی آنکھوں کی چمک اس پل کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے سگریٹ سلگا کر ہونٹوں کے بیچ رکھا پھر آہستگی و نرمی سے بولے تھے۔

"مجھے کچھ بہت اہم باتیں آپ سے کرنا تھیں۔"

میں نے جواباً کچھ نہیں کہا بس گردن موڑے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

"مجھ سے خفا ہیں؟"

سوال بے حد غیر متوقع تھا میں نے ٹھٹک کر انہیں دیکھا۔

"آپ فون پر میری آواز سننا پسند نہیں کرتیں بتائیں ساری زندگی ساتھ کیسے بسر کریں گی۔؟"

ان کی آواز میں جیسے کوئی شکوہ سا لپک رہا تھا میں گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"حجاب کیا میری بات اتنی غیر اہم ہے کہ تم اس کا جواب دینا نہیں چاہتیں؟"

گاڑی سگنل پر رکی ہوئی تھی جب انہوں نے ہاتھ بڑھا کر میرے اسکارف سے پھسل کر چہرے کے اطراف جھولتی بالوں کی لٹوں کو نرمی سے چھو کر پھر شکوہ کیا۔ میں ان کے لمس کو پا کر خائف سی پیچھے سرکی۔

"اوہ سوری میں پھر بھول گیا کہ ابھی میں سارے حقوق حاصل نہیں کر پایا۔"

میرے چہرے پر پھیلتی سرد مہری محسوس کر کے وہ پھیکے سے انداز میں ہنسے مگر میں کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔

"صاحب پھول لے لیں بیگم صاحبہ کے لیے۔"

اس صدا پر مجھ پر نگاہ جمائے بیٹھے ابو داؤد چونکے تھے۔ میں کچھ اور خفت اور خجالت سے سرخ ہونے لگی۔ ابو داؤد نے ادائیگی کرنے کے بعد گجرے میری سمت بڑھا دیئے۔

"آئی نو مجھے آپ اس جسارت کی اجازت نہیں دے سکتیں مگر انہیں قبول کر لیں پلیز!"

میری نگاہ اُٹھی تھی اور ان کی دلچسپی سے معمور پُرشوق نگاہ سے اُلجھ کر اسی پل جھک گئی۔ پھولوں کی بھینی بھینی دلفریب مہک نے گاڑی کے ساتھ ساتھ ہم دونوں کو بھی اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ میں نے کچھ کہے بغیر گجرے لے لیے تھے۔

"تھینکس اگین حجاب!"

وہ ایک دم سے کھل اُٹھے تھے۔ سگنل گرین ہوا تو گاڑی آہستگی سے رینگنے لگی۔

"پلیز حجاب انہیں پہن لیں مجھے بہت اچھا لگے گا۔"

میں گود میں ہاتھ رکھے کچھ پریشان کچھ نروس میں بیٹھی تھی ان کی اگلی فرمائش پر کچھ اور کنفیوز ہو کر رہ گئی۔ کہاں پھنس گئی تھی میں۔ میرا دل گھبرانے لگا۔

"اگر آپ کو پرابلم ہے تو میں ہیلپ کر دیتا ہوں۔"

وہ مکمل طور پر ڈرائیو کی سمت متوجہ تھے مگر اس کے باوجود جیسے توجہ کا مرکز میں ہی تھی میرا دل زور سے بے ترتیب ہو کر دھڑک اُٹھا۔

"نہیں میں گھر جا کے پہن لوں گی۔"

میں بے ربطی سی ہو کر جلدی سے بولی۔ انہوں نے جواب میں پہلے مجھے دھیان سے دیکھا پھر خفیف سا ہنکارا ابھرا تھا اس کے بعد بے حد گھمبیر لہجے میں بولے تھے۔

"لیکن وہ ستائشی نگاہیں کہاں سے لائیں گی جو اس وقت میں......"

"پپ پلیز!!"

میں بے ساختہ انہیں ٹوک گئی۔ مجھے ایک پل کو لگا میرا دل تھم جائے گا۔ کہاں دیکھے تھے میں نے یہ فدیانہ انداز ان کا رومینٹک موڈ میرے حواس چھین رہا تھا۔

''او کے او کے فائن! آپ پلیز رومت پڑنا۔''

انہوں نے جیسے میری حالت سے حظ لیتے ہوئے شرارت سے مسکرا کر کہا تھا۔ میں پہلو بدل کر رہ گئی۔ میری نگاہ کھڑکی کے باہر پیچھے کی جانب دوڑتے انجان راستوں پر پڑی تو ایک لمحے کے لیے میرا لہو رگوں میں سنسنا کر رہ گیا۔ میں نے گردن موڑ کر متوحش نظروں سے ابوداؤد کو دیکھا تھا۔

''یہ یہ آپ کدھر جا رہے ہیں؟''

''آپ کے گھر!'' ان کا جواب مختصر تھا مگر معنی خیزی سے بھرپور جو میرے سر کے اوپر سے گزر گیا۔

''لیکن یہ رستہ میرے گھر کا نہیں ہے۔'' میرے چہرے پر تغیر تھا۔ ابوداؤد کی ونڈ اسکرین پر جمی سنجیدہ نظریں میری جانب اُٹھیں۔

''میرا گھر بھی تو آپ کا گھر ہے حجاب! ہم وہیں چل رہے ہیں۔''

خود پرسکون رہ کر بھی انہوں نے مجھے پوری ہستی سمیت ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں فق چہرے کے ساتھ بیٹھی رہ گئی۔

''اچھا نہیں لگا آپ کو یہاں آنا؟''

دفعتاً گاڑی رُک گئی تھی۔ اب وہ دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر جمائے عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں ان نگاہوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی پلکیں لرزیں اور جھک گئیں۔ دل جانے کیوں بھرانے سا لگا۔ ہارن کے جواب میں آہنی گیٹ وا ہوا تھا۔ بے حد خوبصورت وسیع و عریض بنگلہ تھا۔ گاڑی ڈرائیو وے پر پھسلتی گول ستونوں والے پورٹیکو میں جا رکی جس کے گرد خوبصورت بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ یہ بہار کا موسم نہیں تھا مگر لان ملکی وغیر ملکی پھولوں سے بھرا ہوا انوکھی چھب دکھلا رہا تھا۔ گہرا سبزہ اور بے تحاشا خوبصورتی مگر اس وقت مجھے کچھ بھی اٹریکٹ نہیں کر رہا تھا۔ گاڑی کا دروازہ اوپن ہونے پر میں چونکی وہ میرے باہر آنے کے منتظر تھے۔ اب ان کی مرضی پر چلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہر سو ایک جامد سناٹا اور ویرانی تھی۔ مجھے لگا جیسے اس بڑے سے گھر میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور مکین نہیں ہے۔ ابوداؤد کی معنی خیز خاموشی مجھے اندر ہی اندر سہا رہی تھی۔

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟''

ان کے ہمراہ اندرونی حصے کی جانب بڑھتے ہوئے میں مرے مرے انداز میں بولی تھی۔ میری بات کا جواب ندارد تھا۔

''رابی آپا اماں وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہیں۔ سب لوگ کہاں ہیں؟''

وہ مجھے جس کمرے میں لائے وہ ایک پرآسائش بیڈروم تھا۔ خواب ناک ماحول دبیز پردے مخملیں صوفے۔ اور بہترین فرنیچر۔ ابوداؤد نے اندر آنے کے بعد لائیٹس آن کر دی تھیں۔ کمرے کی فضا میں کسی غیر ملکی ایئر فرشنر کی مہک رچی بسی تھی۔

''میں یہاں اکیلا رہتا ہوں۔ اماں اور رابعہ آپا وغیرہ سب گاؤں میں ہوتے ہیں۔''

اس جواب نے میرے رہے سہے اوسان بھی خطا کر ڈالے۔ میں نے ٹھٹھک کر انہیں دیکھا میرا رنگ یقیناً فق ہو گیا تھا۔

''تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔''

کوٹ اُتارنے کے بعد رسٹ واچ پر سرسری نگاہ ڈال کر انہوں نے مجھے ہنوز کھڑے دیکھتے ہوئے میرے ہوائیاں اڑاتے چہرے کی جانب ایک مسکراہٹ اچھالی اور خود پلٹ کر باہر چلے گئے۔ میں مضطرب تھی لرزتے ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم جکڑے خود کو کمپوز کرنے کی سعی کرتی رہی مگر خوف اور واہمے تھے کہ مجھے بے حال کیے جا رہے تھے۔ ابوداؤد کا مجھے اس طرح لانے کا مقصد مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں کچھ دیر یونہی ساکن بیٹھی رہی تھی پھر دبیز پردوں کو پرزور انداز میں ہلتے دیکھ کر چونک اُٹھی۔ دریچے کھلے تھے اور باہر سے طوفانی ہواؤں کے جھکڑ اندر چلے آ رہے تھے۔ میں سرعت سے اُٹھی پردے کو ہٹا کر دیکھا اور موسم کے تیور دیکھ کر کچھ گھبرا گئی۔ مغرب کی جانب سے گرد آلود بگولے بہت سرعت سے پوری فضا کو ڈھانپتے جا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے ماحول پر یہی غبار چھا گیا۔ تند جھونکے بھی بڑھنے لگے۔ میں نے اپنے چہرے پر گرد محسوس کی تو پیچھے ہٹ کر کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز بھی ابھری تھی اگلے لمحے ننھی بوندیں بھی گلاس وال پر گریں اور پھسل کر نیچے جانے لگیں۔ بارش کے باعث فضا میں موجود گرد کا طوفان تھم گیا۔ میں نے ایک بار پھر دریچے کے پٹ کھول دیئے اور مگن سے انداز میں سرسبز گھاس پر کرسٹل کے موتیوں کی طرح بکھرتی بارش کی بوندوں کو تکنے لگی۔ یہ موسم ہمیشہ سے میری کمزوری رہا تھا۔ اس وقت بھی میں یکسر بھول گئی میں کچھ دیر قبل کیسی پریشانی اور تفکر میں مبتلا تھی۔

حجاب آپ کے بال اتنے حسین اور لمبے ہوں گے مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا۔

مجھ پر چھا جانے والی سرمستی کی یہ کیفیت لمحاتی ثابت ہوئی۔ ابوداؤد کی آواز پر میں ساکن رہ گئی تھی۔ اور سرعت سے پھیل جانے والے دوپٹے کو سر پر رکھنا چاہا مگر گردن پر ان کے گرم سانسوں کی حدت محسوس کر کے میں سراسیمگی سے پلٹی تھی۔ ابوداؤد میرے اتنے نزدیک تھے کہ یہ فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ جانے کب اسکارف میرے سر سے سرک گیا تھا۔ اب میں ننگے سر ان کے سامنے حواس باختہ سی کھڑی تھی۔ ان کی آنکھوں میں ان کے لہجے میں جو خمار آلود بھاری پن تھا وہ مجھے پھر سے سراسیمگی کے حصار میں جکڑ کے رکھ گیا۔

''آ آپ کہاں چلے گئے تھے؟''

بامشکل گھبراہٹ پر قابو پا کر خود کو سنبھالتے ہوئے میں نے پوچھا تھا۔ اور جھک کر اپنا پیروں میں گرا ہوا اسکارف اُٹھانے لگی۔

''جہاں بھی گیا تھا۔ اب تو تمہارے پاس ہوں۔''

انہوں نے ایک بار پھر میرا بڑھایا ہوا فاصلہ گھٹا دیا تھا۔

''جج جی!!!'' میں ہکا سی گئی۔ ان کی بے تحاشا چمکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے یکدم خوف محسوس ہوا۔

''موسم کتنا اچھا ہو رہا ہے نا؟''

ایک نگاہ کھڑکی کے باہر طوفانی بارش اور گرجتے ہوئے بادلوں پر ڈال کر وہ عجیب سے لہجے میں بولے۔ ایک لمحے کو مجھے محسوس ہوا ان کی آواز لڑکھڑا رہی ہے۔ شاید وہ ڈرنک کر چکے تھے۔ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سرد لہر اترتی محسوس ہوئی۔ غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹتی میں دیوار کے ساتھ جا لگی۔ وہ وہیں ٹھہر گئے تھے۔ البتہ ان کی نگاہیں مجھ پر ہی فوکس تھیں اور جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا اس پل ان کی نظروں کی لپک شدت اور جنون خیزی کچھ اور بھی بڑھ گئی ہے۔

''موسم بہت خوفناک ہو رہا ہے۔ مم میرا خیال ہے مجھے گھر جانا چاہیے۔''

میں اپنے اندر کے خوف سے انہیں آگاہ نہیں کرنا چاہتی تھی جبھی کسی قدر خود کو سنبھال کر بولی مگر مجھے صاف محسوس ہوا میری آواز بھیگ چلی ہے۔

''لڑکیوں کے دل چڑیا کی طرح نازک ہوتے ہیں۔ ایسے موسم میں وہ خوفزدہ ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ میرے پاس آؤ تمہیں ڈر نہیں لگے گا۔''

ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ کیسی؟ یہ میں شاید کبھی وضاحت نہ کر پاؤں ہاں یہ ضرور تھا کہ اس مسکراہٹ نے میرے خوف کو دو چند کر دیا تھا۔

''نہیں مجھے ڈر نہیں لگتا ایسے موسم سے بھی نہیں۔''

میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر اپنی ہی بات کی شد و مد سے تردید کی۔

''ریئلی؟'' ان کے لبوں کی مسکان مجھے اپنا مضحکہ اڑاتی ہوئی محسوس ہوئی تو بے بسی کے احساس نے میری آنکھیں چھلکا دیں۔

''مجھے گھر چلنا چاہیے داؤد مما پریشان ہو رہی ہوں گی۔ کالج کب کا آف ہو چکا ہے۔ مجھے ایک بار پھر اپنے سے وابستہ رشتوں کی فکر ستانے لگی۔

''اتنی بارش میں کیسے جاؤ گی؟ ایسا کرو فون پر مما کو بتا دو تم میرے ساتھ ہو۔''

ان کی تجویز پر میں نے تڑپ کر انہیں دیکھا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں داؤد؟'' میں روہانسی ہو گی۔

کیا یہ مناسب نہیں ہے؟ وہ از حد معصومیت سے پوچھنے لگے۔ اپنی بے چارگی کے احساس نے میرا گلا آنسوؤں کی تلخی سے بھر دیا۔

''آپ مجھے واپس چھوڑ آئیں پلیز!'' میں نے رقت آمیز آواز میں بامشکل کہا تھا۔ ابوداؤد کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے۔ پھر گہرا سانس کھینچا تھا۔

''حجاب میں تمہیں تمہارا یہ گھر دکھانے لایا تھا جہاں شادی کے بعد ہمیں اکٹھے رہنا ہے۔ تمہیں شاید اچھا نہیں لگا حالانکہ اس میں آکورڈ تو کچھ بھی نہیں اینی وے چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔''

ان آخری الفاظ نے جیسے میرے تن مردہ میں جان ڈال دی۔

''چلیں پلیز!'' میں بھاگنے کے انداز میں کمرے سے نکلی۔ راہداری عبور کر کے ہم لوگ جیسے ہی لان اور پورچ سے ملحق سیڑھیوں پر آئے بارش کی شدید اور طوفانی بوچھاڑ نے لمحہ بھر میں ہمیں بھگو کے رکھ دیا۔ ماربل کے چکنے فرش پر میرا پیر پھسلا تھا مگر میں سنبھل گئی اس دوران ابوداؤد مجھے سہارا دے چکے تھے۔ اس سے قبل کہ میں یہ فاصلہ بڑھاتی۔ بادل اچانک بہت زور سے گرجے یہ کڑک اتنی زوردار اور خوفناک تھی کہ میں دہل کر اپنے بے حد نزدیک کھڑے ابوداؤد کے آہنی وجود میں پناہ لے بیٹھی۔ میرے حلق سے نکلنے والی چیخ اور کپکپاتا ہوا لرزاں وجود میرے بے تحاشا خوف کا غماز تھا مگر یہ میری فاش غلطی تھی جس کا احساس مجھے اگلے ہی لمحے بہت شدت سے ہو گیا تھا۔ ابوداؤد تو شاید پہلے سے ہی کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھے۔ ان کے فولادی بازوؤں کا ہر لمحہ تنگ ہوتا حصار محسوس کر کے میرے خوف کا رنگ بدل گیا۔ میں مزاحمت کی کوشش میں ناکام ہوئی تھی اور ان کی اس مجنونانہ گرفت میں میری ہڈیاں چٹختی اور سانس گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ لمس کسی برزخ کی طرح سے ہی میرے روم روم کو خاکستر کرتا جا رہا تھا۔ ناگواری کے ساتھ بے بسی کا شدید احساس ان کی جبری جسارتوں کے ادراک نے میرے اندر جگایا تھا۔ ایسا احساس کہ جس کے آگے بے بسی کی انتہا پہ جا کے میں بے ساختہ رو پڑی۔

''چھوڑ دیں مجھے! فار گاڈ سیک مجھے چھوڑ دیں۔''

''تم خود ہی تو کہہ رہی تھیں تمہیں ڈر نہیں لگتا۔''

میری گزارش میں جانے کیسا کرب اور بے بسی تھی کہ اگلے لمحے جیسے وہ ہوش میں آ گئے مجھے چھوڑا اور فاصلہ بڑھا کر کسی قدر خجالت سے بولے۔ میں کچھ نہیں بولی۔ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ میرا پورا جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ میں سر تا پا بھیگی ہوئی تھی وہ بھی بھیگ گئے تھے ہم ابھی تک وہیں لان اور پورچ کے درمیانی سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔ میرے چہرے پر بارش کے ساتھ ساتھ میرے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ انہوں نے میرا چہرا اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''حجاب آج ہر پابندی توڑ دینے، ہر حد سے گزر جانے کو جی چاہ رہا ہے۔ مگر میں تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ میں خود پر جبر کر رہا ہوں۔ میں تمہیں واپس چھوڑ آتا ہوں۔ بس تم یہ آنسو نہ بہاؤ۔'' ان کی سلگتی انگلیاں میرے گالوں کو خشک کرنے کی سعی کرنے لگیں۔ میں نے بجلی سی بھری اور ان کا ہاتھ ہٹا دیا۔ تقریباً دوڑتے ہوئے میں وہاں سے ہٹ کر گاڑی تک آئی تھی اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ انہوں نے خاموشی سے میری تقلید کی تھی۔ گاڑی گیٹ سے نکل کر مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ہمارے بیچ تکلیف دہ خاموشی چھائی رہی۔ بارش کے باعث سڑکوں پر ٹریفک بہت کم تھی اس کے باوجود ابوداؤد نے کسی قسم کی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرے کپڑوں سے پانی قطرہ قطرہ نچڑ رہا تھا اور گاڑی کی سیٹ گیلی ہوتی جا رہی تھی۔ مگر میں بے حس سی بنی تھی آنکھیں ابھی بھی نم تھیں۔ میرا جسم بھی شاید بھیگنے کی وجہ سے کانپنا شروع کر چکا تھا یا پھر جو مجھ پر قیامت بیتی تھی یہ اس کے اثرات تھے۔

''ابھی شام کے تین بجے ہیں۔عون تو گھر نہیں آیا ہوگا۔آپ کہیں تو میں آپ کے ساتھ اندر چلوں؟''

مجھے ابوداؤد کی آواز نے چونکایا تھا۔میں نے بے ساختہ گھبرا کر انہیں دیکھا۔گاڑی رکی ہوئی تھی وہ ہاتھ سے اپنے بالوں سے پانی کے قطرے جھٹک رہے تھے۔

''ن نہیں پلیز! میں چلی جاؤں گی۔'' ابوداؤد نے جواب میں کچھ کہے بغیر محض مجھے دیکھا۔پھر خاصی تاخیر سے بولے تھے۔

''گھر میں کیا جواز پیش کروگی اس دیر کا؟''

''میں کہہ دوں گی اپنی فرینڈ کی جانب چلی گئی تھی۔''

مجھے لگا ایک بار پھر میرا گلا آنسوؤں سے بھر گیا۔میں نے ہونٹ شدت سے کچلے تھے۔

''او کے فائن! ایز یو وش!''

انہوں نے کاندھے جھٹک دیئے تھے پھر آگے کی سمت جھک کر دروازہ کھلا تو ایک بار پھر وہ میرے بے حد نزدیک آگئے۔میں سہم کر گھبرا کر سرعت سے سمٹ کر دروازے سے جا لگی۔دروازہ اوپن ہوتے ہی میں سنبھل کر سرعت سے اُتر گئی۔

''گڈ بائے۔''

ان کے ہونٹ ہلے تھے مگر میں پیچھے مڑ کر دیکھے بنا طوفانی بارش کی پرواہ کیے بغیر سرعت سے اپنے گھر کی جانب بھاگ گئی۔میرا گھر جہاں تحفظ تھا اور کوئی خوف نہیں تھا۔

☆☆

میں لان میں کین کی چیئر پر بیٹھی پکوڑوں کے ساتھ چلی ساس سے لطف لے رہی تھی جب عون بھیا اپنے کمرے سے نکل کر میرے پاس چلے آئے۔

''بھیا پکوڑے لیں نا!''

میں نے انہیں خاموش اور گم صم پا کے مخاطب کیا تھا۔وہ چونکے پھر گہرا سانس بھر کر سر کو نفی میں جنبش دیتے کچھ دھیان سے مجھے تکنے لگے۔

''حنی تم کل کہیں گئی تھیں؟''

''جی!!'' میں ہونق ہوگئی۔وہ مجھے جیسے کسی الجھن میں لگے۔

''آئی مین کل تم داؤد کے ساتھ تھیں؟''

میرا رنگ ایک دم سے اُڑ گیا۔میرے ہاتھ سے پکوڑا چھوٹ کر میرے پیروں کے پاس ہری گھاس پر جا گرا تھا میں سن بیٹھی تھی۔بالکل پتھرائی ہوئی۔

''حجاب کچھ پوچھا ہے میں نے تم سے؟'' عون بھیا کچھ جھنجلائے تھے۔ان کا لہجہ بے حد خشک اور سرد محسوس ہوا تھا۔حالانکہ بھائیوں میں انہی کا رویہ ہمیشہ میرے ساتھ سب سے زیادہ مشفقانہ اور محبت بھرا تھا۔وہ

شاید پاپا سے بھی زیادہ میرے لاڈ اٹھاتے رہے تھے۔اب ان کا غصہ اور سختی میرے حواس مختل کر کے رکھ گئی تھی۔

''میں ان کے ساتھ کیوں جاؤں گی بھیا وہ بھی اکیلی۔''

میرے اندر جانے کہاں سے اتنا حوصلہ آ گیا تھا۔میں نے بڑی ہمت سے جھوٹ بولا تھا اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر تردید کر دی۔بس ایک ہی احساس اس پل دامن گیر تھا میں ان کی نگاہ میں گرنا نہیں چاہ رہی تھی۔میں ان کا مان توڑنا نہیں چاہ رہی تھی، وہ مان جو انہیں مجھ پر اپنی اکلوتی بہن پر تھا۔میرے جھوٹ کے پیچھے اگر کوئی وجہ تھی تو بس یہی تھی اور مجھے اس جھوٹ پر ہرگز ندامت نہیں تھی۔

''عون بیٹے آپ کا فون ہے۔''

عون بھیا جو مجھے بغور دیکھ رہے تھے ماما کی پکار پر کچھ کہے بغیر پلٹے اور لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے چلے گئے۔میرا جانے کب سے سینے میں اٹکا سانس بحال ہوا تھا۔پھر بہت سارے دن خیریت سے گزرے اسی دوران فیضان بھائی کی منگنی کا ہنگامہ جاگ اُٹھا۔گھر میں ایک بار پھر خوشیاں اتر آئی تھیں۔وہ منگنی سے ایک دن پہلے کی رات تھی۔میں اپنی دیگر کزنز کے ساتھ ڈھولک سنبھالے بیٹھی تھی اور ہم بہت سارے گانوں کی ٹانگیں توڑ رہے تھے۔تب ہی مجھے ایک پرانا مگر بہت پیارا گانا سوجھ گیا تو اسی کی تان اڑانا شروع کر دی۔

یہ محفل جو آج سجی ہے اس محفل میں ہے کوئی ہم سا
ہم سا ہو تو سامنے آئے۔ہم سا ہو تو سامنے آئے۔

گانا گاتے ہوئے ہمارے دانت مسلسل نکل رہے تھے اور چونکہ یہ گانا بھی پورا نہیں آتا تھا جبھی ایک ہی بول کی تکرار کرتے رہے۔

ہم سا ہو تو سامنے آئے۔

''لو آ گئے ہیں سامنے۔اب دیکھ بھی لو۔ماشاءاللہ! چشم بدور''

ثنا کا نہوکا بہت زوردار تھا۔میں جو مگن سے انداز میں گا رہی تھی۔بدمزگی سے اسے گھورنے لگی تب اندازہ ہوا میرے علاوہ سب خاموش ہو چکی ہیں اور کچھ غیر معمولی کانشش بھی۔الجھے ہوئے انداز میں میری نگاہ ان کی نظروں کے تعاقب میں اُٹھی تو ایک دم میرے سارے جسم کا خون جیسے سمٹ کر چہرے پر آ گیا تھا۔ابوداؤد دروازے میں کھڑے تھے اور دبی دبی مسکراہٹ سمیت میری جانب ہی دیکھ رہے تھے۔

''سوری میں مخل ہوا۔ایکچوئلی میں عون کی تلاش میں ادھر آ نکلا تھا۔آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟'' ان کا بھاری لہجہ بہت مدھم تھا۔مسکراہٹ روکنے کی غرض سے انہوں نے زیریں ہونٹ کا کونہ دانتوں تلے داب رکھا تھا مگر یہ چھلکتی ہوئی مسکان گویا ان کے چہرے کے ساتھ آنکھوں کو بھی روشن کر رہی تھی۔آج ان کا دیکھنے کا انداز ہرگز ہولانے والا نہیں تھا۔میں اتنا شرمائی ہوئی تھی کہ خفت سے سرخ چہرا لیے بیٹھی رہی۔

''ارے کیسی باتیں کر رہے ہیں ابوداؤد صاحب! آپ کی آمد تو باعث صدِ افتخار ہے۔تشریف رکھیے نا۔''

ثنا نے کسی قدر شرارتی انداز میں کہا۔ان سب کی سراہتی ہوئی رشک آمیز نگاہیں ابوداؤد کے سراپے

پر جمی ہوئی تھیں۔ بلیک کرتا شلوار میں پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ نگاہ کو ٹھٹکائے دے رہے تھے۔

"تھینکس میں چلتا ہوں۔ آپ اپنا شغل جاری رکھیں۔"

وہ دھیما سا مسکرائے اور واپسی کو پلٹے تھے جب ثنا کی زبان ایک بار پھر پھسل گئی تھی۔

جی اب تو جائیں گے ہی۔ مقصد جو پورا ہو گیا آپ کا۔

اس کا شوخ لہجہ معنی خیز ہونے لگا۔ واپسی کو پلٹے ابوداؤد تھم سے گئے۔

"کون سا مقصد؟"

ان کی کشادہ آنکھیں پوری کھلی ہوئی تھیں۔ ثنا بے ساختہ ہنسی۔

"آپ تو جیسے جانتے نہیں۔ ہماری کزن کو چپکے سے جی بھر کے دیکھنے کی خواہش اور کیا؟"

ثنا کی یہ بات مجھے ناگواری کے ساتھ بے تحاشا خفت میں بھی مبتلا کر گئی۔ میں نے ثنا کو گھورنا چاہا مگر وہ میری جانب متوجہ نہیں تھی۔

"خواہش صرف اتنی ہی تو نہیں تھی۔ میں ان سے بات کرنے کا بھی طلب گار تھا مگر......!"

ان کی پوری بات سنے بغیر لڑکیوں نے یاہو کار مچا کر ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ میں نے سٹپٹا کر ابوداؤد کو دیکھا۔ وہ جیسے اسی لمحے کے منتظر تھے۔ مجھ سے نگاہ چار ہوتے ہی نہایت دل آویزی سے مسکرائے۔ میرا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکا اور جسم و جاں میں ایک لطیف سی حدت آمیز سنسنی جاگی۔ چند ایک مزید شوخ جملوں کے تبادلے کے بعد ابوداؤد وہاں سے چلے گئے مگر میں اپنے دل کو بہت دیر بعد تک بھی مدھر سروں میں دھڑکتا محسوس کرتی رہی تھی۔ ثنا وغیرہ نے بعد میں اس حوالے سے جو مجھے زچ کیا وہ الگ۔ رات تقریباً ایک بجے ہم سونے کو لیٹے تھے میں اپنے کمرے میں آئی تو جانے کس جذبے کے تحت تکیے کے نیچے پڑا سیل فون نکال لیا تھا۔

ابوداؤد کا میسج موجود تھا۔ میں نے کھول لیا۔

میں نے کب داد کے لمحوں سے شکایت کی ہے
ہاں میرا جرم ہے کہ میں نے محبت کی ہے
آج پھر دیکھا ہے اسے محفل میں پتھر بن کر
میں نے آنکھوں سے نہیں دل سے بغاوت کی ہے
اسے بھول جانے کی غلطی بھی نہیں کرسکتا
ٹوٹ کر کی ہے تو صرف اس سے محبت کی ہے

میں نے سیل فون واپس رکھ دیا۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ جانے کیوں نیند آنکھوں سے دور تھی کروٹیں بدلتے تھک رہی تھی تب آنکھ لگ گئی۔ ابھی غنودگی میں تھی کہ کسی احساس نے پھر آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ سیل فون کی مسلسل ہوتی بیپ تھی۔ میں نے نمبر پر غور کیے بنا کال ریسو کی تھی۔

"ہیلو۔"

"اتنی آسانی سے کیسے سو جاتی ہیں؟"

"کون؟؟" میں چونک سی گئی۔

"ابوداؤد بات کر رہا ہوں۔ میرے سوا کسی کی اتنی جرأت ہے کہ آپ کو سونے سے جگا سکے۔"

ایک عجیب سی دھونس اور خفگی نمایاں تھی ان کی بوجھل آواز میں۔ میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"آپ ابھی تک کیوں جاگ رہے ہیں؟"

"نیند نہیں آ رہی۔"

"کیوں؟" میں نے منہ پر ہاتھ رکھ کے جمائی روکی۔

"تم پاس نہیں ہو نا۔" وہ ایک دم پڑی چھوڑ کر پھر بہک گئے۔ میں خاموش رہی تھی۔

"حجاب! عون سے کہو یہ پابندی ہٹا دے میں مزید انتظار نہیں کر سکتا پلیز!"

"کون سی پابندی؟" میں کچھ اور سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"میں فوری شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے کرلیں مگر کسی اور لڑکی سے۔ میں خود بھی ایسا نہیں چاہتی۔"

وہ پکارتے رہ گئے مگر میں نے فون آف کر دیا تھا۔ اس کے بعد گو کہ میں سو نہیں سکی مگر میرا دماغ اس سوچ کے ساتھ ابتلا رہا تھا کہ داؤد مجھے آخر کس راستے پر چلانا چاہ رہے ہیں۔ اگلا دن ہنگامہ خیز تھا۔ منگنی کی یہ تقریب بہت اعلیٰ پیمانے پر منعقد کی گئی تھی۔ جو مہمان کل رہ گئے تھے انہیں بھی آج ہی آنا تھا۔ میرے لیے مما نے خصوصی تیاری کی تھی۔ بے بی پنک کامدار شرارہ تھا جس کے ساتھ کندنی جیولری میچ کر رہی تھی۔ جب میں تیار ہو کر آئی تو میری فرینڈز کے ساتھ ابوداؤد کی فیملی بھی پہنچ چکی تھی۔ سونیا وغیرہ نے تو جو میری تعریفیں کی سو کیں مگر ابوداؤد کی بہنوں نے تو باقاعدہ میری شان میں قصیدے پڑھنے شروع کر دیے تھے۔ میں کچھ شرمندہ اور شرماتی جا رہی تھی۔

"آپ تو بنا سنگھار کے ہی غضب ڈھاتی ہیں بھابی! اویں تو بھائی دیوانے نہیں ہو رہے تھے آپ کے حصول کو۔ آج تو آپ کے چہرے سے نگاہیں خیرہ ہو رہی ہیں۔"

داؤد کی سب سے چھوٹی بہن کا انداز سب سے والہانہ تھا۔

میں بلش ہونے لگی۔ ایک جھینپتی ہوئی مسکراہٹ مستقل میرے ہونٹوں پر تھی۔ ابوداؤد کی رات فون پر وارفتگی الگ یاد آ کر میرے چھکے چھڑا رہی تھی۔

"بھائی تو پہلے ہی پاگل ہو رہے ہیں آج آپ کو دیکھ کر سدھ بدھ کھو نہ بیٹھیں۔"

وہ پھر شرارتی انداز میں بولی تھی۔ میں کچھ اور سرخ پڑ گئی۔ مما کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔ اور مجھے بلا رہی تھیں۔ مجھے خود بہانہ چاہیے تھا جان چھڑانے کا۔ جبھی جلدی سے داؤد کی بہن سے ایکسکیوز کرتی مما کی

جانب آ گئی۔

”بیٹے میں نے جو جیولری باکس تمہیں دیا تھا۔ ثانیہ کے لیے وہ لے آؤ۔ گاڑیاں تیار ہیں بس ہم اب نکل رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو افراتفری میں اہم چیز بھول جائیں۔“

”جی مما میں نے فیضی بھائی کے کمرے میں ان کی وارڈ روب میں رکھ دیا تھا لے آتی ہوں۔“

”ہاں جاؤ۔“ مما مطمئن ہو کر کسی اور سمت چلی گئیں۔ میں اپنا لباس سنبھالے بالائی منزل کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر فیضان بھائی کے کمرے میں آ گئی۔ فیضی بھائی پارلر گئے ہوئے تھے میں جانتی تھی جبھی ناک کیے بنا ان کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ اوپر کی منزل پر مہمان نہ ہونے کے برابر تھے جبھی یہاں نسبتاً تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ میں نے اندر قدم رکھنے کے بعد لائٹیں آن کی تھیں پھر آگے بڑھ کر وارڈ روب کھول لی۔ لاکر کی چابی مجھے دراز سے مل گئی تھی۔ لاکر سے جیولری باکس نکالتے ہوئے میں نے دروازے پر آہٹ محسوس کی مگر دھیان نہیں دیا تھا۔ باکس نکال کر میں نے لاکر کو پھر سے لاک لگایا اور چابی دوبارہ دراز میں ڈال دی۔ جیولری باکس سنبھالے میں اپنے دھیان میں پلٹی تھی اور کسی فولادی وجود سے ٹکرا گئی۔ میں نے گھبرا کر سر اونچا کیا۔ ابوداؤد میرے بے حد نزدیک تھے۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ کہاں سے آ گئے تھے۔ میں نے گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہا مگر وارڈ روب میری پشت پر تھی میری یہ کوشش ناکام تھی۔ میری بدحواسی میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا کچھ کہے بنا میں نے دونوں ہاتھوں کے دباؤ سے انہیں پیچھے دھکیلنا چاہا تو انہوں نے خطرناک تیوروں کے ساتھ مجھے وحشت بھرے انداز میں اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

”کیا کہہ رہی تھیں رات تم کہ میں تمہیں چھوڑ دوں؟ بولو یہی کہا تھا نا تم نے؟ ہاؤ ڈیئر یو؟“

ان پر جیسے کوئی جنون سوار تھا۔ وہ شاید حواسوں میں نہیں تھے۔ میری وہ کلائی جوان کے ہاتھ میں تھی ان کی جنونی کیفیت اور دباؤ کے باعث ٹوٹتی چوڑیوں سے لہولہان ہو گئی تھی مگر انہیں شاید احساس تک نہیں تھا۔ وہ اسی طیش اور غیض میں بپھرے مجھ سے بار بار باز پرس کر رہے تھے۔

نہیں۔ میں نے چھوڑنے کو نہیں کہا تھا۔ کسی اور سے شادی کا کہا تھا۔

میں بے ساختہ سسک اُٹھی آنسو پلکوں سے پھسل کر میرے چہرے پر بے بسی کے مظہر بن کر بکھرنے لگے۔ مگر انہیں رحم نہیں آیا تھا۔ مجھے نہایت بے دردی سے جھنجھوڑا اور اسی مجنونانہ انداز میں پھنکارے۔ ایک ہی بات ہے۔

”ایک ہی بات ہے۔ معافی مانگو۔ کہو گی آئندہ ایسی بات؟“

انہوں نے آنکھیں نکال کر سرخ چہرے کے ساتھ تلخی سے کہا میں کچھ اور شدت سے رو دی۔

”نہیں کہوں گی۔ کبھی نہیں کہوں گی۔ لیکن مجھے چھوڑ دیں۔ یہاں سے چلے جائیں پلیز! عون بھیا اپنے کمرے میں ہیں ابھی اگر وہ ادھر آ گئے تو......؟

”تو کیا؟ تم کیا سمجھتی ہو ڈرتا ہوں اس سے میں؟“

وہ سانپ کی طرح پھنکارے میں خائف سی ہو کر ٹکر ٹکر انہیں تکنے لگی۔

”اچھا ہے وہ دیکھ لے پھر اپنی فضول ضد سے باز آ جائے گا۔ جلدی شادی ہو جائے گی ہماری۔ بلکہ آؤ میں تمہیں اس کے سامنے لے کر جاتا ہوں۔ تم کہو گی نا اس سے تم خود بھی یہی چاہتی ہو۔“

وہ یقیناً حواسوں میں نہیں تھے۔ انہوں نے نہایت جارحانہ انداز میں مجھے اپنی جانب کھینچا تھا اور باہر لپکے۔ میں دہل کر رہ گئی۔ خوف میرے حواس سلب کرنے لگا۔

”پاگل ہو گئے ہیں ابوداؤد! چھوڑیں مجھے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے یہ فضول بات کرنے کی۔“ میرا ضبط چھلک گیا تھا میں دبے ہوئے انداز میں چیخ پڑی اور پوری طاقت صرف کر کے اپنا ہاتھ ان سے چھڑا لیا۔ انہوں نے ٹھٹھک کر مجھے دیکھا تھا کچھ دیر یونہی تکتے رہے تھے پھر بوجھل آواز میں بولے تھے۔

”یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو نا حجاب کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔“

میں جواب میں کیا کہتی گہرا سانس بھر کے نظریں بدل لیں۔ وہ جیسے ڈھے سے گئے۔

”شاید تم مجھ سے کبھی محبت نہ کرو شاید تم مجھے کبھی نہ ملو۔“

ان کی آواز کچھ اور بوجھل ہو گئی تھی۔ آنکھوں سے جیسے لہو چھلکنے لگا۔ مگر مجھے ان پر رحم آنے کی بجائے طیش آ رہا تھا۔ عجیب انسان تھا یہ آدمی۔ دیوانہ سنکی۔ میرا دماغ چٹخنے لگا۔

”آپ نے اپنی حرکتیں دیکھی ہیں۔ ایسے انسان کو واقعی کچھ نہیں ملنا چاہیے۔“

میں نے کسی قدر غضبناک انداز میں کہا اور جیولری باکس جو نیچے کارپٹ پر گر گیا تھا جھپٹ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ ابھی مجھے کسی کی نظروں میں آنے سے پہلے اپنا حلیہ بھی سنوارنا تھا جو اس پاگل شخص کی وجہ سے کسی حد تک مشکوک ہو چکا تھا۔

☆☆

اس کے بعد میں بہت اُلجھ گئی تھی۔ ابوداؤد مجھے ہرگز نارمل نہیں لگے تھے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی ایسی صورتحال میں کیا حکمت عملی اپناؤں۔ خاموشی سے آنے والے وقت کے تیور دیکھوں یا پھر مما کو سب کچھ بتا کر اس سلسلے کو ختم کر ڈالوں۔ ابوداؤد کے لیے میرا دل ہمیشہ خاموش رہا تھا۔ میں نے جب بھی اس سے پوچھا اس نے چپ سادھے رکھی۔ میں ان کے لیے نارمل فیلنگز رکھتی تھی۔ مجھے ان سے ہرگز جنونی محبت نہیں تھی۔ جس تعلق کے ساتھ وہ میری زندگی میں شامل ہوئے تھے وہ اہم تھا مگر ان کی حرکتیں ہرگز بھی برداشت کرنے والی نہیں تھیں۔ یہ ساری زندگی کا معاملہ تھا اور میں ساری عمر برباد کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ یہ فیض بھائی کی منگنی سے دو دن بعد کی بات تھی جب ان کے حوالے سے ایک اور خبر نے مجھے ٹھٹھکا کے رکھ دیا۔ ابوداؤد کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے۔ میں ان سے جتنا بھی خفا سہی مگر اس خبر نے مجھے شدید ذہنی دھچکا پہنچایا تھا۔ مما اور پپا تو اطلاع ملتے ہی حواس باختہ سے ہاسپٹل کی جانب بھاگے تھے۔ چاروں بھائی بھی گھر پر نہیں تھے۔ پیچھے میں رہ گئی تھی۔ خدشات اور واہموں کے درمیان پریشان۔

منگنی کی اور اس سے اگلی رات بھی ابوداؤد مسلسل مجھ سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ سوری کے کئی میسج بھی تھے۔ مگر میں نے پلٹ کر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں اس معاملے کو سنجیدگی سے لینا چاہتی تھی مگر اب یہ سنجیدگی پریشانی اور تفکر میں ڈھل رہی تھی۔ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا ابوداؤد کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کا گہرا تعلق اس تنازعہ سے ضرور بندھا ہوا ہے۔ آج صبح انہوں نے لاسٹ میسج کیا تھا۔ جسے میں نے لاپرواہی سے دیکھا تھا۔

"حجاب اگر تم نہ مانیں تو میں زندگی سے روٹھ جاؤں گا۔ تمہارے بغیر میرے نزدیک زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ مان جاؤ حجاب ورنہ پچھتاؤ گی۔"

اور تب میں نے سر جھٹک دیا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرے انتظار سے تھک کر اس جنونی انسان نے ہمت ہار دی ہو۔ میرا دل ایک دم سے گھبرانے لگا۔ کچھ اور نہ سوجھا تو میں نے سیل فون پر مما سے کانٹیکٹ کر لیا تھا۔

"آپ ہاسپٹل پہنچ گئیں مما!"

ہاں بیٹے! ان کا لہجہ ستا ہوا اور متورم تھا جو صورتحال کی گھمبیرتا کا گواہ تھا۔ میرا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگا۔

"ابوداؤد کیسے ہیں؟"

مجھے بہت اچھی طرح اندازہ تھا میری آواز خدشات کی یلغار سے لرز رہی تھی۔

"بس دعا کرو بیٹے۔ آئی سی یو میں ہے ابھی تو۔"

مما کی آواز مجھے بھیگی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ جانے کیوں میری آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ زندگی کے احساس جوش اور امنگوں سے بھرپور وہ انسان جو میری نگاہوں کے سامنے رہا تھا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ پتا نہیں زندگی یہ بازی جیتتی بھی ہے یا نہیں۔ میں بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھ گئی۔ مجھ میں اتنی سکت باقی بچی ہی نہ تھی کہ مما سے کچھ اور سوال کرتی۔ سیل فون میرے ہاتھ میں تھا اور آنسو قطرہ قطرہ میری آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے۔ کیا میں ایک ایسے انسان کے لیے رو رہی تھی جو مجھے عزیز نہیں تھا۔ میں ایسے شخص کے لیے رو رہی تھی جو اپنی دیوانگی اور پاگل پن سمیت مجھے بے حد اپنا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆

وہ ساری رات میں نے جاگ کر اور شدید اضطراب میں گزاری تھی۔ لحہ لحہ دعائیں میرے لبوں پر مچلتی رہی تھیں۔ میں اُس مالک دو جہاں کے حضور گڑگڑاتی رہی تھی۔ ایک موقع کی خواہش مند ہوتی رہی تھی۔ بس ایک موقع پھر اس کے بعد میں ابوداؤد کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ جو اپنی محبت میں اس قدر آگے بڑھ گیا تھا کہ مجھے کھونے کے تصور سے زندگی سے منہ موڑ رہا تھا۔ اگلی صبح بہت بوجھل تھی۔ فضا میں پرندوں کے نغمے بھی جیسے سہمے ہوئے تھے۔ میرا کالج جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ ساری رات جاگنے کی وجہ سے طبیعت مضمحل تھی۔ میں کمرے سے باہر آئی تو مما کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھیں۔ مگر ان کے انداز میں ہمیشہ والی

طمانیت مفقود تھی۔

"حجاب بیٹے ابوداؤد کو دیکھنے ہاسپٹل جاؤ گی؟"

مما نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ آہستگی سے استفسار کیا۔ میں کچھ کہے بغیر سر جھکائے کھڑی رہی۔

"تم تیار ہو جانا عون کہہ رہا تھا تمہیں جانا چاہیے۔"

"کب جانا ہے؟"

میں بولی تو میرے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی تھی۔ مما نے ہاتھ روک کر مجھے پلٹ کر دیکھا۔ پھر کچھ کہے بنا مجھے ساتھ لگا تھپکا تھا۔

"ریلیکس بیٹے! انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میرا دل بہت گھبرا رہا ہے مما! اگر کچھ ہوا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔"

میں ان کے کاندھے سے آنکھیں رگڑتے ہوئے پھپھک کر رو پڑی۔

خدا بہتر کرے گا میری جان! میں نے بہت دعائیں مانگی ہیں۔

وہ مجھے کتنی ہی دیر تھپک کر تسلی دیتی رہیں۔

یہ ٹرے لے جاؤ۔ اپنے بھائیوں کو ناشتے پہ بلاؤ خود بھی کچھ کھا لینا۔ اس کے بعد ہاسپٹل چلتے ہیں۔"

"مجھ سے کچھ نہیں کھایا جائے گا مما پلیز!"

میں نے آنسو پونچھتے ہوئے دل گیری سے جواب دیا تھا اسی پل عون بھائی کھنکھارتے ہوئے اندر آ گئے۔

"اتنا پریشان نہیں ہوتے ہیں ہنی بیٹا! یونو خدا اپنے بندوں کو ان کی برداشت سے بڑھ کر نہیں آزماتا!"

میں جواب میں کچھ کہے بنا پلکیں جھپک کر آنسو روکتی رہی۔

"چلو آؤ میں خود اپنے ہاتھ سے کھلاؤں پھر ہاسپٹل چلیں گے۔"

عون بھیا نے مجھے اپنی مہربان آغوش میں سمیٹ لیا پھر وہ واقعی مجھے نوالے بنا کر کھلاتے رہے تھے۔

"بی بریو مائی لعل ڈول!"

انہوں نے میرا سر تھپکا تھا مگر میرا ضبط ایک بار پھر چھلک گیا تھا۔

"وہ ٹھیک تو ہو جائیں گے نا بھائی!"

انشاءاللہ! انہوں نے یقین سے کہا تھا اور میرا گال سہلاتے اُٹھ کر تیار ہونے چلے گئے تھے۔ ہم ہاسپٹل پہنچے تو ہمارے لیے اچھی خبر تھی۔ ابوداؤد کو کچھ دیر پہلے ہی ہوش آئی تھی۔ میرا چہرا یکایک کھل اُٹھا۔

"ہم مل سکتے ہیں؟"

عون بھیا کے استفسار پر ڈاکٹر نے کچھ دیر ویٹ کو کہا تھا۔ مما مجھے ساتھ لیے کاریڈور کے صوفے پر جا بیٹھیں تقریباً پون گھنٹے کے بعد ہمیں ابوداؤد سے ملنے کی اجازت ملی تھی سب سے پہلے مما پاپا اور عون بھیا اندر

گئے تھے۔اس کے بعد میری باری آئی تھی۔

"آپ میرے ساتھ چلیے نا مما!"

مجھے اکیلے اندر جاتے وہ بھی عون بھیا اور پپا کی موجودگی میں عجیب سی جھجک محسوس ہوئی تھی۔

"نہیں بیٹے آپ جاؤ اینڈ ریلیکس!"

انہوں نے نرمی سے میرا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا میں نے کتراتے ہوئے انداز میں نگاہ اُٹھائی۔عون بھیا لمبے ڈگ بھرتے راہداری کے موڑ پر غائب ہو گئے تھے۔میں نے گہرا سانس کھینچا اور بوجھل قدموں سے ادھ کھلے دروازے سے اندر چلی آئی۔سامنے بیڈ پر ابوداؤد دراز تھے۔ سینے تک سفید چادر تانے۔ان کی گردن اور کاندھوں کا جو حصہ چادر سے باہر تھا وہ سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔چہرے کی رنگت ایک دم زرد ہو رہی تھی۔یوں جیسے جسم کا سارا لہو کھینچ کر نکال لیا گیا ہو۔آنکھیں بند تھیں۔ان کی حالت میرے ضبط کا کڑا امتحان ثابت ہوئی۔منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی میں آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں سے وہیں کھڑی انہیں تکتی رہی۔مجھ میں ہمت ہی نہیں تھی کہ آگے بڑھتی اور انہیں مخاطب کر لیتی۔جانے کتنی دیر یونہی بیتی تھی معاً ان کی کراہوں کی آواز پر میں چونکی۔وہ بے چینی کی کیفیت میں سر کو تکیے پر دائیں بائیں مار رہے تھے۔میں تڑپ کر تیزی سے ان کی جانب لپکی۔

"ابوداؤد، داؤد آنکھیں کھولیں۔میری طرف دیکھیں۔یہ کیا حالت بنالی آپ نے۔؟"

ان کا چہرا ہاتھوں میں لے کر میں ان کے اوپر جھکی تھی۔انہوں نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور کچھ دیر یونہی مجھے تکتے گئے۔ان کی زندگی کے احساس سے دور آنکھوں میں شناسائی کا کوئی رنگ نہ پا کر میرے آنسوؤں میں شدت آ گئی۔

"میں حجاب ہوں داؤد آپ کی حجاب! مجھے معاف کر دیں یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے نا؟"

گہرے کرب سے دوچار ہوتے میں زور زور سے رونے لگی۔

"حجاب!" وہ کراہے اور میرا ہاتھ تھام لیا۔

"تم مجھ سے خفا ہو نا؟"

"نہیں بالکل بھی نہیں۔آپ بس ٹھیک ہو جائیں۔"

میں نے سسکتے ہوئے انہیں یقین دلایا وہ کچھ دیر غیر یقینی سے مجھے تکتے رہے پھر شاید ممنوعیت کے احساس سمیت میرے ہاتھ کو ہونٹوں سے چھولیا تھا۔

"تھینکس اینڈ آئی لو یو فار ایور۔"

انہوں نے سرگوشی کی تھی۔میں نے خفیف سی ہو کر آہستگی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

☆☆

پھر اس کے بعد جب تک ابوداؤد ہاسپٹل سے ڈسچارج نہیں ہو گئے۔مما مجھے باقاعدگی سے اپنے ساتھ ان کی عیادت کے لیے لے جاتی رہیں۔ابوداؤد بہت تیزی سے امپروو کر رہے تھے۔سب سے زیادہ

خوشی مجھے ہی تھی۔ان گزرے ہوئے چند دنوں میں میں ابوداؤد کے بہت تیزی سے نزدیک آئی تھی۔ابوداؤد کا رویہ بھی بہت تسلی بخش تھا۔

"اس روز کیا ہوا تھا؟"

میں ابوداؤد کو سوپ پلا رہی تھی جب میں نے اچانک ان سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔یہ سوچ مجھے ہر وقت پریشان رکھتی تھی۔ذرا سی مزاج کے خلاف بات ہوئی اور اپنی جان کے درپے ہو گئے یہ تو کوئی بہادری یا انسانیت نہیں تھی۔

"کس روز؟"

وہ اچھے خاصے گم صم تھے۔میری بات پر چونکے۔

"جس روز ایکسیڈنٹ ہوا بلکہ آپ نے خود کیا۔ابوداؤد آپ مجھے صرف یہ بتائیں آپ نے اتنا خطرناک کام کیوں کیا؟"

وہ عجیب سے انداز میں مسکرائے تھے پھر اپنی سرخ آنکھیں میرے چہرے پر ٹکا دیں۔

"میں تمہیں کھو کر زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا۔"

ان کے لہجے میں وہی جنونی کیفیت تھی۔میں جھنجلا سی گئی۔

"میں کہیں نہیں کھوئی تھی۔یہ دیکھیں یہ رنگ اسی بات کی علامت ہے کہ میں آپ کو سونپ دی گئی ہوں۔" میں نے اپنے انگوٹھی سے سجے ہاتھ کو ان کی نگاہوں کے سامنے لہرایا۔

تم کیا سمجھتی ہو حجاب میں صرف جسمانی طور تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ ایسا نہیں ہے۔میں تمہاری محبت تمہارا اعتماد بھی چاہتا ہوں۔جو تمہیں مجھ پر نہیں ہے۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟

وہ ضبط کھو کر جیسے پھٹ پڑے تھے۔میں نے جواباً سکون سے انہیں دیکھا اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"ہاں غلط کہہ رہے ہیں آپ۔"

انہیں شاید مجھ سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ٹھٹک کر ساکن نظروں سے مجھے تکنے لگے۔

ابوداؤد آپ غلط سمجھ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں۔اب مجھے اس اعتراف میں کوئی عار نہیں ہے کہ میں بھی آپ سے محبت کرنے لگی ہوں۔آپ کا یہ منہ زور جذبہ جو بے حد سرکشی لیے ہوئے آیا تھا۔بپھرے ہوئے بے کراں سمندر کی طرح مجھے اپنے ساتھ بہا کر لے گیا ہے۔میں نے اپنی بے نیازی، لاتعلقی،نسوانیت کے وقار کے جو چھوٹے بڑے پتھر اس کا بہاؤ روکنے کو پھینکے تھے وہ حقیر کنکروں کی طرح اس کی شدت کے آگے دم توڑ گئے۔میں کسی طرح بھی خود کو آپ کی محبت سے محفوظ نہیں رکھ سکی۔" میں اس اعتراف کے ساتھ بے تحاشا آنسو بہاتی جا رہی تھی۔ابوداؤد نے مجھے کتنی دیر خاموش نظروں سے دیکھا تھا۔پھر انگشت شہادت سے میرے نم گال کو چھوا اور کسی قدر خفگی سے بولے تھے۔

"میں کیسے یقین کر لوں تمہارے یہ آنسو تمہاری بات کے منافی ہیں۔"

میں آہستگی سے مسکرادی۔
''آنسو صرف دکھ کی علامت تو نہیں ہوتے ابوداؤد یہ خوشی کے موقع پر بھی بہتے ہیں۔ میں مشکور ہوں رب نے مجھے آپ کا ساتھ لوٹا دیا۔''
ابوداؤد مجھے کچھ دیر مشکوک نظروں سے تکتے رہے تھے پھر آہستگی سے مسکرادیئے۔ اس مسکراہٹ میں بھرپور آسودگی تھی۔

☆☆

میں نے ابوداؤد کی بیماری کے دوران جو بات شدت سے نوٹ کی وہ عون بھیا کا اضطراب تھا۔ ان کا رویہ کبھی کبھار تو مجھے بہت الجھا دیا کرتا تھا۔ میں نے اکثر یہ بات محسوس کی تھی بھیا کو میرا ابوداؤد سے ملنا پسند نہیں ہے۔ وہ بہت روشن خیال تھے اور کبھی انہوں نے بے جا پابندیاں بھی عائد نہیں کی تھیں۔ پھر ابوداؤد والا پروپوزل بھی انہی کی سو فیصد مرضی اور ایما پر قبول کیا گیا تھا۔ ابوداؤد عون بھیا کے ہی کلوز فرینڈ تھے۔ اس کے باوجود بھیا کا رویہ الجھا رہا تھا۔ جس روز ابوداؤد ڈسچارج ہوئے بھیا نے مما سے صاف لفظوں میں کہا تھا۔
''آپ اگر داؤد کے ہاں اس کی عیادت کو جائیں تو حجاب کو لے جانے کی ضرورت نہیں۔ مناسب نہیں لگتا۔'' اور مما نے پتا نہیں کس حد تک دھیان دیا تھا مگر میں کچھ خائف ہوگئی تھی۔ یہ بھیا کا ہی آرڈر تھا کہ اس کے بعد مما نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا نہیں کہا تھا۔ میری بس فون پر ہی داؤد سے بات ہو رہی تھی۔ ابوداؤد مجھ سے ملنے کو بے چین تھے۔ رات پھر فون پر انہوں نے اصرار کیا تھا۔
''تم آتی کیوں نہیں ہو حجاب!''
''آؤں گی نا۔ کچھ پڑھائی میں بزی ہوں۔''
میں نے بہانہ تراشا تھا۔ مگر انہیں بہلانا آسان نہیں تھا۔
''پڑھائی مجھ سے اہم ہے کیا؟''
''ایسی بات نہیں ہے ابوداؤد میں آؤں گی ریلیکس!''
''کسی نے منع تو نہیں کیا؟'' وہ جیسے چونکے تھے اور میں بے حد محتاط ہوگئی۔
''ایسا کون کرے گا بھلا؟ عون بھیا اور مما مجھے خود آپ کے پاس لاتے رہے ہیں۔''
''ہاں ہے تو۔'' ان کی آواز میں الجھن نمایاں تھی۔ پھر یہ ان کا اصرار ہی تھا کہ میں اگلے روز کالج سے کلاس چھوڑ کر ان سے ملنے چلی آئی تھی۔ پہلے تو مجھے اپنے روبرو پا کے انہیں جیسے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ پھر وہ خوشی اور مسرت سے بے قابو ہو کر ایک دم اُٹھ بیٹھے تھے۔ مگر ایسا کرنے پر ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں ہوگئے تھے۔ میں نے تیزی سے بڑھ کر انہیں شانوں سے تھام لیا تھا۔
''کیا کرتے ہیں ابوداؤد! آپ کے زخم ابھی کچے ہیں۔''
''مجھے یقین تو کرنے دو حجاب کہ تم از خود چل کر میرے پاس آئی ہو۔''

وہ کراہ کر بولے میں نے نم ناک آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ان کے کاندھوں پر دباؤ ڈالا اور انہیں پھر سے تکیوں کے سہارے واپس لٹا دیا۔ وہ مسلسل مجھ پر نگاہیں فوکس کیے ہوئے تھے۔ ان نگاہوں میں ایک ناقابل فہم کیفیت تھی۔
''تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی نا؟''
میں آہستگی اور نرمی سے مسکرادی۔
''میں آپ کے پاس ہوں۔''
''یہاں میرے قریب آؤ حجاب!''
انہوں نے اپنے پہلو میں اشارہ کیا میں جھجک سی گئی۔
''ابوداؤد میں یہاں ٹھیک ہوں۔ آپ کے سامنے ہوں نا۔''
''تمہیں اب بھی مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔'' وہ پھر سے کچھ وحشت زدہ سے چیخے میں بوکھلا اُٹھی۔
''ایسا کچھ نہیں ہے ابوداؤد لیکن مذہب نے کچھ حد بندیاں بھی مقرر کی ہیں نا۔''
''تو پھر ہم شادی کر لیتے ہیں ابھی اسی وقت۔''
وہ ابھی بھی اس کیفیت کے حصار میں تھے جو مجھے خوفزدہ کر دیا کرتی تھی۔
''ابوداؤد شادی تو ہماری ہونی ہی ہے۔ آپ پریشان مت ہوں۔''
''کب......؟ شاید عون ایسا کبھی نہ چاہے۔'' ان کی وحشت بڑھنے لگی۔
''آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں ابوداؤد۔'' میں زچ ہوئی تھی۔ پھر نرمی سے ان کا ہاتھ دبایا۔
''بھائی کے نزدیک میری خوشی اہم ہے۔''
''کیا میں تمہاری خوشی ہوں؟'' وہ کسی ننھے بچے کی طرح خوفزدہ تھے۔ میں بے ساختہ مسکرادی۔
''آپ کو ابھی بھی شک ہے؟''
انہوں نے کچھ دیر جانچتی پرکھتی نظروں سے مجھے دیکھا پھر جانے کیا ہوا اپنے ہاتھ میں پکڑے میرے ہاتھ کو انہوں نے اچانک جھٹکا دیا تھا اور مجھے اپنے پہلو میں کھینچ لیا۔ میرے لیے یہ حملہ غیر متوقع اور شدید تھا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلتی انہوں نے مجھے اپنے بازوؤں کے حصار میں مقید کر لیا تھا۔ یہ حلقہ مجنونانہ گرفت نہیں کہلا سکتا تھا۔ وہ مجھے بہت نرمی سے خوشی اور والہانہ جوش سے چھو رہے تھے۔
''مجھے لگ رہا ہے حجاب آج میں سرخرو ہو گیا ہوں۔ آج میں نے تمہارے دل کو فتح کر لیا ہے یہ کوئی معمولی کامیابی تو نہیں ہے نا۔''
میں نے گہرا سانس کھینچا اور ان کے حصار سے نکلنا چاہا مگر وہ حصار تو ریشمی الجھاؤ تھا جو سلجھانے کی کوشش میں مزید گہرا مزید گھمبیر ہو رہا تھا میں ٹپٹانے لگی۔
''تمہیں پتا ہے حجاب میں کبھی دوست نہیں بنا پایا۔ مجھے ایسے دوست کی ضرورت تھی جو مجھے سمجھ سکے

اتنا قریب ہو کہ میں بارش میں چل رہا ہوں۔ میرا چہرا پانی سے تر ہو مگر وہ میرے آنسوؤں کو پہچان لے۔ میرے مسکراتے چہرے کی آڑ میں چھپے غم کو پہچان لے۔ میری خاموشی کے پیچھے بولتے لفظوں کو سن سکے۔ میرے غصے میں چھپی میری محبت کو دریافت کر سکے۔ میں خوش ہوں حجاب مجھے ایسا دوست مل گیا مجھے تم مل گئیں۔''

وہ ایک بار پھر حواسوں میں نہیں تھے۔ ایک بار پھر وہ مجھے بے بس کر چکے تھے۔ میں اتنا گھبرا گئی تھی کہ مجھے قطعی سمجھ نہیں آ سکی میں اس موقع پر کیا کروں۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ بہتر کر پاتی وہ ہوا تھا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے تو میں کچھ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ مگر جب یکے بعد دیگرے فلش لائٹ چمکی اور کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تب میں تڑپ کر ابوداؤد سے الگ ہوئی تھی۔ ابوداؤد خود چونک اُٹھے تھے۔ مگر مجھے تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ ولید بھائی ہاتھ میں کیمرا لیے بڑی مکاری سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔

''ویری نائس! امیزنگ! مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ میں یہاں عیادت کو آؤں گا تو ایسی انٹرٹینمنٹ سے بھی لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ ویل ڈن!''

وہ طنزیہ کاٹ دار لہجے میں ایک ایک لفظ چبا کر بول رہے تھے۔ آنکھوں سے جیسے شعلے لپک رہے تھے۔

''شٹ اَپ! یہاں کیسے آئے ہو؟''

ابوداؤد سنبھل کر پوری قوت سے دھاڑے مگر ولید بھائی خائف نہیں ہوئے تھے۔

''ہمارا تعارف تو یہ حجاب بی بی کروائیں گی۔ اگر یہ اب مجھے پہچاننے سے انکاری نہ ہو جائیں۔ ویسے کیسے کیسے معصوم چہروں سے نقاب اُتر رہے ہیں خدا معاف کرے۔''

ولید بھائی کے لہجے میں حقارت تھی۔ میں ہنوز سکتے کی کیفیت میں تھی۔ ولید بھائی میرے سیکنڈ کزن تھے۔ ابوداؤد سے پہلے ان کے ہاں سے میرا پروپوزل آچکا تھا مگر پپا نے انکار کر دیا تھا۔ مگر اس وقت جس قسم کی آکورڈ سچویشن تھی وہ مجھے زمین میں گڑھتے پر اُکسا رہی تھی۔

''معاف کیجیے گا۔ آپ کی اجازت کے بغیر یہ پکچر لے لیں۔ میں تو اپنے بھتیجے کی برتھ ڈے سلیبریٹ کرنے کے لیے کیمرے میں ریل ڈلوا کر لے جا رہا تھا مگر اندازہ نہیں تھا اتنے حسین اور یادگار لمحے بھی محفوظ کرنے کا موقع میسر آ جائے گا۔''

وہ خباثت سے بولے تھے اور پلٹ کر جانے لگے مگر ابوداؤد نے بہ مشکل اُٹھتے ہوئے ان کی شرٹ کا کالر پیچھے سے پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا تھا۔

''کیمرا یہاں رکھ دو۔ ان کا انداز خطرناک تھا۔'' میں پھٹی پھٹی آنکھیں لیے ساکت بیٹھی تھی۔

''یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ بات بھول جاؤ ہیرو کہ تم یہ معرکہ بھی جیت لو گے۔ میرے اُٹھے ہوئے چند ہاتھ تمہیں لہولہان کر دیں گے۔ اپنی پھٹیچر حالت کو مت بھولو۔''

وہ پھنکار کر بولے تھے۔ ابوداؤد کا ہاتھ گھوما اور ولید کے چہرے پر جا پڑا اس کے اگلے چند لمحے بے حد سنسنی خیز تھے۔ ابوداؤد اور ولید بھائی کے درمیان زبردست جھگڑا ہوا تھا پلڑا ولید بھائی کا بھاری رہا ابوداؤد

مجروح سی حالت میں چند لمحوں میں ہانپ رہے تھے۔ جبکہ ولید بھائی فاتحانہ اور جتاتی نظروں سے مجھے خطرناک نتائج کی دھمکی دیتے کیمرے سمیت جا چکے تھے۔ میرا رنگ فق تھا اور حالت ایسی تھی کہ کسی بھی پل غش کھا کر گر جاتی۔

ابوداؤد نے متاسفانہ نظروں سے مجھے دیکھا تو میں بے ساختہ سسک اُٹھی۔

''یہ اچھا نہیں ہوا ہے ابوداؤد! بالکل بھی اچھا نہیں ہوا۔''

''آئی ایم سوری! میں کچھ نہیں کر سکا میں زخمی تھا حجاب!''

وہ بے حد خفت زدہ نظر آنے لگے مگر اس پل وہ اپنی تکالیف کو بھی جیسے فراموش کر چکے تھے۔

''آپ نے کسی ملازم کو بھی نہیں پکارا۔ کم از کم وہ فضول تصویریں تصوریں تو ساتھ نہ لے جاتے۔''

مجھے اس پل جیسے کوئی کند چھری سے ذبح کرتا تو اتنی تکلیف نہ ہوتی جو اس احساس سے مل رہی تھی۔

''سارے ملازموں کو احتیاطاً تمہاری وجہ سے میں نے سرونٹ کوارٹرز میں بھیج دیا تھا۔''

ان کی وضاحت کو میں دھیان سے نہیں سن سکی۔ خوف نے میرے اندر پنجے گاڑھنے شروع کر دیئے۔ جو کچھ ہوا تھا وہ بے حد غلط تھا مگر جو اس کا نتیجہ برآمد ہونا تھا وہ اس سے کہیں بڑھ کر شدید ہوتا اس کے بعد میں وہاں ٹھہر نہیں سکی تھی۔ ابوداؤد نے مجھے تسلیاں دلا سے دیئے تھے مگر یہ تسلیاں میرے اندر در آنے والے خوف کو ختم نہیں کر سکی تھیں۔

☆☆

اگلے تین چار دن خیریت سے گزرے تھے مگر حقیقتاً خوفزدہ کرنے والے۔ ولی بھائی کی فطرت سے میں خوب آگاہ تھی وہ کبھی کمینگی دکھانے سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ رشتہ نہ ملنے پر پہلے ہی جلے بیٹھے تھے اب تو انہیں بہت اچھا موقع ملا تھا مجھ سے بدلا لینے کا۔ ہر پل میرا جیسے کانٹوں پر بسر ہو رہا تھا۔ ابوداؤد کی جذباتیت اور جلد بازی نے ہمیشہ مجھے ڈسٹرب ہی کیا تھا۔ اور غلط کام کے ہمیشہ غلط رزلٹ ہی نکلا کرتے ہیں۔ میری غلطی تھی کہ میں ان سے ملنے چلی گئی تھی۔ ابوداؤد نے بھی پچھلے کئی دنوں سے مجھ سے رابطہ نہیں کیا تھا میں خود بھی ایسا نہیں چاہ رہی تھی۔ مگر ان سے معلوم بھی کرنا تھا کہ اس مسئلے کا حل کیا نکالا ہے۔ میں نے سوچا فون پر بات کرلوں۔ مگر پھر پیٹ میں ہونے والی شدید اینٹھیں نے مجھے بتایا میں پچھلے کئی دنوں سے کھانے پینے سے غفلت برت رہی ہوں۔ اس مسئلے میں اُلجھ کر میں بہت اہم کام بھول چکی تھی۔ فون کا کام بعد پر ٹالتے ہوئے میں کچن میں آ گئی۔ اس پل رات نصف کے قریب تھی۔ کھانا ہم نو بجے کھایا کرتے تھے مگر آج بھی میں نے کھانے کو صرف سونگھا اور ٹھونگا تھا۔ بھائیوں سمیت مما پپا بھی اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ زبیدہ اپنے کوارٹر جا چکی تھی۔ میں بنا آہٹ کے کچن میں آ گئی۔ میں نے چائے کا پانی رکھ کر فریج کھولی۔ شامی کباب اور بریانی نکال کر اوون میں گرم ہونے کو رکھنے کے بعد میں نے فریج سے پیپسی کاٹن پیک اور سلاد کے ساتھ رائتہ بھی نکال لیا تھا۔ جب تک میں نے کھانا کھایا چائے تیار ہو چکی تھی۔ چائے چھان کر مگ میں نکالنے کے بعد میں نے برتن سمیٹ کے یونہی رکھ دیئے۔ کمرے میں آ کر پہلے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا پھر سیل فون اُٹھا کر ابوداؤد کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ نمبر آف تھا۔

میں پریشان ہوئی۔ متعدد بار بار بُرائی کے باوجود ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو میں ایک دم روہانسی ہوگئی۔ اس رات میں ایک بار پھر نہیں سو سکی تھی۔ اگلا دن بھی گاہے بگاہے ابوداؤد سے رابطہ کرنے کی کوشش میں نکل گیا۔ اب مجھے دوہری فکر لاحق ہوگئی تھی۔ وہ خیریت سے ہوں۔ مما سے پوچھنے میں حجاب مانع تھا۔ میں نے اگلے دن ان کے ہاں جانے کا ایک بار پھر قصد کرلیا تھا۔ یہ جانے بنا یہ سوچے بنا کہ میں ایک بار پھر ایک غلط حرکت کرنے والی ہوں۔

☆☆

اگلے روز میں پھر نہیں جاسکی تھی۔ میرا ارادہ کالج سے واپسی پر جانے کا تھا مگر بالکل غیر متوقع طور پر عون بھیا نے کالج سے واپسی پر مجھے پک کرلیا۔

''کیا بات ہے حجاب! تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟''

''میں واقعی پریشان ہوگئی تھی پروگرام چوپٹ ہوجانے پر مگر اس پل عون بھیا کے استفسار نے مجھے گڑبڑا کے رکھ دیا۔''

''نہیں بھائی ایسا تو کچھ نہیں۔''

میں نے گہرا سانس بھر کے ان کی تسلی کرانا چاہی مگر شاید کر نہیں پائی تھی۔ انہوں نے مجھے کچھ دیر بغور دیکھا تھا پھر ناصحانہ انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''ہنی بیٹا میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ لڑکیوں کی عزت آبگینوں کی طرح سے نازک ہوتی ہے۔ ذرا سی احتیاطی سے اگر ٹھیس پہنچ جائے تو پھر کوشش کے باوجود دراڑیں بھرا نہیں کرتیں۔''

میں ایک دم ساکن رہ گئی۔ میں نے محتاط مگر ڈری ہوئی نظروں کو اُٹھایا تھا۔

''واٹ ہیپنڈ بھائی! مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی؟''

ان کی بے حد اور گہری سنجیدگی مجھے ہولانے کے لیے کافی تھی۔ مجھے لگا میرا خون خشک ہوگیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ ڈونٹ وری میں بس تمہیں ایک بات سمجھا رہا تھا۔ اس کے باوجود کہ میں جانتا ہوں میری گڑیا بہت سمجھ دار ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ ہنی مجھے یہ بھی پتا ہے آپ جانتی ہیں کہ آپ ہمارا یہ فخر ہمیشہ قائم رکھیں گی۔''

میرا دل جیسے حلق میں آکر دھڑکنے لگا۔ مجھے لگا جیسے کچھ نہ کچھ لازماً بھنک بھیا کو پڑ گئی ہے۔ میری رنگت لحہ بہ لحہ پھیکی پڑتی جارہی تھی۔ مجھ سے جواب میں ایک لفظ نہیں بولا گیا۔ بس بہت سارا رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ یہ کیفیت مجھ پر اگلے کئی گھنٹوں تک اپنا تسلط جمائے رہی تھی۔ یہ چوتھی رات تھی جب میں بستر کی بجائے ایک بار پھر کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ میری آنکھیں میرا پورا وجود جل رہا تھا۔ کچھ سوچ کر میں نے سیل فون اُٹھایا تھا اور ایک بار پھر ابوداؤد کا نمبر ٹرائی کیا۔

ہیلو!

دوسری سے تیسری کوشش کے بعد رابطہ بحال ہوگیا تھا۔ ابوداؤد کی بے زار اور بے انتہا بوجھل آواز

میری سماعتوں میں اتری تو میں کچھ اور بھی بے کل ہو اُٹھی۔

''ابوداؤد کہاں تھے آپ؟ کل سارا دن میں آپ سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرتی رہی ہوں۔''

''یہ زحمت کیوں کررہی تھیں آپ؟''

جواباً ان کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔ میں جیسے چکرا کر رہ گئی۔

''ابوداؤد کیا کہہ رہے ہیں؟'' مجھے بے ساختہ رونا آنے لگا۔

چار دنوں سے بستر پر سڑ رہا ہوں۔ بھوکا پیاسا۔ مجھے تو سینس نہیں اس حالت میں کسی سے کیسے بات کرتے ہیں؟ تم کیسے چھوڑ کر گئیں تھیں مجھے۔ کہ کڑکے تو نہیں لگا رہا تھا نا میں۔

وہ جیسے پھٹ پڑے تھے۔ مجھے کچھ اور شدت سے رونا آنے لگا۔

''آئی ایم ساری! آپ مجھے بتادیتے۔'' میں منمنائی۔

''مانگ کر حاصل کی جانے والی ہر شے سے نفرت ہے مجھے۔''

ان کا لہجہ ہنوز شدید تھا۔ میں منہ پر ہاتھ رکھ کے سسکیاں دبانے لگی۔ ہم دونوں کے بیچ تکلیف دہ خاموشی سانس لیتی رہی۔ پھر شاید انہیں اپنی بدسلوکی کا احساس ہوا تھا۔

''آئی ایم ساری حجاب رئیلی ویری سوری!! اکچولی میں ڈسٹرب تھا۔''

''اٹس اوکے۔'' میں نے اپنے آنسو پونچھے۔

''میں بہت تنہا ہوں حجاب' بہت اکیلا' مجھے تمہاری ضرورت ہے پلیز آجاؤ۔''

ان کے بکھرے ہوئے لہجے میں التجا دم توڑ رہی تھی۔ میں بے طرح تڑپ اُٹھی۔

''اس وقت میں کیسے آسکتی ہوں داؤد! آپ پلیز کسی ملازم کو بلائیں اپنے پاس! کچھ کھایا آپ نے؟''

''مجھے کسی اور کی نہیں تمہاری ضرورت ہے حجاب اگر تم سمجھو تو۔''

وہ کسی قدر لجاجت سے بولے تھے۔

''میں کل آنے کی کوشش کروں گی ابوداؤد پلیز ابھی کسی ملازم کو اپنے پاس بلائیں۔'' بلکہ بہتر ہوگا آپ گاؤں سے آپا یا پھر اماں کو یہاں آنے کا کہیں۔''

چند مزید اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد میں نے فون رکھا تو ابوداؤد کا بجھا ہوا انداز میری خلش اور بے کلی کو بڑھاوا دے چکا تھا۔ اگلے روز میں تیار ہوکر ناشتے کی ٹیبل پر آئی تو میں نہ صرف مضطرب تھی بلکہ ست ہورہی تھی۔ شاید جبھی فیض بھیا کے علاوہ عیسیٰ بھائی اور مما نے بھی میری طبیعت کا پوچھا تھا۔ میں نیند نہ آنے کا بہانہ کرکے ٹال گئی تھی۔ مگر عون بھیا کی خاموش جائزہ لیتی نظریں میرے لیے بہت تکلیف دہ تھیں۔ میرے لیے ان کے سامنے بیٹھنا اور خود کو کمپوزڈ رکھنا از حد دشوار تھا۔ عیسیٰ بھائی اپنے کلینک جاتے ہوئے مجھے کالج ڈراپ کر گئے تھے۔ آج میرا ارادہ کالج جانے کا نہیں تھا۔ میں نے اچھی طرح سے چہرہ ڈھانپا اور تیز قدموں چلتی روڈ پر آگے نکل گئی۔ میں نے کہیں پڑھا تھا انسان جب پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے تو خوف اور شرمندگی ایک

ساتھ دامن گیر ہوتی ہے۔ مگر جب دوسری بار اسی گناہ کا ارتکاب ہو تو پھر وہ احساس کمزور ہو جاتا ہے تیسری اور چوتھی مرتبہ کے بعد یہ خلش بھی برقرار نہیں رہتی۔ شیطان کا وعدہ ہے کہ وہ غلط راستوں کو اتنا آراستہ پیراستہ کر کے دکھاتا ہے کہ صرف یہی دلکشی قائم رہ جاتی ہے۔ باقی ہر احساس اپنا ہاتھ چھڑا لے جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ گھر والوں کی عزت، بھائیوں کا مان۔ خدا کے قوانین، مذہب کی حدود میں سب کچھ پھلانگتی جا رہی تھی۔ ایک ذراسی دنیاوی لذت کی غرض سے، اس کے بعد میرے ساتھ جو بھی غلط ہوتا وہ میرا اپنا بھگتان ہوتا تھا۔

میں ابوداؤد کی رہائش گاہ پر پہنچی تو موسم ایک بار پھر پلٹا کھا چکا تھا۔ سرد ہوائیں اور آسمان پر جھومتی کالی گھٹائیں مجھے ایک بیتی ہوئی تلخ یاد کا فسانہ سنا رہی تھیں مگر میرے قدم نہیں رکے تھے۔ رکشہ ڈرائیور کو کرایہ ادا کرنے کے بعد میں چادر اور بیگ سنبھالے نیچے اُتر گئی۔ گیٹ پر الرٹ باوردی ملازم موجود تھا۔ میرے تعارف کروانے پر باچھیں چیر کر بولا۔

''بی بی صاحبہ ام آپ کو جانتی۔ صاحب اپنے روم میں آپ کی ہی منتظر''

میں نے سر کو اثبات میں ہلایا اور مضبوط قدموں سے چلتی ابوداؤد کے بیڈروم کی جانب آ گئی۔ اندر داخل ہونے سے قبل میں نے خود کو کمپوز کیا تھا۔ پھر پہلے ہلکے سے دروازے کو ناک کیا پھر ناب گھما کر دروازہ اوپن کرتی اندر داخل ہو گئی۔ بیڈروم ہلکی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جہازی سائز بیڈ پر ابوداؤد کا تنومند سراپا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں دراز دکھائی دے رہا تھا۔ اس غضب کی سردی میں بھی وہ بنا شرٹ کے صرف جینز میں ملبوس تھے۔ میں جھجک کر وہیں تھم گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس درجہ بے تکلفانہ انداز میں میرے روبرو تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ آہستگی سے اُٹھ بیٹھے۔

''آؤ حجاب رک کیوں گئیں؟''

میں ایک قدم ہی بڑھا سکی۔ میں گریزاں تھی چاہتی تھی وہ شرٹ پہن لیں۔ مگر ابوداؤد کو شاید اس بات کا خیال نہیں آیا تھا۔

''تم واقعی آ گئی ہو نا۔ آئی کانٹ بلیوات۔ میں تمہیں چھو کر خود کو یقین دلا سکتا ہوں؟''

انتہائی شوخ لہجہ بشاشت سے بھرپور تھا۔ میں جوان کی بیماری کا سن کر کچے دھاگوں سے بندھی کھینچی آئی تھی چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ ان کی نیم خوابناک آنکھیں تمام تر گہرائی لیے مجھ پر ہی مرتکز تھیں۔ میری پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں۔

''آ آپ تو کہہ رہے تھے آپ بیمار ہیں؟''

میں اب کچھ کھسیاہٹ کا شکار ہو چکی تھی۔

''آئی تھینک اگر میں یہ نہ کہتا تو آپ کبھی تشریف نہ لاتیں۔ اور پھر وہ کیا خوب کہا گیا ہے کہ:۔

ان کے آ جانے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

کچھ ایسی ہی بات ہے محترمہ! ویسے مجھے چھو کر دیکھیں بیمار تو ابھی تک ہوں۔

انہوں نے کسی قدر شوخی سے کہتے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ مجھے ان کی قربت سے بے تحاشا حیا آنے لگی۔ میں سخت جزبز ہو گئی تھی۔

''آپ شرٹ تو پہنیں نا داؤد۔''

میں واقعی ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ وہ پہلے چونکے پھر بے ساختہ ہنستے چلے گئے۔

''عجیب لڑکی ہو یار لڑکیاں میری اس باڈی پر مرتی ہیں۔ بہانے بہانے مجھے چھوتی ہیں اور تم......؟''

وہ جیسے متاسفانہ انداز میں سر جھٹک رہے تھے۔ میں نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

مجھے ایسی لڑکیوں سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ مجھے ایک دم غصہ آ گیا تھا۔

''لیکن یار تم میری ہونے والی بیوی بھی تو ہو۔''

''ہونے والی ہوں نا۔ ہوں تو نہیں۔ آپ اس بات کو تو سمجھیں۔'' مجھے جھنجھلاہٹ نے آن لیا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں مگر جو میڈیسن میں نے لی ہیں وہ بہت ہائی پوٹنسی کی تھیں میرا دل گھبرا رہا تھا جبھی شرٹ اُتاری تھی۔ ابھی بھی دیکھو میرا دل اپنی رفتار سے کہیں بڑھ کر تیزی سے دھڑک رہا ہے۔''

انہوں نے اپنی بات کے اختتام پر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ مجھے جیسے ہزار وولٹیج کا کرنٹ لگا تھا۔ یہ حرکت مجھے طیش سے پاگل کر گئی تھی۔ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر میں سرعت سے اُٹھی تھی۔ مگر میری کوشش کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکی۔ ابوداؤد نے دوبارہ میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''کیا ہوا......؟''

''کیا ہوا؟ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ آپ کو خود کچھ بھی پتا نہیں ہے داؤد۔ مجھے یہ بے تکلفی یہ دلیری ہرگز ہرگز پسند نہیں ہے سمجھے آپ۔''

میرا پارہ چڑھ گیا تھا اور میں پھٹ پڑی تھی۔ ابوداؤد نے مجھے جواباً سرد نظروں سے دیکھا تھا پھر ٹھہر کر بولے تھے۔

''کونسی بدتمیزی کی میں نے۔ تم بدتمیزی کا مطلب جانتی ہو؟''

ان کا لہجہ بے حد گستاخ تھا ان کی نظریں اتنی قہر بھری اور غلیظ تھیں کہ میں یکلخت حیرت اور صدمے سے گنگ ہونے لگی۔

''بدتمیزی دست درازی کو کہتے ہیں۔ جو میں نے ابھی تک تم سے نہیں کی۔ بدتمیزی کے اور بھی کئی مطالب ہیں جو میں ابھی تم پر ظاہر کر سکتا ہوں۔ تم جیسی لڑکی پر جو اپنے گھر والوں کو دھوکہ دے کر اپنے نفس کی تسکین کی خاطر یہاں آتی ہے۔''

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر میری چادر کھینچی تھی اور گول مول کر کے دور کونے میں پھینک دی۔ مجھ پر اگر وہ تیزاب پھینک دیتا تو اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ مجھے کوئی بھڑکتے الاؤ میں پھینک دیتا تو شاید میں احتجاج نہ

کرتی مگر یہ داؤد کے الفاظ تھے۔ اتنی توہین، اتنی ہتک، ایسی بے مائیگی۔ شاید میرے غلط راہ پر پڑے ہوئے قدموں کی سزا یہی ہونی چاہیے تھی۔ میں بری طرح کانپ رہی تھی۔ میری چھلکتی آنکھوں میں ان کا سراپا دھندلا گیا تھا۔ مجھے لگا تھا میری ٹانگیں میرے وجود کا پورا بوجھ نہیں سہار سکیں گی۔ میں لڑکھڑا گئی تھی اس سے پہلے کہ گر جاتی ابوداؤد نے آگے بڑھ کر مجھے تھام لیا۔ میرے اندر غضب کی مزاحمت ابھری مگر میری ساری صلاحیتیں بے کار ہو چکی تھیں۔ میں نے غم سے ڈوبتی نگاہوں کے ساتھ انہیں دیکھا تھا اور کرب سے آنکھیں موند لیں تھیں۔ انہوں نے شاید کچھ کہا تھا۔ مگر میری ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ میں سمجھ پاتی۔ میں نیم وا آنکھوں بے جان ہوتی ٹانگوں کے ساتھ بے بسی کی شدت سمیت یکلخت میں ان کے بازوؤں میں سمٹی کھڑی تھی۔ معاً کچھ ناگوار شور ابھرا۔ میں نے ابوداؤد کو چونکتے دیکھا پھر وہ ٹھٹک گئے تھے۔

"اسے چھوڑ دو ابوداؤد اور خود پیچھے ہٹ جاؤ۔"

مجھے ذہن پر زور ڈالنا پڑا یاد کرنے کو کہ یہ آواز کس کی تھی۔

"اوہ تم! اچھا ہوا آ گئے۔ دیکھو تمہاری سسٹر کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ حالانکہ یہ میری عیادت کو آئی تھی۔ ابوداؤد کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔ میرے حواس سلب ہونے لگے۔ میں نے ان کی باہوں سے نکلنے کی موہوم سی مزاحمت کی تھی۔

"مجھے شک تھا تم پر۔ تم اتنے گھٹیا ہو گے مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا۔"

اگلے لمحے وہ ابوداؤد پر جھپٹے تھے اور مجھے جارحانہ انداز میں اپنی جانب گھسیٹ لیا۔ میری پہلے تو جو حالت تھی سو تھی۔ اب مرے ہوئے پر دوروں والی بات ہو گئی تھی۔ جس آکورڈ پوزیشن میں دیکھا تھا بھائی نے مجھے اس کے بعد میں شاید مر کے بھی ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ ابوداؤد اور بھیا اب ایک دوسرے کے مقابل تھے اور بپھرے ہوئے سانڈوں کی طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کو تیار میں سہمی ہوئی چڑیا کی طرح ایک کونے میں دبک گئی تھی۔

"میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔ حرام زادے! تمہاری دشمنی مجھ سے تھی۔ میرے گھر کی عزت کی طرف نظر اٹھانے کی جرأت کیسے کی تم نے؟"

بھیا نے کف اڑاتے ہوئے للکارا تھا ان کا چہرا شدت غضب سے سیاہ پڑ رہا تھا۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ میرے جیسے گم شدہ حواس بحال ہوئے تھے مجھے لگا تھا اگر ان دونوں کو روکا نہ گیا تو شاید وہ ایک دوسرے کو مار مار کر ختم کر دیں گے۔

"ہٹ جائیں بھیا! چھوڑ دیں پلیز چھوڑ دیں۔"

میں اٹھ کر لڑکھڑاتی ہوئی بھیا کی جانب گئی تھی اور انہیں پکڑ کر الگ کرنے کی ایک بے ضرر سی کوشش کی۔ انہیں تو باز نہیں رکھ سکی البتہ بھیا کے طیش کو مزید ہوا ضرور دے دی۔ ایک ہاتھ سے داؤد کو پیچھے پٹخنے کے بعد انہوں نے دوسرے ہاتھ سے گھما کر مجھے طمانچہ رسید کیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ تم اپنی شکل لے کر۔ تمہاری وجہ سے محض تمہاری وجہ سے آج یہ دو ٹکے کا انسان ہمیں ذلیل کر رہا ہے۔"

عون بھیا یقیناً اپنے آپے میں نہیں تھے۔ ان کا یہ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ میں کسی بے جان چیز کی طرح دیوار سے جا ٹکرائی۔ میرے سر کے پچھلے حصے اور ناک کے ساتھ ہونٹوں سے ایک ساتھ خون بہہ نکلا تھا۔ ابوداؤد جو خود بھی بھیا کے طیش اور مارشل آرٹ کے فن کا نشانہ بن رہے تھے مگر مجھے اس طرح گرتے دیکھ کر لپک کر میری جانب آئے تھے۔

"حجاب! آر یو او کے؟"

انہوں نے جھک کر مجھے سنبھالنا چاہا مگر اس سے پہلے عون بھیا نے کسی عفریت کی طرح انہیں بالوں سے دبوچ کر مجھ سے دور کھینچ لیا تھا۔

"خبردار اپنے ناپاک ہاتھ میری بہن سے دور رکھنا سمجھے؟"

وہ زور سے چلائے تھے اور ایک زوردار گھونسا داؤد کو ایک بار پھر اپنے چہرے پر کھانا پڑا۔ ایک لمحے کے اندر داؤد کا چہرا لہولہان ہو گیا تھا۔ یہ شور اور چیخ و پکار سن کر ملازم اور واچ مین وہاں آ گئے تھے۔ اور بدحواس اپنے مالک کو پٹتا دیکھ رہے تھے۔ معاً واچ مین کے حواس بحال ہوئے اور اس نے عون بھیا پر گن تان لی۔

خو ظالم کی بچی! چھوڑ دو ہمارے صیب کو ورنہ ام گولی چلا کر یہیں ڈھیر کر دے گی تم کو۔ پٹھان واچ مین کے ارادے خطرناک تھے مگر بھیا کو جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ انہوں نے ایک زوردار ٹھوکر ابوداؤد کو رسید کی اور نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولے تھے۔

"میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر ہمیشہ کے لیے۔ میرا وہ اعتماد جو میں نے تم پر کیا وہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ آج کے بعد میں تمہاری شکل نہ دیکھوں۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ کی انگلی سے انگیجمنٹ رنگ کھینچی اور ابوداؤد کے منہ پر مارتے مجھے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے باہر نکلتے چلے گئے تھے۔ شاید یہ قصہ آج یہیں ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔

☆☆

خواب مرتے نہیں
خواب دل ہیں نہ آنکھیں نہ سانسیں کہ جو
ریزہ ریزہ ہوئے تو بکھر جائیں گے
جسم کی موت سے یہ بھی مر جائیں گے
خواب مرتے نہیں
خواب تو خواب ہیں روشنی نوا ہیں ہوا ہیں
جو کالے پہاڑوں سے رکتے نہیں

ظلم کے دوزخوں سے بھی پھنکتے ہیں
روشنی اور نوا اور ہوا کے علم
مقتلوں میں پہنچ کر بھی جھکتے ہیں
خواب تو نور ہیں
خواب سقراط ہیں
خواب منصور ہیں

اس کے بعد زندگی میرے لیے بہت مختلف اور تکلیف دہ ہو گئی تھی۔ بھیا نے میرے خلاف جو ایکشن لیا تھا۔ وہ شدید تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے مجھے کالج سے بے دخل کیا۔ اس کے بعد میرے گھر سے نکلنے اور سیل فون کے ساتھ لینڈ لائن استعمال کرنے پر بھی سخت پابندی عائد کر دی تھی۔ وہ لڑکیاں جو گھر والوں کی عزت سے کھیلتی ہیں ان کے ساتھ شاید یہی ہونا چاہیے۔ جو والدین اور بھائیوں کی محبتوں کا ناجائز استعمال کرتی ہیں ان کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے۔ میرے اندر بھی اس سلوک نے بغاوت بھر دی تھی۔ حالانکہ دیکھا جاتا تو ابوداؤد نے بھی میرے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا تھا۔ انہوں نے بھی میری عزت دو کوڑی کی تھی۔ مگر شاید مجھے ان سے محبت تھی جبھی میں ان کے لیے نرمی کا پہلو نکال رہی تھی۔ عون بھیا مجھے وہاں سے لاتے ہوئے ابوداؤد کے ساتھ میرا ہر تعلق توڑ آئے تھے۔ مگر یہ ان کی سوچ تھی۔ ہاتھوں میں سے انگوٹھی اُتار دینے سے دلوں کے تعلق ناپائیدار نہیں ہو جایا کرتے۔ اس روز عون بھیا مجھے اپنے ہمراہ لے کر گھر پہنچے تو ان کے فولادی چہرے پر اتنی برودت ایسی درشتی تھی جو خوف سے روح سلب کر دے۔ مگر جانے کیوں مجھے پھر بھی ان سے خوف نہیں آیا تھا۔ پورٹیکو میں گاڑی روک کر انہوں نے بند دروازے کو کھولا تھا اور آندھی طوفان کی طرح باہر نکلے تھے۔ پھر مجھے بازو سے پکڑ کر بے جان شے کی مانند کھینچے مما کے پاس لائے اور مجھے ان کی طرف دھکیل دیا تھا۔ دوپٹے کے بغیر ناک اور ہونٹ سے بہتے خون کے ساتھ میری حالت قابل رحم تھی مگر مما کو تو دھچکا لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں عون بھیا غرا کر بولے تھے۔

"سنبھالیں اسے، ایسا نہ ہو میں اسے جان سے مار ڈالوں۔"

قہر سے بھرا سرد لہجہ مما کو سراسیمہ کر گیا۔

"عون کیا ہوا؟" انہوں نے گھٹتی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔

"بہتر ہوگا آپ اسی سے پوچھ لیں۔ میری زبان بھی زیب نہیں دیتی۔"

انہوں نے قہر برساتی، لہو رنگ نظریں لمحہ بھر کو مجھ پر ٹکائیں۔ ان آنکھوں کی تلخی اور ان سے اُٹھتی چنگاریاں مجھے بھسم کرنے کو کافی تھیں۔ میں آنسو بہانا بھی بھول چکی تھی۔ بس بے بسی کا شدید احساس تھا جس نے مجھے جیسے جامد کر دیا تھا۔ عون بھیا جیسے دندناتے ہوئے آئے تھے۔ ویسے ہی چلے بھی گئے۔ اب میں عدالت میں پیش مجرم کی طرح مما کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی اور وہ خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی کرب آلود نظریں میرے سراپے پر جمی تھیں پھر وہ آگے بڑھیں اور الماری کھول کر جو دوپٹہ ہاتھ لگا کھینچ کر

میرے کاندھوں پر ڈال دیا۔

"عون کیا کہہ گیا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔؟"

میں کیا کہتی میرے پاس کہنے کو الفاظ ہی نہیں رہے تھے۔

"بولو حجاب! ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔"

ان کی رنگت ہلدی کی طرح زرد پڑتی جا رہی تھی۔ ان کی سوالیہ نظروں میں جو ملامت اور شک تھا وہ مجھے نظریں چرانے پر مجبور کر گیا۔

"بولو حجاب! کیا کیا ہے تم نے؟"

ان کا ضبط چھلک گیا تھا۔ انہوں نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ پھر میں نے اپنی زندگی کا سب سے کڑا وقت سہا میں نے خود اپنے منہ سے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور لمحہ بہ لمحہ مما کا سفید پڑتا ہوا چہرا دیکھا تھا۔ وہ کھڑے سے بیٹھ گئیں تھیں۔ پھر میں نے ان کی سرسراتی ملامتی آواز سنی تھی۔

"تمہیں پتا ہے حجاب تم اپنے نام کی لاج نہیں رکھ پائیں۔ تم نے آج ہمیں ہماری نظروں سے گرا دیا۔"

"مجھے معاف کر دیں مما! مجھے معاف کر دیں۔"

میں ان کی حالت دیکھ کر زور زور سے رونے لگی مگر انہوں نے میرے ہاتھ جھٹک دیے تھے۔

"یہاں سے چلی جاؤ حجاب میں ابھی تمہاری شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہوں۔"

کتنی بے حسی، بے رغبتی اور نفرت تھی ان کے لہجے میں ان کی آنکھوں میں، مجھے لگا تھا میں نے اس روز ابوداؤد کو ہی نہیں اپنے تمام رشتوں کو کھو دیا تھا۔

☆☆

زندگی مجھے عجیب دوراہے پر لے آئی تھی۔ جب ابوداؤد سے یہ رشتہ استوار ہوا تھا میں نے تب بھی احتجاجاً خود کو کمرے میں مقید کر لیا تھا۔ اب جب یہ رشتہ ٹوٹ گیا تھا تو میں ایک بار پھر یہاں مقید تھی۔ غم و غصے رنج اور بے بسی کے احساسات سے مغلوب تھی۔ اس معاملے کو پپا نے اپنی فہم و فراست سے سلجھا لیا تھا۔ انہوں نے ساری بات سنی تھی۔ مجھ سے بھی اور عون بھیا سے بھی پھر انہوں نے رشتے کی تجدید تو نہیں کی مگر ہمارے درمیان جو رنجش در آئی تھی اسے دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا اس میں ہم صرف حجاب کو قصور نہیں ٹھہرا سکتے۔ سب سے اہم عمل دخل ابوداؤد کا تھا۔ ہم پر واضح ہو ہی چکا تھا کہ اس کے مقاصد کیا تھے اس نے انہی مقاصد کے لیے ہماری بیٹی کو استعمال کیا۔ حجاب ابھی نادان ہے اپنا اچھا برا نہیں سمجھ سکتی۔ ویسے بھی بچوں سے غلطیاں ہو جایا کرتی ہیں۔ عون بیٹے آپ بڑے ہو بہن کی غلطی معاف کر دو۔"

میں خاموش سر جھکائے بیٹھی تھی اور بس آنسو بہا رہی تھی۔

"اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ دوبارہ اس غلطی کو نہیں دہرائے گی؟"

عون بھیا کی آواز خشک تھی۔

"عون چیئر اَپ بیٹے! میں نے کہا نا بچوں سے غلطیاں ہو جایا کرتی ہیں۔ پھر ہماری بیٹی کو ٹریپ کیا گیا تھا۔ خدانخواستہ اس کے کردار میں کسی قسم کی کوئی جھول نہیں۔"

پیا کا لہجہ و انداز مدلل اور بھرپور تھا۔ عون بھیا نے گہرا سانس بھرا۔

"ٹھیک ہے پیا مگر میں اب محتاط رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس گھٹیا انسان پر بھروسہ نہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں میں دوسری مرتبہ اس سے دھوکہ کھانا نہیں چاہتا۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو تم؟"

پیا نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"حجاب کالج نہیں جائے گی۔ اور سیل فون بھی یوز نہیں کرے گی۔"

انہوں نے جس قطعیت سے کہا وہ انداز پیا کے پیشانی پر شکن سمیٹ لایا۔

"دوسرے لفظوں میں تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں حجاب پر اعتماد نہیں؟"

پیا نے ناگواری سے پوچھا تھا۔ عون بھیا نے کاندھے اچکا دیئے۔

"میں نے کہا نا میں اتنا اسٹیمنا نہیں رکھتا کہ پھر سے دھوکہ کھالوں۔ اس آدمی سے کچھ بعید نہیں ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو عون؟"

پیا نے کسی قدر سنجیدگی سے انہیں دیکھا تھا وہ ہونٹ بھینچے کچھ لمحے خاموش بیٹھے رہے۔

"میں جتنا اسے جانتا ہوں آپ سب لوگ نہیں جانتے پیا! پلیز میری بات کو سمجھیں۔ اگر آپ کسی بڑے نقصان سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ احتیاط ضروری ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے کی محتاط پلاننگ کرنی ہوگی۔"

عون بھیا کا لہجہ و انداز گھمبیرتا لیے ہوئے تھا۔ پیا نے بغور انہیں دیکھا تھا۔

"کھل کر بات کرو عون مرتضیٰ!"

"میں حجاب کی شادی کرنا چاہتا ہوں فوری۔ یہ بے حد ضروری ہے پیا!"

عون بھیا کے منہ نکلنے والے الفاظ میرے اعصاب پر بم بن کر گرے تھے۔ میں نے ایک جھٹکے سے سر اونچا کر کے انہیں دیکھا مگر وہ میری سمت متوجہ نہ تھے۔

"میرا ایک دوست ہے۔ حیثیت تو اتنی زیادہ نہیں ہے مگر خاندانی اور پڑھا لکھا قابل لڑکا ہے میں چاہتا ہوں ایک ہفتے کے اندر اندر نہایت راز داری سے فراز کے ساتھ حجاب کا نکاح ہو جائے آپ یقین کریں اس کام کے بعد سو میں سے نوے فیصد خطرہ ٹل جائے گا۔"

عون بھیا کا انداز قائل کرنے والا تھا۔ اور شاید مما پیا قائل ہو بھی جاتے۔ مگر میرے اندر غضب کی مزاحمت پیدا ہوتی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے وہاں سے اُٹھ گئی تھی۔

تیسرا حصہ

بارشوں کے موسم میں
دل کی سرزمینوں پر
گرد کیوں بکھرتی ہے
اس طرح کے موسم میں
پھول کیوں نہیں کھلتے
کیوں فقط یہ تنہائی
ساتھ ساتھ رہتی ہے
کیوں بچھڑنے والوں کی
یاد ساتھ رہتی ہے
اتنی تیز بارش سے
دل کے آئینے پر سے
عکس کیوں نہیں ڈھلتے
نیند کیوں نہیں آتی
بارشوں کے موسم میں
آنکھ کیوں برستی ہے
اشک کیوں نہیں تھمتے
بارشوں کے موسم میں
لوگ کیوں نہیں ملتے

سرما کی ایک طویل یخ بستہ رات دھیرے دھیرے قرب و جوار کو اپنے حصار میں لے رہی تھی۔ ایک ہلکا سا کُہر بند کمروں سے باہر نشیب و فراز کو ڈھانپ رہا تھا۔ آج سردی معمول سے زیادہ تھی۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ مگر میں کمرے کی کھڑکی کھولے موسم کی شدتوں کو سہہ رہی تھی۔ آنسو بہا بہا کر بھی تھک گئی تھی۔ آنسو کبھی مسئلے حل نہیں کرتے۔ صورتحال کی گھمبیرتا اپنی جگہ تھی۔ بھیا نے وہ بات صرف کہی نہیں تھی اس پر عمل کر کے دکھا

دیا تھا۔ فراز کے گھر والے کل شام آئے تھے۔ بوڑھی ماں، جواں سال بہن اور ایک بھائی، بات تو پہلے ہی طے ہو گئی تھی۔ انہوں نے رسماً میرے ہاتھ پر کچھ روپے رکھ دیئے تھے۔ میرے اندر آنسوؤں اور آہوں کی طغیانی تھی مگر چہرا بالکل سپاٹ رہا تھا۔ کل شب میں نے خود سے اور حالات سے ہار تسلیم کر لی تھی۔ مجھے عزت کھو کر صرف محبت کا انتخاب بے حد دشوار محسوس رہا تھا۔ پھر ابو داؤد کے پاس میرے لیے کہاں عزت تھی۔ آخری ملاقات میں لمحوں میں مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔ حالانکہ وہ بھی تو جانتے تھے میں ان کے فورس کرنے کی اور دھمکیوں کے بعد ان سے ملنے گئی تھی۔ مگر ازلی اصول اس مرتبہ بھی قائم دائم رہا تھا۔ عورت بے قصور ہو چاہے معمولی قصوروار سزا اور الزام اسی کے سر آنے ہوتے ہیں۔ میری تمام مزاحمتیں تمام شکوے اور گلے اسی رنج کی رو میں بہہ گئے تھے۔ اب ایک جامد سناٹا تھا جو دل و روح کے ایوانوں میں سرسراتا رہتا تھا۔

مجھے دکھ اس بات کا تھا۔ مجھے میرے اپنوں نے غلطی کے بعد معافی کی گنجائش نہیں دی تھی۔ آناً فاناً رشتہ طے کرنا اور پھر شادی کی تاریخ مقرر کر دینا میرے کردار کو ان لوگوں کی نظروں میں مشکوک کر چکا ہوگا۔ ساری زندگی ایک نادیدہ بوجھ کے ساتھ گزرنے والی تھی۔ میں عمر بھر اپنا کھویا ہوا اعتماد بحال نہیں کر سکتی تھی۔ یہ سوچوں کی تلخی ہی تھی کہ میری آنکھیں پھر سے بہہ گئی تھیں۔ رات بھر میں خود سے لڑتی اور آنسو بہاتی رہی تھی۔ صبح میری آنکھ کھلی تو مما میرے اوپر جھکیں کمبل اوڑھا رہی تھیں۔ میں نے دکھتی آنکھوں سمیت انہیں دیکھا تھا اور اذیت میں مبتلا ہوتے کروٹ بدل لی۔ میرے لیے محبتوں اور رشتوں کے مفہوم بدل کر رہ گئے تھے۔ ہر جذبے سے اعتبار اُٹھ گیا تھا۔ مجھے کب اعتراف نہیں تھا کہ میری غلطی نہیں تھی۔ مگر مجھے سزا میری خطا سے کہیں بڑھ کر دی گئی تھی۔ رنج اور اذیت مجھے بے حال کرنے لگی۔ مجھے پتا بھی نہ چلا اور ہچکیوں سے میرا وجود لرزتا چلا گیا۔ مما کا ہاتھ میرے شانے پر آ کر ٹھہر گیا۔ اگر میں اپنی اذیتوں کے سمندر میں اتنی گہرائی سے ڈوبی نہ ہوتی تو مجھے اسی ساعت ان کے ہاتھ کی لرزش کا اندازہ ہو جاتا۔

''اتنی خفا ہو مجھ سے؟''

مما کی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔ جواب میں مَیں نے کچھ نہیں کہا تھا میرے دل میں میری روح میں اتنا غم بھرا ہوا تھا کہ میں کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں رہی تھی۔

مجھے پتا ہے تم خوش نہیں ہو۔ مگر جو کچھ تم نے کیا وہ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

انہوں نے پھر کہا اور میرے سرہانے بیٹھ گئیں۔ میری آنکھیں شدتوں سے بہتی رہیں۔

''اتنی محبت کرتی ہو ابو داؤد سے کہ اس کی وجہ سے ہم سب سے منہ پھیر لیا ہے؟''

مما کی بات ایسی تھی جس نے میرا دل پاش پاش کر دیا تھا۔

''مجھ سے یہ سوال کرنے کی بجائے آپ لوگ یہ سوچیے۔ آپ کو اپنی بیٹی پر اتنا ہی اعتبار تھا جو ابو داؤد کی کی ہوئی صرف ایک حرکت سے اس طرح ٹوٹ کر بکھرا کہ اس کے بعد کچھ باقی نہیں بچا۔ مما میں آپ سے شکوہ نہیں کر رہی کہ میں نہیں سمجھتی مجھے اس کا حق بچا ہے۔ مگر مجھے جواب دیں ابو داؤد کے ساتھ اس تعلق کو استوار کرنے والا کون تھا۔ اس تعلق کو توڑنے والا اور پھر سے نیا رشتہ بنانے والا کون ہے۔ میں خاموش ہی ہوں

نا مری تو نہیں۔ اس گھر سے بھاگی تو نہیں؟ آپ کی دی ہوئی سزا کو میں نے قبول کر لیا ہے۔ اس لیے کہ میں آپ کے مخالف راستوں پر چلنے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔ میں نے یہ بھی نہیں سوچا اس کے بعد میری زندگی کتنی کٹھن ہو جائے گی۔ میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی میری صرف ایک خواہش ہے مما مجھے آپ لوگ معاف کر دیں۔''

اپنی بات پوری کرنے سے قبل ہی میں زار و قطار رو پڑی تھی۔ مما آنسو بھری آنکھوں سے کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی تھیں پھر مجھے گلے لگا کر وہ خود بھی پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھیں نہ جانے کیوں؟

☆☆

شہر دل کی گلیوں میں
شام سے بھٹکتے ہیں
چاند کے تمنائی
بے قرار سودائی
دل گداز تاریکی
جاں گداز تنہائی
روح و جاں کو ڈستی ہے
روح و جان میں بہتی ہے

دن تیزی سے گزر رہے تھے۔ ابو داؤد کا کچھ پتا نہیں تھا۔ کبھی کبھار میں حیران ہو جاتی۔ وہ میری زندگی میں کیوں آئے تھے۔ محض عون بھیا سے کوئی پرانا بدلہ چکانے۔ اگر ایسا تھا تو مجھے اپنے نزدیک لانے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اپنی محبت کے جال میں پھانسنے کی کیا ضرورت تھی۔ یا شاید ان کا مقصد کچھ اور تھا۔ ابھی وہ کچھ اور چاہتے تھے مگر عون بھیا اپنی فہم و فراست کی بدولت بڑے نقصان سے محفوظ رہے۔ کچھ بھی تھا اس سارے معاملے میں سب سے زیادہ نقصان میرے حصے میں آیا تھا۔ میں نے ایک گہرا طویل سانس کھینچا اور کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آ گئی۔ سرد رات کے اس پہر چاندنی میں دور تک پھیلا سمندر کا ساحل ویران نظر آتا تھا۔ تیز ہوا سے لان میں لگے سفیدے اور جامن کے پیڑ جھوم رہے تھے۔ ہر شے ساکن اور پرسکون تھی سوائے میرے۔ دو دن بعد فراز کے ساتھ میرا نکاح تھا ساتھ ہی رخصتی تھی۔ میں جب بھی سوچتی میرا دل خون ہونے لگتا۔ شادی دلوں کے ملنے ایک دوسرے کو قلبی طور پر قبول کرنے کا نام ہے۔ میرے دل میں فی الحال ایسے کسی تجوگ کی گنجائش نہیں تھی۔ ایک ایسا انجانا شخص جسے میں نے کبھی دیکھا نہیں تھا جانتی نہیں تھی پتا نہیں اس کے ساتھ ساری عمر کیسے گزرتی جبکہ ابو داؤد کا لگایا داغ بھی میرا دامن آلودہ کر گیا تھا۔ میں جتنا سوچتی تھی میرا ذہن اسی قدر اذیت کا شکار ہونے لگتا تھا۔ اپنے پیچھے آہٹ محسوس کر کے میں ذرا سا چونکی تھی البتہ پلٹ کر نہیں دیکھا جانتی تھی مما کے سوا کون ہوگا۔

''حجاب کھانا کیوں نہیں کھایا تم نے؟''

مما کے سوال پر میں نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کو گہرا سانس بھر کے کھولا تھا۔

”بھوک نہیں تھی۔“

مما کچھ دیر مجھے افسردگی کی کیفیت میں دیکھتیں رہیں۔ پھر یوں چہرے کا رخ پھیر لیا جیسے مجھ سے کچھ چھپانا مقصود ہو۔

”دس از ناٹ فیئر ہنی!“ کچھ دیر بعد وہ بولیں تو ان کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔ میں پتھر کی مورت کی مانند ساکن رہی میرے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد کسی بے حسی کا مجھ پر طاری ہو جانا کچھ ایسا عجیب بھی نہیں تھا۔

”ہمیں معاف کر دینا بیٹا ہمارے بس میں کچھ بھی نہیں۔ بسا اوقات بہت بڑے نقصان سے بچنے کے لیے نسبتاً معمولی نقصان کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔“

”مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے مما! مجھے آپ کا ہر فیصلہ چاہے وہ کیسا ہی ہو قبول ہے ڈونٹ وری!“ میں نے ٹھہری ہوئی مگر سرد آواز میں بالآخر ان کی تشفی کرنی چاہی تھی۔

”ابھی تمہیں شاید لگے کہ یہ فیصلہ ہم نے جذباتیت میں کیا مگر ابو داؤد......“

”فارگیٹ اٹ مما! پلیز تمام چیپٹر کلوز کر دیں۔“

میں نے کرب آمیز لہجے میں کہا اور پلٹ کر کمرے میں آ گئی۔ مما میرے پیچھے تھیں۔

”تمہارے پپا اور عون چاہتے ہیں تم سب کے ساتھ ڈائننگ ہال میں کھانا کھایا کرو۔“ پلیز بیٹا انکار نہیں کرنا۔“

وہ ملتجی سی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

”میں خود کو اس قابل نہیں پاتی کہ اب کسی کا سامنا کر سکوں۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔“

میرا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی ترش ہو گیا۔

”ایسا کب تک چلے گا؟“

”محض دو دن۔ آپ لوگوں نے انتظام کر تو لیا ہے۔“

میرے اندر کی ساری تلخی میرے الفاظ سے ظاہر ہو گئی۔ مما بے بس سی نظروں سے کچھ دیر مجھے دیکھتی رہیں تھیں پھر گہرا سانس بھر کے آہستگی سے پلٹ کر چلی گئیں۔ جبکہ میری آنکھیں ایک بار پھر گیلی ہوتی چلی گئیں تھیں۔

☆☆

وہ ایک شخص کہ جس سے محبتیں تھیں بہت
خفا ہوئے تو اسی سے شکایتیں تھیں بہت
بہت عزیز تھے اپنے اصول اس کو بھی
ہمیں بھی اپنی انا کی ضرورتیں تھیں بہت

عجیب شب و روز تھے۔ راتوں کو جاگتی تو دن چڑھے تک پڑی سویا کرتی۔ دن کا ایک حصہ گزر گیا تھا۔ جب دروازہ زور سے دھڑ دھڑائے جانے پر میری آنکھ کھلی۔ رات بھر کھلی کھڑکی سے سرد ہوا کے جھونکے

کمرے کو یخ بستہ کرتے رہے تھے اب اسی کھلے ہوئے دریچے سے سورج کی کرنیں بڑی بے تکلفی سے اندر آ گھسی تھیں میں نے اُٹھ کر بال سمیٹتے ہوئے پیروں میں سلیپر اٹکائے۔ اس دوران دستک مزید دو مرتبہ ہو چکی تھی۔

”چھوٹی بی بی بیگم صاحبہ کہتی ہیں ناشتہ کر کے فٹافٹ تیار ہو جائیں۔“

دروازے پر زبیدہ تھی۔ جب سے یہ ساری صورتحال ہوئی تھی زبیدہ سے شاید میرا پہلا سامنا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے تاسف اور ہمدردی دیکھنا بھی ایک آزمائش تھی۔ میں کچھ کہے بغیر پلٹ کر واش روم میں چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر تولیے سے خشک کرتی باہر آئی تو مما خود ناشتے کی ٹرے کے ساتھ میری منتظر تھیں۔

”مما پلیز! میری خاطر یہ زحمت مت کیا کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

تولیہ صوفے پر پھینکتے ہوئے میں جھنجھلا کر بولی تھی۔ وہ جواباً کچھ کہنے کی بجائے مجھے دیکھتی رہیں۔

”ناشتہ کر لو۔“

مجھے بھوک نہیں تھی مگر محض ان کی تسلی کی خاطر میں نے ایک سلائس چائے کے ساتھ لے لیا۔

”جوس تو لو بیٹا!“

جی نہیں چاہ رہا۔ میں نے چائے کا خالی مگ واپس رکھتے ہوئے کہا تو مما جیسے تمہید باندھتے ہوئے بولیں۔

”اپنا حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟ نہا کر ذرا اچھے کپڑے پہن لو، فراز کی بھاوج اور بہن آ رہی ہیں۔“

میرے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ ہونٹ بھینچے میں اُٹھی تھی اور وارڈ روب کھول کر کپڑے دیکھنے لگی یہ نہیں

”یہ ریڈ والا پہن لو۔“

میرے ہاتھ سے لائٹ گرین سادہ سوٹ لے کر واپس رکھتے انہوں نے بروشے کا بہت اسٹائلش سوٹ میرے آگے کیا جو عون بھیا ملتان سے میرے لیے چند ماہ قبل لائے تھے۔ اس سوٹ کے ساتھ عون بھیا کی محبت کا بہت خوبصورت احساس تھا جو اب میرے لیے تکلیف دہ ہو چکا تھا۔ مگر میں نے مما کو انکار نہیں کیا تھا۔

”ان لوگوں کا ارادہ تمہیں شاپنگ کے لیے ساتھ لے جانے کا ہے۔“

مما نے کچھ خائف سے انداز میں مجھے بتایا تھا۔ میں تب بھی خاموش رہی۔

نہا لو طبیعت فریش ہو جائے گی اور وہاں ان بھلی مانس عورتوں سے ذرا ہنس کر بات کر لیا کرو۔ بہت اہم رشتہ بننے والا ہے تمہارا ان سے۔ اتنی چاہت کا اظہار کرتی ہیں مگر تم آگے سے اتنی ہی سرد مزاجی کا مظاہرہ...... بیٹا مناسب نہیں لگتا یہ سب۔“

”میں آئندہ خیال رکھوں گی۔“

میں نے یونہی جھکے سر کے ساتھ کہا تھا۔ پھر مما کے جانے کے بعد میں کپڑے اُٹھائے واش روم میں چلی گئی۔ اس معاملے میں مَیں نے خود پر ایک بے حسی طاری کر لی تھی۔ میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ عون بھیا نے میرے ساتھ جو بھی کیا تھا مگر میں ان کے اعتماد کو مزید ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھی چاہے اسی کوشش میں ضبط ہار کر میرا

دل پھٹ کیوں نہ جاتا مگر مجھے حرف شکایت زبان پر نہیں لانا تھا۔ میں باتھ لے کر باہر نکلی تو زبیدہ میری منتظر تھی۔

"وہ لوگ آ گئے ہیں۔ بیگم صاحبہ کہتی ہیں میں بال سلجھانے میں آپ کی مدد کروں۔"

"نہیں زبیدہ میں خود سلجھا لوں گی۔ تم جاؤ نیچے مما کو ضرورت پڑ سکتی ہے تمہاری۔"

زبیدہ کے تذبذب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے میں نے اسے نیچے بھیج دیا پھر میں نے برش اُٹھا کر بال سلجھانے شروع کیے تھے۔ میری زندگی کا معاملہ الجھا تھا تو بالوں کی الجھنیں تو اب کسی کھاتے میں ہی نہ رہی تھیں۔ پھر دو دن بعد میرے یہ جو نچلے کس نے اُٹھانے تھے۔ میری آنکھیں پھر سے گیلی ہونے لگیں مگر میں نے اپنا دل پتھر کر لیا تھا۔ بال سنوار کر سمیٹے اور کیچر میں جکڑ لیے۔ شُو ریک سے میچنگ کے سینڈل پہن کر دوپٹہ اوڑھتی میں نیچے چلی آئی۔ مہمان خواتین مما کے ساتھ ہال کمرے میں ہی براجمان تھیں۔ تینوں باری باری اُٹھ کر میرے گلے سے لگیں اور بہت خوشدلی سے اور تپاک سے میرا خیر مقدم کیا۔

"ماشاء اللہ بھابھی گلاب کی طرح مہکی مہکی نوخیز اور شاداب ہیں انہیں تو کسی سنگھار کی بھی ضرورت نہیں۔ اللہ نے فراز کے بھاگ جگا دیئے ہیں جی!"

فراز کی بہن فرط مسرت سے لرزتی آواز میں بولیں۔

"دو دن ہیں بیچ میں پھر تو اس چاند چہرے کو ہمیشہ ہمارے گھر میں ہی روشنی پھیلانی ہے" ان سادہ دل خواتین کی گفتگو بھی ویسی ہی تھی۔ سادہ اور بناوٹ سے عاری! میں خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"فراز کہہ رہا تھا وہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔ مگر میں نے منع کر دیا۔ ساری زندگی اس کو ہی بیوی کے ساتھ گھومنا پھرنا ہے ابھی ہمارا موقع ہے۔"

فراز کی والدہ ہنس رہی تھیں جبکہ یہ گفتگو میرے دل کے درد کو بڑھاوا دے رہی تھی۔

مما پتا نہیں کہاں چلی گئیں تھیں۔

"بیٹا آپ بھی کچھ لو نا۔"

آنٹی خود کیک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں مجھے بھی دعوت دی میں گھبرا گئی۔

ن نہیں مجھے خواہش نہیں۔ ایکچوئلی میں نے ابھی ناشتہ کیا ہے۔

"اچھا۔ اچھا" وہ مطمئن ہو گئیں۔

مما کے آنے پر ان لوگوں نے اجازت چاہی تھی۔ مما کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

"ہم تو چاہتے تھے آپ بھی چلتیں ساتھ۔ بچی ذرا ریلیکس رہتی۔"

فراز کی بھاوج نے مما سے کہا تھا۔ مما مسکرا دیں۔

"بچی ریلیکس ہی ہے۔ اسے ساری عمر اب آپ کے ساتھ ہی بسر کرنی ہے۔"

مجھے لگا تھا مما نے در پردہ مجھے کچھ جتلایا تھا۔ میرے دل میں کوئی نادیدہ سا تیر پیوست ہو گیا۔ ان لوگوں کے ہمراہ میں گاڑی میں بیٹھ کر مارکیٹ پہنچی تھی پھر ان تینوں خواتین کے ساتھ مختلف دوکانوں پر خوار ہوتی

پھری تھی۔ پتا نہیں یہ لوگ مجھے اپنے ساتھ کیوں لے کر آئی تھیں۔ جبکہ شاپنگ وہ خالصتاً اپنی پسند سے کر رہی تھیں۔ مجھ سے تو بس رائے لی جا رہی تھی۔ مجھے ایک لمحے کو ہنسی بھی آئی تھی۔ یہ بھلا کیسی فارملیٹی تھی جسے یہ لوگ نبھا رہی تھیں۔ خیر میرا یہ کوئی جذباتی اور قلبی لگاؤ تو تھا نہیں کہ کڑھتی پھرتی۔ بازار میں دکانیں گھومتے ہمیں دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ اب صحیح معنوں میں مَیں بے زار ہونے کے ساتھ بھوک بھی محسوس کرنے لگی تھی مگر وہ لوگ تن من دھن سے شاپنگ میں مصروف تھیں۔ نسبتاً مہنگے بوتیک سے وہ برائیڈل ڈالیس چوز کرنے کو آئیں تو کچھ نروس تھیں۔

"بھابھی سچی بات ہے ہم کبھی ایسی دکانوں پر نہیں گئے مگر یہ فراز کا حکم تھا کہ ولیمے کا جوڑا بہت شاندار ہونا چاہیے۔ یہاں جو بھی ڈیل کرنی ہے آپ نے ہی کرنی ہے۔"

فراز کی بہن نے میرے کان میں سرگوشی کی تھی اور میں پریشان سی ہو کر رہ گئی۔ جس طرح ان لوگوں نے بھاؤ تاؤ کیا تھا پیسے کم کرانے کو دوکانداروں سے جھگڑے کیے تھے اگر یہ مجھ سے ایسی توقع یہاں لگا رہی تھیں تو میں اس توقع پر ہرگز پوری نہیں اُتر سکتی تھی۔ میں انہیں بتانا چاہتی تھی کہ مجھے یہ کام کرنا نہیں آتا نہ میں نے کبھی کیا ہے مگر وہ مجھ سے جواب لیے بنا جیسے فرض ادا کر کے آگے بڑھ گئیں۔ ظاہری بات تھی میں کنفیوژ ہوئی تھی۔ مجھے قطعی سمجھ نہیں آئی تھی اس الجھن سے کیسے نکلوں کہ اس سے بڑی اور اچانک آ پڑنے والی افتاد نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ جس جگہ پر میں کھڑی تھی وہاں شیشے کے بڑے بڑے کیسوں میں اسٹائلش ملبوسات کو پوری طرح نمایاں کر کے لگایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ کبنٹ تھے جن میں ہینگر کیے ملبوسات لٹک رہے تھے اسی کبنٹ کے پیچھے سے کسی نے ہاتھ بڑھا کر میری کلائی جھپٹی تھی اور مجھے اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ یقیناً دہشت اور خوف کے باعث میں لازماً چیخ اُٹھتی مگر مجھے قابو کرنے والا اس خطرے سے آگاہ تھا جبھی میرے ہونٹوں کو کھلنے سے پہلے فولادی ہتھیلی جما کر بند رہنے دیا۔ میں محصور پرندے کی مانند محض پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ اس گرفت میں وحشت تھی وہ طوفان کی طرح مجھے گھسیٹتا ہوا کچھ اور پیچھے ہوا ہمارے چاروں اطراف لٹکتے ہوئے ریشمی کپڑے تھے۔ تاریکی تھی اور حبس تھا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ میں ایک بار پھر پھڑ پھڑانے لگی۔ خوف اور دہشت سے کسی پل بھی میرا دل بند ہو سکتا تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔ میں بھول گیا تمہیں؟"

میرے بکھرے ہوئے حواس ابو داؤد کی سرد پھنکار پر بالکل ساتھ چھوڑتے محسوس ہوئے۔

تو یہ ابو داؤد تھے۔ انتقام اور نفرت کی آگ میں بھڑ بھڑ جلتے ہوئے۔

"سالا صاحب سے کہہ دینا اس نئے تماشے کو یہیں ختم کر دیں۔ یہ بات طے ہے۔ اگر تمہارے ساتھ کسی کی شادی ہو گی تو وہ ابو داؤد ہی ہو گا۔ وہ مجھے ذلیل کر کے عزت قائم رکھ لے گا ایسا ممکن نہیں ہے۔ یہ بازی میں اسے ہرگز جیتنے نہیں دوں گا۔ اگر قسمت نے پھر سے ہار میرے نصیب میں لکھی تو میں جیتنے والے کو شوٹ کر دوں گا۔ کہہ دینا اس سے۔"

میری نگاہ پہلی مرتبہ ابو داؤد کے چہرے پر پڑی تھی۔ شاید اب اس تاریکی سے میری آنکھیں کچھ شنا سا ہو گی تھیں۔ میں خاموش ساکن انہیں تکتی رہی۔

''اگر میں چاہتا تو اب بھی تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ مگر میں بزدل نہیں ہوں۔ ڈنکے کی چوٹ پر ہر کام کروں گا۔ اور اس وقت جس کی ہزیمت اسے بھلائے نہ بھولے۔''

وہ غیظ وغضب سے بپھرے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے مجھے زور سے پیچھے کی جانب دھکیلا۔

''اب تم جاؤ، مجھے یہی کہنا تھا تم سے۔''

میں لڑکھڑا کر اس ملبوسات کے ڈھیر سے باہر آ کھڑی ہوئی میں حواس باختہ نہیں تھی شاکڈ تھی۔ میرے چہرے کی رنگت شاید نارمل نہیں تھی۔ میں اگلے کئی گھنٹے شاید نارمل نہیں ہو سکتی تھی۔

''ارے بھابھی آپ پیچھے ہی رہ گئیں۔ آیئے نا آپ کو بتایا ہے نا ہمیں یہاں کا کچھ پتا نہیں ہے۔''

فراز کی بہن نے آ کر میرا سرد ہاتھ تھام کر اپنی دھن میں کہا وہ یقیناً میری سمت متوجہ نہیں تھیں ورنہ میری دگرگوں حالت سے ضرور کھٹک جاتیں۔

''آپا پلیز! میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں۔ شاید بی پی شوٹ کر گیا ہے۔ آپ مائنڈ نہ کریں تو میں وہاں بیٹھ جاؤں؟'' یہ چند فقرے میں نے جن دقتوں سے بولے تھے یہ میرا دل جانتا تھا۔ سانسیں بہت تیز ہوتی جا رہی تھی۔ خدشات مجھے آکٹوپس کی مانند جکڑ چکے تھے۔ ابوداؤد کا طنطنہ ان کی اکڑ اور دھمکیاں میرے حواس چھین لے گئی تھیں۔ آنے والے وقت میں کیا ہونا تھا یہ خیال مجھے پاگل کرنے لگا۔

''کیا ہوا؟ ابھی تو ٹھیک تھیں۔''

میری فق صورت دیکھ کر فراز کی بھابھی اور اماں بھی میری جانب لپک آئیں۔ سیلز گرل بھی صورتحال کی گھمبیرتا دیکھ کر قریب آ گئی تھی۔ سیون اَپ منگوا کر مجھے پینے پر اصرار کیا جانے لگا۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اتنے اصرار کے جواب میں مَیں نے ایک دو گھونٹ لے کر گلاس ہٹا دیا۔

''انہیں لٹا دیں اور پلیز آپ سائیڈ پر ہوں انہیں ہوا لگنے دیں۔''

سیلز گرل نے مجھے ہمدردانہ انداز میں تھام کر بنچ پر لٹا دیا۔ میری آنکھوں سے نمی پھسل کر کنپٹیوں میں جذب ہونے لگی۔ فراز کی بہن مما کو فون پر اس نئی صورتحال کی خبر دے رہی تھیں پھر فون بند کر کے میرے نزدیک آ گئیں۔

''فکر نہ کرو بھابھی ابھی ہم آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتے ہیں۔''

وہ اپنے دوپٹے سے مجھے ہوا دیتے ہوئے تسلی دلانے کو بولیں۔ میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ شاید دس پندرہ منٹ گزرے ہوں گے جب میں نے عون بھیا کی پریشان کن آواز سنی تھی۔ وہ میرے متعلق سوال پر سوال کر رہے تھے۔

''کچھ پتا نہیں بھائی صاحب بھابھی کی طبیعت ایک دم خراب ہو گئی ہے۔''

فراز کی بہن نے عجلت بھرے انداز میں کہا تو عون بھیا انہیں ہٹاتے میرے نزدیک جھک آئے۔

''ہنی کیا ہوا گڑیا!''

میں نے نقاہت بھرے انداز میں آنکھیں کھولیں اور سر کو نفی میں جنبش دی تھی مگر جانے کیوں عون

بھیا کو دیکھتے ہی میرے آنسو پھر سے بہنا شروع کر چکے تھے۔

''پگلی روتے نہیں ہیں۔ چلو آؤ میں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں۔''

''نہیں بھیا مجھے گھر لے چلیں پلیز!''

میں ان کے بازو سے لپٹ کر گھبراہٹ زدہ آواز میں بولی تو انہوں نے نرمی و آہستگی کے ساتھ مجھے تھام کر اُٹھنے میں مدد دی اور سہارا دیئے گاڑی تک لے آئے۔

''آپ لوگ نہیں چلیں گے؟''

عون بھیا نے مجھے فرنٹ ڈور اوپن کر کے بٹھانے کے بعد فراز کی فیملی کی سمت دیکھا۔

''نہیں بیٹا! ہمارا کام ابھی رہتا ہے۔ وہ نپٹا لیں شام کو فراز کے ساتھ ہمی رانی کی خبر گیری کو آئیں گے۔ رب راکھا!''

''او کے ایز یو وش فی امان اللہ!''

عون بھیا نے رسانیت سے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ہمارے گھر پہنچنے سے پہلے ماعیسیٰ بھائی کو ان کے کلینک سے بلوا چکی تھیں۔ مجھے لٹا کر انہوں نے میرا تفصیلی معائنہ کیا تھا۔

''فکر کی کوئی بات نہیں بی پی نارمل نہیں ہے۔ میں انجکشن دے رہا ہوں۔ مما اسے آرام کرنے دیں۔ سو کر اُٹھے گی تو نارمل ہو گی۔''

عیسیٰ بھائی نے کہا تھا پھر مما کی مدد سے میری کلائی میں انجکشن لگانے کے بعد عون بھیا کے ساتھ باہر نکل گئے۔ میں اس کے بعد جیسے خود سے بھی غافل ہو گئی تھی۔ شام کو جب اٹھی تو مما نے زبردستی مجھے سوپ پلایا تھا پھر دوا کھلانے کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔ وہ نماز پڑھنے کو اٹھی تھیں تب میں اپنے وحشت زدہ خیالات کے ساتھ ایک بار پھر تنہا رہ گئی تھی۔ میری نظریں کھڑکی کے شیشے پر وقفے وقفے سے گرتی بوندوں پر تھیں اور چہرے پر تفکر اپنا جال پھیلا رہا تھا۔ حالات جس نہج پر چل نکلے تھے میں نے تجزیہ کیا تھا۔ صرف اپنے رشتوں کی خاطر حالانکہ میں نہیں سمجھتی تھی جو عجلت میں میرے لیے فیصلہ ہوا تھا وہ انصاف کے زمرے میں آتا تھا اور زیادتی نہیں تھی مگر میں ہر صورت اپنے دامن پر لگے داغ کو دھو دینا چاہتی تھی مگر یہ ابوداؤد شاید یہ مجھے ایک بار پھر زندہ در گور کرنا چاہتے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو حجاب؟''

عون بھیا کی آواز پر میں اپنی جگہ زور سے اچھل گئی وہ جانے کب آ گئے تھے۔ میں نے سہم کر انہیں دیکھا اور سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

''پریشان ہو؟''

''نہیں۔'' میں نے مختصر جواب دیا اور ہونٹ بھینچ کر سر جھکا لیا تھا۔

''شاپنگ آرکیڈ میں کیا ہوا تھا؟''

''جج جی!!!'' میں نے سراسیمہ ہو کر انہیں دیکھا وہ بغور میری جانب ہی تک رہے تھے جیسے میری

آنکھوں سے دل کا بھید پا لینے کے متمنی ہوں۔ میں خوف سے سلب ہونے لگی۔

''تمہاری طبیعت یونہی تو خراب نہیں ہوسکتی۔ کچھ تو وجہ ہوگی؟''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں بھیا۔'' میں روہانسی ہوکر رہ گئی۔ میں جانتی تھی اب انہیں مجھ پر اعتماد نہیں رہا ہے مگر وہ اس طرح بار بار مجھے شرمندہ کریں گے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا تھا۔

''دیکھو حجاب تم اچھی بھلی یہاں سے گئی تھیں۔ شاپنگ کے دوران بھی نارمل تھیں مگر پھر...... دیکھو جو بھی بات ہے مجھے بتادو...... ہم سب کے حق میں یہی بہتر ہے۔''

ان کا اٹکتا رکتا لہجہ ان کے اندرونی خلفشار کی چغلی کھا رہا تھا۔ یعنی انہیں کچھ شک تھا مگر یقین نہیں۔ میں انہیں کچھ کیسے بتا سکتی تھی۔ وہ طیش میں آکر پتا نہیں کیا کرتے۔ ابوداؤد تو ویسے ہی بپھرے ہوئے تھے۔ میں ہرگز مزید بگاڑ نہیں چاہتی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے بھیا پلیز بلیوی!''

میں نے پرزور انداز کو اختیار کیا مقصد انہیں یقین دلانا تھا۔ جو پتا نہیں کس حد تک کامیاب رہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتے زبیدہ مما کا پیغام لے کر آگئیں

''نیچے پروہنے آئے ہیں جی! فراز صاحب کے گھر والے، بیگم صاحبہ آپ دونوں کو بلاتی ہیں۔''

اس اطلاع پر میرا چہرا ابجھ سا گیا۔ اس وقت میں کم از کم کسی سے ملنے کی خواہش مند نہیں تھی فراز کی فیملی سے تو بالکل نہیں۔

''او کے تم چلو ہم ابھی آتے ہیں۔''

بھیا نے زبیدہ کو چلتا کیا تھا پھر خود اُٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے دیکھے بنا خشک لہجے میں بولے تھے۔

''نیچے آنے سے پہلے اپنا منہ اچھی طرح دھولینا تاکہ آنسوؤں کے نشان مٹ جائیں۔''

ایک دم میرا گلا غم کے بوجھ سے بند ہونے لگا۔ یہ میرے سب سے پیارے بھیا تھے۔ مگر حالات نے انہیں مجھ سے اتنے ہی فاصلے پر پہنچ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی فراز کی والدہ بھاوج اور بہن باتیں کرتیں وہیں چلی آئیں۔

''ہم نے سوچا بچی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہم خود اس کے پاس آجاتے ہیں۔''

''آپ نے زحمت کی آنٹی! الحمدللہ حجاب اب بہتر ہے۔ یہ نیچے آہی رہی تھیں۔''

عون بھیا نے ٹھہری ہوئی آواز میں سنجیدگی و متانت سے کہا۔

''نیچے فراز بھی آیا ہے نا ہمارے ساتھ بچی شاید اس کے سامنے آنے سے گھبراتی۔''

فراز کی والدہ نے ہنستے ہوئے وضاحت کی میری اور بڑے بھیا کی نظریں محض لمحہ بھر کو ملی تھیں۔ پھر میں نے سر جھکا لیا۔ بڑے بھیا خاموشی سے باہر نکل گئے۔ تینوں خواتین مجھ سے طبیعت اور خیریت دریافت کرنے لگیں۔ میں حتی المقدور ان کی تسلی کرانے والے جواب دینے کی کوشش کررہی تھی۔ تبھی چائے کی ٹرالی کے ساتھ زبیدہ اور اس

کے پیچھے مما اور عون بھیا اور شاید فراز تھے۔ میں گم صم ساکن سی بیٹھی رہ گئی۔ سانولی رنگت، لمبا قد اور واجبی سے نقوش والے فراز شاید میری موجودگی یا پھر پہلی بار سامنے کے باعث کچھ پزل سے تھے۔ وہ عون بھیا کے ساتھ میرے سامنے صوفے پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے خیریت بھی دریافت کی تھی مگر میں جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں رہی تھی۔ فراز کسی طرح بھی ابوداؤد کے پاسنگ نہیں تھے۔ میری نگاہ لمحہ بھر کو عون بھیا کی سمت اُٹھی تھی پھر میں نے آہستگی سے سر جھکا لیا تھا۔ میری آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ میں نے فراز کی بات کا جواب بھی دیا اور خود کو نارمل رکھنے کے سب جتن بھی کرتی رہی۔ فراز بہت تھوڑی دیر بیٹھے پھر کسی کام کا کہتے اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ عون بھیا بھی ان کے ساتھ تھے۔ مجھے لگا تھا جاتے ہوئے وہ میرا رہا سہا سکون بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اس رات پھر میں سو نہیں سکی تھی۔

☆☆

جی تو چاہتا ہے کبھی آگ لگا کر دل کو
پھر کہیں دور کھڑے ہو کے تماشا دیکھیں

اگلا دن نارمل گزرا حالانکہ ہر پل مجھے کچھ ہوجانے کا دھڑکا لگا رہا تھا۔ کل ہی ساری کاروائی ہونا تھی پہلے مہندی کی رسم پھر نکاح اس کے ساتھ ہی رخصتی۔ بھیا نے مہمانوں کو اکٹھا نہیں کیا تھا۔ عین نکاح کے وقت کا بلاوہ دیا تھا وہ بھی بے حد خاص لوگوں کو۔ وہ وقت لمحہ بہ لمحہ قریب آرہا تھا۔ جس کا خوف مجھے ادھ موا کرچکا تھا۔ اس روز میں دانستہ اپنے کمرے سے نہیں نکلی۔ مما پھر ماں تھیں انہوں نے تینوں وقتوں کا کھانا میرے ساتھ کھایا تھا۔ وہ خاموش تھیں مگر آنکھیں بار بار بھیگتی تھیں جنہیں وہ مجھ سے چھپا کر پونچھ رہی تھیں۔ رات کو جب مما نماز پڑھ رہی تھیں۔ پپا میرے پاس چلے آئے تھے۔ میں انہیں دیکھ کر بوکھلا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

بیٹھو بیٹے! انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

ہمارے بیچ خاموشی در آئی۔ پپا خاموش تھے اور ان کا ہاتھ میرے سر پر لرز رہا تھا۔ میں اپنے والدین کی کیفیت سمجھ سکتی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ پپا سے تو مجھے کوئی شکایت ہی نہیں تھی۔ انہوں نے اس وقت بھی میرا ساتھ نبھایا تھا جب جنم دینے والی مما بھی بدگمانی کی زد میں آگئی تھیں۔

''ہمارے معاشرے کا ازل سے دستور رہا ہے بیٹے کہ عزت کی حفاظت کا جب بھی مرحلہ آیا تو قربانی ہمیشہ عورت سے وصولی جاتی ہے۔ جو کچھ ہوچکا میں اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف اتنا کہوں گا۔ میری بیٹی اگر ہم سے کوئی زیادتی ہوگئی ہے جو کہ یقیناً ہوئی ہے ہمیں معاف کردو۔ فراز شاید تمہیں اپنے قابل نہ لگے مگر بیٹے کچھ فیصلے انسانی بس سے باہر ہوا کرتے ہیں۔ اس بات پر تو آپ کا بھی ایمان ہے نا کہ جوڑے آسمانوں پر بنے ہیں۔ اسے خدا کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرلینا۔

میں جو بے حس سی بیٹھی ساری بات سن رہی تھی پپا کی آواز کو بھیگتا محسوس کرکے نم آنکھوں سے انہیں دیکھا پھر ان کے ہاتھوں کو تھام کر بوسہ دیا تھا۔

مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے پپا! آپ نے ٹھیک کہا جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ اور میں

اپنے نصیب پر شاکر ہوں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کبھی مجھے اس حوالے سے شاکی ہوتا نہیں دیکھیں گے۔ انہوں نے نم آنکھوں سے مجھے دیکھا پھر میری پیشانی چوم کر سرعت سے پلٹ کر چلے گئے۔ میں کتنی دیر یونہی بیٹھی رہی تھی پھر لیٹنے کے بعد کروٹ بدل لی۔ میری یہ ذرا سی اطاعت ہمیشہ کے لیے میرے رشتوں کو ٹوٹنے اور غمزدہ ہونے سے بچا سکتی تھی تو میں یہ منافع بخش سودا کیوں نہ کرتی۔ مجھے ہر صورت اپنے خاندان کی بقا چاہیے تھی۔ اس لیے بھی کہ دوسرے راستے پر بھی مجھے امید کا جگنو نظر نہیں آتا تھا۔

☆☆

بارشوں کے موسم میں
وقت کے اندھیروں میں
میں نے اس سے پوچھا تھا
چھوڑ تو نہ جاؤ گے
ہاتھ تھام کر اس نے
کان میں یہ بولا تھا
کیسے چھوڑ سکتا ہوں
تم تو جان ہو میری
اور آج ایسے ہی
وقت کی تمازت میں
وحشتوں کے موسم میں
میں نے اس سے پوچھا ہے
چھوڑ کر ہی جانا تھا
آس کیوں دلائی تھی
پیاس کیوں جگائی تھی
میرے ان سوالوں پر
چلتے چلتے وہ بولا
موسموں کی عادت ہے
وقت پر بدل جانا

وہ سارا دن عجیب سی وحشتوں کی نذر ہو گیا۔ مما معمول سے کہیں زیادہ مصروف تھیں اس کے باوجود وہ بار بار میرے پاس چکر لگا رہی تھیں۔ ایک عجیب سی بے بسی اور اداسی ان کا گھیراؤ کیے ہوئے تھی۔ شام کے چار بجے تھے جب زبیدہ مہندی کا پیلا اور اورنج بے حد خوبصورت سا کامدانی جوڑا اور اس کے ساتھ کی میچنگ

چوڑیاں اور سینڈل کے ساتھ پھولوں کے زیورات کا ڈبہ لیے میرے پاس چلی آئی۔

''بیگم صاحبہ کہتی ہیں نہا کر کپڑے پہن لیں۔''

زبیدہ بھی چپ چپ تھی میں نے بوجھل پپوٹوں کو اُٹھا کر زبیدہ کو دیکھا پھر اس کی لائی چیزوں کو، میرے دل سے اس سامان میں مہندی کی کون دیکھ کر ہوک سی اُٹھی تھی۔ میں گم صم بیٹھی رہی۔ زبیدہ کے دوبارہ احساس دلانے پر میں اُٹھی تھی وہ میرے کپڑے اور تولیہ وغیرہ واش روم میں رکھ چکی تھی۔ میں نے بہت بے دلی اور رنجیدگی کی کیفیت میں غسل کیا تھا اور باہر آ گئی۔ زبیدہ ہیئر برش لیے میرے پاس آ گئی۔ میں نے اسے آج اس کام سے منع نہیں کیا میری ہمتیں اور حوصلے جیسے لحہ بہ لحہ جواب دیتے جا رہے تھے مجھے لگ رہا تھا میری ساری بہادری سارا ضبط بس یہیں تک تھا اب میں ہمت ہار دوں گی۔ زبیدہ نے بالوں کو سلجھا لیا تو ڈرائیر کی مدد سے انہیں سکھانے لگی۔ اس کام سے فراغت کے بعد اس نے مہندی کی کون اُٹھا لی تھی۔ میں جانتی تھی وہ بہت ماہر ہے اس کام میں اس نے پچھلے سال اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر باقاعدہ پارلر سے اس کام کی ٹریننگ لی تھی۔ اس کی مہارت اب میرے ہاتھوں کی کلائیوں ہتھیلیوں کے بعد پیروں پر ظاہر ہو رہی تھی۔ میں ساکن بیٹھی اسے اپنے کام سے انصاف کرتے دیکھتی رہی۔

''آپ ذرا لیٹ جاؤ بی بی جی تھک گئی ہوں گی۔''

میری کمر پر گاؤ تکیہ رکھ کر اس نے میرے منع کرنے کے باوجود مجھے نیم دراز کر دیا میرے پیروں کے نیچے کشن رکھ دیئے کہ مہندی کا ڈیزائن خراب نہ ہو۔ خود وہ بکھرا ہوا کمرہ سمیٹنے لگی۔

''دس پندرہ منٹ بعد جب یہ سوکھ جائے تو ہاتھ دھو لینا۔ میں اب نیچے جاتی ہوں آوازوں سے لگ رہا ہے مہمان آنا شروع ہو چکے ہیں۔''

زبیدہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا اور پلٹ کر کمرے سے چلی گئی۔ میں نے بے تحاشا جلتی ہوئی آنکھوں کو بند کر لیا۔ میں سوچوں سے بچنا چاہتی تھی مگر سوچیں اژدھے کی طرح پھن پھیلائے مجھے ڈسنے کو تیار تھیں۔ ابوداؤد کی دھمکی نے میرا خون خشک کیا۔ فراز کے ساتھ شادی کے بعد کے تصور نے میری روح پر بھاری بوجھ دھر دیا۔ مجھے لگا تھا میں ایک بار پھر گھٹ گھٹ کر رو رہی ہوں۔ جانے کتنا وقت اسی طرح بیت گیا۔ دروازے پر پھر آہٹ ہوئی میں نے چونکتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ زبیدہ کے ساتھ اس مرتبہ مما بھی تھیں۔ وہ کچھ دیر ساکن سی مجھے دیکھتیں رہیں پھر آگے بڑھ کر بے ساختہ مجھے گلے سے لگا کر بھینچ لیا تھا۔ ''بہت پیاری لگ رہی ہو۔ خدا نیک نصیب کرے۔ نظر بد سے بچائے۔''

میرا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرے وہ کتنی ہی دیر مجھے دعاؤں سے نوازتیں رہیں۔

''جاؤ بیٹے ہاتھ دھو لو۔ پھر نیچے چلنا ہے۔ رسم شروع کرنی ہے۔''

مما نے نرمی سے کہا تو مجھے لگا تھا جیسے انہوں نے مجھے مقتل گاہ لے جانے کا حکم سنایا ہو۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ واش روم گئی تھی۔ مہندی کی خوشبو زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے حواسوں کو جامد کرتی محسوس ہوئی۔ لشک ہو کر جم جانے والی مہندی کو ہٹاتے میں نے اپنے دل کے ساتھ ہاتھوں میں بھی لرزش محسوس کی تھی۔ یہ

معمولی سا کام شکستہ اعصاب کی بدولت میں نے بیس سے پچیس منٹ میں انجام دیا۔ مہندی کا رنگ بے حد گہرا آیا تھا۔ بے تحاشا سفید ہاتھ اور پیر اس آرائش کے بعد کچھ اور بھی نمایاں اور حسین لگنے لگے تھے۔ مگر مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مما نے عجلت بھرے انداز میں میرے بال سمیٹے اور انہیں کیچر میں جکڑ دیا۔ زبیدہ نے میرے دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں پہنائی تھیں۔ اس کے بعد زبیدہ کی مدد سے مما نے پھولوں کے زیورات سے مجھے لاد دیا۔ چھوٹا سا ٹیکہ بڑے بڑے بالے گلے کی مالا اور کلائیوں کے گجرے سب کے سب منہ بند کلیوں اور گلاب کے سرخ پھولوں سے بنائے گئے تھے۔ مہندی کی خوشبو پر گلاب اور موتیے کی خوشبو کا غلبہ چھانے لگا۔ زبیدہ نے بیڈ پر دھرا میرا باریک گولڈن کناری والا دوپٹہ پن کی مدد سے میرے سر پر اٹکایا تھا اور میچنگ کی سینڈل میرے پیروں میں ڈال کر تیاری مکمل کر دی۔ مما نے ایک بار پھر مجھے گلے لگا کر چوما تھا میں جیسے ایک مرتبہ پھر پتھر کی مورتی میں ڈھل گئی تھی۔ مما اور زبیدہ کے ہمراہ اپنے کمرے سے سیڑھیاں اُتر کر میں ہال کمرے میں آ گئی۔ وہاں مختصر سے مہمانوں کے بیٹھنے کا بہت مناسب انتظام تھا۔ صوفے پر مجھے بٹھایا گیا تو فراز کی فیملی نے لپک کر مجھے گھیر لیا۔ پھر رسم کی ادائیگی ہونے لگی۔ بہت سادگی اور کسی حد تک خاموشی کے ساتھ۔ شاید فراز کی ہی فیملی میں سے کوئی ہنڈی کیم سے ان لمحات کی عکس بندی بھی کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد فراز کو بھی بلا کر میرے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ میں تب بھی ساکن اور بے حس سے بیٹھی رہی تھی۔ چند سہاگنیں جو تھیں وہ بہت جلد اس رسم سے فارغ ہو گئیں۔

''میرا خیال ہے پہلے نکاح ہو جائے پھر بچی کو تیار کیا جائے۔''

یہ تجویز فراز کی والدہ کی تھی۔ جس پر آمادگی ظاہر کی گئی تھی۔

''جیسی آپ کی مرضی، مولانا صاحب ابھی ابھی تشریف لائے ہیں۔''

عون بھیا کی آواز کہیں نزدیک سے ابھری تھی۔

''ٹھیک ہے تو بسم اللہ کریں پھر۔''

فراز کی والدہ کے کہنے پر عون بھیا مولانا صاحب کو پکارنے لگے اور یہی وہ پل تھے جب اچانک ہال کمرے کا پرسکون ماحول درہم برہم ہو گیا تھا۔ فائر کی زبردست آواز گونجی اور گولیوں کا پورا برسٹ گلاس وال کا شیشہ چکنا چور کرتا چلا گیا۔ بدحواس نسوانی چیخیں ابھری تھیں اور ہال میں انتشار پھیل گیا۔

''خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے ورنہ گولیوں سے چھلنی ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔''

''اتنی جلدی کیا ہے سالا صاحب! ہم مہمان تو ابھی رہتے تھے۔ یعنی آپ کے برادر اِن لاء! کیا خیال ہے یہیں نکاح پڑھائیں گے یا پھر آپ کی عزت مآب بہن کو اپنے ساتھ لے جائیں۔؟''

بلیک چست جینز پر بلیک ہی سلیولیس شرٹ میں ابوداؤد کسی بپھرے ہوئے شیر کی طرح اندر گھسے تھے اور عون بھیا جو ایک لمبے دھڑنگے رائفل بردار کی رائفل کی زد میں شاکڈ سے کھڑے تھے وہ ان کے سامنے تن کر بولے۔

''شٹ اَپ! ویل یو شٹ اَپ!'' وہ پوری قوت صرف کر کے دھاڑے اور ہاتھ گھما کر ابوداؤد کو گھونسا رسید کرنا چاہتے تھے مگر ابوداؤد غافل نہیں تھے ان کا تیزی سے گھوما ہوا ہاتھ اپنے فولادی پنجے میں جکڑ کر

ایک جھٹکے سے نیچے کر دیا۔

''آج میں ہارنے نہیں آیا۔ آج اگر میں ہارا تو یہاں لاشوں کے ڈھیر لگا دوں گا عون مرتضٰی! اپنے آپے میں رہو۔'' وہ غرا کر بولے تھے مگر عون بھیا خائف نہیں ہوئے تھے۔

''میں تیری گیدڑ بھبھکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں کتے دفع ہو جا یہاں سے۔''

''دفع تو ضرور ہوں گا مگر تمہاری بہن کو ساتھ لے کر جاؤں گا سالا جی۔''

وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسے اور میں جو رنج خوف اور دہشت سے تھر تھر کانپ رہی تھی انہوں نے آگے بڑھ کر وحشی انداز میں میرا ہاتھ پکڑ لیا اور نہایت جارحانہ انداز میں گھسیٹ کر مجھے اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ میں کھڑی کیا ہوئی تھی ایک طرح سے لڑکھڑا کر ان کے پہلو سے لگ گئی تھی۔ عون بھیا زور سے چیخے تھے اور ابوداؤد پر جھپٹنا چاہتے تھے کہ اس پل انہیں رائفل کی زد پر رکھنے والا حرکت میں آیا۔ ایک بار پھر آتش اسلحے نے آگ اگلی تھی اور عون بھیا کے وجود نے خون اگل دیا تھا۔ میں جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ایک دم حواس باختہ ہو کر پوری قوت صرف کر کے چلائی اور عون بھیا کی جانب لپکی تھی مگر ابوداؤد نے مجھے مضبوطی سے پکڑا تھا اور اپنی جانب کھینچ لیا میں نے گم ہوتے حواسوں کے ساتھ عون بھیا کو لڑکھڑا کر نیچے گرتے دیکھا تو اس کے بعد میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

☆☆

کوئی مجھ کو میرا بھرپور سراپا لا دے
میری آنکھیں، میرے بازو، میرا چہرے لا دے
نیا موسم میری بینائی کو تسلیم نہیں
مجھ کو میرا وہی خواب پرانا لا دے
جس کی آنکھیں مجھے اندر سے بھی پڑھ سکتی ہوں
کوئی چہرا تو میرے شہر میں ایسا لا دے
کشتی جاں تو بھنور میں ہے کئی برسوں سے
اے خدا اب تو ڈبو دے یا کنارہ لا دے

میری آنکھ دوبارہ کھلی تو میں یکسر انجان کمرے میں گداز مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔ کمرے کی فضا میں سگریٹ اور الکحل کی مہک کا احساس غالب تھا۔ میں کچھ دیر تک ساکن پڑی رہی۔ میری نظروں میں ابھی بھی جیسے اندھیرے پوری طرح نہیں چھٹے تھے۔ معاً دھیرے دھیرے میرے حواس بحال ہوئے تھے پھر مجھے خود پر ٹوٹ جانے والی قیامت کا احساس ہوا تھا۔

''عون بھیا!''

میں حلق کے بل چیختی ہوئی اُٹھی تھی کہ نگاہ اپنے سامنے صوفے پر بیٹھے ابوداؤد سے جا ٹکرائی۔ میرے شکستہ اعصاب کو ایک اور جھٹکا لگا تھا۔ میرے اندر سرسراتی ہوئی وحشت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا انہیں نظر

انداز کیے بغیر میں اُٹھ کر دروازے کی جانب بھاگی تھی۔

''دروازہ کھولو۔ پلیز دروازہ کھولو۔ مجھے جانے دو۔ عون بھیا! عون بھیا!''

دروازہ کھولنے کی کوشش میں ناکام ہو کر میں نے پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا عون بھیا کا خون میں لت پت ہو کر گرتا وجود میری روح کو سراسیمگی کی انتہاؤں پر لے جارہا تھا۔

''اب تم یہاں سے کہیں نہیں جاسکتیں۔ بہت شوق تھا نا تمہیں اس بھوت کی دلہن بننے کا۔''

ابوداؤد نے پیچھے سے آکر مجھے کاندھوں سے تھاما تھا اور ایک جھٹکے سے رخ اپنی جانب پھیر کر میرے ہاتھوں کی چوڑیوں اور کلائی کے گجروں کو وحشیوں کی طرح سے بھنبھوڑ کر اُتارنے کی کوشش کی۔ میں کچھ اور شدت سے رونے لگی۔

''عون بھیا کو ماردیا نا آپ نے۔ میں آپ کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

میں حواسوں میں نہیں تھی غم و غصے شدید ذہنی کرب نے مجھے جنونی کردیا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح سے ان پر جھپٹی تھی۔ انہوں نے مجھے روکنے اور سنبھالنے کی کوشش کی مگر میں جیسے طیش سے بے قابو ہو چکی تھی۔ میرا ہاتھ ان کے چہرے پر گہری خراش ڈال گیا تھا۔ پہلے انہوں نے میرا ہاتھ زور سے جھٹکا پھر اُلٹے ہاتھ کا تھپڑ میرے چہرے پر مارا تھا۔ تڑاخ کی زوردار آواز ابھری اور میں تیورا کر کئی فٹ پیچھے جا کر گری تھی۔ میرا سر کسی سخت چیز سے ٹکرایا تھا اور ایک بار پھر میں حواس کھو گئی تھی۔ اس کے بعد دوبارہ میں جب ہوش میں آئی تو کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ میرے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بال کھل کر بکھر چکے تھے۔ سر کے پچھلے حصے سے اُٹھنے والی درد کی ٹیسیں ناقابل برداشت تھیں۔ مگر یہ تکلیف اس تکلیف کے آگے کچھ بھی نہیں تھی جو عون بھیا کے حوالے سے میں دل میں روح میں محسوس کررہی تھی۔ میرا بھائی مجھے تباہی سے بچاتے بچاتے خود زندگی ہار گیا تھا۔ میرے اندر قیامت کا دکھ اترا تھا۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ابوداؤد نے اگر یہ انتہائی قدم اُٹھایا تھا تو مجھے چھوڑنے کے لیے انہیں اٹھایا تھا۔ پتا نہیں میرے ساتھ زندگی اور قسمت مل کر کیا سلوک کرنے والی تھی۔ میرا دل غم سے بوجھل تھا جس وقت دروازہ کھول کر ابوداؤد اندر آئے میری آنکھیں تسلسل سے بہہ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ جسے انہوں نے جھک کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ میں سرعت سے اُٹھی تھی اور ان کے قدموں میں بیٹھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''مجھے معاف کردیں ابوداؤد! مجھے جانے دیں۔''

وہ ساکن مگر سپاٹ چہرا لیے کھڑے رہے۔ میری التجاؤں، آہوں، سسکیوں کا ان پر جیسے ذرا برابر اثر نہیں ہوا تھا۔ میں تھک کر گھٹنوں میں سر چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی تھی جب انہوں نے ہاتھ بڑھا کر میری کلائی تھامی اور نرمی سے صوفے پر بٹھا دیا۔ میں خوف اور بے بسی کے عالم میں انہیں تکنے لگی۔

''تمہیں بہت زیادہ چوٹ آئی ہے؟ درد اب بھی ہورہا ہے؟''

پتا نہیں یہ ہمدردی تھی یا زخموں پر نمک پاشی! مگر میرے ٹھہر جانے والے آنسو پھر سے برس پڑے۔

''آپ کو مجھے لانا تھا نا۔ لے آتے ہر بدلا ہر انتقام مجھ سے پورا کرلیتے ابوداؤد مگر عون بھیا آپ

نے عون بھیا کو کیوں ماردیا۔''

میں ایک بار پھر آہوں اور سسکیوں سے روتی چلی گئی۔ ابوداؤد نے کچھ ٹھٹھک کر مجھے دیکھا تھا۔ پھر کچھ کہے بنا بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ جینز کی جیب سے سیل فون نکالا تھا اور ایک نمبر ڈائل کیا تھا۔

''جانتے ہو سالا صاحب کون بات کررہا ہوں یا تعارف کرواؤں''

ان کا کاٹ دار لہجہ گہرا طنز لیے ہوئے تھا۔ میں چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''یہ تمہاری بہن صاحبہ مجھے تمہارا قاتل سمجھے بیٹھی ہیں۔ یقین دلا دو اسے کہ میں نے تمہاری جان نہیں لی۔ بھلا سوچنے کی بات ہے اگر تمہیں مارنا ہوتا تو یہ سارا کھڑاک پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں لمحہ لمحہ کی موت پہ زیادہ خوشی محسوس کرتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر ایک جنونی قہقہہ لگایا تھا۔

''ہاں میرے پاس ہے وہ۔ ابھی بھی شک ہے تمہیں؟ تھرو پراپر چینل ہر کام کیا ہے تم سے رشتہ داری کرنے کو بڑے پاپڑ بیلے ہیں بھئی!''

میں ساکن آنکھیں پھاڑے غیر یقین بیٹھی تھی۔ ابوداؤد نے ایک نگاہ مجھے دیکھا پھر سیل فون کا لاؤڈ اسپیکر آن کردیا تھا۔

''بکواس مت کرو خبیث گھٹیا انسان! میں تمہیں قبر کی تہہ سے بھی نکال لاؤں گا۔ ایسے نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔'' وہ عون بھیا کی آواز تھی بلاشبہ، میرا سہا ہوا وحشت زدہ بے قرار دل جیسے لمحوں میں سکون پا گیا۔

نکال لینا نکال لینا مگر تب تک تم ماموں ضرور بن چکے ہوگے۔

''ابوداؤد ہنس رہے تھے۔ میرا چہرا جیسے جل اُٹھا۔''

''حجاب کہاں ہے؟ بات کراؤ میری اس سے''

عون بھیا نے پھنکارزدہ لہجے میں کہا۔

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے بات نہیں کرسکتی۔ اب تم پوچھو گے کیا ہوا تو میں خود بتا دیتا ہوں۔''

نزاکت ختم ہے ان پر ہوا ہے درد سر پیدا
ذرا ماتھے کو چوما تھا پڑے ہیں کل سے سر باندھے

ابوداؤد کا لہجہ بے باک اور بے مہار تھا۔ اگلے لمحے رابطہ منقطع ہوگیا۔ یقیناً عون بھیا نے خود سلسلہ کاٹا تھا۔ ابوداؤد نے ایک جنونی قہقہہ لگایا۔

''یہ ہوتی ہے جیلسی۔ دیکھو کسی کو خوش دیکھنا برداشت نہیں کرتے لوگ!''

وہ مجھے دیکھ کر کاندھے جھٹک کر کہہ رہے تھے۔ میں نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔ جو بھی تھا عون بھیا کی آواز سن کر میرا آدھا دکھ اور صدمہ ڈھل گیا تھا۔ میں نے گالوں سے آنسوؤں کی نمی پونچھی اور نڈھال سے انداز میں بیڈ پر جا بیٹھی بیڈ کے سرہانے اپنا دوپٹہ پڑا دیکھ کر مجھے احساس ہوا میں تب سے بنا دوپٹے

کے ابوداؤد کے سامنے رہی ہوں۔ کچھ خفت کچھ گھبراہٹ کی کیفیت میں میں نے دوپٹہ اُٹھا کر اپنے گرد لپیٹا تھا۔ اور ایسا کرتے میں نے ابوداؤد کی آنچ دیتی نظروں کا حصار اپنے گرد بندھتا محسوس کیا تھا۔

''پہلے کھانا کھالو۔ اس کے بعد اپنا حلیہ سنوار لینا۔ آج ان فاصلوں اور جدائیوں کو شکست فاش دینا ہے مجھے۔''

میں نے پہلے چونک کر پھر سہم کر انہیں دیکھا تھا۔ پھر بے ساختہ سر کو نفی میں جنبش دینے لگی۔

''کیا نہیں؟ ہاں بولو؟ تمہاری پوزیشن ایسی ہے کہ مجھے انکار کرسکو؟''

وہ ایک دم طیش میں آ گئے تھے۔ میری طرف لپک کر بازو پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے اتنی زور سے دھاڑے کہ دیواریں تک لرز اُٹھیں۔ میں سہم کر دبک سی گئی۔

''مجھے معاف کردیں۔ مجھے جانے دیں۔ پلیز!!!''

شٹ اَپ! جسٹ شٹ اَپ! وہ پھر دھاڑے پھر اسی بے دردی سے میرے بال مٹھی میں جکڑ کر میرا چہرا اپنے غضب ناک چہرے کے مقابل کرتے ہوئے سرد آواز میں پھنکارے تھے۔

''آئندہ واپس جانے کی بات نہیں کرنا۔ ورنہ میں تمہارا حشر بگاڑ دوں گا۔ تمہیں سمجھ لینا چاہیے۔ یہ محبت کا معاملہ نہیں ہے۔''

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔ انہوں نے مجھے جھٹکا تو میں بے جان گڑیا کی طرح بستر پر ڈھے گئی تھی۔

''کھانا کھاؤ۔ اُٹھو۔'' وہ پھر گرجے میں منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی رہی۔

''تمہیں سنتا نہیں ہے؟'' وہ خطرناک ارادوں سے میری جانب بڑھے تو میں بے ساختہ چیخ پڑی تھی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے مجھے تو ہے۔ ہر قسم کی۔ تم اُٹھو ان منحوس کپڑوں سے نجات حاصل کرلو۔ تمہارے کپڑے اور ضرورت کی ہر چیز اس الماری میں پڑی ہے۔ ہری اَپ''

انہوں نے کھانے کی ٹرے اپنی جانب کھینچتے ہوئے نخوت بھرے انداز میں مجھے حکم دیا تھا۔ میں کچھ دیر ساکن بیٹھی رہی تھی پھر بستر سے اُتر کر لڑکھڑاتے قدموں سے ان کے نزدیک آ گئی۔ انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر ان کے ابرو ناگواری کے احساس سمیت تن سے گئے تھے۔

''اب کیا ہے؟ انداز پھنکار ڈالنے والا تھا۔''

''ابوداؤد مجھ سے نکاح کرلیں۔ مجھے خود میری نظروں میں گرنے سے بچالیں۔''

میں نے ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھ کر جیسے التجا کی تھی۔ وہ پہلے ہونق ہوئے تھے۔ پھر جانے کیا ہوا زور سے ہنستے چلے گئے۔ میں بے بسی کی تصویر بنی چھلکتی آنکھیں پونچھتی رہی۔

''تمہیں پتا ہے اگر تمہارا اکڑو بھائی تمہاری یہ بات سن لے تو تمہاری گردن اپنے ہاتھ سے اڑا سکتا

ہے۔ یونو اس نے تو تمہارے لیے بڑا ریڈی میڈ دولہا دوسرے لفظوں میں کاٹھ کا الو تلاش کرلیا تھا۔''

میں نے کسی کرب سے گزرتے ہوئے دانتوں سے ہونٹوں کو کچل ڈالا تھا۔

''چلو تم اتنی منت کرتی ہو تو میں نکاح کا انتظام کراتا ہوں۔ شاباش تم ذرا خوب اچھی طرح دلہن بنا او کے،'' ان کے لہجے میں نخوت اور بے نیازی تھی۔ میں نے بے اختیار گردن کو اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆☆

ہوا تو کچھ بھی نہیں بس تھوڑے سے مان ٹوٹے ہیں
تھوڑے سے خواب بکھرے ہیں
تھوڑے سے لوگ بچھڑے ہیں
ہوا تو کچھ بھی نہیں
بس تھوڑی سی نیندیں اڑ گئی ہیں
تھوڑی سی خوشیاں چھن گئی ہیں
تھوڑا سا چین لٹ گیا ہے
ہوا تو کچھ بھی نہیں
بس اپنا آپ گنوایا ہے
آنکھوں کو برسنا سکھایا ہے
کسی اپنے نے رلایا ہے
ہوا تو کچھ بھی نہیں
بس محبتوں کا صلہ پایا ہے

ابوداؤد کے سونے کے بعد میں یونہی ساکن لیٹی کتنی دیر بے آواز آنسو بہاتی رہی۔ آنسو جو غم کی شدت پر ہمارے درد کا اظہار بنا کرتے ہیں۔ یہ آنسو تو میں پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل بہا رہی تھی۔ مگر ابوداؤد کو مجھ پر رحم نہیں آ سکا تھا۔ انہیں مجھ پر رحم آتا بھی کیونکر۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہا تھا۔ میں صرف انتقام کا ذریعہ تھی۔ یہ کیا کم تھا کہ انہوں نے مجھ سے نکاح کرلیا تھا۔ ہاں یہ بہت بڑا احسان تھا جو مجھے بھولنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ کونسا انتقام تھا کیسا انتقام تھا۔ ماضی میں عون بھیا نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ ابوداؤد نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ ہاں اس جرم کی سزا ضرور میں نے پائی تھی جو مجھ سے سرزد بھی نہیں ہوا تھا۔ میرا پورا وجود درد کا پھوڑا بنا ہوا تھا۔ جس پر ہر انداز میں ابوداؤد نے اپنی وحشتیں رقم کی تھیں۔ شراب کے نشے میں خود سے غافل ہونے کے بعد انہوں نے مجھ سے اگر کوئی تعلق استوار کیا تھا تو اس تعلق میں سوائے ذلت شرمندگی اور اذیت کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ میری تڑپ اور سسکیوں سے حظ اُٹھاتے رہے تھے۔ میرے لیے سب سے پریشان کن اور مضطرب کرنے والا جو خیال تھا وہ ابوداؤد کے ان مظالم کو سہنے کا تھا۔ اگر میں محض کسی اندھے انتقام کا ذریعہ تھی تو پھر

مجھے ہمدردی کی توقع عبث تھی۔ جانے کتنی دیر مزید یونہی اشک بہاتے رہنے کے بعد میری آنکھ لگ گئی تھی۔

''سمجھا کرو یار دیر تک سونے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے۔ تم بھی تو ایسی گولڈن نائٹ گزار چکے ہو نا کتنے بجے جاگے تھے میں نے تو نہیں پوچھا۔''

میری آنکھ دوبارہ کھلی ہی ابوداؤد کی آواز پر تھی۔ وہ فون پر کسی سے محو گفتگو تھے۔ دوسری جانب کیا کہا گیا وہ بہت زور سے ہنسے تھے۔

اس کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹوں کی نشانی چھوڑ آیا ہوں
اس نے مانگی تھی محبت کی نشانی مجھ سے

''اب وہ پہلے جیسی نہیں رہی۔ سمجھ سکتے ہونا۔ پھر بھی اگر تمہیں اسے تلاش کرنے اور اس تک پہنچنے کا جنون ہے تو اس شوق کو پورا کرتے رہو۔ جب تک وہ میرے پاس ہے تب تک میں اسے برتوں گا۔ پھر تم لے جانا چاہو تو تمہاری مرضی۔''

ابوداؤد کی گفتگو ان کی فطرت اور مزاج کی طرح بے حد کھلی ڈلی اور قابل اعتراض تھی۔ میں نہیں جانتی تھی وہ کس سے محو گفتگو ہیں البتہ یہ جاننے میں مجھے ایک لمحہ نہیں لگا تھا کہ گفتگو میرے متعلق ہورہی ہے رات بھر میں جس اذیت سے دوچار رہی تھی یہ اذیت اس سے ہزار ہا گناہ بڑھ کے ناقابل برداشت تھی۔ میں بے جان مٹی کی ڈھیری کی طرح ان کے پہلو میں پڑی ہوئی تھی۔ اپنے چکراتے سر کو سنبھالے ایک جھٹکے سے اُٹھی مگر ایک کراہ کے ساتھ مجھے پھر اسی پوزیشن میں واپس آنا پڑا میرے لمبے بال دو تہائی تک ابوداؤد کے گرانڈیل وجود کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ میں نے سسکیاں دباتے ہوئے آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں سے انہیں دیکھا وہ سیل فون ٹھوڑی کے نیچے ٹکائے اطمینان بھری کیفیت میں مجھے دیکھ رہے تھے۔

''میرے بال چھوڑ دیں پلیز!''

میں بولی تو میری آواز میں سوائے آنسوؤں کی نمی اور بے بسی کے اور کچھ نہیں تھا۔

''کہاں جارہی ہو؟ ویسے اب تو دنیا سے اُٹھنے کو جی چاہ رہا ہوگا۔ ہے نا تم بھی سوچتیں ہوگی میں کتنا ظالم ہوں۔ مگر جو تمہارے بھائی نے کیا میرے ساتھ اگر وہ جان لو تو......''

سیل فون پر ہونے والی بیپ نے ان کی بات کا تسلسل ختم کردیا۔ ابوداؤد نے نگاہ کا زاویہ بدل کر بلنک کرتی اسکرین پر نگاہ کی دیکھتے ہی دیکھتے ان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

''دیکھو وہی ہے۔ بار بار مروڑ اُٹھ رہے ہیں سالا صاحب کو۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ میں نے تمہارے کہنے پر نکاح کیا ہے مگر مانتا نہیں۔ تم بات کرواس سے۔''

''میں بات نہیں کروں گی۔'' میں نے دکھتے سر کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے بے ساختہ انکار کیا۔ ابوداؤد نے مجھے لہو رنگ آنکھوں سے گھورا پھر ایک دم سے میرے بال مٹھی میں جکڑ کر زوردار جھٹکے دیتے ہوئے بولے تھے۔

''ابھی بھی انکار کروگی؟ جانتی نہیں ہو میں کیا سلوک کرسکتا ہوں تمہارے ساتھ۔''

میرے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلتی چلی گئیں آنکھیں خوف اور دہشت سے پھٹ سی گئیں تھیں۔

''بتاؤ اسے کہ تم نے منت کی تھی میری تب میں نے تم سے نکاح کیا ہے۔ اور یہ کہ تم میرے ساتھ رہنا پسند کرتی ہو وہ تمہاری تلاش ترک کردے۔'' ایک ہاتھ سے میرے بالوں کو دبوچے دوسرے سے انہوں نے چٹاخ پٹاخ کئی تھپڑ میرے منہ پر برسائے تھے۔ میں بے دم سی ہوکر دوبارہ بیڈ پر گر گئی۔ میرے پاس میری ہار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ میں نے عون بھیا سے وہ سب کہہ دیا جو کہنے کو نہ میرا دل آمادہ تھا نہ زبان مگر مجھے یہ سب کہنا پڑا تھا تو اس کی وجہ ابوداؤد کی بربریت تھی۔ مجھے نہیں پتا عون بھیا نے میری بات کا کس حد تک یقین کیا یا مجھ سے یہ سب کچھ سن کر ان کی کیسی حالت ہوئی۔ البتہ ابوداؤد کی آنکھوں میں مَیں نے واضح فتح کا خمار اترتا دیکھا تھا۔ وہ سگریٹ کے کش لیتے مسکراتے رہے تھے اور میں ایک بار پھر گہری تاریکیوں میں ڈوبتی چلی گئی تھی۔

☆☆

یہ جو ضبط داد ہے عشق کا مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں
یہ تو زندگی کا اصول ہے کبھی اپنا کوئی ہوا نہیں ......
یہ جو سلسلہ ہے اک درد کا یہ تحفہ یونہی ملا نہیں
تو جان کر بھی جس سے انجان ہے وہ راز میں نے کہا نہیں
مجھے اپنی خبر تو ہے مگر تیری سوچ کا کچھ پتا نہیں
یہ جو آنسو ہے میری آنکھ میں بے سبب تو یہ بہا نہیں
یہ صدا سی جو ہے گونجتی وہ لفظ تو نے کہا نہیں
میرا جرم ہے میری سادگی میری اور کوئی خطا نہیں

مجھے نہیں پتا تھا میں کتنی دیر غافل رہی تھی۔ جب ذرا حواس بحال ہوئے تو داؤد کے ساتھ ایک اجنبی چہرا بھی دکھائی دیا تھا۔ وہ شاید ڈاکٹر تھا۔ مجھے ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اور ڈاکٹر ابوداؤد کو میری طبیعت کے حوالے سے ہی کچھ بتا رہا تھا۔ میرا ذہن سویا سویا سا تھا۔ کچھ بھی واضح نہیں ہورہا تھا۔ میں نیم جان سی پڑی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے ابوداؤد کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا تھا۔

''حجاب آر یو آل رائیٹ؟''

میں نے جلتی اور دکھتی ہوئی آنکھوں کو بہ مشکل ذرا سا کھولا۔ وہ میرے اوپر جھکے ہوئے تھے۔ میں بے اختیار ہو کے سسک پڑی۔

''مجھے چھوڑ دیں ابوداؤد مجھے جانے دیں۔ میرے ساتھ ایسا مت کریں پلیز!''

الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر میرے ہونٹوں سے بکھرے تھے۔ میں شدید کرب میں مبتلا تھی۔ ابوداؤد کے چہرے پر عجیب سا تاثر پھیل گیا۔ وہ کچھ دیر مجھے یونہی دیکھتے رہے تھے۔ ہونٹ بھینچے بالکل خاموش۔

''کچھ کھالو۔ پھر دوا لینی ہے تمہیں۔''

وہ خاصی تاخیر سے بولے تھے مگر وہ کچھ بولے تھے جس میں میری قطعی دلچسپی نہیں تھی۔ میرے اندر جو موہوم سی امید تھی وہ بہت بُری طرح سے ٹوٹی تو آنکھوں سے سیل رواں بہتا کنپٹیوں میں جذب ہونے لگا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ سے پہلے مجھے بوائل انڈا ایک سلائس کھلایا اور چائے پلائی تھی پھر اس کے بعد دوا دی۔

''تمہیں ٹھیک ہونا ہے۔ اس لیے کہ مجھے ابھی تمہاری ضرورت ہے۔''

''انتقام پورا کرنے کی خاطر......؟''

میں خود اذیتی کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ زہر خند سے ہنسے۔

''اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

ان کی آنکھوں میں کس درجہ سفاکیت تھی۔ میری روح لرز اُٹھی۔ میں نے منہ پھیر لیا۔ میرے دل میں ان کے حوالے سے گھن کے احساس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ وہاں سے اُٹھ گئے۔ باتھ لے کر انہوں نے لباس چینج کیا تھا۔ پھر خود کو اچھی طرح پرفیوم میں بسایا۔ بال سنوار کر وہ الماری کی جانب بڑھے تھے پٹ وا کر کے انہوں نے لمبی گردن والی شمپئن کی بوتل نکالی تھی۔ کچھ دیر جیسے تذبذب کی کیفیت میں کھڑے رہے۔ پھر سر جھٹک کر بوتل واپس رکھ دی۔ میں نیم وا آنکھوں سے ان کی نقل و حرکت کو دیکھ رہی تھی۔ اس پل ان کا سیل فون مدھر سروں میں گنگنانے لگا تھا۔ وہ خفیف سا چونکے اور گردن موڑ کر ٹیبل پر پڑے سیل فون کو گھورا پھر ہاتھ بڑھا کر کال ریسو کر لی تھی۔

''ہاں سمیع بولو!''

''گڈ! اس کی تمام کاروائیوں کو نگاہ میں رکھو۔ دیکھو اگر وہ اس سمت آنے کی کوشش کرے تو مجھے وقت پر آگاہ کرنا۔ کوتاہی نہیں ہونا چاہیے ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔''

آخری فقرہ انہوں نے پھنکارنے کے انداز میں ادا کیا تھا۔ سیل فون کو چارجنگ پر لگا کر وہ ایک بار پھر میری جانب متوجہ ہوئے میں نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔ وہ نپے تلے قدموں کے ساتھ میری جانب آئے تھے پھر میرے بازو میں لگی ڈرپ کو ہٹا دیا تھا۔ متاثرہ جگہ پر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق انہوں نے کاٹن رکھ کر بنڈیج چپکا دی۔

''کیسا محسوس کر رہی ہو اب؟''

ان کی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر آ کر ٹھہر گئیں۔ میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا میں ہونٹ بھینچے پڑی رہی۔ انہوں نے کچھ دیر مجھے دیکھا پھر پلٹ کر تمام لائٹیس بجھا کر نائٹ بلب روشن کر دیا۔ شرٹ اُتار کر سائیڈ پر پھینکی اور آہستگی و نرمی کے ساتھ میرے بستر میں گھس گئے۔ مجھے لگا تھا میرا دل خوف سے بند ہو جائے گا۔

''اتنا ڈرتی کیوں ہو مجھ سے؟ اچھا خاصا ہنڈسم ہوں یار۔''

مجھے دہشت زدہ محسوس کر کے وہ میرا گال تھپک کر مگر ذرا کھسیا کر ہنسے تھے۔ میری آنکھیں بے بسی کے واضح اظہار کے طور پر آنسو بہانے لگیں۔

''آج کی رات مجھے معاف کر دیں ابو داؤد! میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے پلیز پلیز!''

میں ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر باقاعدہ اونچی آواز میں رونے لگی۔ ابو داؤد کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت بے تحاشا سرخ پڑ گیا۔ آنکھیں لہو چھلکانے لگیں۔

''بکواس بند کرو۔ اس بدتمیزی کے جواب میں شوٹ کر ڈالوں گا تمہیں۔''

شدت غیض سے ان کی آواز پھٹ سی گئی تھی۔ میں سہم کر چپ ہو گئی۔ وہ کتنی دیر تک گہرے سانس بھر کے جیسے اپنے طیش پر قابو پاتے رہے تھے۔ اور میں دھک دھک کرتے دل کے ساتھ خود کو ان کی وحشت کا نشانہ بنانے کے لیے ہمتیں مجتمع کرتی رہی۔

''سو جاؤ۔ مجھے لگ رہا ہے اگر میں نے تمہیں چھو لیا تو تم صدمے سے فوت ہو جاؤ گی۔ اور میں اتنی آسان موت تو نہیں چاہتا تمہارے لیے۔''

معاً ان کی آواز سے مجھے جیسے زندگی کا مژدہ ملا تھا۔ میں نے غیر یقینی سے آنکھیں پھیلا کر انہیں دیکھا۔ ان کے چہرے کے وجیہ خدوخال میں دبا دبا غصہ تھا۔ پھر انہوں نے میری طرف سے کروٹ بدل لی۔ میرے اندر جو غضب کا خوف و ہراس تھا جیسے ایک دم سے جاتا رہا۔ میں کچھ دیر ششدر سی پڑی رہی پھر میرے ہونٹوں پر ایک شکستہ مسکان بکھر گئی تھی۔ میں ذرا پرسکون ہوئی تھی اور اپنے اوپر کمبل کھینچ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ نیند کو مجھ پر مہربان ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ وہ رات کا نہ جانے کونسا حصہ تھا جب کسی احساس سے ایک بار پھر میری آنکھ کھل گئی تھی۔ نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں میں نے ابو داؤد کو اپنے بے حد نزدیک دیکھا تھا۔ مجھے اپنا آپ ہواؤں میں معلق محسوس ہوا تھا۔ میری حسیات ساکت رہ گئی تھیں۔ وہ ناقابل یقین متحیر کرنے والا منظر تھا۔ ابو داؤد شاید حواسوں میں نہیں تھے۔ وہ جو زخم لگانے کے ہنر سے ہی آشنا تھے بھلا مسیحائی کیسے کر سکتے تھے۔ مگر ایسا ہو رہا تھا۔ ابو داؤد کے لمس میں نرمی تھی لگاوٹ اور خوشبو تھی۔ عجیب عقیدت بھرا سا انداز تھا ان کی محبت میں، وہ میرے زخموں کو سینچ رہے تھے۔ وہ میرے درد کو چن رہے تھے۔ یہ جتنی بھی ناقابل یقین بات ہوتی مگر اس سے کئی گنا بڑھ کر طمانیت آمیز تھی۔ یہ صرف انتقام کے جذبے کی کہانی تو نہیں تھی۔ اس میں کوئی اور احساس بھی پوشیدہ تھا۔ اللہ جانے یہ میری خوش فہمی تھی یا اس کا حقیقت سے بھی کوئی تعلق تھا۔ بہرحال جو بھی تھا ابو داؤد کے اندر سے اچھائی کا مکمل خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ تھوڑی سہی مگر نیکی موجود تھی۔ جسے ابھارا جا سکتا تھا۔

☆☆

ہم نازک نازک دل والے، بس ایسے ہی تو ہوتے ہیں
کبھی ہنستے ہیں کبھی روتے ہیں، کبھی دل میں خواب پروتے ہیں
کبھی محفل محفل پھرتے ہیں، کبھی ذات میں تنہا ہوتے ہیں
کبھی چپ کی مہر سجاتے ہیں، کبھی گیت لبوں پر لاتے ہیں
کبھی سب کا دل بہلاتے ہیں، کبھی خود میں تنہا ہوتے ہیں

کبھی شب بھر جاگتے رہتے ہیں، کبھی لمبی تان کے سوتے ہیں
ہم نازک نازک دل والے بس، کچھ ایسے ہی تو ہوتے ہیں

اس سے اگلی صبح میں بہت دیر سے بیدار ہوئی تھی۔ میرے پہلو میں جہاں رات ابوداؤد موجود تھے اب خالی تھا۔ میں نے یونہی لیٹے لیٹے گردن موڑ کر دیکھا۔ واش روم کا دروازہ نیم وا تھا اور اندر تاریکی تھی۔ اس کا مطلب وہ وہاں بھی نہیں تھے۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ اُٹھا کر بالوں کو سمیٹتے میری نظر اپنے داہنے جانب قد آدم آئینے کی جانب اُٹھ گئی تھی۔ میرا چہرا ستا ہوا اور زرد رو تھا آنکھیں شدت گریہ سے سوجھ کر سیاہی مائل ہو رہی تھیں۔ گردن کے نیچے اور اطراف میں کئی چھوٹے بڑے داغ بے حد نمایاں تھے۔ کچھ سگریٹ کے تھے اور کچھ دانتوں کے۔ میں نے ہاتھ کی پوروں سے انہیں چھوا اور گہرا سانس کھینچ کر پھر سے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی۔ میرے وجود پر ابھی تک وہ عروسی لباس تھا جو ابوداؤد نے مجھے نکاح کی رات پہننے کو دیا تھا۔ میں خود کو سمیٹ کر اُٹھی اور آہستگی سے چلتی وارڈ روب کی جانب آ گئی۔ وہاں ابوداؤد کے ہی کپڑے تھے۔ میں کچھ پریشانی کے عالم میں وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ یہ بھاری لبادہ میرے وجود کو جیسے کاٹ رہا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک پر میں نے چونک کر گردن موڑی۔ چوکھٹ میں ایک ملازمہ ٹائپ لڑکی موجود تھی۔

"بیگم صاحبہ ناشتہ یہیں لا دوں؟؟"

میں اسے بغور دیکھ رہی تھی ہاتھ کے اشارے سے اندر بلا لیا۔ وہ کم عمر تھی اور کچھ کم گو بھی جھجکتی ہوئی میرے پاس آ گئی تھی۔

"ابوداؤد کو بلاؤ۔ کہاں ہے وہ؟"

"آپ صاحب کی بات کر رہی ہیں؟" وہ تو گاڑی لے کر صبح سے کہیں نکلے ہوئے ہیں۔ کہہ گئے تھے آپ کا دھیان رکھوں۔ جب جاگ جائیں تو ناشتے کا پوچھ لوں۔

"کب تک آئیں گے بتایا نہیں؟"

میں نے اُٹھ کر دوپٹہ اوڑھتے ہوئے پوچھا یہ وہ دوپٹہ تھا جو میں اوڑھ کر یہاں آئی تھی۔

"نہیں جی وہ نوکروں کو کیوں بتائیں گے بھلا؟"

میں نے گہرا سانس کھینچا پھر اسے دیکھ کر نرمی سے بولی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟ یہ دیکھو یہ جو دوپٹہ ہے نا اس کے ساتھ کا میرا سوٹ بھی تھا۔ مگر اب نہیں مل رہا۔"

"میرا نام زرینہ ہے جی! اور یہ سوٹ آپ کا میں نے کل دھویا تھا۔ استری کرنے کو رکھا ہوا ہے۔ لا دوں؟"

"ہاں زرینہ! بہت شکریہ پلیز جلدی لا دو۔"

"میں ابھی استری کر کے لاتی ہوں جی!"

وہ سرعت سے پلٹ گئی۔ اگلے دس منٹ بعد وہ پھر آئی تو اس کے بازو پر میرا استری شدہ لباس تھا۔

"ناشتہ کس چیز کا لیں گی جی؟"

وہ دیہاتی تھی اور پنجابی لہجے میں اُردو بولتی تھی۔ مجھے وہ بہت معصوم اور پیاری لگی۔

"ایسا کرو زرینہ اپنی پسند کا ناشتہ تیار کر لو۔ پھر ہم اکٹھے ناشتہ کریں گے۔"

میرے دوستانہ فقرے پر وہ آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے مجھے دیکھنے لگی پھر بے ساختہ کانوں کو ہاتھ لگاتی پلٹ کر چلی گئی۔ میں آہستگی اور بے دلی سے مسکرا دی۔ باتھ لے کر میں نے کپڑے بدلے تھے۔ اور بالوں کو سمیٹ کر دروازہ کھولتی باہر آ گئی۔ موسم سرما کا یہ ایک روشن دن تھا۔ سردی اچھی خاصی تھی۔ میں برآمدوں کے پر حرارت ماحول سے نکل کر کھلی فضا میں آئی تو یہ احساس اور بڑھ گیا تھا۔ کوٹھی کا بیرونی حصہ بھی اندرونی حصے کی طرح شاندار تھا۔ محرابی دروازے دبیز کارپٹ کمروں اور برآمدوں میں کو دیکھ چکی تھی۔ ایسے ہی کارپٹ سیڑھیوں پر بھی نظر آئے تھے۔ بھاری پردے اور فانوس ویسی ہی جدید آرائش جو پرشکوہ عمارتوں کا خاصا ہوا کرتی ہے۔ ابوداؤد کے رات کے حوصلہ افزا رویے نے میرے اندر زندگی کی دم توڑتی خواہش کو جیسے پھر بیدار کر دیا تھا۔ گھوم پھر کر گھر دیکھنا اس خواہش کی وجہ سے تھا۔ سرد ہوا میرا باریک آنچل اڑانے لگی ساتھ میرے بال بھی۔ میں یونہی چہل قدمی کے انداز میں وسیع و عریض کوٹھی کو گھوم پھر کے دیکھتی رہی پھر چھت پر آ گئی۔ بڑی اچھی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ مطلع صاف تھا۔ دور تقریباً ایک فرلانگ کی دوری پر ٹیکسٹائل مل کی وسیع عمارت نظر آتی تھی۔ رہائشی حصے اور مل کو ایک پرائیویٹ کشادہ سڑک ملاتی تھی۔ دائیں جانب کچھ فاصلے پر جی ٹی روڈ کے آثار نظر آ رہے تھے۔ کیکر کے گھنے درختوں کے اندر گاہے گاہے کسی تیز رفتار گاڑی کا شیشہ چمک دکھا کر اوجھل ہو جاتا تھا۔ دور افتادہ ہارن بھی سنائی دیتے تھے۔ میں کچھ دیر ٹہلتی رہی۔ حدت آمیز دھوپ نڈھال تھکے ماندے وجود کو بھلی لگ رہی تھی۔ معاً ہوا کے جھونکوں میں تیزی آنے لگی۔ بالوں کی لٹیں بل کھا کھا کر میرے رخساروں سے لپٹ رہی تھیں۔ میں نے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا اور دوپٹہ سنبھالتی نیچے آ گئی۔ زرینہ کچھ پریشان سی مجھے پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر تیزی سے لپکتی آئی۔

"آپ کہاں چلی گئی تھیں بیگم صاحبہ!"

"چھت پر تھی۔ ناشتہ تیار ہو گیا؟"

"ہاں جی آ جائیں۔" معاً وہ ٹھٹھکی۔

"کہاں کھائیں گی۔ کمرے میں یا؟؟"

"نہیں کچن میں تمہارے ساتھ"

"مم میں............!" وہ گھبرائی مگر میں نے نرمی سے اس کا گال تھپکا تھا۔

"دیکھو میں اکیلی کچھ نہیں کھا سکتی۔ تمہیں میرا ساتھ اس لیے بھی دینا چاہیے کہ میں بھوکی نہیں رہنا چاہتی۔"

"مم مگر بیگم صاحبہ!"

وہ کچھ اور ہچکچائی مگر میں نے اسے باتوں میں لگا لیا تھا۔ وہ چھوٹی سی تھی مگر بہت مہارت سے ہر کام کرتی تھی۔ آملیٹ، پراٹھے، چائے کا ناشتہ اس نے اتنے مزے کا بنایا تھا کہ میں دو پراٹھے کھا گئی۔

"صاحب کہہ رہے تھے آپ کو دوا ضرور کھلاؤں۔"

"میں لے لوں گی۔ تم پریشان مت ہو۔"

چائے کا بھاپ اڑاتا مگ اُٹھائے میں اس کا گال تھپکتی کچن سے نکل آئی۔ مگر اندرونی حصے کی جانب بڑھتے میرے قدم ٹھٹھک کر رک گئے تھے۔ چار چاک و چوبند مسلح پولیس اہلکاروں کے ساتھ اسٹک کے سہارے چل کر تیزی سے اندرونی حصے کی جانب بڑھتے ہوئے وہ عون بھیا ہی تھے۔ چائے کا مگ میرے بے جان ہو جانے والے ہاتھ سے چھوٹ کر پختہ فرش پر جا گرا۔ مگ گرنے کی آواز پر ہی وہ لوگ متوجہ ہوئے تھے اور اگلے لمحے میں نے عون بھیا کو ٹھٹھک کر رکتے دیکھا۔

"وہ دیکھیں آفیسر! میں نے کہا تھا نا میری بہن اس خبیث کی تحویل میں ہے۔"

عون بھیا نے چلا کر کہا تھا اور پھر اسٹک کے سہارے کسی قدر لڑکھڑا کر آگے بڑھتے میرے نزدیک آ گئے۔

"میں پتھر کے بت کی طرح سے ساکن تھی۔"

"حجاب! گڑیا تم ٹھیک ہو نا؟"

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر مجھے اپنے بازو کے نرم حصار میں مقید کر لیا۔

"مسٹر عون! ہم آپ کی سسٹر سے کچھ سوالات کرنا چاہیں گے۔"

وردی میں ملبوس اسمارٹ سے پولیس آفیسر نے کسی قدر کھردری آواز میں بھیا کو مخاطب کیا۔

"آفیسر حجاب آپ سے ضرور تعاون کرے گی لیکن پلیز آپ یہاں سے تو نکلیں۔ وہ بہت خطرناک ہے۔ اگر وہ پہنچ گیا تو حجاب کو اپنی تحویل سے نکلتے دیکھ کر وہ اسے شوٹ کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا آپ اسے نہیں جانتے۔"

بھیا زور سے چیخے تھے۔ آفیسر کے چہرے پر تذبذب کی کیفیت ابھری پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو واپس مڑنے کا اشارہ کیا تھا۔ اور وہ بھیا کی جانب پلٹا۔

"مسٹر عون آپ خاتون کے ساتھ چل کر گاڑی میں بیٹھیں۔ میں اس لڑکی سے چند سوالات کر کے آتا ہوں۔"

عون بھیا نے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی پھر مجھے یونہی بازو کے حلقے میں لیے گیٹ سے باہر آئے اور وہاں باہر کھڑی پولیس جیپ میں بیٹھ گئے تھے۔

"گڑیا تم ٹھیک ہو نا؟"

بھیا کے چہرے پر کتنی وحشت تھی یہ سوال پوچھتے وہ مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ نظریں ملانے کی ہمت تو مجھ میں بھی نہیں تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آئی ان کی اس بات کا کیا جواب دوں۔ کیا میں واقعی ٹھیک تھی؟ پولیس آفیسر تقریباً دس منٹ کی تاخیر کے بعد گاڑی میں آ کر بیٹھا تھا اس کے بیٹھتے ہی گاڑی کا بھاری انجن غرایا اور گاڑی بہت سرعت سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

"مسٹر عون آپ کا کیس خاصا کمزور ہو رہا ہے۔ لڑکی کے بیان کے مطابق ابو داؤد آپ کی سسٹر کے ساتھ نکاح کر چکا ہے۔ آپ انہیں لے جا تو رہے ہیں مگر مجھے نہیں لگتا زیادہ دیر اپنے پاس رکھ سکیں۔"

"سب جھوٹ ہے فراڈ ہے۔ میں بتا چکا ہوں نا آپ کو۔ بہت کرپٹ ہے وہ انسان۔ اس نے خود اپنے گندے کارنامے فون پر بتائے ہیں مجھے۔"

عون بھیا جیسے پھپھک کر بولے تھے۔ شدت غیض سے ان کا چہرا سرخ ہو کر دہکنے لگا تھا۔

"کنٹرول یور سلیف مسٹر عون!"

آفیسر نے کسی قدر نرمی سے ان کا کندھا تھپکا۔ بھیا ہونٹ بھینچے سر جھٹک کر جیسے غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں ہنوز گم صم بیٹھی تھی۔ مجھے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی اپنی اس کیفیت کی۔ آیا میں ابو داؤد سے نجات مل جانے پر خوشی محسوس کروں۔ یا اپنا سب کچھ گنوا دینے پر ماتم؟

☆☆

جو ذرا کسی نے چھیڑا تو چھلک پڑیں گے آنسو

کوئی مجھ سے یوں نہ پوچھے تیرا دل اداس کیوں ہے

مجھے لگتا تھا کسی نے میری زندگی سے سکون کو چھین لیا ہے۔ میں گھر واپس لوٹ آئی تھی۔ یہ وہی گھر تھا جہاں میں نے اپنی عمر کی انیس بہاریں دیکھی تھیں۔ یہاں سب میرے اپنے تھے۔ میرا خیال رکھنے والے مگر ان دو راتوں میں کتنا کچھ بدل گیا تھا۔ مما پپا سمیت سب مجھ سے نظریں چرائے پھرتے۔ مما دل جوئی بھی کرتیں تو اس میں ایسی کیا کمی تھی کہ میرے زخموں پر کھرنڈ نہیں بن رہے تھے۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا۔ مما ابو داؤد سے بے حد خائف ہیں۔ جس شب ابو داؤد بدمعاشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے یہاں سے اُٹھا کر لے گئے تھے۔ جس طرح انہوں نے عون بھیا کو بے دریغ زخمی کیا تھا۔ اس سے مما کا خائف ہونا کچھ غلط بھی نہیں تھا۔

"میں نے منع کیا تھا عون کو صبر کرے اس سب پر مگر وہ انا کا ناک کا مسئلہ بنا کر بیٹھ گیا ہے۔ شادی تو تمہاری ہونا تھی۔ فراز سے نہ سہی اسی سے سہی۔ مگر عون سمجھتا نہیں ہے۔"

مما ہاتھ مسلتے ہوئے ایک اضطراری کیفیت میں مبتلا لگ رہی تھیں۔

"وہ تم سے تصدیق چاہے گا بیٹے تم مان جانا۔"

انہوں نے کسی قدر جھجک کر کہا۔ میں ٹھٹھکتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔ دراصل مجھے ان کی بات سمجھنے میں دشواری ہوئی تھی۔

"وہ کہتا ہے اس نے تم سے نکاح کیا ہے کیا یہ سچ ہے؟"

"جی مما!" میں سسکی۔

"عون تم سے بات کرے تو تم کہہ دینا تم ابو داؤد کے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔"

مما کی بات پہ میں نے غیر یقینی سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ بے ساختہ نظریں چرا گئیں۔

"دیکھو بیٹے شروع میں اکثر شادی شدہ زندگی میں عورت کو مشکلات سے گزرنا اور قربانیاں دینا ہی پڑتی ہیں۔ محبت، خلوص اور اطاعت سے سخت سے سخت گیر انسان بھی موم ہو جاتے ہیں۔ تم اسے محبت سے رام کرنے کی کوشش کرنا۔ اگر تم بھی عون کی ہمنوا ہو گئیں تو یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ وہ صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ تم نے اس دن دیکھا نا۔ دیکھا نا وہ کیسے مرنے مارنے پر اتر آیا تھا۔ وہ میری گود اجاڑ دے گا۔ وہ میرے عون کو نہیں چھوڑے گا۔"

مما پہلے سسکیوں سے روتی تھیں پھر گھٹ گھٹ کر رونے لگیں میں ساکت و جامد بیٹھی انہیں دیکھتی رہی تھی پھر میں نے نم آنکھوں سے ان کے ہاتھ کو چوما تھا اور کچھ کہے بغیر ان کے گلے لگ کر خاموش آنسو بہانے لگی۔ میں نے خود کو ایک بار پھر قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا۔

☆☆

آج پھر درد و غم کے دھاگے میں
ہم پرو کر تیرے خیال کے پھول
ترکِ الفت کے دشت سے چن کر
آشنائی کے ماہ و سال کے پھول
تیری دہلیز پر سجا آئے
پھر تیری یاد پر چڑھا آئے
باندھ کر آرزو کے پلے میں
ہجر کی راکھ اور وصال کے پھول

عیسیٰ بھائی نے عون بھیا کی ٹانگ کی پٹیاں چینج کی تھیں پھر کچھ دیر فزیوتھراپی کی مشقیں کراتے رہے۔ میں کھڑکی میں کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ عیسیٰ بھائی یقیناً کلینک جا رہے تھے۔ انہوں نے بھائی کو کچھ ہدایات دیں۔ پھر رسٹ واچ پر نگاہ کی اور اپنا بیگ اُٹھائے پورچ کی جانب چلے گئے۔ عون بھیا جو انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے گہرا سانس بھر کے اچانک سر اُٹھا کر کھڑکی کی جانب مجھے دیکھا۔ میرے چہرے پر جانے کیا تھا کہ وہ کچھ دیر یونہی مجھے دیکھتے رہنے کے بعد اُٹھ کر لان سے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے۔ میرا ذہن بالکل خالی تھا۔ میں پھر بھی وہیں کھڑی رہی تھی۔ جب دروازہ ناک کرتے عون بھیا اندر آ گئے۔

"بیٹھ جاؤ ہنی! مجھے تم سے کچھ بہت اہم باتیں کرنی ہیں۔"

"اسٹک سائیڈ پر رکھ کر انہوں نے رسانیت سے مجھے مخاطب کیا۔"

"جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا وہ ہرگز بھی بھلانے والا نہیں ہے۔ حجاب میں نے پوری کوشش کی تھی تمہیں اس بھڑکتی آگ سے بچا لوں مگر میری توقع سے کہیں بڑھ کر وہ خبیث ثابت ہوا۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے مذموم ارادوں میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا ہے۔ مجھے اب تم سے صرف یہ کہنا ہے جو کچھ ہوا اسے کسی بھیانک خواب

کی طرح بھول جاؤ۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو ہنی! اس حادثے کے بعد میں ٹیپیکل مردوں کی طرح نہیں سوچ رہا ہوں۔ مجھے ہر صورت تمہیں اس خبیث کے شر سے بچانا ہے۔ یہ میرا احسان نہیں تم پر تمہارا بھائی ہونے کے ناطے میرا فرض ہے۔ اور اس گناہ کا ذرا سا ازالہ بھی جو میری کم فہمی کی بنا پر وہ تمہاری زندگی میں اس حد تک انوالو ہو گیا۔

انہوں نے کچھ دیر تک توقف کیا تھا پھر اسی ٹھہرے ہوئے لہجے میں دوبارہ گویا ہوئے تھے۔

"تمہیں خود کو مضبوط بنانا ہے حجاب! اب حالات رخ بدلنے والے ہیں۔ عین ممکن ہے۔ وہ ہمیں کورٹ تک گھسیٹ لے۔ مگر تمہیں کہیں بھی ہمت نہیں ہارنی!"

میں نے جھکا سر اُٹھا کر نمناک نظروں سے انہیں کچھ دیر دیکھا تھا پھر آہستگی سے بولی تھی۔

"میں نہیں چاہتی ہوں بھیا کہ یہ سب ہو۔ آپ کہہ سکتے ہیں میں اپنا گھر اجاڑنا نہیں چاہتی۔ ابو داؤد بُرے سہی مگر میں انہیں بطور شوہر تسلیم کر چکی ہوں۔"

"کونسا شوہر اور کیسا گھر؟ تم پاگل ہو ہنی! تمہیں صرف ٹریپ کیا گیا ہے۔ وہ نکاح جعلی تھا۔ محض دکھاوا۔ وہ سراسر فراڈ انسان ہے۔ اس نے خود اپنی زبان سے مجھے اس فراڈ کی کہانی سنائی ہے۔ وہ کیسا آلودہ تعلق ہو گا جو تمہارا اس سے قائم ہو گا اندازہ ہے تمہیں؟"

عون بھیا جیسے شدید اشتعال کے عالم میں پھٹ پڑے تھے۔ ان کی آواز میں اتنا طیش اتنی تلخی اور اتنی کاٹ تھی کہ میں خود کو پارہ پارہ ہوتا محسوس کرتی جیسے ہواؤں میں بکھر گئی۔ شدید حیرت غیر یقینی اور دکھ کی کیفیت نے مجھے اپنے حصار میں اس طرح سے جکڑا تھا کہ میری قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی تھی مجھے یاد آیا عون بھیا نے اس قسم کی بات ابوداؤد کے گھر سے مجھے اپنے ساتھ لاتے ہوئے پولیس آفیسر سے بھی کہی تھی۔ یہ بات جس حد تک بھی درست تھی یہ الگ بات تھی میں صرف خود کو گزر جانے والی اس تباہ کن رات کے تصور سے خس و خاشاک ہوتا پا رہی تھی۔ ابوداؤد نے مجھے ایک اور سنگین دھوکہ دیا تھا۔ ایسا دھوکہ کہ جس کے بعد شاید احساس گناہ مجھے کبھی سکھ کا سانس نہ لینے دیتا۔ میری آنکھیں جل اُٹھی تھیں میرا سینہ غم سے بھر گیا۔ یہ کیسا انکشاف ہوا تھا جو جیتے جی مجھے برزخ میں اُتار گیا تھا۔ میں اس دھچکے سے سنبھل نہیں پائی تھی کہ ایک اور افتاد ٹوٹ پڑی۔ اس سے پہلے کہ میں یا بھیا کچھ سنبھلتے۔ چند پولیس آفیسر ایک لیڈی پولیس ورکر کے ساتھ دندناتے ہوئے اندر آ گھسے۔

"آپ مسز ابوداؤد ہیں؟"

لیڈی پولیس ورکر نے کرخت آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ میں جواب میں کچھ کہنے کی بجائے حواس باختہ سی اسے تکنے لگی۔

"ایکسکیوز می میم! واٹس یور پرابلم!"

عون بھیا خود کو سنبھال کر اُٹھے اور لیڈی پولیس کو مخاطب کیا اس نے جواباً کاٹ دار نظروں سے عون بھیا کو دیکھا تھا۔

"مسٹر پرابلم ہمیں نہیں آپ کو ہے۔ کسی کی بیوی کو دن دہاڑے اغوا کر کے آپ جس بے جا میں

رکھنے کے جرم میں اندر بھی ہو سکتے ہیں۔"

دیکھیے آپ کو سراسر غلط انفارمیشن دی گئی ہیں۔ یہ میری سسٹر ہیں اور وہ آدمی ہرگز بھی اس کا شوہر نہیں ہے۔ حبسِ بے جا میں اس آدمی نے رکھا ہوا تھا میری بہن کو۔"

"بہت ضبط کے باوجود عون بھیا کا لہجہ آخیر میں ترش ہو گیا تھا۔ لیڈی پولیس نے طنزیہ ہنکارا ابھرا۔"

آپ کے پاس اپنی بات ثابت کرنے کا پروف ہے؟

وہ اسی مخصوص کرخت انداز میں بولی تھی جس میں اب طنز کی بھی آمیزش تھی۔

"پروف تو اس آدمی کے پاس بھی نہیں ہے جو یہ بکواس کر رہا ہے۔"

عون بھیا پھٹ پڑے۔ وہ بہت سلیف کنٹرول رہتے تھے مگر اب ان کی ذہنی حالت بے حد مخدوش تھی۔ مما فق چہرا لیے دروازے کے پاس کھڑی ٹکر ٹکر ہم سب کی صورتیں دیکھ رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر یونہی لگتا تھا وہ کسی بھی پل بے ہوش ہو کر گر پڑیں گی۔

"دیکھو مسٹر آپ ہمارا خوامخواہ ٹائم ویسٹ کر رہے۔ آپ کا کیا خیال ہے ہم جھک مار رہے ہیں۔ یہ نکاح نامہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کو کیا پروف چاہیے کہ آپ کی سسٹر کے مسٹر داؤد شرعی و قانونی شوہر ہیں۔"

اسمارٹ پولیس آفیسر نے ایک کاغذ عون بھیا کے سامنے لہرایا۔ عون بھیا نے ٹھٹھک کر اس کاغذ کو دیکھا تھا اسے پکڑا اچھی طرح جانچ پرکھ کی۔ اس دوران ان کا چہرا بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ وہ جیسے ڈھے سے گئے۔

"ہو گئی آپ کی تسلی؟ اب ہم لے جا سکتے ہیں نا مسز ابو داؤد کو؟"

لیڈی پولیس ورکر کا لہجہ گہرے طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔ عون بھیا کا چہرا متغیر تھا وہ زمین پر نظریں گاڑھے کھڑے تھے۔ مجھے لگا وہ جیسے ابھی تیورا لے کر گر جائیں گے۔ میں لپک کر ان کی جانب بڑھنا چاہتی تھی مگر لیڈی پولیس ورکر نے میرا ہاتھ مضبوطی سے جکڑ لیا۔

"چلیں خاتون! باہر تمہارا شوہر تمہارا بہت بے چینی سے منتظر ہے۔ تمہارا!"

وہ شاید ایک ہی لہجے میں بات کرنے کی عادی تھی۔ اور وہ کاٹ دار طنزیہ انداز تھا۔ میں بے بس سی کیفیت میں چھلکتی آنکھیں لیے ایک طرح سے گھسیٹتی ہوئی اس کی معیت میں باہر آئی۔ دائیں بائیں الرٹ پولیس اہلکار تھے۔ یہ رخصتی بھی انوکھی تھی۔ ایسی ذلت پتا نہیں کیوں بار بار میرا نصیب بن رہی تھی۔ گھر کے ملازموں نے ہی نہیں آس پاس کے گھروں اور کئی راہگیروں نے بھی یہ انوکھا تماشا بڑی جزئیات سے دیکھا تھا۔ کاش میرے بس میں ہوتا میں زمین میں گڑ جاتی۔ میرا دل اتنی سبکی برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

"یہ لیں جی اپنی امانت اور آئندہ سنبھال کر رکھیے۔"

لیڈی پولیس ورکر نے مجھے ابو داؤد کی جانب دھکیل دیا جو بہت مگن اور مطمئن انداز میں اپنی گاڑی کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑے سگریٹ پھونک رہے تھے۔ شرمندگی اور توہین کے احساس نے میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ کئی آنسو گرائے تھے۔ ابو داؤد نے نہایت بے تابانہ انداز میں مجھے تھام کر خود سے

لپٹا لیا اور ایک جذب اور ایک وارفتگی کے عالم میں میرے چہرے کے نقوش کو بار بار ہونٹوں سے چھوا میرے آنسو پونچھے اور ایک بار پھر گلے لگا لیا۔ میں جانتی تھی یہ سب دکھاوا تھا اس کے باوجود ان کی یہ بے باکی مجھے خفت سے سرخ کر گئی۔

"تھینک یو سو مچ سر! میں بتا نہیں سکتا آپ نے مجھے کتنی لازوال خوشی سے ہمکنار کیا ہے۔ اگین تھینکس!" مجھے ساتھ لگائے لگائے وہ بے ساختہ چہک کر کہتے پولیس آفیسر سے مصافحہ کرنے لگے۔ آفیسر کی آہن آنکھوں میں خفیف سی مسکراہٹ جاگی!

یو ویلکم! اٹس مائی ڈیوٹی! وہ جواباً خوشدلی کا مظاہرہ کرتا اپنے ماتحتوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو گیا۔ ابو داؤد نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور مجھے سہارا دے کر اندر بٹھایا۔ میں سرتاپا جیسے کسی طوفان کی زد میں تھی۔ میں نے آنسو بھری نظروں سے اپنے گھر کی جانب دیکھا۔ وہاں ویرانی تھی۔ ایک جان لیوا سناٹا اس کے در و دیوار سے لپٹ کر دہائی دیتا ہوا محسوس ہوا مجھے۔ پھر میری آنسو بھری آنکھوں میں یہ منظر دھندلا گیا تھا۔ میں خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔ یہ احساس یہ خیال میرے لیے بے حد جان لیوا تھا کہ اس گھر اور اس گھر کے مکینوں کو جو میری رگ جاں سے بھی قریب تر تھے شاید میں آخری بار دیکھ رہی تھی۔ اور یہ خیال مجھے پاگل کر رہا تھا۔ میری سسکیاں آہوں میں بدلی تھیں اور آہیں گھٹی گھٹی چیخوں میں۔ شاید میں یونہی آنسوؤں میں خود کو بہا دینے کی خواہش مند تھی۔

"بس کرو اب ختم کرو یہ ماتم! نہ تو میں ابھی مرا ہوں اور نہ تمہارا وہ بھیا! یہ آنسو بچا کر رکھ لو کسی ایسے موقع کے لیے۔"

ابو داؤد نے زور سے گیئر بدلتے ہوئے مجھے بے تحاشا جھاڑ پلائی مگر مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ میں اسی بے قراری اور وحشت سے روئے گئی تھی۔

"حجاب! چپ کر جاؤ میری اتنی بڑی کامیابی پر رو کر نحوست ڈالو گی تو میں تمہیں اٹھا کر چلتی ہوئی گاڑی سے باہر پھینک دوں گا۔"

وہ دھاڑے تھے میں جیسے ایک دم بپھر اٹھی۔

"ہاں پھینک دیں۔ مجھے مار ڈالیں ایک ہی بار۔ لمحہ لمحہ کی اس موت سے تو بچ جاؤں گی نا۔"

میں نے اسٹیرنگ سنبھالے ان کے ہاتھوں کو ایک طیش کے عالم میں جھنجھوڑا تھا۔ گاڑی بے توازن ہو کر ڈول سی گئی۔ ابو داؤد کے چہرے پر بے تحاشا تنفر ابھرا انہوں نے ہونٹ بھینچ کر شدید غیظ کی کیفیت میں مجھے الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا تھا۔ میں اس طوفانی تھپڑ سے جیسے اڑ کر گاڑی کے دروازے سے ٹکرائی تھی۔

چوتھا حصہ

میرے احساسات جس طرح مفلوج تھے۔ میں اندازہ نہیں کر پائی مجھے کہاں چوٹ آئی تھی۔ ہاں یہ تھا کہ کچھ دیر تک میں اسی پوزیشن میں ساکن پڑی رہی تھی۔ یہاں تک کہ ابوداؤد نے ہی مجھے سیدھا کیا تھا۔ میرا سارا چہرا آنسوؤں سے تر تھا اور ایک قسم کی بے ہوشی مجھ پر طاری ہوتی جا رہی تھی۔

"حجاب! حجاب!"

انہوں نے میرے گال کو تھپتھپا کر مجھے آوازیں دی تھیں مگر مجھے ان کی آواز کہیں بہت دور سے بہت مدھم سی سنائی دی تھی۔ پھر انہوں نے شاید مجھے پانی پلانا چاہا تھا میں نے اپنی گردن اور ہونٹوں پر نمی محسوس کی تھی اس کے بعد میری یہ سوجھ بوجھ کی صلاحیت بھی میرا ساتھ چھوڑ گئی۔ میں بالکل غافل ہو گئی تھی۔

☆☆

میرے اعصاب اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ میں یوں بار بار حواس کھونے لگی تھی۔ جب دوبارہ میں ہوش کی دنیا میں لوٹی ابوداؤد میری جانب سے اچھے خاصے متفکر نظر آ رہے تھے۔ میں اسی بیڈروم میں تھی جہاں ابوداؤد مجھے پہلے بھی لے کر آ چکے تھے۔ ڈاکٹر میرے معائنے میں مصروف تھا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے ابوداؤد سے بہت دھیمے لہجے میں کچھ ڈسکشن کی تھی۔ میں نیم جان سی آنکھیں موندے پڑی رہی۔ مجھے جیسے کسی چیز میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ ڈاکٹر کو رخصت کر کے ابوداؤد میرے نزدیک آ بیٹھے۔ پھر انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔ میں نے کوئی جنبش نہیں کی۔

"حجاب!" ان کا لہجہ سرگوشی سے بلند ہرگز نہیں تھا۔

"آئی ایم ساری!" وہ پھر میری طرف جھک کر بولے۔ میں خاموش بے حس پڑی رہی۔ البتہ میری بند آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر بکھرنے لگے تھے۔

"تم خود کو سنبھالو حجاب! پلیز ٹھیک ہو جاؤ" میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔

میرے اندر جیسے لمحہ لمحہ زندگی دم توڑ رہی تھی۔ مجھے ان کی کسی بات کا یقین نہیں تھا۔ انہوں نے جس انداز میں مجھے لوٹا تھا اس کے بعد میرے پاس کوئی امید باقی بچی ہی نہیں تھی۔

"آنکھیں کھولو مجھے دیکھو حجاب!"

اس فرمائش نے میرے اندر سرسراتی نفرت کو دوچند کر دیا۔ میں نے لاشعوری طور پر آنکھیں سختی

سے میچ لی۔

"حجاب!" وہ جھک کر میرے بے حد نزدیک آ گئے۔ مجھے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ میں تڑپ کر فاصلے پر ہوئی تھی۔ ابوداؤد نے حیرت زدہ ہو کر میری اس حرکت کو دیکھا۔

"اتنی نفرت کرنے لگی ہو مجھ سے؟"

ان کے لہجے میں تلخی نہیں تھی تاسف تھا میں منہ پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں روکنے لگی۔

"آپ نے مجھے مار ڈالا۔ ابوداؤد آپ نے مجھے چیٹ کیا۔ میں نے آپ سے کچھ نہیں مانگا تھا سوائے اس کہ مجھے گنہگار ہونے سے بچا لیں۔"

میں زار و قطار روتے ہوئے کہہ گئی تھی۔ وہ ششدر ہونے لگے۔

"میں سمجھا نہیں حجاب!"

"آپ نے مجھ سے نکاح نہیں کیا نا؟ مجھے دھوکہ دیا ہے نا؟"

"تم سے کس نے کی یہ بکواس؟"

وہ بری طرح سے جھنجھلائے۔

"یہ سچ ہے نا؟" میں نے ایک دم ان کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ میرے اندر غضب کی ٹوٹ پھوٹ مچ گئی تھی۔

"یہ محض بکواس ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج تم میرے پاس نہ ہوتیں۔ وہ نکاح نامہ ہی تھا جس کی بدولت تم میرے پاس ہو۔"

"وہ نکاح اصلی تو نہیں ہے نا؟"

میں نے پھر ان کا گریبان جھنجھوڑا۔ انہوں نے جواباً سرد آہ بھری۔

کبھی پیغام دوستی کبھی مجھ سے بد گمانی!
تیری یہ بھی مہربانی تیری وہ بھی مہربانی!

میں نے ان کی بات پر جیسے کان ہی نہیں دھرے تھے۔ اور زور سے چیخی تھی۔

"مجھے بتائیں ابوداؤد آپ نے اتنا قبیح فعل کیوں کیا؟ مجھے بتائیں ورنہ میں خود کو شوٹ کر لوں گی۔"

"تم خود کو شوٹ کرنا چاہتی ہو تو شوق سے کر لو۔ میں چاہتا تو یہی تھا مگر صورتحال کے اس رخ کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ فی الحال تو تم میری بیوی ہو اگر تمہیں یہ تعلق پسند نہیں تو ابھی طلاق دے دیتا ہوں یہ زبانی کلامی ہوگی۔ کاغذی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر تم اس بات کو ثابت کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہو گی اور یوں میری کیپ کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو گی۔ بولو منظور ہے؟"

وہ کس درجہ نخوت اور بے نیازی سے کہہ کر مجھے دیکھنے لگے تھے۔ مجھے لگا تھا اتنے گندے الفاظ سن کر مجھے مر جانا چاہیے تھا۔ پتا نہیں میں اتنی سخت جان اتنی ڈھیٹ کیوں ثابت ہو رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا مجھے کسی

نے اُبلتے ہوئے آتش فشاں میں دھکیل دیا ہو۔ اتنی سبکی، اتنی تذلیل، میری رگیں جیسے کٹتی چلی گئیں۔ اور وجود جیسے شدید تشنج کی حالت میں چلا گیا۔ ابوداؤد جیسے غیر مہذب انسان سے کسی شائستگی اور تہذیب کی امید عبث تھی غلطی میری ہی تھی کہ میں ان سے اُلجھ گئی تھی۔ مجھے یہ بات خود سمجھ جانی چاہیے تھی کہ اگر عون بھیا نے مجھے یہاں آنے دیا تھا تو اس کی کوئی ٹھوس وجہ تو تھی۔

''آئندہ مجھ سے کوئی بھی فضول بات کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچنا۔''

وہ میری صدمے سے ساکن پتھرائی ہوئی آنکھوں میں جھانک کر طنز سے کہتے پلٹ کر چلے گئے۔ پیچھے میں اکیلی رہ گئی تھی اپنے آپ سے لڑنے اور آنسو بہانے کو۔

☆☆

کس قدر تکلیف دہ۔ تھا آرزوؤں کا سفر
سلسلہ در سلسلہ سانحہ در سانحہ

اگلے دن میں نے بستر سے پیر نیچے نہیں اُتارا۔ عجیب سی شکستگی میرے اعصاب کو جکڑ کر بے کار کر چکی تھی۔ اور شبنم میرے لیے کھانا لے کر آئی میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ دل ہی نہیں مان رہا تھا کچھ کھانے کو ابوداؤد شاید کہیں گئے ہوئے تھے۔ سارا دن نظر نہیں آئے۔ رات کو جب وہ آئے میں اسی وقت واش روم سے نکلی تھی۔ نقاہت اور اعصابی شکستگی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ میں واش روم تک آنے جانے میں ہی ہانپ کر رہ گئی تھی۔ ایک بار پھر سر بُری طرح سے چکرایا میں نے بے اختیار سنبھلنے کی غرض سے سہارے کو ہاتھ پھیلایا تھا۔ ابوداؤد نے لپک کر میرا ہاتھ ہی نہیں مجھے پورے کا پورا سنبھال لیا۔ میں اگلے لمحے ان سے دور ہٹ جانا چاہتی تھی مگر نقاہت اور آنکھوں میں اُترتے اندھیروں نے مجھے بے بس کر ڈالا۔ ابوداؤد نے میری کمر کے گرد بازو حائل کیا تھا پھر مجھے نرمی سے سنبھال کر بیڈ تک لے آئے۔ بیڈ پر بیٹھنے کے بعد بھی انہوں نے میرا سر اپنے زانو سے نہیں ہٹایا تھا۔ پھر انہوں نے بہت توجہ اور نرمی سے میرے بال سمیٹ کر پیچھے کیے تھے۔ میں نے کسمسا کر پیچھے ہٹنا چاہا تو انہوں نے میرے بازو پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا تھا۔

''ہر وقت کی ضد اچھی نہیں ہوتی حجاب! تمہارے سر کا زخم گہرا ہے یہ جو چکر شکر ہیں نا اسی چوٹ کا شاخسانہ ہیں۔ اب ہلنا نہیں میں تمہاری بینڈ تج چینج کر رہا ہوں۔''

انہوں نے میرے بالوں کو جکڑے ہوئے کیچر کو نکالا پھر زخم کو چیک کیا تھا۔ مرہم لگا کر پھر سے بینڈ تج ٹیپ چپکا دی۔ پتا نہیں کیوں میری آنکھیں خاموشی سے بہتی رہی تھیں۔

''کیوں روتی ہو؟''

اس کام سے فراغت کے بعد ان کی نگاہ میں میرے آنسو آئے تو انہوں نے میری بھیگی آنکھوں پر ہونٹ رکھ کے سرگوشی کی۔ میں ان کی اس حرکت پر سن سی رہ گئی تھی۔

''حجاب تم بہت معصوم ہو بہت خاص پیاری اور محبت کے لائق! اگر تم سمجھو اگر تم یقین کرو تو جان من بات صرف انتقام کی نہیں ہے۔ تم مجھے اچھی بھی لگتی ہو۔''

وہ میرے بالوں میں بہت ملائمت سے انگلیاں چلا رہے تھے۔ میں ساکن پڑی تھی پڑی رہی انہوں نے غور سے مجھے دیکھا پھر نرمی سے باقاعدہ جھنجھوڑ دیا۔ انداز توجہ حاصل کرنے والا تھا۔

''کس سوچ میں گم ہو؟''

''مجھے اب آپ کی کسی بات کا یقین نہیں۔'' میں نے پھپھک کر کہا اور ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہو گئی۔ ایک لمحے کو محض ایک لمحے کو مجھے لگا تھا ابوداؤد کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہو۔ مگر اگلے لمحے وہ نارمل تھے۔

''گڈ سمجھ دار ہو تم تو۔ میں بھی پاگل نہیں ہوں۔ بس ڈائیلاگ جھاڑ رہا تھا۔ میں سچ تمہیں بتلا چکا ہوں اور سچ وہ تھا جو تم پر واضح ہو چکا ہے۔ تمہاری حیثیت میری داشتہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ وہ حلق کے بل چیخے تھے میں نے شدت کرب میں مبتلا ہوتے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ وہ سلگتے ہوئے دروازے کو ایک زور دار ٹھوکر رسید کرتے کمرے سے چلے گئے تھے۔''

☆☆

آباد گھروں سے دور کہیں
جب بنجر بن میں آگ جلے
دل دکھتا ہے
جب رات کا قاتل سناٹا
پرہول ہوا کے دوش لیے
قدموں کی چاپ کے ساتھ چلے
دل دکھتا ہے
جب وقت کا نابینا جوگی
کچھ ہنستے بستے چہروں پر
بے دردرتوں کی راکھ ملے
دل دکھتا ہے
جب شہ رگ میں محرومی کا نشتر ٹوٹے
دل دکھتا ہے

کچھ دن مزید وہاں گزارنے کے بعد ابوداؤد مجھے اپنے ساتھ لاہور لیے چلے آئے تھے۔ البتہ اس سے پہلے انہوں نے مجھے شاپنگ کرا دی تھی۔ کپڑے جیولری کاسمیٹکس۔ میں نے ہر طرح سے بے نیازی اور لاتعلقی کا رویہ اپنائے رکھا۔ انہوں نے بھی اس دوران مجھ سے مشورے یا رائے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ دوران سفر بھی ہمارے بیچ زیادہ بات چیت نہیں ہوئی۔ یہ سفر انہوں نے بائی روڈ کیا تھا۔ راستے میں دو تین جگہ پر قیام بھی کیا گیا۔ میں سمجھتی ہوں اگر ہمارے تعلق میں اتنی سرد مہری نہ ہوتی تو یہ یادگار سفر بن سکتا تھا۔ ابوداؤد کی

اماں اور بہنیں مجھے ابوداؤد کے ساتھ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئیں

"یہ یہ تمہارے ساتھ کیسے؟"

بجائے میرا استقبال کرنے یا میری خیریت دریافت کرنے کے وہ اسی بھونچکے انداز میں آنکھیں پھاڑے ابوداؤد سے مخاطب ہوگئی تھیں۔ میں جو پہلے ہی شرمندگی اور خجالت سے دو چار تھی کچھ اور بھی سبکی محسوس کر کے رہ گئی۔

"میں نے کہا تو تھا اماں تجھ سے۔ یہ لڑکی اگر کسی کی بیوی بن سکتی ہے تو وہ ابوداؤد ہی ہو سکتا ہے۔"

ابوداؤد کے لہجے میں اپنی ذات کا گھمنڈ اور زعم تھا۔ میری آنکھیں جانے کس احساس کے تحت جل اُٹھیں۔

"تو کیا بھگا لایا ہے؟" انہوں نے تیز ہو کر کہا تھا جواباً ابوداؤد زور سے ہنس پڑے۔

"مجبوری تھی نا سالا صاحب باعزت طریقے سے محترمہ کو ہمیں سونپنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ایسے کیا کھڑی ہو سلام کرو نا اماں کو۔ تمہاری ساس ہیں۔"

نخوت بھرے انداز میں بات کرتے ہوئے انہوں نے مجھے کسی قدر غصے سے مخاطب کیا تھا۔ میں نے آنسوؤں کی نمی اپنے چہرے پر محسوس کی تھی۔ مگر حکم تو ماننا تھا۔ جبھی گھٹی گھٹی آواز میں سلام کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیتے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر گردن موڑ کر بیٹی سے بولی تھیں۔

"جاؤ سائرہ خانساماں سے کہو چائے بنا لائے۔ شامی کباب ضرور تلوانا پاس کھڑے ہو کر۔"

سائرہ آپا کے جانے کے بعد وہ مجھے کاندھے پر دباؤ ڈال کر اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئیں۔

"داؤد تم کہاں جا رہے ہو؟ چائے تو پی لو۔"

"میں باتھ لے لوں چائے آپ میرے کمرے میں بھیج دینا۔"

ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے انہوں نے اماں کی بجائے مجھے دیکھا تھا اور آنکھ کے اشارے سے مجھے اپنے ساتھ کمرے میں چلنے کا کہا۔ میں نے فی الفور گڑبڑا کر نگاہ کا زاویہ بدلا تھا اور کن اکھیوں سے اماں کو دیکھا وہ بظاہر بے نیاز نظر آ رہی تھیں۔ مجھے ابوداؤد کی یہ بے حجابی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی جبھی کان دھرے بنا بیٹھی رہی۔ اماں نے ایک بار پھر ریموٹ کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ ٹی وی اسکرین پر میک اَپ زدہ بھاری جیولری سے سجے چہرے تھے۔ میوزک کا بے ہنگم شور اور لحہ بہ لحہ کیمرے کے کلوز اَپ میں آتے اداکار اور ان کے تاثرات۔ یہ کوئی انڈین ڈرامہ تھا جس میں اماں پوری طرح غرق ہو گئی تھیں۔ فضا میں عصر کی اذان کی پکار اُٹھی مگر اماں نے ٹی وی کا والیوم کم نہیں کیا تھا۔ میں سخت جز بز ہوئی تھی۔

"اماں اذان ہو رہی ہے۔" میں نے جیسے انہیں اطلاع دی۔

"ہاں مجھے پتا ہے۔" جواباً انہوں نے بے نیازی سے کہا تھا اور آواز کا والیوم کچھ اور بڑھا دیا۔ میں ششدر رہ گئی تھی۔ اسی دوران سائرہ آپا چائے کے لوازمات سے بھری ٹرالی لیے چلی آئی تھیں۔

"بھابھی چائے لے لو۔"

سائرہ آپا نے ایک بڑی پلیٹ میں اماں کے لیے مختلف چیزوں کا انبار جمع کر کے انہیں چائے کے مگ کے ساتھ دینے کے بعد مجھے مگ تھمایا اور پلیٹ اُٹھا کر ایک بار پھر بھرائی شروع کی تو میں بوکھلا گئی۔

"نہیں آپا میں بس چائے لوں گی۔"

آپا نے پہلے چونک کر پھر گھور کے مجھے دیکھا تھا۔

"میں اپنے لیے ڈال رہی ہوں۔ یہ تمہارے سامنے پڑے ہیں نا جو جی چاہے لے لو۔"

ان کی آنکھوں کی طرح ان کی آواز بھی کچھ خفا خفا تھی۔ میری کھسیاہٹ کا عالم پوچھنے والا نہیں تھا۔

"بھائی کدھر چلے گئے اماں؟"

آپا اماں کے مقابل نشست سنبھالتے ہوئے جیسے چونک کر بولی تھیں۔

"اپنے کمرے میں چلا گیا ہے۔ اسے چائے وہیں دے آؤ۔"

سائرہ آپا کے چہرے پر کوفت سی چھا گئی۔ پھر ہونٹ سکوڑ کر بولی تھیں۔

"بھابھی تم ہی چائے لے جاؤ۔ مجھے تو بھائی کے عجیب و غریب موڈ سے سچی بات ہے ڈر لگا رہتا ہے۔"

اپنی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈال کر وہ چائے کے ساتھ اسنیکس کا لطف لیتے ٹی وی میں مگن ہو گئیں۔ میں کچھ جز بز سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"بھابھی چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ بھائی کا مزاج ایسی باتوں سے بہت بُری طرح بگڑتا ہے۔"

سائرہ آپا نے مجھے ہنوز بیٹھے دیکھ کر جیسے جتلایا تھا۔ میں یکلخت اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"مم مگر مجھے روم کا پتا نہیں ہے نا۔"

"افوہ یہ بھی ایک مصیبت ہے۔ ساجدہ ساجدہ!"

وہ کچھ جھنجلائیں تھیں پھر زور سے کسی کو آواز دی۔ شاید ملازمہ کو۔ اگلے چند لمحوں میں ایک ہٹی کٹی عورت اندر آ گئی تھی۔ گیلے ہاتھوں کو اپنی اوڑھنی سے خشک کرتی ہوئی۔

"ہاں جی بی بی صاحبہ!"

"یہ بھابھی کو بھائی کے کمرے تک لے جاؤ۔ یہ ٹرالی بھی۔"

ساجدہ نے سر ہلایا اور ٹرالی کا ہنڈل پکڑ لیا۔

"چلیے چھوٹی بیگم صاحبہ!" وہ میرے آگے چل پڑی۔ راہداری عبور کر کے جیسے ہی برآمدے میں پہنچیں ابوداؤد بنا شرٹ کے گیلے بدن پر جینز اور بنیان چڑھائے کچھ جھلائے ہوئے سے اسی سمت آتے دکھائی دیے۔ گیلے بال کشادہ پیشانی پر بے ترتیب تھے۔

"مل گئی تمہیں فرصت اس کام کی اور تم......؟"

وہ پہلے ملازمہ پر برسے پھر خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورا، ساجدہ کچھ گھبرا سی گئی تھی۔ کچھ کہے بغیر وہ

تیزی سے ٹرالی سمیت آگے بڑھ گئی۔ ابوداؤد نے سرد نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔

''بڑی جلدی خیال نہیں آ گیا تمہیں میرا؟''

میرے پاس اس بات کا بہت دل شکن جواب تھا مگر میں ہونٹ بھینچے اندر کمرے میں آ گئی۔ ساجدہ چائے کی ٹرالی ٹیبل کے ساتھ لگا کر پلٹ رہی تھی۔ ہمیں آگے پیچھے کمرے میں آتے دیکھ کر کچھ سہم گئی۔

''چائے بنا دوں صاحب؟''

''تم اپنی شکل سمیت یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' ابوداؤد زور سے دھاڑے ساجدہ فق چہرا لیے سراسیمہ سی ہو کر گرتی پڑتی وہاں سے نکلی تھی۔ مجھے شدید قسم کی ناگواری نے آن لیا مگر ہونٹ بھینچے خاموش رہی تھی۔

''کس سوچ میں ڈوب گئی ہو چائے بناؤ میرے لیے۔''

ابوداؤد نے کسی قدر جھنجلا کر کہا تھا۔ میں آہستگی سے سر جھکائے تعمیل میں لگ گئی۔

چائے بنا کر میں نے مگ ان کی سمت بڑھایا تھا اور سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''کچھ اور چاہیے؟''

''ہاں چاہیے تو......؟'' جواباً ان کی نظریں مجھ پر آن جمی تھیں۔ مگر میں بے خیال تھی۔

''کیا بتائیں......؟''

''تم! تمہاری ضرورت ہے۔ کرو گی میری دلداری؟''

مگ وہ سائیڈ پر رکھ چکے تھے۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں گھسیٹ لیا۔ میرے لیے یہ غیر متوقع تھا۔ میرے حواس جھنجھنا سے اُٹھے۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟ چھوڑیں مجھے!''

میں بے ساختہ پھنکاری تھی اور ان کی گرفت سے نکل جانے کو مچلی۔ انہوں نے ایک دم اس گرفت کو سخت کر دیا ان کی گرفت میں محض پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ اپنی بے بسی کا احساس میری آنکھوں میں آنسو بھرنے لگا۔ ان کی وہ ساری گھٹیا گفتگو جو انہوں نے لاسٹ ٹائم لڑائی کے دوران کی تھی۔ میرے سینے کا ناسور بن چکی تھی۔ میں فیصلہ کر چکی تھی ابوداؤد کی پیش رفت کے جواب میں انہیں مجھ سے منہ کی کھانی پڑے گی۔

''بدتمیزی میں نہیں تم کر رہی ہو۔ اپنے انداز ملاحظہ کرو۔'' وہ کسی قدر درشتی سے بولے تھے۔

''ابوداؤد میں کہہ رہی ہوں مجھے چھوڑ دیں۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

میں نے بھینچے ہوئے سرسراتے لہجے میں کہا تو ابوداؤد نے چیلنج کرتی نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔

''کیا کرو گی تم؟''

''یہ آپ پھر دیکھ لیں گے۔ مجھے میری مرضی کے خلاف آپ استعمال نہیں کر سکتے۔'' میں تیز ہوتے تنفس کے بیچ غرائی تو جواباً وہ زور سے ہنس پڑے۔

''مائی ڈیئر میں تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف بڑے معرکے کے بعد ہی حاصل کر پایا ہوں۔ فتح تو

ہو چکیں تم۔'' ان کا گھمنڈی لہجہ جتنی بھی معنی خیزی لیے تھا مگر اس میں جو تاؤ دلاتا احساس تھا وہ مجھے پاگل بنانے کو کافی ثابت ہوا۔ میں جو ان کی طاقت کے آگے بے بس سی ہوتی جا رہی تھی۔ ایک بپھری ہوئی موج کی طرح مچل کر ان کے حصار سے نکل گئی۔ ہمتیں ایک دم جیسے بیدار ہوئی تھیں۔ میرا ہاتھ اُٹھا تھا اور ابوداؤد کے چہرے پر نشان ثبت کر گیا تھا۔ کمرے کے سناٹے میں جیسے شور سا گونجا اور ابوداؤد ساکن اور ہونق رہ گئے۔ میں انہیں پیچھے دھکیلتی سرعت سے بیڈ سے اُٹھی تھی اور انہیں گھورتی ہوئی فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔

''آ آپ کیا سمجھتے ہیں؟ آپ یہ گھٹیا سلوک کریں گے میرے ساتھ اور میں برداشت کرتی رہوں گی؟ نو نیور...... میں اس ذلت بھری زندگی پر موت کو ترجیح دے سکتی ہوں۔ میں مر جاؤں گی مگر یہ سلوک برداشت نہیں کروں گی۔''

کتنے آنسو بہت سرعت سے میرے رخساروں کو بھگوتے چلے جا رہے تھے۔ اس پل میں ہر خوف سے آزاد تھی۔

''میں ابھی تمہیں بتاؤں گی میں اور کیا کر سکتی ہوں۔ میں ابھی خود کو شوٹ کروں گی۔ پھر لیتے رہنا انتقام'' میں اتنی وحشت سے چلائی تھی کہ اپنے ہی کانوں کے پردے پھٹتے محسوس کیے۔ اس وحشت بھرے انداز میں پلٹ کر دروازے کی جانب بھاگی۔ اس سے پہلے کہ دروازے سے نکل جاتی ابوداؤد یقیناً اس سکتے سے نکل کر میری جانب لپکے تھے۔ پھر نہایت جارحانہ انداز میں میرے بالوں کو ہاتھ کی گرفت میں جکڑ کر سلگتی نظروں سے مجھے دیکھا اور نہایت بے دردی سے مجھے چٹاخ چٹاخ کئی طمانچے رسید کر دیے تھے۔ ان کے چہرے پر اتنا غیض تھا اتنا غصہ کہ ایک پل کو میری روح فنا ہو گئی۔ انہوں نے مجھے اس کے بعد بھی نہیں چھوڑا میری ٹانگ پر اپنے جوتے سے جو انہوں نے ضرب لگائی تھی وہ اتنی شدید تھی کہ میں تیورا کر نیچے جا گری۔ اپنے قدموں میں، انہوں نے مجھے ٹھوکروں اور گھونسوں کی زد پر رکھ لیا تھا۔ میری برداشت ختم ہو گئی تھی۔ میں ذبح ہونے والے بکرے کی طرح ہی چیخی تھی۔ یقیناً انہیں چیخوں کی آواز پر اماں اور سائرہ آپا حیران پریشان اندر آ کر گھسی تھیں اور مجھے اتنی بُری طرح سے پٹتے دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔

''تم خود کو شوٹ کرو گی تم؟ میں اپنے ہاتھ سے مار دوں گا تمہیں۔ سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو؟''

''داؤد...... داؤد! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ ہوش میں آؤ...... جان سے مار ڈالو گے کیا؟''

ماں نے حواس بحال کر کے شاید داؤد سے مجھ کو چھڑانا چاہا تھا مگر وہ اتنا بپھرے ہوئے اور بے قابو تھے کہ انہیں بھی دور دھکیل دیا۔

''ہاں جان سے مارنا ہے اور آپ لوگ یہاں کیوں منہ اُٹھا کر گھس آئیں۔ تماشا ہو رہا ہے یہاں۔ ناؤ گیٹ لاسٹ!''

لہو رنگ آنکھوں اور چڑھتی سانسوں سمیت وہ چیخے تھے اور ایک ہی جونک میں اماں کے ساتھ ساتھ سائرہ آپا کو بھی دھکیل کر دروازے سے باہر تیج دیا اور دروازہ لاک کر کے ایک بار پھر خطرناک تیوروں سے میری

جانب لپکے تھے۔ مجھے بالوں سے پکڑ کر اپنے مقابل کیا پھر میری خوفزدہ چھلکتی آنکھوں میں اپنی سرد نظریں گاڑھ کر زور سے پھنکارے تھے۔

"دماغ آیا ہے ٹھکانے پر یا ابھی مزید برین واشنگ کی ضرورت ہے۔"

"نہیں آیا۔ مار ڈالو مجھے۔ مجھے تمہارے منحوس وجود سے نجات مل جائے۔ گھن آتی ہے مجھے تم سے۔"

میری دماغی حالت صحیح نہیں تھی۔ زخم زخم بدن تھا اور میں طیش میں مبتلا ہو کر جیسے انہیں کچھ اور سلگا گئی۔ انہوں نے کچھ دیر تک ساکن نظروں سے مجھے دیکھا تھا پھر ایک دم سے مجھے جھٹک دیا۔

"اتنی آسان موت نصیب نہیں بننے دوں گا تمہاری! لمحہ لمحہ تڑپاؤں گا۔"

ان کے لہجے کی تندی، سفاکی اور حقارت نے مجھے پھوٹ پھوٹ کر رونے پر اکسایا تھا۔ وہ پلٹ کر کمرے سے نکل گئے میں جانے کب تک یونہی سسکتی رہی تھی۔

☆☆

زندگی کے رستے میں
اتنی گرد اڑتی ہے
فاصلے سے دیکھیں تو
کچھ نظر نہیں آتا
منزلوں کے چہرے بھی
راہ کی نشانی بھی
سب ہی ڈوب جاتے ہیں
گرد کے سمندر میں
درد کے سمندر میں
فاصلہ نہیں مٹتا
فاصلہ نہیں گھٹتا

اگلے دو تین دن تک مجھے ابوداؤد کی صورت نظر نہیں آ سکی۔ میرا نیلو نیل جسم مجھے بستر سے اُترنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ انہیں دیکھنے کی خواہش بھی میرے اندر نہیں تھی۔ مگر جب دو دن مزید گزر گئے اور وہ نظر نہیں آئے تو میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"سائرہ آپا داؤد کدھر ہیں؟"

شام کو سائرہ آپا میرے لیے چائے لائیں تو میں نے پوچھا تھا۔ جواباً انہوں نے بے حد عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔

"تمہارا شوہر ہے بی بی وہ، ہمیں کیا پتا اس کے پروگراموں کا۔"

ان کا لہجہ طنزیہ تھا میں اپنے چہرے کو تپتا ہوا محسوس کرنے لگی۔ مگر یہ وقت خاموش رہنے کا نہیں تھا۔

"کیا وہ واپس کراچی چلے گئے ہیں؟"

"تمہارے پاس فون نہیں ہے؟ پتا کر لو۔ ویسے اتنی چار چوٹ کی مار کھانے کے باوجود بھی تمہیں اس کی یاد ستا رہی ہے۔ عجیب سنکی لڑکی ہو۔"

سائرہ آپا کی بات پر میں نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ سخت کہنے سے باز رکھا۔ پھر جب وہ کمرے سے چلی گئیں۔ تب میں نے سیل فون اُٹھا کر ابوداؤد کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ ان کا نمبر آف تھا۔ میں بار بار ٹرائی کرتی رہی تھی۔ ان کا نمبر آن تو ہو گیا مگر وہ میری کال پک نہیں کر رہے تھے۔ میرے اندر سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ یہ شخص اب میرے ساتھ کیا کرنے والا تھا۔

میرا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ ابوداؤد دانستہ مجھے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ چند دن کی مہمان نوازی کے بعد سائرہ آپا اور اماں نے بھی نظریں پھیرنا شروع کر دیں۔ اور پھر جیسے وہ کھل کر سامنے آ گئی تھیں۔ بات بے بات جھگڑنا اور مجھے گالیاں کوسنے دینے کے ساتھ الزامات لگانا دونوں کی فطرت بنتی چلی گئی۔ ایسے میں بھابھی کا دم غنیمت تھا جو مجھے کسی حد تک اچھا سمجھتی تھیں۔

"کب سے خراب ہے تمہاری طبیعت؟"

اس روز کچن میں کام کرتے ہوئے میں جب یک دم منہ پر ہاتھ رکھے باہر بھاگی تھی اور کتنی دیر الٹیاں کر کے بے حال ہوتی رہی تھی تب بھابھی نے میرے پاس آ کر کاندھے پر ہاتھ دھر کے استفسار کیا تھا۔

"ابوداؤد کو پتا ہے؟ ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا تمہیں؟"

"مجھے بخار تھا تب ڈاکٹر کو گھر پر بلوایا تھا۔"

میں نقاہت سے چور ہو رہی تھی۔ آنکھوں سے بہتے گرم پانی کے سیلاب کو بے حسی سے صاف کر کے بولی۔

"ارے نہیں پگلی اس خرابی طبیعت کا۔"

وہ ہلکا سا مسکرائیں تو میں چونکی۔

"کس خرابی طبیعت کا؟"

"مجھے لگتا ہے تم پریگننٹ ہو حجاب! بہرحال ڈاکٹر سے چیک اَپ ضرور کرا لو۔"

انہوں نے نہایت مخلصانہ مشورہ دیا تھا جبکہ میں شاکڈ رہ گئی تھی۔ ساکن پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"تم پریشان کیوں ہو گئی ہو پگلی! یہ تو خوشی اور شکر کا مقام ہوتا ہے شادی شدہ عورت کے لیے۔ بچوں کے بغیر تو وہ ادھوری تصور کی جاتی ہے۔"

انہوں نے میرے گال کو تھپتھپایا تو میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے۔

"ابوداؤد جو ذرا ٹیڑھا ہے نا تمہارے ساتھ دیکھنا اب کیسے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے تمہیں۔"

وہ ہنس کر کہہ رہی تھیں مگر مجھے لگا تھا جیسے میرے زخموں کو کسی نے بھنبھوڑ ڈالا ہو۔ میں بہت خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ ایسی حالت کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میرا خیال رکھا جاتا اُلٹا اماں نے جیسے مجھ سے بیر باندھ لیا تھا۔ بھابھی کی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی درخواست بھی انہوں نے بے دردی سے رد کر ڈالی۔ مجھ پر کاموں کا لوڈ بھی بڑھا دیا گیا۔ میری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں رہتی تھی ایسے میں یہ صورتحال میرے لیے اور بھی پریشان کن ثابت ہوئی تھی۔ بھابھی اکیلی میری خاطر کس کس سے لڑتیں۔ چند دنوں کے اندر میں سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ اس روز کچن کا کام نپٹا کر میں اپنے کمرے میں آئی تو بے حد نڈھال ہو رہی تھی۔ جی کی متلاہٹ کے باعث میں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ دروازے پر کھٹکا محسوس کر کے میں نے بے دلی سے گردن موڑی اور بھابھی کو اندر آتے دیکھ کر پھر پہلی پوزیشن میں چلی گئی۔

"کھانا کھا لو حجاب!"

انہوں نے آگے بڑھ کر ٹرے میز پر رکھ دی۔

"آپ نے کیوں زحمت کی بھابھی مجھے بھوک نہیں تھی۔" میری آواز بھیگ رہی تھی اور نقاہت سے بھری ہوئی۔

"زحمت کیسی! اُٹھو تم! مجھے تم سے کچھ اور بات بھی کرنی ہے۔"

ان کا مدھم لہجہ رازدارانہ ہو گیا۔ میں نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"میں نے تمہارے گھر والوں کو سب بتا دیا ہے آج تمہارا بھائی تمہیں لینے آ رہا ہے۔ کسی کو نہیں پتا۔ بس تم چپکے سے نکل لینا۔"

میرے نزدیک سرک کر انہوں نے سرگوشی کی اور میں حواس باختہ ہو گئی تھی۔

"یہ آپ نے کیا کیا بھابھی! آپ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا۔ میں اب واپس نہیں جانا چاہتی۔"

میں نے شدید لہجے میں کہا تھا اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"پاگل مت بنو حجاب! یہاں رہو گی؟ کس کی خاطر ابوداؤد کی؟ جسے تمہاری رتی برابر پرواہ نہیں۔ خود کو برباد مت کرو حجاب اب تم اکیلی نہیں ہو۔ تمہاری زندگی کے ساتھ ایک ننھی جان جڑی ہوئی ہے۔" مجھے ڈانٹتے ہوئے وہ تنبیہی لہجے میں بولیں تو میں بے اختیار آنسو بہانے لگی تھی۔

"جو بھی ہو بھابھی میں اپنے سے وابستہ رشتوں کو مزید پریشان کرنا نہیں چاہتی۔ میری وجہ سے وہ پہلے ہی بہت ذلت اور دکھ اُٹھا چکے ہیں۔"

"صرف وہی نہیں تم نے بھی یہ ذلت اور دکھ سہے ہیں حجاب!" انہوں نے جیسے باور کرایا۔

"پھر بھی بھابھی! میں اب ایسا نہیں چاہوں گی مزید! ابوداؤد کا پتا ہے نا آپ کو۔ وہ کبھی یہ برداشت نہیں کریں گے۔"

میں سسک اُٹھی تھی۔ بے چارگی کا احساس مجھے بار بار رلاتا تھا۔

"تم خود لڑو اپنی لڑائی۔ مگر اس کے لیے تمہاری بیک پر کسی کا ہونا ضروری ہے۔ سنو حجاب میں سمجھتی تھی ابوداؤد کو شاید تم سے محبت ہو۔ مگر یہ صرف اَنا اور انتقام کا معاملہ ہے۔ وہ تمہاری زندگی برباد کرنا چاہتا ہے تمہارے گھر رابطہ کرنے سے پہلے میں نے اسے بتایا تھا۔ مگر اسے کوئی پرواہ نہیں بلکہ تمہیں یہ جان کر شاک لگے گا کہ تمہارے ساتھ اماں کا یہ سلوک بھی ابوداؤد کی ایما پر ہو رہا ہے۔ ابوداؤد کا گھر ہے، یہ یہاں سب اس کی کمائی سے ہو رہا ہے۔ اماں اس کے آگے نظر نہیں اُٹھا سکتیں۔ حجاب میں نے اسے تمہاری پریگنینسی کا بھی بتایا مگر وہ پھر بھی نہیں پگھلا۔ تم خود کو برباد مت کرواپنے آپ کو بچاؤ۔ ظلم سہنا بھی گویا خود پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ تم یہ کوئی کارنامہ انجام نہیں دے رہی ہو۔ اب اگر تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی گئیں تو وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا تمہارا۔ تم اس کے ساتھ قانونی لڑائی لڑنا۔"

بھابھی بہت دیر تک چپکے چپکے مجھے سمجھاتی رہیں اور میں ساکن بیٹھی رہی تھی۔

☆☆

بارشوں کے موسم
بس انہی سے ہیں وابستہ
کہ محبتوں میں بارش
بڑی لازمی سی شے ہے
چاہے آسماں سے برسے
چاہے چشمانِ نم سے

پھر اسی رات بڑے بھیا مجھے وہاں سے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ جو میری حالت تھی اس نے عون بھیا کے بعد مما پپا کو بھی شاک لگایا تھا۔ موسیٰ بھائی بپھر اُٹھے تھے۔ وہ اسی وقت ابوداؤد سے بھڑنے کو تیار تھے۔ پپا نے اور فیضی بھیا نے بڑی مشکلوں سے انہیں سمجھایا بجھایا تھا۔ مما کسی ننھی سی بچی کی طرح دن رات میرا خیال رکھنے لگی تھیں۔ یہ ان کی محبت اور خیال ہی تھا کہ میں جو بہت کمزور اور نحیف ہو گئی تھی پھر سے تندرست اور صحت مند ہونے لگی۔ مگر جو اندر روگ تھا وہ نہیں جان چھوڑتا تھا۔ ان دنوں فیضی بھیا کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں گھر میں جو میرے جانے پر ذرا تھمی تھیں پھر سے اسی جوش و خروش سے ہونے لگیں۔ شادی کی تاریخ طے ہوئی تو دن گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا اور ثانیہ بھابھی بیاہ کر ہمارے گھر کی رونق بڑھانے چلی آئیں۔ سُبک سے نقوش والی نازک سی بھابھی اپنے نام کی طرح تھیں بے حد کیئرنگ بے حد محبت کرنے والی۔ ہر دم ہر کسی کی خدمت پر مامور۔ مما کا جیسے آدھا دکھ ختم ہو گیا۔ فیضان بھیا بھی بے حد مطمئن نظر آتے تھے۔ تب ایک بار پھر مما کو عون بھیا کی ویران اور خالی زندگی کا احساس ستانے لگا۔ انہوں نے انہیں سمجھانے منانے اور گھیرنے کی بہت کوشش کی مجھے اور ثانی بھابھی کو بھی اپنے ساتھ اس کوشش میں شامل کیا مگر عون بھیا یہی ایک ایسی بات تھی جس پر کچھ سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک بار پھر مما ملول ہوئیں ایک بار پھر ہمت ہار کر بیٹھ گئیں۔ مزید بہت سے بوجھل دن اسی کیفیت کے ساتھ گزر گئے۔ ابوداؤد کی جانب سے بھی خاموشی

تھی جو کم از کم مجھے تو کسی طوفان کا ہی پیش خیمہ لگتی تھی مگر عون بھیا مطمئن تھے۔ مما کی یہی اداسی جو دھیرے دھیرے بیماری کا روپ دھار رہی تھی سے پریشان ہو کر عون بھیا نے عیسیٰ بھائی کی شادی کا موضوع چھیڑ دیا۔ شاید ان کا مقصد مما کا دھیان بٹانا ٹھہرا ہو۔ عیسیٰ بھائی ان دنوں اسپیشلائزیشن کے لیے انگلینڈ جا چکے تھے۔ ان سے اس موضوع پر بات بہت سرسری سے انداز میں ہوئی۔ زور ان کی روانگی کے بعد پکڑا گیا۔ عون بھیا نے بھابھی اور مما کو اس سرگرمی پر اکسایا تھا۔ وہ چاہتے تھے عیسیٰ بھائی کی واپسی سے قبل نہ صرف منگنی ہو جائے بلکہ شادی وغیرہ کی سب تیاریاں بھی انجام پا جائیں۔ پتا نہیں کیوں انہوں نے اس معاملے میں عجلت کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

''آپ نے عیسیٰ بھائی سے بات کی؟''

میں نے مما کو زور و شور سے لڑکیاں دیکھتے پا کر ایک دن سوال کیا تھا۔ وہ مسکرا دیں۔

''وہ بہت سعادت مند ہے۔ بہت پہلے سے یہ اختیار وہ مجھے سونپ چکا ہے۔''

مما کے لہجے میں فخر کے ساتھ درپردہ ایک چبھن بھی تھی۔ انہوں نے گویا عون بھیا کو جتلایا تھا وہ کچھ فاصلے پر موجود اخبار دیکھ رہے تھے۔ ایک لمحے کو ان کی نگاہ مجھ سے ٹکرائی تھی۔ میں نے ان کا چہرہ متغیر ہوتا محسوس کیا۔ اگلے لمحے وہ وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ میرا دل جانے کیوں بے انتہا بوجھل ہو کر رہ گیا۔ پھر بہت تلاش بسیار کے بعد مما کی نگاہ انتخاب روشانے خان پر جا کے ٹھہری تھی۔ بیلے کی کلیوں سی نازک دلربا اور بے تحاشا حسین روشانے کی عمر شاید مجھ سے بھی کچھ کم ہی تھی۔ وہ گریجویشن کر رہی تھی۔ مما کو وہ اتنی پسند آئی تھی کہ اس وقت تک ٹک کر نہیں بیٹھیں جب تک ہاں نہیں کرالی۔ اور جس روز انہوں نے بات پکی کی گویا خوشی سے ان کے قدم زمین پر نہیں ٹھہر رہے تھے۔

''یہ لو دیکھو کتنی پیاری بچی ہے۔ نیک با اخلاق!''

انہوں نے ایک تصویر اپنے بیگ سے نکال کر عون بھیا کی جانب بڑھائی تھی۔ وہ چونک پڑے۔

''آپ کا انتخاب ہے مما اچھا کیسے نہیں ہوگا۔ لیکن یہ سسپنس آپ مجھے کیوں دے رہی ہیں؟''

انہوں نے کسی قدر رسانیت سے کہا تھا۔

''اسی لیے کہ تم بھی دیکھ لو۔ اور جان لو کہ اگر تم مجھے موقع دیتے تو تمہارے لیے بھی ایسی ہی لڑکی ڈھونڈتی خیر یہ اس لیے دے رہی ہوں کہ عیسیٰ کو نیٹ کے ذریعہ دکھا دینا۔''

عون بھیا نے تصویر لینے کو ہاتھ نہیں بڑھایا اور آنکھوں سے گلاسز اُتار کر صاف کرتے ہوئے نرمی سے بولے تھے۔

''آپ یہ پکچر موسیٰ کو دیں وہ ہر وقت نیٹ پر بزی رہتا ہے یہ کام بخوبی کر لے گا۔''

مما کی پہلی بات کو وہ یکسر نظر انداز کر چکے تھے۔ میں ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی بھیا بھی حد کرتے تھے کبھی کبھار، پھر یہ اس سے دو ماہ بعد کی بات تھی۔ صبح صبح مما کی طبیعت ایک دم بے تحاشا بگڑ گئی۔ عون بھیا کا طیش سے سرخ چہرہ مجھے ششدر کر رہا تھا۔

''کیا ہوا مما کو بھابھی!''

میں سراسیمہ سی ثانی بھابھی کے پاس بھاگی تھی کہ مما کو تو بھیا اور پاپا ہاسپٹل لے گئے تھے۔

''بی پی شوٹ کر گیا ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گی وہ۔ تم خود کو سنبھالو حجاب!''

میری حالت کے پیش نظر انہوں نے مجھے تھام کر سہارا دیا اور قریبی صوفے پر بٹھا دیا۔ مگر میری حالت سنبھلنے کی بجائے بگڑنے لگی۔ ہاتھ پیر ایک دم سرد ہو گئے تھے۔ رنگت پیلی ہوتی چلی گئی۔

''کیا ہوا ہے بھابھی مجھے بتا دیں۔ ورنہ میرا دل تھم جائے گا۔''

خشک ہوتی زبان اور گلے کے ساتھ میں بمشکل بول پائی۔ میری آواز کانپنے لگی تھی۔

''حجاب گڑیا کمپوز یور سیلف ڈیئر! کہا نا مما کو بی پی......''

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ چھپا رہی ہیں مجھ سے کچھ۔ ابو داؤد نے پھر کچھ کر دیا ہے نا......؟ کچھ بہت غلط......فیض بھائی اور موسیٰ کدھر ہیں۔ مجھے بتائیں......؟''

میں ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر بے تحاشا رو پڑی۔ میرا سارا جسم جیسے خدشات کی یلغار سے کانپ رہا تھا۔ عون بھیا کے چہرے پر جو طیش تھا اس کی وجہ ابو داؤد ہی ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین سا تھا۔

''بھابھی نے میرے ہاتھ تھام لیے مجھے گلے سے لگا کر چوما!''

نہیں حجاب ایسا نہیں ہے۔ قسم سے ایسا کچھ نہیں ہے۔ معاملہ اور ہے کچھ

''کیا؟؟ مجھے بتائیں۔''

میں نے ہراساں ہونے کی کیفیت میں آنکھوں میں آنسو لیے انہیں دیکھا۔ مجھے ان کی بات کا یقین آ ہی نہیں سکتا تھا۔

''عیسیٰ کو روشانے پسند نہیں آئی۔ آئی مین وہ روشانے سے شادی پر آمادہ نہیں ہے۔''

''واٹ!'' بھابھی کے انکشاف نے مجھے ششدر کر ڈالا۔ میں آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔

''مگر مما......تو......''

ہاں یہی تو مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہے حجاب! کل رات جب موسیٰ کو ساری بات بتائی وہ بہت خفا ہوا۔ اور صاف لفظوں میں منع کر دیا۔

''مگر سرسری سہی ان سے تذکرہ تو ہوا تھا۔ اب منع کرنے کا مقصد؟؟''

میں ٹھٹھک کر بولی تھی عیسیٰ بھائی کی اس فضول حرکت پر مجھے بھی غصہ آیا تھا۔

''یہی تو حیرانی کی بات ہے۔ پہلے اس نے منع نہیں کیا۔ مگر جب سب کچھ طے ہو گیا تو کہہ رہا ہے میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔ منگنی پر، شادی کی تاریخ طے ہونے پر بھی کچھ نہیں بولا۔''

''یہ بات وہ پہلے بھی بتا سکتے تھے۔''

''اسی بات پر عون بھیا کو غصہ ہے۔ ایک ہفتے بعد کی عیسیٰ کی فلائیٹ ہے مگر عون بھیا جتنے غصے میں ہیں مجھے خدشہ ہے وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل نہ آ کھڑے ہوں۔''

بھابھی کے خدشات غلط اور بے جا نہیں تھے۔ میں خود بھی اسی فکر میں مبتلا ہوگئی تھی۔ اگلا پورا ہفتہ اسی اضطراب اور بے کلی کی نذر ہوگیا۔ مما کی طبیعت بس ایسی ویسی ہی سنبھلی تھی۔ ہاسپٹل سے تو ڈسچارج ہوگئیں مگر اس صدمے نے انہیں چار پائی سے اُٹھنے کی ہمت نہیں دی تھی۔ پھر عیسٰی بھائی بھی پہنچ گئے۔ مگر ان کا استقبال ہرگز بھی شاندار طریقے سے نہیں ہوسکا تھا۔ وہ بھی جیسے صورتحال کی سنگینی کو سمجھ گئے تھے اور خود بھی بے حد سنجیدہ تھے۔ گھر کا ماحول گھٹا گھٹا سا تھا۔ جس پل وہ مما سے گلے ملنے لگے مما نے خفگی کے اظہار کو منہ پھیر لیا تھا۔

’’میں مر بھی جاؤں تو میرے جنازے میں شریک ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری اپنی بیٹی کو جو ذلت ایک غیر مرد کے ذریعے ملی مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کبھی میری کوکھ کا جنا بھی کسی بچی کو ایسی رسوائی اور شرمندگی سے دوچار کرسکتا ہے۔‘‘

وہ پھپھک پھپھک کر روتی تھیں۔ ماحول ایک دم کشیدہ اور سوگوار ہوگیا تھا۔ مگر موسٰی بھائی بے حس بنے بیٹھے رہے تھے۔ مجھے ان کی سنگدلی پر رونا آئے جا رہا تھا۔

’’جس روز یہ بات چلی تھی تم سے کچھ چھپایا نہیں گیا تھا۔ لمحہ لمحہ کی رپورٹ تمہیں موسٰی کے ذریعے ملتی رہی تھی پھر بھی تم نے اسی وقت انکار نہیں کیا۔ عین وقت پر آکر منع کرنے کی وجہ؟؟‘‘

عون بھیا کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ پڑ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر لگتا تھا ان کا مشکلوں سے خود پر باندھا ضبط کا یہ بند کسی پل بھی ٹوٹ کر بکھر جائے گا اور وہ سب کچھ تہس نہس کردیں گے۔

’’تب تک مجھے لیزا نہیں ملی تھی۔ میں اس کی محبت میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔‘‘

عیسٰی بھائی کا لہجہ پرسکون تھا وہ بے نیاز بنے ہوئے تھے۔

’’تم اس فرنگن کی خاطر اپنی ماں کو ہرٹ کرو گے؟‘‘ عون بھیا نے ملامتی لہجہ میں پھنکار کر کہا تو عیسٰی بھائی کے چہرے پر زہرخند پھیل گیا تھا۔

’’آپ بھی ایک آوارہ لڑکی کی خاطر ہی ابھی تک اپنی ماں کو ہرٹ کرتے آئے ہیں۔ آپ میں اور مجھ میں......‘‘ ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ عون بھیا کا ہاتھ طیش کے عالم میں اُٹھا تھا اور عیسٰی بھائی کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔ پورے کمرے میں یکلخت سناٹا در آیا۔ عیسٰی بھائی کی آنکھیں اس پل جیسے لہو چھلکانے لگیں ایک لمحے کو تو مجھے لگا تھا وہ جواباً عون بھیا پر ہاتھ اُٹھالیں گے مگر خیریت گزری تھی۔ وہ محض انہیں گھورنے پر اکتفا کرچکے تھے۔

’’مما آپ ان لوگوں کو شادی کی تاریخ دیں۔ میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں کرتا یہ شادی!‘‘

عون بھیا نے پھنکار کر کہتے مما کو مخاطب کیا۔ مما ابھی تک سناٹے میں تھیں۔

’’آپ اگر ایسا کریں گے تو اس کی تمام تر ذمہ داری بھی آپ پر لاگو ہوگی۔ میں کسی قیمت پر یہ شادی نہیں کروں گا۔ سنا آپ نے؟‘‘

وہ تند خیز لہر کی طرح اُٹھے تھے اور کمرے سے نکل جانا چاہتے تھے مگر عون بھیا نے ہاتھ بڑھا کر ان کا بازو اپنے آہنی ہاتھ میں پکڑا تھا اور ایک خفیف سے جھٹکے میں اپنے مقابل کھینچ لیا تھا۔ پھر ان کی آنکھوں میں اپنی ملتی انگارے برساتی نظریں گاڑھ کر ایک ایک لفظ چبا کر بولے تھے۔

’’کیا کرو گے تم؟ گھر سے بھاگ جاؤ گے؟ یا خودکشی کرلو گے؟ جو تمہارا جی چاہے کرنا مگر ہم شادی طے کر رہے ہیں! سنا تم نے۔‘‘

’’عون!!!‘‘ مما لرز کر اور خوف زدہ ہوکر چیخی تھیں مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی جیسے مما پر توجہ نہیں دی۔ دونوں بپھرے ہوئے سانڈوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ایک دوسرے کو مار دینے کے خواہش مند نظر آرہے تھے۔

میں نہ گھر سے بھاگوں گا نہ میں خودکشی کروں گا۔ آپ نے مجھے بزدل کیوں سمجھ لیا؟ میں روشانے کے گھر والوں کو خود انکار کروں گا۔ وہ اتنے بے شرم تو نہیں ہوں گے کہ زبردستی......‘‘

ان کی بات ایک بار پھر ادھوری رہ گئی اس بار جوان کے منہ پر تھپٹر پڑا تھا۔ وہ عون بھیا کا نہیں تھا مما کا تھا۔ وہ جوشِ غضب سے کانپ رہی تھیں۔

بے شرم، بے حیا! زبان بند کرلے۔ ورنہ میں جان لے لوں گی اپنی! وہ لڑکی ہے عزت دار لڑکی تم نے اسے کیا سمجھ لیا۔ چلے جاؤ سب یہاں سے مجھے تنہا چھوڑ دو......‘‘

وہ پاگلوں کی طرح اپنے ہی بال اپنے ہاتھوں سے نوچنے اور خود کو گھسوٹنے لگیں۔ عون بھیا تڑپ کر ان کی جانب لپکے تھے مگر وہ کچھ اور بھی بپھر اُٹھی تھیں۔

’’ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔ مت چھوؤ، تم کدھر سے ہمدرد ہو۔ ایک جیسے ہو دونوں ایک جیسے۔‘‘ وہ زارو قطار رو رہی تھیں۔ بلک رہی تھیں۔ عون بھیا کے چہرے پر خفت اور ملال کی سرخی بکھر گئی۔

’’خدایا مجھے موت دے دے میں ان لوگوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی۔ مجھے اس سے پہلے اُٹھا لے۔‘‘

مما کی آہ و بکا میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پپا آگے بڑھ آئے۔ وہ تب سے خاموش تھے مگر اس پل میں نے ان کے چہرے پر گھمبیرتا محسوس کی تھی۔

’’خود کو سنبھالیں بیگم صاحبہ خدا نے چاہا تو ہم اس شرمندگی سے بچ جائیں گے۔‘‘

’’کیسے بچیں گے کیسے؟‘‘ مما ہنوز زارو قطار رو رہی تھیں۔

’’ہمارے دو بیٹے اور بھی ہیں۔ موسٰی اور عون!‘‘ ہم روشانے کو مقررہ تاریخ پر بیاہ کر انشاءاللہ لازمی گھر لائیں گے۔

پپا کا فیصلہ ایکا ایکی ہوا تھا۔ اور سب کو سناٹے میں مبتلا کرگیا۔ موسٰی تو وہاں تھا نہیں البتہ عون بھیا ضرور سٹپٹا گئے تھے۔

’’آپ بس موسٰی کی بات کریں۔ عون کو چھوڑیں۔ وہ کبھی نہیں مانے گا۔ موسٰی سے بھی پوچھ لیں۔ ہم زبردستی تو کسی پر نہیں کرسکتے۔‘‘

مما کا لہجہ بے حد ٹوٹا ہوا تھا۔عون بھیا کا چہرا دھواں دھواں ہو گیا۔وہ ہونٹ بھینچے سر جھکائے خاموش کھڑے رہ گئے تھے۔

"بہت ہمدردی ہو رہی تھی نا آپ کو مما سے۔کر دیں ازالہ اگر آپ اتنے ہی سنسیئر ہیں سب گھر والوں کے لیے۔ویسے بھی موسیٰ تو ابھی پڑھ رہا ہے نا، دو بڑوں کو چھوڑ کر سب سے چھوٹے کی شادی وہ بھی اتنی عجلت میں ہونا کچھ حیران کر دے گا دنیا کو۔روشانے کی شادی تو ہو جائے شاید مگر لوگوں کو ایک موضوع بھی ضرور مل جائے گا۔"

عیسیٰ بھیا کو جانے کیا سوجھا تھا کہ عون بھیا پر تاک تاک کر نشانے لگاتے چلے گئے تھے۔میں نے عون بھیا کے چہرے پر زلزلے کے آثار اُمڈتے دیکھے۔انہوں نے یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ مما کو دیکھا تھا۔وہ خفا خفا سی چہرہ موڑ گئیں۔"مگر نہیں آپ ایسا کیوں کریں گے بھلا؟"

عیسیٰ بھائی نے ایک بار پھر کاٹ دار طنز کے تیر برسائے تھے۔عون بھیا نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کو کھولا تھا پھر مما کی بجائے پپا کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔

"آپ کو موسیٰ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے پپا! روشانے سے میں شادی کروں گا۔بس آپ ان لوگوں کو اس بات پر طریقے سے قائل کر لیجیے گا۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکے نہیں تھے۔تیز قدموں سے باہر نکلتے چلے گئے۔ہم سب جیسے بھونچکے رہ گئے تھے۔

☆☆

یہ صورتحال جتنی بھی کشیدگی کا باعث تھی بہر حال بہت خوش اسلوبی سے معاملہ سلجھ گیا۔مما کے ساتھ پپا اور فیضی بھائی اور بھابھی روشانے کے ہاں گئے تھے اور بات کی تھی۔ان لوگوں نے تھوڑے سے ردوکد کے بعد عون بھیا کا پرپوزل تسلیم کر لیا تھا۔کچھ دن ماحول میں تناؤ رہا تھا پھر سب کچھ معمول پر آ گیا۔مما عیسیٰ بھائی سے البتہ خفا رہی تھیں۔وہ ہر پل انہیں منانے کے جتن میں کوشاں نظر آتے۔البتہ یہ بات سب نے واضح طور پر محسوس کی تھی کہ روشانے جو مما کی من پسند بہو تھی جب سب سے پیارے بیٹے کے لیے منتخب ہوئی تو ان کی خوشی کا عالم ہی کچھ اور ہو گیا تھا۔ بیاری شاری سب بھولے وہ دھڑا دھڑ شادی کی تیاریوں میں مصروف نظر آنے لگیں۔اس روز بھی وہ اپنے ہاتھوں سے روشی کے بری کے کپڑے بھابھی کے ساتھ تیار کر کے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھیں جب عیسیٰ بھائی وہیں چلے آئے تھے۔

مما! انہوں نے آتے ہی پکارا تھا مگر مما اَن سنی کیے اپنے کام میں مگن رہیں۔

"مما پلیز! اب اس ناراضگی کو تو ختم کر دیں۔" وہ عاجز سے ہو گئے تھے۔

"ہاں ختم کر دوں تا کہ تم اپنی اس فرنگن کو لا کر ہمارے سروں پر بٹھا سکو۔"

وہ جانے کس موڈ میں تھیں کہ غصے میں کہہ گئیں حالانکہ اب وہ عیسیٰ بھائی کی بات کا جواب بھی نہیں دیا کرتی تھیں۔میری ہنسی نکل گئی تھی۔مگر عیسیٰ بھائی سنجیدہ رہے تھے۔

"اگر میں ایسا نہ کروں تو آپ مجھے معاف کر سکتی ہیں؟"

"نہ میں ایسا کیوں کروں گی؟ جس کی خاطر تم نے اتنا پنگا لیا ہمارے لئے اسے کیوں چھوڑنے لگے تم؟"

مما نے سلگ کر جواب دیا تھا۔عیسیٰ بھائی نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

"جسے میں نے پکڑا ہی نہیں اسے چھوڑنا کیسا؟" وہ منہ پھلا کر بولے تو میں زور سے چونکی۔

"کیا مطلب ہے بھائی؟"

انہوں نے بھرپور سنجیدگی سے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔پھر اُٹھتے ہوئے بولے تھے۔

"مطلب لیزا نام کی کوئی لڑکی میری زندگی میں نہیں ہے۔"

وہ ہم سب کو ہونق چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔مما کی حیران نظریں مجھ سے ٹکرائی تھیں۔

"یہ عیسیٰ کیا کہہ گیا ہے؟" وہ اچھی خاصی بے قرار ہو کے بولیں۔

"میں پوچھتی ہوں۔" میں خود پریشان ہو گئی تھی۔عیسیٰ بھائی کا گھمبیر لہجہ مجھے ٹھٹکا کے رکھ گیا تھا۔

میں ان کے کمرے میں چلی آئی وہ وہیں تھے دریچے میں کھڑے سگریٹ سلگا رہے تھے۔میں نے لپک کر سب سے پہلے سگریٹ چھینا تھا ان سے۔

"یہ خرافات کب سے پال لیں آپ نے؟" میں خفا ہوئی تھی۔وہ محض مسکرا دیئے۔

"کیا کہہ رہے تھے آپ؟"

"کچھ نہیں!" انہوں نے کاندھے جھٹکے مگر میں بے حد عاجزی سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

عیسیٰ بھائی پلیز! وہ کچھ دیر ساکن نظروں سے مجھے دیکھتے رہے تھے پھر مسکرا دیئے۔

"میں نے یہ سب کچھ دانستہ کیا تھا حجاب! جانتی ہو کیوں؟"

میں نے بے ساختہ سر کو نفی میں جنبش دی۔حیرت سے میں منجمد ہوتی جا رہی تھی۔

"مما کے لیے، عون بھیا کے لیے۔میں جان گیا تھا۔عون بھیا کبھی شادی نہیں کریں گے۔مما کی خاطر بھی نہیں۔تب میں نے یہ پلان کیا۔یہ کسی حد تک رسکی تھا مگر میں نے یہ رسک لیا۔اور دیکھ لو کامیابی نصیب ٹھہری ہے۔" بات کے آخر میں وہ کھلکھلائے تھے۔مگر میں پریشان ہو گئی تھی۔

مگر بھائی روشی! وہ بہت نازک، بہت چھوٹی سی ہے۔اگر وہ ہرٹ ہوئی ہو اگر اس نے شریک حیات کے طور پر آپ کو......

"ڈونٹ یو وری حجاب! مجھے ایسے کسی خطرے کا احتمال تھا۔جبھی میں نے آغاز میں ہی روشی سے کانٹیکٹ کر لیا تھا۔وہ تمہاری سوچ اور خیالات سے بڑھ کر صاف گو اور کھری ہے۔پتا ہے کیا ہوا تھا۔"

انہوں نے میری آنکھوں میں جھانکتے ذرا سا وقفہ لیا۔

"کیا؟؟" میں بے تابی سے بولی۔

"روشانے نے مجھے کہا تھا وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتی اس لیے کہ وہ اس حوالے سے کسی اور کو پسند

کرتی ہے۔ میں نے کہا ڈونٹ وری! مجھے بتاؤ وہ کون ہے میں نہ صرف شادی سے انکار کروں گا بلکہ اس کی ہیلپ کی کوشش بھی کروں گا تب اس نے کچھ جھجک کر مجھے عون بھیا کا نام بتادیا تھا۔''

''واٹ! رئیلی......؟'' میں حیرت اور غیر یقینی سے چیخ اُٹھی۔

''شیور۔ مگر اس نے یہ وعدہ لیا تھا کہ یہ بات میں عون بھیا کو کبھی نہیں بتاؤں گا۔ جبھی تو اس دن ان کے تھپڑ کھا کر بھی میں چپ رہا تھا۔ میں نے صورتحال کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ بھیا اپنے منہ سے کہنے پر مجبور ہو گئے۔'' وہ ایک بار پھر ہنسنے لگے۔ میں ہنوز غیر یقین اور شاکڈ تھی۔ یہ جتنی بھی ڈرامائی سچویشن تھی مگر حقیقت تھی۔ میں عیسیٰ بھائی کے کمرے سے نکلی تو میرا چہرہ تمتما رہا تھا۔ مما کے لیے میرے پاس بہت بڑی خوش خبری تھی۔

☆☆

پھر یہ خبر دھیرے دھیرے سب میں ہی گردش کر گئی۔ سوائے عون بھیا کے۔ عیسیٰ بھائی سے ناراضگی تو دور کی بات ان کی اہمیت کچھ اور بڑھ گئی۔ سب ہی بے تحاشا خوش تھے۔ البتہ عون بھیا تھے۔ جو کچھ اور بھی گھمبیر قسم کی سنجیدگی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ میں وقتی طور پر سارے غم بھول گئی تھی۔ میری حالت ایسی نہیں تھی کہ زیادہ چلتی پھرتی جبھی شادی کی مصروفیات اور ہنگاموں میں بھی مَیں زیادہ تر ایک سائیڈ پر بیٹھی رہی تھی۔ اگرچہ مما کے ساتھ بھائیوں کی بھی یہ ہی خواہش تھی کہ ڈلیوری کے بعد یہ شادی ہو مگر میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ بلکہ زور دیا تھا کہ یہ کام جتنا جلدی ہو سکے کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ مما میری ضد اور خواہش کے آگے مجبور ہو گئی تھیں۔ بھیا رسومات سے کنی کترا رہے تھے۔ مگر موسیٰ اور دیگر کزنز وغیرہ نے اس معاملے میں ایک نہیں سنی تھی اور تمام رسموں کی ادائیگی کی گئی تھی۔ اس وقت بھی مہندی کی تقریب میں سفید کلف شدہ شلوار کرتے میں عون بھیا کی وجاہت بے حد نمایاں ہو رہی تھی۔ موسیٰ نے ان کے گلے میں پیلا پٹکا بھی زبردستی ڈال دیا تھا۔ ہمیشہ کے بے حد ڈیسنٹ اور باوقار سے عون بھیا اس روپ میں بھی خوب جچے تھے۔ مگر وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو رہے تھے۔ اور ان کی یہی سنجیدگی میرے دل کو دھڑکا دیتی تھی۔ شاید روشی کو کچھ سخت قسم کے حالات دیکھنے پڑتے۔ یہ سوچ میرا دل ہولا رہی تھی۔ رسم کی ادائیگی میں ابھی کچھ دیر تھی۔ اسٹیج کو گلاب گیندے اور موگرے سے بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ پورے گھر میں بھی انہی پھولوں کی لڑیوں سے بہت شاندار آرائش کی گئی تھی۔ صحیح معنوں میں سب نے اپنے دل کے ارمان نکالے تھے بھیا کے منع کرنے خفگی ظاہر کرنے کے باوجود ''پتا نہیں کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو۔ یہ میری پہلی شادی نہیں ہے۔''

وہ یہ سارے انتظامات دیکھ کر جھلائے تھے۔

''آپ یہی سمجھ لیں۔ نہ بھی سمجھیں روشانے کی بہر حال پہلی شادی ہے۔''

ثانیہ بھابھی نے بے حد چہک کر کہا تھا۔ اور عون بھیا کسی قدر خفگی سے کچھ کہے بغیر وہاں سے واک آؤٹ کر گئے تھے۔ اور ہم سب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے تھے۔ موسیٰ نے تیز آواز میں ڈیک آن کر دیا۔ وہ مستی میں آ کر بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ پھر شاید عیسیٰ نے ان کا بازو پکڑ کر انہیں بھی ساتھ شامل کرنا چاہا تھا۔ میں نے بھیا کے چہرے کے عضلات کھنچتے محسوس کیے۔ انہوں نے موسیٰ بھائی کا ہاتھ زور سے جھٹکا تھا پھر وہ غصے سے غالباً

کچھ بولے تھے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی بنا پر میں وہ سب سن تو نہیں سکی مگر معاملے کی گھمبیرتا کا احساس مجھے ہونے لگا تھا۔ میں گھبرا کر ایک دم اُٹھی تھی۔ مگر پھر مجھے بیٹھنا پڑا پہلو میں درد کی بہت شدید لہر اُٹھی تھی۔ جو مجھے کرب سے دوہرا کر کے رکھ گئی۔ ہونٹوں کو بھینچ کر کراہیں دباتی میں پھر بھیا کی جانب تکنے لگی۔ شاید بھیا وہاں سے چلے گئے تھے۔ عیسیٰ بھائی نارمل تھے۔ یعنی بدمزگی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ رسم کے لیے عون بھیا کو شاید زبردستی لایا گیا تھا۔ مگر ان کا موڈ ایسا تھا کہ کسی کو ان سے مذاق کرنے کی ہمت نہیں ہو سکی۔ میرے اندر جو خدشے تھے وہ دو چند ہونے لگے تھے۔ بھیا کا ناقابل فہم رویہ مجھے مضطرب کر رہا تھا۔ میں انہی خیالات میں گم صم بیٹھی تھی کہ عیسیٰ بھائی میرے پاس چلے آئے۔ سیل فون ان کے کان سے لگا ہوا تھا اور وہ بہت خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے۔

''نہ بھئی میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ اب جو ہو گا آپ خود فیس کرنا۔ محبت کرنا آسان مگر اسے سہنا اور نبھانا اسی قدر کٹھن ہوا کرتا ہے۔ میں تو یہی کیوں گا۔ کی ہے تو بھگتو۔''

اپنی بات کا اختتام پر وہ جیسے خود ہی مزا لے کر ہنسے۔ میں سمجھ گئی۔ وہ روشانے سے بات کر رہے ہیں۔

''ہاں حجاب میرے پاس ہے کر لیں بات!''

انہوں نے رسانیت سے کہا اور سیل فون میری جانب بڑھا دیا۔

''روشانے بھابھی تم سے بات کریں گی۔''

میں نے کچھ کہے بغیر سیل فون لے لیا۔

''عیسیٰ بھائی بتا رہے تھے اُن کا موڈ کچھ آف ہے۔''

سلام دعا کے بعد روشانے نے کسی قدر جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے روشی ڈونٹ وری! میں اسے ہرگز ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی تھی۔''

''ارے مجھے تو لگ رہا ہے حجاب آپ خود پریشان ہیں۔''

وہ یقیناً بہت بلند حوصلے کی مالک تھی جبھی ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ میں کچھ خفت زدہ سی ہو گئی۔ وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔

''روشی میں واقعی اَپ سیٹ ہوں۔ بھیا شادی پر آمادہ نہیں تھے تم جانتی ہونا؟''

میں نے کسی قدر بے چینی سے کہا جواباً وہ ایک بار پھر ہنس پڑی۔

''آپ دیکھتی جایئے۔ آپ کے اکڑو بھائی کے ساتھ میں کرتی کیا ہوں۔ سارے بدلے ایک ایک کر کے لوں گی۔''

اس کا انداز اتنا ہلکا پھلکا تھا کہ میں بھی مسکرا دی۔ مگر میری تشویش اپنی جگہ قائم دائم تھی۔

''پھر بھی روشی آئی تھنک تم نے ایک بہت بڑا رسک لیا ہے۔ شاید تمہیں ایک بڑی سٹرگل کرنا پڑے۔''

''جب اوکھلی میں سر دیا ہے تو پھر موسلوں سے کیا ڈرنا۔''

اس کا انداز ہنوز وہی تھا۔ میں اس کی بہادری اور بلند حوصلے کی قائل ہو کر رہ گئی تھی۔ اور دل

سے دعا گو بھی۔

☆☆

اگلا دن بہت مصروفیات اور خوشگوار ہنگامہ لیے طلاع ہوا تھا۔ دن بھر اسی ہنگامے کی نذر رہا ہوا برات رات کی تھی۔ چونکہ میں بارات کے ساتھ نہیں جارہی تھی۔ جبھی بھیا میری وجہ سے بے حد اَپ سیٹ تھے۔ وہ چاہتے تھے موسیٰ یا پھر فیضی بھائی میرے پاس ہر صورت رکیں۔ مجھے یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

''پلیز بھائی اتنے اہم موقع پر یہ زیادتی ہے۔ اتنا شوق ہے سب کو جانے کا۔'' میں منمنائی تھی۔

''تم چپ رہو۔'' انہوں نے مجھے نرمی سے جھڑکا۔

''حجاب کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہی ہے بھیا! گیٹ پر سیکورٹی گارڈ ہوگا گھر پر زبیدہ بھی ہوگی۔ اس کے علاوہ دیگر ملازم بھی۔''

موسیٰ نے بھی دبادبا احتجاج کیا تھا۔ انہوں نے کسی قدر سرد نظروں سے موسیٰ کو دیکھا۔

''میں تم سے بات نہیں کررہا ہوں۔ پیا میں ہرگز کنفرٹیبل نہیں ہوں گا۔ آپ سمجھ رہے ہیں؟''

''ڈونٹ وری بھیا میں حجاب کے پاس گھر پر رک جاؤں گا۔''

عیسیٰ بھائی نے رسانیت سے کہا تو بھیا کچھ دیر اسے سردمگر سوچتی نظروں سے دیکھتے رہے تھے پھر جیسے مطمئن ہوگئے۔ بھیا عام لڑکوں کی طرح پارلر تیار ہونے نہیں گئے۔ ان کی تیاری میں کوئی بھی خاص اہتمام نہیں تھا۔ بلیک ڈنر سوٹ میں سرخ ٹائی کے ساتھ جب گلے میں گلاب اور موتیے کی مالا پہن کر وہ تیار ہوئے تو اتنے وجیہہ لگ رہے تھے کہ مما نے بے ساختہ ان کی نظر اُتاری تھی۔ بارات بہت دھوم دھام سے رخصت ہوگئی تو میں جو ذرا سی مشقت سے ہی آجکل تھکنے لگی تھی۔ بے دم سی ہو کر اپنے کمرے میں آگئی۔ رات گہری ہوگئی تھی اور خنک بھی۔ کچھ دیر قبل یہاں سے بارات روانہ ہوئی تھی اس کے تمام خوشگوار احساس باقی تھے۔ میں نے انٹرکام پر زبیدہ سے کانٹیکٹ کیا تھا اور اسے گھر کی صفائی وغیرہ کرانے کی تاکید کی۔ جواباً زبیدہ نے میری تسلی کرائی تھی کہ وہ اس کام کی جانب ہونے لگی ہے۔ میں انٹرکام کا ریسور رکھ کے پلٹی تو عیسیٰ بھائی کوڑے میں کافی کے مگ لیے اندر آتے پا کر مسکرادی تھی۔

''آپ آرام کرلیتے بھائی! سارا دن کے تھکے ہوئے ہیں۔''

''اونہہ یہ آرام کا دن تھوڑی ہے یہ تو خوشی کی گھڑیاں ہے۔ سویٹی!'' وہ واقعی بے حد سرشار تھے۔ میں نے محبت سے انہیں دیکھا پھر ان کے ہاتھ سے مگ لینے کے بعد نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما اور ایک عقیدت بھرا بوسہ دیا۔ میری آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''آپ نے جو کچھ کیا بھائی وہ بے حد قابل تحسین ہے۔''

''نہ بھئی تحسین خاصا بیک ورڈ نام ہے۔ مجھے اپنی شریک حیات کا کچھ اور نام چاہیے۔''

انہوں نے بے ساختہ گھبرانے کی اداکاری کی تھی۔ پہلے تو میں سمجھی نہیں مگر جب سمجھی تو ان کی شرارت اور برجستگی کے مظاہرے پر بے اختیار ہنستی چلی گئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک مجھے ہنستے دیکھتے رہے پھر لب بھینچ کر نگاہ کا

زاویہ بدل لیا۔ مجھے لگا جیسے وہ ایک دم اَپ سیٹ ہوگئے ہوں۔

''کیا ہوا بھائی!'' میں کچھ بے چین سی ہو کر بولی تھی۔ انہوں نے ایک سرد آہ بھری اور سر کو نفی میں ہلایا۔

''آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں نا؟''

نہیں۔ انہوں نے پلکیں جھکا لیں اور کافی کا گھونٹ بھرا مگر مجھے ان کی آنکھوں میں مچلتی نمی صاف نظر آئی تھی میرا دل بے ساختہ تھم تھم کر دھڑکنے لگا۔

''بھائی!!'' میں بولی تو میری آواز میں سرسراہٹ تھی۔ انہوں نے محض خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''بھائی کہیں آ آپ روشی میں انوالو؟؟''

میری آواز بھرا گئی تھی۔ اور آنکھیں چھلک گئیں۔ یہ خیال بھی میرے لیے بے حد روح فرسا تھا۔ عیسیٰ بھائی نے چونک کر مجھے دیکھا پھر بے ساختہ میرے ہونٹوں پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''بے وقوف! اتنی فضول بات کیوں سوچی تم نے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اتنا بھی خاص نہیں ہوں۔ نہ مجھے سوشل ورک کا شوق ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو خود شادی کرتا۔ قربانی نہ دیتا۔''

میں نے ان کی آنکھوں میں جھانک کر جیسے سچ کی پرکھ کرنی چاہی تھی ان کی آنکھیں شفاف تھیں وہ جھوٹ نہیں بول رہے تھے۔ میرے دل کو ذرا سا سکون ملا۔

''لیکن آپ اداس تھے وائے؟''

''چھوڑو گڑیا، پلیز!''

وہ جیسے کترانے لگے مگر میں نے ان کی جان نہیں چھوڑی تھی۔ تب پھر انہوں نے کسی قدر یاسیت سے جواب دیا تھا

''وجہ کوئی اور نہیں تم ہو حجاب! تمہاری بے رنگ زندگی۔ تم ہنستی ہوئی پیاری لگتی ہو ہمیں۔ مگر تمہاری مسکراہٹ......ہنی کاش کاش میں تمہارے لیے بھی کچھ کرسکتا۔''

ان کی آنکھیں پھر بھیگنے لگی تھیں۔ میرے پاس جیسے کہنے کو کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ ہم دونوں خاموش اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھے رہے۔ لمحے ہمارے درمیان بے حد بوجھل ہوگئے تھے۔ پھر میں نے ہی خود کو سنبھالا تھا۔

''آپ کو یہاں نہیں رکنا چاہیے تھا بھائی! یہی تو موقع تھا خوبصورت لڑکیاں دیکھنے کا۔ کوئی پسند بھی آہی جاتی۔''

میں نے دانستہ اپنی آواز میں شوخی کا رنگ بھرا۔ بہر حال میں انہیں اپنی وجہ سے اداس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''ہاں میرا بھی یہی خیال تھا۔ مگر ڈیئر سسٹر! کل ولیمہ پر بھی یہ موقع مجھے مل سکتا ہے۔''

انہوں نے بھی یقیناً میری خاطر ہی خود کو سنبھالا تھا اور مسکرانے لگے۔ مگر ان کی آنکھوں اور آواز سے اداسی چھٹی نہیں تھی۔ کچھ دیر اور ہم اس طرح اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے تھے پھر عیسیٰ بھائی کے سیل پر ان کے کسی دوست کی انگلینڈ سے کال آنے لگی تھی۔

"افوہ اسے بھی ابھی فون کرنا تھا۔ اندر سگنل کا بھی مسئلہ ہوتا ہے۔ میں ابھی بات نہیں کرسکتا۔"

وہ کچھ جھلا کر بولے تھے۔ میں نے بے ساختہ ٹوکا۔

"ایسا مت کریں بھائی! ہوسکتا ہے ضروری بات ہو۔ آپ باہر جا کے بات کرلیں نا۔"

"تم اکیلی ہوجاؤ گی۔ اس کی باتیں ایک بار شروع ہوجائیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔"

"اٹس اوکے بھائی! میں اکیلی کہاں ہوں۔ زبیدہ فارغ ہوچکی کام سے وہ آتی ہوگی میرے پاس!"

میں نے نرمی سے تسلی دی اور انہیں مطمئن کرکے بھیج دیا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے انٹرکام پر ایک بار پھر زبیدہ سے رابطہ کیا تھا۔

"کام مکمل ہوگیا زبیدہ!"

"بس بی بی جی میں نہانے جارہی ہوں۔ کام تو ہوگیا ہے۔ میں نے سوچا ذرا تیار ہوجاؤں۔"

"وہ خاصی عجلت میں لگ رہی تھی۔ میں مسکرادی۔"

"اوکے تم ہوجاؤ تیار! سمن سے کہو میرے اور بھائی کے لیے کھانا گرم کردے۔ اوکے؟"

"جی بہتر!" وہ سعادت مندی سے بولی تو میں نے ریسور کریڈل پر ڈال دیا۔ اور پھول جانے والے سانسوں کو بحال کرنے لگی۔ تبھی دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی تھی۔

"اتنی جلدی آگئے آپ! کہہ تو رہے تھے اتنی دیر لگ سکتی ہے۔"

میری پشت دروازے کی طرف تھی میں رخ پھیرے بغیر مسکرا کے گویا ہوئی۔

"اتنی جلدی کہاں؟ مجھے تو ایک ایک لمحہ صدی پر بھاری لگا ہے۔"

جواب میں قدموں کی چاپ ابھری تھی اور کوئی میرے سامنے آگیا۔ وہ ابوداؤد تھے۔ میں ششدر رہ گئی تھی۔ حیرت، خوف اور غیر یقینی کے شدید احساس نے مجھے منجمد کرڈالا تھا۔

جی چاہتا ہے چوم لوں فرطِ شوق سے
وہ لب جو مجھے دیکھ کے حیرت سے کھل گئے

وہ کسی قدر شریر انداز میں گنگنائے اور پھر آگے بڑھ کر کوئی شوخ جسارت کرنی چاہی تھی مگر میں اس لمحاتی سکتے سے نکل کر بدک کر پیچھے ہٹی۔

"اونہہ دھیان سے جانِ من! آپ کی حالت ہرگز ایسی نہیں کہ یہ اچھل کود زیب دے۔"

ان کا مخصوص بے باکانہ انداز تھا۔ اور نظریں اتنی گہری اتنی تفصیلی تھیں کہ میں نہ صرف سمٹ سی گئی بلکہ اپنے وجود کو شال میں چھپانے کی سعی کرنے لگی۔ میری اس کوشش نے ہی یقیناً انہیں ہنسنے پر مجبور کیا تھا۔

"کم آن ڈیئر شوہر ہوں تمہارا! یو نو تمہارے اسی روپ کو دیکھنے کو تو جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آیا ہوں۔"

وہ اسی معنی خیزی اور شوخی سے بولے۔ میں اپنی جگہ کٹ کر رہ گئی تھی۔

"آپ یہاں کیوں آگئے ہیں۔ چلے جائیں پلیز!"

میری جیسے جان پر بن آئی تھی۔ عیسیٰ بھائی لان میں تھے۔ اور کسی وقت بھی یہاں آسکتے تھے پھر اس کے بعد...... میں سوچ کر ہی ہول رہی تھی۔

"بتایا تو ہے یار تمہارے اس خوبصورت روپ کو دیکھنے آیا ہوں۔ وہ کیا خوب کہا ہے شاعر نے کہ......

ہزار چیزوں میں تیری شباہتیں ملی مجھ کو
پر دل کی مرضی ہے اگر تو نہیں تو تجھ سا بھی نہیں

"فضول باتیں مت کریں مجھ سے۔" میں چیخ پڑی تھی۔

"یہ فضول باتیں ہیں؟"

وہ یکایک سنجیدہ ہوئے تھے۔ میں برہمی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"جائیں یہاں سے۔"

"اگر نہ جاؤں تو......؟" وہ ایک دم غصے میں آکر مجھے گھورنے لگے۔ مگر میں خائف نہیں ہوئی تھی۔

جواباً انہیں گھور کر کسی قدر تنک کر بولی تھی۔

"تو میں گارڈ کو بلاؤں گی اسے کہوں گی وہ آپ کو دھکے مار کے یہاں سے نکال دے۔"

میرے اندر جتنا طیش تھا جتنی تلخی تھی وہ میرے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔ ایک لمحے کو ابوداؤد کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ پھر انہوں نے خود کو کمپوز کرلیا تھا۔

"کون سے گارڈ کو؟ جو گیٹ پر ہے اسے یا جو لان میں ہے۔ بلاؤ جسے بلانا ہے۔ ابھی اسے تمہارے سامنے ڈھیر نہ کردیا تو کہنا۔ خالی ہاتھ نہیں آرہا ہوں میں بھی۔"

ان کے کاٹ دار لہجے میں گہرا طنز اور سفاکی اتر آئی۔ میں سر تا پا کانپ اٹھی۔ اس کا مطلب وہ عیسیٰ بھائی کی گھر میں موجودگی سے بے خبر نہیں تھے۔ مجھے لگا خوف کی زیادتی سے میرا وجود پسینہ اگلنے لگا ہے۔

"اب کیوں رنگ فق ہوگیا ہے؟ بہت پیارے ہیں نا تمہیں اپنے بھائی! اور میں...... میری جگہ تو کہیں نہیں ہوگی دل میں......؟"

ان کا لہجہ عجیب تھا یا مجھے لگا میں بے دم سی ہوکر وہیں ڈھے سی گئی۔ بے بسی کا شدید احساس میرے بہتے ہوئے آنسوؤں سے عیاں تھا۔

"روتی کیوں ہو؟"

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر میرے آنسو چن لیے۔ میں خاموشی سے سسکیاں لیتی رہی وہ میری طرف ذرا سرک کے پھر بہت نرمی بہت دھیرے سے مجھے اپنے حصار میں جکڑ لیا۔ میں اتنی بے بسی محسوس کررہی تھی کہ مزاحمت تک نہ کرسکی۔ حالانکہ ان کا یہ اقدام مجھے ناگوار محسوس ہوا تھا۔

"پریشان کیوں ہوتی ہو۔ میں تم سے ملنے اور کچھ دیر کو اچھا وقت گزارنے آیا تھا۔"

"آپ چلے جائیں ابوداؤد کوئی آجائے گا۔"

یہ میری بے بسی کی انتہا تھی کہ میں ان کی منت کر رہی تھی۔

میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ وہ کچھ بھڑک کر بولے۔ ان کا ہاتھ میرے نقوش کو ٹٹول رہا تھا۔ میں سسک اُٹھی۔

"مگر میں ڈرتی ہوں۔ مجھے ڈر لگتا ہے نا۔"

"تم کھانا کھانے لگی تھیں نا؟ کھاؤ نا۔ مجھے بھی بھوک لگی ہے۔ آؤ کچن میں چلتے ہیں۔"

میں انہیں دیکھ کر رہ گئی؟ عجیب کھسکا ہوا انسان تھا۔ کوئی ڈر خوف نہیں تھا جبکہ میری جان ہوا ہو رہی تھی۔

"ابو داؤد میرے ساتھ اس طرح مت کریں۔"

میں بے تحاشا زچ ہوئی تھی۔ دبے ہوئے لہجے میں چیخ اُٹھی۔ انہوں نے چونک کر اور کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا۔

"کیا کر رہا ہوں؟ حالانکہ دل کچھ کرنے کو مچل رہا ہے۔"

ان کا پرتپش لہجہ اور لو دیتی آنکھیں مجھے کچھ اور مضطرب کرنے لگیں۔

"کھانا نہیں کھلاؤ گی اپنے ہاتھ سے؟ ویسے آج مجھے ضد ہو گئی ہے۔ سالا صاحب کی شادی ہے نا کھانا یہاں سے کھا کر ہی جاؤں گا۔ کیا سمجھتے ہیں مجھے نہ بلا کر میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ویسے بیوی تم خوامخواہ دیر کر رہی ہو۔ اگر سالا صاحب آ گئے واپس اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ تو مجھے اپنی دلہن کے ساتھ دیکھ کر سلطان راہی کی طرح بھڑک اُٹھیں گے۔ پھر کیا ہو گا اندازہ تو ہو گا کچھ کچھ آپ کو۔"

وہ بے نیازی سے سگریٹ سلگا رہے تھے۔ میں سہم کر انہیں دیکھنے لگی۔ پھر اتنی خوفزدہ ہوئی تھی کہ ان کا ہاتھ پکڑے کچن کی جانب آ گئی۔ کچن میں موجود ڈائننگ ٹیبل کی ایک چیئر کے نزدیک لا کر انہیں کھڑا کیا۔

"بیٹھیں یہاں میں کھانا گرم کرتی ہوں۔"

میں جان گئی تھی وہ ضد کا پکا انسان اپنی منوا کر چھوڑے گا جبھی ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

"تم بیٹھو نا میں گرم کر لیتا ہوں۔ ایسی حالت میں کام کیسے کرو گی۔"

وہ ایک بار پھر میرا بھرپور جائزہ لے رہے تھے۔ نظریں ایسی تھیں کہ میں ایک بار پھر کھسیا کر رہ گئی۔

"ڈونٹ وری یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہے۔"

میں نے کسی قدر خشک انداز میں کہا تھا۔ میں جلد از جلد گویا ان سے خلاصی چاہ رہی تھی۔ جبھی معمول سے بھی کہیں زیادہ تیزی سے کام کیا تھا۔

شروع کریں۔ میں نے نفاست سے کھانا ان کے سامنے چن دیا۔ بریانی چکن روسٹ جلفریزی اور کباب کے علاوہ سیلٹ اور رائتہ! اور خود فریج سے کھیر کا باؤل نکالنے لگی۔

"تم بھی آؤ نا۔"

وہ دونوں بازو ٹیبل پر ٹکائے بہت اطمینان بھرے انداز میں مجھے تک رہے تھے۔ جبکہ میرے اندر جیسے پنکھ لگ گئے تھے۔

"نہیں۔ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔"

"مجھے دیکھ کر اڑ گئی ہے نا؟" وہ خفیف سا ہنسے میں نے جواباً خاموشی اختیار کی تھی۔

"کھا کیوں نہیں رہے؟" میں جھلانے لگی۔

تم کھلاؤ گی تو کھاؤں گا نا۔ انہوں نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں تو میں دانت کچکچا کر رہ گئی۔

کچھ کہے بغیر ان کے نزدیک آئی اور باقاعدہ نوالے بنا کر ان کے منہ میں ڈالنے لگی۔ انداز میں کسی قدر عجلت نمایاں تھی۔ دوسرے لقمے پر انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"جان چھڑانا چاہ رہی ہو نا مجھ سے؟"

میں نے چونک کر انہیں دیکھا ان کی آنکھوں میں عجیب نافہم سا تاثر تھا۔ میں اس قدر درست قیاس پر سن رہ گئی۔

"نن نہیں!"

"جھوٹ مت بولو" انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ کچھ دیر تک مجھے دیکھا پھر گہرا طویل سانس کھینچا تھا۔

"یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے بیوی! سالا صاحب کی واپسی تک مجھے یہاں رہنے دو۔ وہ آتے ہی مجھے پہلی فرصت میں شوٹ کر دیں گے۔ تمہارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"فضول مت بولیں۔" میں نہایت غصے سے ٹوک گئی تھی۔

"وہ شخص ہر صورت جیتنا چاہتا ہے حجاب! مگر میں جیتے جی ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ وہ تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ مگر......"

انہوں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ چند گہرے سانس بھر کے جیسے کسی شدید کیفیت پر قابو پایا تھا۔

"تمہیں پتا ہے اس نے تمہاری طرف سے مجھے خلع کا نوٹس بھیجا ہے۔"

انکشاف ایسا تھا کہ میں پوری ہستی سمیت کرہل کر رہ گئی تھی۔

"اسے منع کر دینا حجاب! ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ میں تمہیں یہی سمجھانے آیا تھا۔

وہ کسی قدر تلخی اور رعونت سے بولے تھے۔ میں نے دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھا تھا۔

"اسے کہنا مجھے دوسرا نوٹس نہیں ملنا چاہیے۔ میں کورٹ جانے سے نہیں ڈرتا، بات تمہیں چھوڑنے کی ہے۔ میں کسی صورت ایسا نہیں کروں گا۔ اگر اس نے ایسا زبردستی کرانے کی کوشش کی تو پھر تم مجھے جانتی ہو۔ میں اسے شوٹ کر دوں گا۔"

ان کے لہجے میں اتنی سفاکی اتنی برودت اور تلخی تھی کہ میں گنگ ہو کر رہ گئی۔ اس سے پہلے کہ میں جواباً کچھ کہتی کہ ایک دم سے زبیدہ حواس باختہ سی اندر آ گئی۔

"وہ وہ جی بھی بارات آ گئی ہے دلہن کو رخصت کرا کے۔"

اس کی نظریں میری بجائے ابو داؤد پر تھیں۔ میں ہراساں ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ چلے جائیں ابوداؤد!''

میری لرزتی آواز میں التجائیں در آئی تھیں۔

''موقع اچھا ہے میرا خیال ہے سالا صاحب سے یہیں دو دو ہاتھ ہو جائیں۔''

وہ غراہٹ زدہ آواز میں کہتے ایک جھٹکے سے اُٹھے میں تڑپ کر ان کے سامنے آگئی تھی۔

''فار گاڈ سیک ابوداؤد فار گاڈ سیک! آپ جائیں یہاں سے۔''

میں نے دونوں ہاتھ ان کے آگے جوڑ دیئے تھے۔انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا تھا پھر جانے کس جذبے کے تحت مجھے تھام کر اپنے ساتھ لگالیا بلکہ بھینچ لیا۔

''اسے کہہ دینا میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرے۔ ورنہ اس گھر سے کسی ایک کا جنازہ لازمی اُٹھ جائے گا۔''

ان کے سرد لہجے میں کسی اژدھے کی سی پھنکار تھی۔

''ابھی تو جا رہا ہوں مگر میں پھر آؤں گا۔تمہیں لینے کے واسطے سنا تم نے۔''

انہوں نے جھک کر سرگوشی کی اور مجھے آہستگی سے الگ کرتے پلٹ کر کچن سے نکلے تھے اور تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ میرا پورا وجود تھر تھر کانپتا رہا۔ کسی کے دیکھ لیے جانے اور تصادم ہو جانے کی صورت میں اُٹھنے والے طوفان نے مجھے سراسیمگی اور دہشت کا شکار کیے رکھا۔مگر خیریت گزری تھی ایسی کوئی صورتحال پیدا نہیں ہوئی تو مجھے از سرِ نو ابوداؤد کی دھمکیاں یاد آئیں۔ میں بے ساختہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر سسکی تھی اور روتی چلی گئی۔ معاً میری یہ سسکیاں پہلے کراہوں میں بدلی تھیں پھر دبی چیخوں میں، مجھے لگا تھا میں مر رہی ہوں۔ درد تھا شدید درد، میں بے ساختہ چیختی چلی گئی۔

☆☆

پھر ہوش اور بے ہوشی کے جانے کتنے مراحل طے ہوئے تھے۔اس کے بعد جب میں مکمل حواسوں میں لوٹی تو قدرت نے جنت میرے قدموں تلے بچھادی تھی۔ بچے کی پیدائش کی جو ڈیٹ ڈاکٹرز نے دی تھی وہ اگلے ماہ کی تھی۔مگر اس رات اچانک طبیعت خراب ہو جانے کے باعث قبل از وقت آپریشن کرنا پڑ گیا تھا۔

''بیٹا بہت مبارک ہو بہنی! ماشاءاللہ بہت پیارا ہے۔معصوم فرشتہ!''

عیسیٰ بھائی اور ثانیہ بھابھی تھے میرے پاس جب میں ہوش میں آئی۔نقاہت میرے ہر احساس پر حاوی تھی میری دھیمی مسکراہٹ بھی بہت بوجھل تھی۔

''دیکھو بیٹے یہ کتنا پیارا ہے۔''

مما نے گلابی کمبل میں لپٹا بچہ جو روئی کے گالے جیسا تھا میرے پہلو میں لٹایا۔میری نگاہ بے ساختہ بچے کے نقوش میں اُلجھ گئی۔ کشادہ پیشانی، غلافی آنکھیں اور کھڑی ناک۔ وہ ہو بہو ابوداؤد کی تصویر تھا۔ جھک کر بچے کی پیشانی پر ہونٹ رکھتے ہوئے جانے کس احساس سمیت میری آنکھیں چھلک گئیں تھیں۔اور جب میں سب کی نظر بچا

کر آنسو پونچھ رہی تھی میری نگاہ سامنے اُٹھ گئی تھی۔ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ سلور فریم گلاسز کے پار بڑی بڑی آنکھوں میں رتجگوں کا خمار لیے عون بھیا بے حد خاموش اور سنجیدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں کچھ چونک سی گئی۔

''عون بھیا! کیسے ہیں؟ آپ''

''یہ بات تو مجھے پوچھنی چاہیے بہنی!''

ان کی آواز بہت بوجھل تھی۔ میں آہستگی سے مسکرا دی۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

اور جواب میں کچھ کہے بنا بس وہ مجھے دیکھتے رہے تھے۔

''روشی کیسی ہے؟''

جب وہ میرے نزدیک آ کر بیٹھے تھے میں نے انہیں بغور تکتے ہوئے پوچھا تھا۔ جواب میں ان کے چہرے پر موجود گھمبیر تاثر میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کچھ کہے بنا وہ نگاہ کا زاویہ بدل گئے تھے۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں کچھ دیر کو کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''آپ اسے بھی ساتھ لے آتے۔''

خاصی تاخیر سے میں کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو قدرے حوصلے کو مجتمع کر کے کہا تھا۔

''جاؤں گا تو ساتھ لیتا آؤں گا۔ڈونٹ وری!''

''عیسیٰ بھائی آج عون بھیا کا ولیمہ ہے نا؟''

عون بھیا اُٹھ کر گئے تب میں نے عیسیٰ بھائی کو مخاطب کیا تھا۔ جو مسلسل بچے کو گود میں لیے اسی میں مگن تھے۔

''ہاں مگر رات کی تقریب ہے۔''

''آپ سب لوگ تو یہاں ہیں انتظامات کون دیکھ رہا ہے؟''

''ارے پریشان کیوں ہوتی ہو بہنی! پپا کے علاوہ فیضی بھائی اور موسیٰ بھی ہیں۔ میں بھی ابھی آیا ہوں ورنہ تو عون بھیا ہی یہاں موجود رہے ہیں۔''

''عون بھیا رات سے یہاں ہیں گھر واپس نہیں گئے؟''

''نہیں۔ حالانکہ ہم سب نے بہت اصرار کیا تھا۔مگر وہ بہت اَپ سیٹ تھے تمہاری طبیعت کی وجہ سے۔''

''اوہ نو! یہ تو اچھا نہیں ہوا روشی کیا سوچتی ہوگی؟''

مجھے عجیب سی خجالت نے آن لیا۔ بھابھی نے مسکرا کر ہاتھ تھام کر تھپکا تھا۔

''کم آن حجاب! روشی ایسی لڑکی نہیں ہے۔ وہ ایسا ویسا کچھ نہیں سوچے گی۔ بلکہ وہ تو تمہاری وجہ سے خاصی پریشان رہی ہے۔ بار بار اس کی کالز آتی رہی ہیں۔''

''پھر بھی بھابھی! مجھے عجیب لگ رہا ہے کہ میری وجہ سے۔''

"ارے نہیں۔ یہ تو قدرت کے کام ہیں۔ روشی بھی عون بھیا کی تمہارے ساتھ محبت اور جذباتی وابستگی سے آگاہ ہے۔" بھابی نے پھر مجھے تسلی دی تھی۔ مجھے خاموش ہونا پڑا۔

"آپ زبیدہ کو میرے پاس چھوڑ دیں بھابی! روشی کو پارلر وغیرہ بھی جانا ہوگا۔ آپ گھر چلی جائیں۔"

بھابی میری پریشانی اور تشویش کو محسوس کر کے مسکرا دی تھیں۔

"تم خواہ مخواہ کانشس ہو رہی ہو حجاب! روشی ان سب باتوں کو سمجھتی ہے۔ وہ غیر نہیں ہے۔ بہت اپنائیت ہے اس کے ہر انداز میں ڈونٹ یو وری ہنی! بلکہ وہ تمہاری وجہ سے ازحد پریشان تھی۔"

ابھی ہمارے بیچ یہ باتیں ہو رہی تھیں جب میرون بڑی سی شال میں نکھری نکھری سی روشانے پپا کے ساتھ وہاں چلی آئی۔ میں تو اسے دیکھ کر ہی حیران ہونے لگی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے حجاب! اور بیٹا بہت مبارک ہو۔"

اس نے جھک کر مجھے اور بچے کو باری باری پیار کیا۔ پھر اپنے سبک حنائی ہاتھوں میں میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"تم نے کیوں زحمت کی روشی! مجھے کل یا پرسوں بہر حال گھر آ جانا تھا۔"

"ارے......" وہ ذرا سا ہنسی پھر بچے کو جھک کر ایک بار پھر پیار کیا تھا۔

آپ کو دیکھے بغیر تو شاید رہ لیتی مگر آپ کے بے بی کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ بہت کیوٹ ہے یہ۔"

"واضح رہے یہ حجاب کا بیٹا ہے عون بھیا نہیں۔"

تائی بھابی نے مذاق کیا تھا۔ روشانے جھینپ کر رہ گئی۔

"ویسے سچ بتاؤ بچے کو دیکھنے آئی ہو یا اپنے دولہا کو؟"

بھابی نے آنکھیں نچا کر پوچھا تو روشانے خجالت سے سرخ پڑتی ہنس دی تھی۔

دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیوں بھیا!"

عیسیٰ بھائی نے اس شرارت کو طول دیا تھا عون بھیا جو اسی سمت آ رہے تھے ذرا چونکے پھر جھکی پلکوں اور شرمائی شرمائی سی روشانے کو دیکھ کر ان کی کشادہ صبیح پیشانی پر ایک شکن نمودار ہوتی تھی۔ مگر کچھ کہے بنا انہوں نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ پپا کے پاس رک کر انہوں نے کچھ بات کی تھی پھر پلٹ کر چلے گئے تھے۔

"روشانے بیٹے آپ ایسا کرو عون کے ساتھ گھر چلی جاؤ۔ کوشش تو ہماری یہی ہے کہ شام تک ڈاکٹر سے بات کر کے حجاب کو بھی گھر لے جائیں۔"

جی پپا! روشانے جھکی پلکوں سمیت بولی تھی۔ تبھی ایک بار پھر عون بھیا ڈاکٹر کے ساتھ آتے دکھائی دیئے تھے۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا تھا پھر رسانیت سے گویا ہوا۔

پیشنٹ کی طبیعت بہتر ہے مگر آپ ابھی انہیں ڈسچارج نہ کروائیں میرا مشورہ یہی ہے۔ بی کاز جو نگہداشت انہیں یہاں مل سکتی ہے وہ گھر پر نہیں۔

ڈاکٹر بڑے بھیا اور عیسیٰ بھائی سے اس موضوع پر کچھ دیر بات کرتا رہا تھا۔ طے یہی پایا کہ مجھے ابھی

گھر نہیں لے جایا جائے گا۔ عون بھیا نے ولیمہ منسوخ کرنے کی تجویز بھی پیش کی جسے پپا نے رد کر دیا تھا۔

یہ کسی طور بھی مناسب بات نہیں ہے۔ حجاب بیٹی ٹھیک ہو کر انشاء اللہ آپ لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہوتی رہیں گی یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ عون اب آپ گھر جاؤ بیٹے! انکار نہیں ہونا چاہیے۔ حجاب بہتر ہے۔ پریشانی کی بات نہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔

پپا نے کچھ اتنی قطعیت سے کہا تھا کہ عون بھیا جو انکار کرنے والے تھے خاموش رہ گئے۔

"اور فیضان سے کہنا مجھے کال کر لے۔"

"جی بہتر! مگر یہ ابھی تو آئی تھیں۔ اتنی جلدی کیا ہے ذرا رک کے آجائیں۔"

عون بھیا نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ روشانے پر ڈال کر پپا سے کہا تھا۔ روشانے کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرا گیا۔

"ارے نہیں بیٹے ایک رات کی دلہن ہے۔ مناسب نہیں لگتا یہاں خواہ مخواہ بیٹھنا تم ساتھ لے کے جاؤ۔ اب کے ممانے ٹوکا تھا۔"

"جاؤ بیٹے فی امان اللہ!"

انہوں نے ایک فدیانہ نگاہ بہو بیٹے پر ڈالی تھی اور مسکرا کر کہا۔ روشانے نے سر جھکائے کھڑی عون بھیا کے لمبے ترنگے سراپے کے سامنے نازک سی گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ مجھے ان دونوں کو ساتھ دیکھنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ وہ واقعی جیسے ایک دوسرے کے لیے بنے تھے۔ میں بے ساختہ مسکرا دی۔

☆☆

کیوں رات کی ریت پر بکھرے ہوئے
تاروں کے کنکر چنتی ہو
کیوں سناٹے کی سلوٹ میں لپٹی آوازیں سنتی ہو
کیوں اپنی پیاسی پلکوں کی جھالر میں خواب پروتی ہو
کیوں روتی ہو؟
اب کون تمہاری آنکھوں میں
صدیوں کی نیند انڈیلے گا
اب کون تمہاری چاہت کی ہریالی میں کھیل کھیلے گا
اب کون تمہاری تنہائی کا ان دیکھا دکھ جھیلے گا
اب ایسا ہے
یہ رات مسلط ہے جب تک
یہ شمعیں جب تک جلتی ہیں

یہ زخم جہاں تک چبھتے ہیں
یہ سانسیں جب تک چلتی ہیں
تم اپنی سوچ کے جنگل میں
راہ بھٹکو اور پھر کھو جاؤ

اب سو جاؤ

چند گھنٹوں کی بات تھی۔ میں نے سب کو مطمئن کر کے بھیج دیا تھا۔ اب صرف زبیدہ میرے پاس تھی۔ اور میں جانے کیوں ایک بار پھر تکلیف دہ یادوں میں گھر کر جیسے اذیتوں کے سمندروں میں غوطہ زن تھی۔ مستقبل کا خوف مجھے وحشت زدہ کر رہا تھا۔ بھیا کی سوچ مجھ پر عیاں ہو چکی تھی اور ابوداؤد کی بھی۔ مجھے پھر لگا تھا یہ دو مردوں کی انا کی جنگ تھی جس میں پہلے میں برباد ہوئی تھی اور اب میرا بیٹا بھی...... کیا میں یہ سب برداشت کر سکتی تھی؟ مگر میرے پاس کوئی راہ کوئی حل بھی تو نہیں تھا۔ بے بسی کے مظہر آنسو میرے بالوں میں جذب ہونے لگے۔ امید کی معمولی کرن بھی دور دور تک نہیں تھی۔

"حجاب!"

ابوداؤد کی آواز اپنے بے حد نزدیک سن کر میرے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا۔ میں نے سرعت سے آنکھیں کھولیں اور انہیں روبرو پا کے جیسے میری روح فنا ہو گئی تھی۔

"لیٹی رہو۔ آئی نو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ایک خوفزدہ نگاہ ان پر ڈال کر میں بچے کو مضطرب ہو کر جیسے ہی اٹھانے لگی انہوں نے میرے کاندھوں پر دباؤ ڈال کر نرمی سے ٹوک دیا۔

"بے فکر رہو۔ میں تم سے اپنے بچے کو چھیننے نہیں آیا۔ تمہارے ساتھ ساتھ اسے بھی ایک نظر دیکھنے کی خواہش تھی لیکن اگر تم اجازت دو۔"

میں حق دق سی انہیں دیکھنے لگی۔

میں جانتا ہوں تم مجھے بہت بُرا سمجھتی ہو مگر حجاب ایک آدمی میں سب برائیاں ہی ہوں ضروری تو نہیں۔

وہ اس نرمی و حلاوت سے بولے تھے۔ میں بے اختیار نظر چرا گئی۔

"تمہیں مجھ پر ٹرسٹ بھی نہیں ہے۔ گڈ!"

وہ اپنی بات کے اختتام پر جیسے خود پر طنز کر کے ہنسے۔ کچھ دیر ہونٹ بھینچے رہے پھر رُخ پھیر کر کاٹ سے بچے کو اُٹھا لیا۔ میری جیسے روح جسم کے اندر پھڑ پھڑانے لگی۔ وہ ابوداؤد تھے۔ بے حس، سفاک اور عہد شکن، جھوٹے۔ مجھے ان پر بہر حال اعتماد نہیں تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل انہوں نے کہا تھا وہ میری اجازت سے بچے کو دیکھیں گے اب کچھ دیر بعد وہ اپنی کہی بات بھول گئے تھے۔ یہی حقیقت تھی ان کی۔ میں نے زبیدہ کی طرف دیکھا۔ بینچ پر کشن سر کے نیچے رکھے وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اگر ابوداؤد بچے کو لے جانا چاہتے تو شاید میں کچھ

ی نہ کر پاتی۔ خوف میرے وجود کو سرد کرنے لگا۔

"تم نے کچھ نام سوچا؟"

انہوں نے اچانک سر اُٹھا کر مجھے بغور دیکھا۔ میں ٹکر ٹکر انہیں تکتی رہی۔

"اسامہ کیسا نام ہے؟"

"پتا نہیں میں نے کچھ اور نام سوچا ہے۔ میں وہی رکھوں گی۔"

میرے انداز میں میرے لہجے میں ایک طرح کی ہٹ دھرمی اور تلخی تھی۔ میں انہیں ایک بار پھر جتلانا چاہتی تھی بچے سے یا مجھ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

"یار تم وہ اگلی مرتبہ رکھ لینا۔ اس کا نام اسامہ ہی رکھتے ہیں۔ مجھے پسند ہے نا۔"

ان کی بات پر مجھے بے تحاشا تاؤ آیا تھا۔

"یہ کمپرومائز آپ کیوں نہیں کرتے؟" میں جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"یار جو ہمارے حالات ہیں۔ لگتا تو نہیں ہے اس کا کوئی اور بہن بھائی آ پائے۔ سالا صاحب شاید اس سے پہلے ہی اسے یتیم کر دیں۔"

وہ جھک کر بچے کو پیار کرتے ہوئے ہنس رہے تھے۔ میرے دل پر جیسے گھونسا پڑا تھا۔ میں یک لب ہونٹ بھینچ کر نظریں پھیر گئی۔ انہوں نے بچے کو میرے پہلو میں لٹایا پھر کوٹ کی جیب ٹٹول کر ایک مخملیں لس نکالا تھا۔ میں لاشعوری طور پر متوجہ ہو گئی تھی کچھ حیران رہ گئی۔

"یہ تمہارے لیے۔"

"بٹ وائے؟" میری پیشانی پر بل پڑنے لگے تھے۔

گفٹ کے جواب میں گفٹ دینا چاہیے یار محبت بڑھتی ہے۔ وہ بے حد خوشدلی سے جواب دے رہے تھے۔

"میں نے آپ کو کوئی گفٹ نہیں دیا سمجھے آپ!"

"اسامہ سے بڑھ کر اور کیا اچھا گفٹ ہو گا۔ پہلے تم صرف میری بیوی تھیں مگر اب میرے بچے کی ماں بھی ہو۔"

"نہ میں آپ کی بیوی تھی نہ آپ کے بچے کی ماں ہوں۔ مجھے اس خیرات کی ضرورت نہیں۔"

مجھے کچھ بھی بھولا نہیں تھا۔ میں کچھ بھول بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ ابوداؤد کا چہرا غیر ہوا تھا۔

"حجاب بہتر ہو گا تم ان باتوں کو بھول جاؤ۔"

"میں آپ سے کہوں گی آپ مجھے اور میرے بیٹے کو بھول جائیں۔ جان چھوڑ دیں ہماری!"

میں چیخ اُٹھی مگر پھر بے ساختہ کراہتے ہوئے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اسٹچنگ میں کھنچاؤ کے

باعث درد کی تیز لہریں اُٹھی تھیں۔ابوداؤد نے بے اختیار مجھے تھام لیا۔

"ریلیکس حجاب! کام ڈاؤن!"

میں نے ان کے ہاتھ زور سے جھٹک دیئے۔اور دبی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"آپ چلے جائیں یہاں سے۔"

حجاب! وہ کس قدر غصے سے بولے تھے انداز میں گویا تنبیہ تھی۔مگر میں خائف نہیں ہوئی۔

"میں نے کہا نا آپ چلے جائیں میں صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی آپ کی۔"

میں پھر چیخی اپنی تکلیف کی پرواہ کیے بنا ابوداؤد نے ہونٹ بھینچ کر مجھے دیکھا تھا پھر اسی خاموشی سے ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلے گئے۔

پانچواں حصہ

ان کے جانے کے بعد میری نگاہ اس جیولری کیس پر پڑی تھی۔جسے وہ میرے پاس چھوڑ گئے تھے۔ میں نے کچھ دیر دھندآلود نظروں سے اسے دیکھا تھا۔اور اُٹھا کر دیوار سے مارا تھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆☆

موسم بدل گیا تھا۔اب شامیں طویل ہونے لگی تھیں۔فضا میں موجود خنکی جسم کو بھلی لگنے لگی تھی۔مگر اس کے باوجود مما کی خاص تاکید ہوتی اسامہ کو سردی سے بچایا جائے۔دھوپ ڈھل رہی تھی جب میں اسامہ کے ساتھ واپس کمرے میں آ گئی تھی۔اسامہ کو زیادہ تر روشی ہی سنبھالتی تھی۔ثانی بھابھی پریگننٹ تھیں ان کی طبیعت گری گری رہا کرتی۔روشی نے ہی گھر کی تقریباً ساری ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں ایسے میں ثانی بھابھی کا بھی وہی خیال رکھتی۔اتنی نازک تھی پھر بھی سارا دن بھاگ بھاگ کر ہر کسی کی خدمت پر کمربستہ رہتی اور ذرا جو تھکتی ہو۔مما نے اسے تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دیا تھا مگر اس نے مزید پڑھنے سے انکار کر دیا۔

"کیوں نہیں پڑھنا روشی۔ایم اے تو کرلو۔ساری زندگی کام ہی کرنے ہوتے ہیں۔"

میں نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"تمہارے بھیا صاحب جو ہیں نا متھیس کے کوئچن سے کہیں بڑھ کر گھمبیر ہیں میرے لیے۔انہیں سمجھ لوں، جان لوں۔سمجھ لینا ساری ڈگریاں سمیٹ لی میں نے۔"

وہ تمہارے ساتھ ٹھیک تو ہیں نا؟

میں اکثر فکرمند ہو جایا کرتی۔

"خراب ہو کر تو دیکھیں۔اینٹ سے اینٹ بجادوں گی۔روشانے خان نام ہے میرا۔"

جواباً وہ کِل کِل کر کے ہنستی اور میں مطمئن ہو جایا کرتی۔عون بھیا کا رویہ نارمل تھا۔ان کے کسی بھی انداز سے ہم یہ اخذ کرنے میں ناکام رہے تھے کہ روشانے کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے ہیں؟ روشی کو بچے بہت اچھے لگتے تھے اسی وجہ سے وہ اسامہ کو ہر وقت لپٹائے رکھتی کام کرتے ہوئے بھی اکثر اسامہ اس کی گود میں ہوتا۔

"اگر تمہیں بچے اتنے اچھے لگتے ہیں تو پھر خود جلدی سے اماں بن جاؤ نا۔"

ایک دن میں نے اسے چھیڑا تھا۔اور اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔مجھے کسی گڑبڑ کا شدید احساس ہوا تھا مگر روشی نے اس کے بعد بہت خوبصورتی سے مجھے ٹال دیا تھا۔

"حجاب!"

میں اسامہ کے کپڑے چینج کر رہی تھی جب روشی نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ میں نے مصروف رہ کر سوالیہ نظروں سے ذرا کی ذرا اسے دیکھا۔

"تمہیں عون بلا رہے ہیں ڈرائینگ روم میں۔"

"خیریت! کون آیا ہے؟"

میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی مگر کچھ اخذ کرنے میں ناکام رہی تھی۔

"لاؤ اسے میں کپڑے پہنا دوں تم جاؤ۔ آؤ بیٹے!"

اس نے اسامہ کو مجھ سے لے لیا۔

"روشی کون آیا ہے؟"

میں تذبذب کی کیفیت میں کھڑی تھی۔ روشانے مجھے نظر بھر کے دیکھا۔

"ہاں آیا بھی ہے۔ عون وہاں بلا رہے ہیں تمہیں۔ شاید کچھ بات کرنی ہے۔"

میں نے محسوس کیا روشانے مجھے کچھ بتانے سے کترا رہی ہے۔ میں پیروں میں سلیپر ڈالے کچھ پریشان کچھ اُلجھن میں مبتلا ڈرائینگ روم میں گئی تو ایک دم ٹھٹھک گئی۔ مما، پپا، فیضی بھائی، عون بھیا، عیسیٰ بھائی کے ساتھ ابوداؤد بھی تھے۔ میرے قدم ٹھٹھکنے کی وجہ ابوداؤد کی موجودگی تھی۔ آف وائیٹ ٹو پیس سوٹ میں ملبوس بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ سگریٹ کے کش لیتے کسی قدر سرد مہر، لاتعلق اور بے نیاز نظر آ رہے تھے مگر میرے اندر قدم رکھتے ہی ان کی اس لاتعلقی اور بے نیازی کی جگہ گہری توجہ اور دلچسپی نے لے لی۔ وہ بغور مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں سخت جز بزسی ہوگئی ان کی اس فضول حرکت پر وہ بھی سب کی موجودگی میں۔

"اسامہ کدھر ہے؟ اسے کیوں نہیں لائی ہو تم؟"

انہوں نے براہ راست مجھے مخاطب کیا تھا۔ کسی کی خاص پرواہ کیے بغیر۔ میرے اندر موجود تلخی اور اُلجھن کچھ مزید گہری ہوگئی۔ میں نے ہونٹ بھینچتے ہوئے سوالیہ نظروں سے عون بھیا کو دیکھا تھا۔

"بیٹھ جاؤ ہنی! مجھے بات کرنا تھی تم سے اینڈ ریلیکس!"

عون بھیا نے کسی قدر سنجیدگی اور متانت سے کہا تھا۔ میں کچھ کہے بغیر عون بھیا کے پہلو میں خالی جگہ پر کچھ مضطرب سی بیٹھ گئی۔

"یہ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے آئے ہیں۔ ان کا خیال ہے ہم نے زبردستی تمہیں اپنے پاس روکا ہوا ہے۔" کچھ دیر کی تکلیف دہ خاموشی کے بعد عون بھیا کی آواز گونجی تھی جس میں کچھ اور سنجیدگی کچھ اور بھی تلخی در آئی تھی۔ میں نے کچھ اضطراب کی کیفیت میں سر اُٹھا کر عون بھیا کو دیکھا تھا۔ وہ میری طرف ہی متوجہ تھے۔ متانت اور بردباری سے گویا ہوئے۔

"یہ بات تمہارے علم میں ہوگی کہ ہم نے کورٹ میں خلع کا کیس دائر کیا ہے۔ انہیں یہ شک ہو رہا ہے یہ تمہارا فیصلہ نہیں ہے۔ عدالت سے پہلے فیصلہ سننا چاہتے ہیں۔ تم انہیں اپنی مرضی سے آگاہ کر دو۔"

عون بھیا کی بات پر میں کچھ دیر خالی نظروں سے اپنے ہاتھوں کو تکتی رہی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ابوداؤد سے جدائی کے اس لمحے میں اَپ سیٹ ہو رہی تھی۔ میری حیثیت انہوں نے اپنی زندگی میں جو واضح کی تھی مجھ پر اس کے بعد اس تعلق میں محبت کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ بہر حال مجھے بھی ایک عزت دار لڑکی ہونے کے ناطے اپنی اَنا اور پندار کے ساتھ عزت نفس عزیز تھی۔ مگر معاملہ اس وقت عون بھیا کا تھا۔ اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ ابوداؤد عون بھیا کے دشمن تھے دونوں ایک دوسرے کے حریفوں کے طور پر ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ میرا فیصلہ کسی ایک کی فتح اور دوسرے کی شکست بن سکتا تھا۔ ابوداؤد کے لیے میں محض ٹرپ کا ایک پتہ تھیں مگر عون بھیا کے ساتھ میرے بہت سے احساس وابستہ تھے۔ محبت، عزت، مان اور بھروسے کے۔ میں عون بھیا کو اس مقام پر کسی صورت بھی تنہا نہیں کر سکتی تھی۔ جبھی میں بولی تو میرے لہجے میں ٹھہراؤ اور رسانیت کا عنصر بے حد واضح تھا۔

"آپ کا فیصلہ میرا ہی فیصلہ ہے عون بھیا! میں خلع چاہتی ہوں۔"

عون بھیا نے بغور جبکہ ابوداؤد نے چونک کر مجھے دیکھا تھا۔ باقی تمام نفوس ایک دم خاموش تھے۔

"مگر انہیں کیسے یقین آئے کہ یہ بات تم کسی پریشر کے بنا کہہ رہی ہو؟"

عون بھیا کے لہجے میں خفیف سی کاٹ تھی۔ میری بے ساختہ نگاہ ابوداؤد کی سمت اُٹھی جو غصیلی اور پرتپش نظروں سے مجھے گھور رہے تھے۔ معاً وہ ایک دم ایک جھٹکے سے اُٹھے اور میرے سامنے آ گئے میں ان کے انداز کی جارحیت پر گھبرا کر کھڑی ہوئی تھی انہوں نے جھپٹ کر میرا بازو پکڑا اور مجھے اپنی جانب گھسیٹ لیا۔

"جھوٹ بولتی ہو تم۔ بکواس کرتی ہو۔ میں مان ہی نہیں سکتا کہ تم مجھ سے علیحدگی چاہتی ہو۔"

وہ شاید حواسوں میں نہیں رہے تھے۔ مجھے خفت اور شرمندگی نے آن لیا۔ میں کرنٹ کھانے کے انداز میں انہیں دھکیل کر سرعت سے فاصلے پر ہوئی۔

"واٹ نان سنس! تمیز سے بات کریں آپ سمجھے؟"

میں نے عون بھیا کو تلملا کر ابوداؤد کی سمت بڑھتے دیکھ کر فیض بھائی کو ملتجی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ فیضی بھائی فوری حرکت میں آئے اور عون بھیا کا بازو پکڑ کر واپس بٹھانے کی کوشش کی مگر وہ بپھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"آئی کانٹ بلیواٹ! میری آنکھوں میں دیکھو پھر کہو یہ بات!"

ابوداؤد سرخ چہرے کے ساتھ دھاڑے۔ طیش سے ان کی آواز بے حد بھاری ہو رہی تھی۔ میں نے تیز مگر بے حد خفا نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یہ کسی فلم کی شوٹنگ نہیں ہو رہی ہے مسٹر ابوداؤد! جو ڈائیلاگ جھاڑے جائیں پلیز گو! اب ہماری ملاقات کورٹ میں ہی ہوگی۔"

عون بھیا نے کسی قدر تلخی اور حقارت سے جواب دیا تھا۔ ابوداؤد نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں وہ اپنی لہو رنگ آنکھوں سے مجھے گھورتے رہے تھے۔

''تم نے اچھا نہیں کیا حجاب! میں اس انسلٹ کو بھولوں گا نہیں۔''

اسی طیش بھرے انداز میں کسی قدر بھڑک کر کہتے وہ آندھی طوفان کی طرح پلٹ کر دروازے کی جانب چلے گئے میں ساکن کھڑی تھی۔ عون بھیا نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''اس کی دھمکی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے نئی! میں ساتھ ہوں تمہارے!''

میں کچھ کہے بغیر گالوں پر پھیل آنے والی نمی پونچھنے لگی تھی۔ عون بھیا نے میرا سر تھپکا ماتھا چوما پھر پلٹ کر وہاں سے چلے گئے۔ فیض بھائی اور عیسیٰ بھائی ان کے ساتھ تھے۔ میں بے دم سی وہیں بیٹھ گئی۔ یہ مجبوری کا فیصلہ نہیں تھا۔ دل کا بھی پتا نہیں پھر بھی میں اتنا نڈھال کیوں ہو رہی تھی۔ شاید کوئی بھی عورت اپنا گھر ٹوٹنے پر یونہی بکھرتی ہے۔ پپا کچھ دیر سر جھکائے بے حد خاموش سے وہاں بیٹھے رہے پھر آہستگی سے اُٹھے اور ٹوٹے قدموں کے ساتھ باہر چلے گئے۔ اب کمرے میں مَیں اور مما تھے۔ مما نے کچھ کہے بنا مجھے اپنے ساتھ لگایا تو جانے کیسے میری سسکیاں فضا میں گونجنے لگی تھیں۔

''اپنا نہیں تو اپنے بیٹے کا خیال کیا ہوتا۔''

ان کی بات پر مجھے جھٹکا لگا تھا میں نے سر اُٹھا کر دھندآلود نظروں سے انہیں دیکھا!

''آپ نہیں چاہتیں کہ میں!......؟''

''پتا نہیں میں کیا چاہتی ہوں۔ کتنے ارمان تھے اپنی اکلوتی بیٹی کے حوالے سے دل میں۔ سب کو آگ لگ گئی۔ اس لڑکے نے تو ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہنے دیا۔ اب جو ہونے جا رہا ہے وہ پتا نہیں کتنا صحیح ہے کتنا غلط! مگر بیٹا! مجھے ڈر لگتا ہے۔ یہ بہت خطرناک آدمی لگتا ہے۔ انجام کی پرواہ کیے بنا کچھ بھی کر ڈالنے والا۔''

وہ ماں تھیں خدشات کا شکار ہونا کچھ ایسا عجیب بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ کر نرمی سے دبایا۔

''آپ پریشان نہ ہوں مما! اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''پتا نہیں۔''

وہ بے حد اداس تھیں اسی دل گرفتگی سے بولیں۔ میں محض انہیں لاچاری سے دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆

ساتھ دل کے چلے دل کو نہیں روکا ہم نے
جو نہ اپنا تھا اسے ٹوٹ کے چاہا ہم نے
اک دھوکے میں کٹی عمر ہماری ساری!
کیا بتائیں کیسے کھویا کیسے پایا ہم نے

میں لان میں آئی تو مما ثانیہ بھابھی اور روشی کے ساتھ وہیں کچھ متفکر سی بیٹھی تھیں۔ آپس میں جو بات چیت چل رہی تھی وہ بھی مجھے دیکھنے کے بعد خاموشی کی نذر ہو گئی۔ مجھے ایک دم بہت اجنبیت کا احساس

ہوا۔ کچھ کہے بغیر میں وہیں سے پلٹ گئی۔

''حجاب!''

روشی نے صرف پکارا نہیں تھا۔ بھاگ کر میرا راستہ بھی روک لیا۔

''جی!'' میں نے لمحہ بھر کو نظریں اُٹھائیں۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہی تھی کسی قدر اُلجھ کر۔

''واٹ ہیپنڈ! تم واپس کیوں پلٹ گئی تھیں؟''

''نہیں ایسے ہی۔'' میں نے نظر پھیر لی۔ مجھ جیسی اَنا پرست لڑکی کو یہ اعتراف کہ مجھ سے کوئی بات چھپائی جا رہی ہے۔ اپنی ہی انسلٹ کے مترادف تھا وہ بھی خود اپنے منہ سے جو بہر حال مجھے گوارا نہیں تھا۔

''یہاں آؤ۔ روشی نے میرا ہاتھ پکڑا تھا پھر اپنے ساتھ کھینچتی وہیں لان چیئرز کے پاس لے آئی جہاں مما اور ثانی بھابھی بیٹھی ہوئی تھیں۔''

''تم سمجھ رہی ہو ہم تم سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ ہمارا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہیں تھا۔''

ثانیہ بھابھی رسانیت سے بولیں تو میں نے پلکیں اُٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے؟''

''ابوداؤد نے اسامہ کو اپنی کسٹڈی میں لینے کا کیس کورٹ میں دائر کر دیا ہے۔ مما اسی وجہ سے ٹینس ہو رہی تھیں۔ جبکہ میں انہیں سمجھا رہی تھی۔ یہ کیس نہایت کمزور ہے ابوداؤد کے لیے۔ اتنے چھوٹے بچے کو کورٹ کبھی بھی ماں سے چھین کر باپ کے حوالے نہیں کرتا۔''

ثانیہ بھابھی کی کچھ دیر توقف کے بعد وضاحت سے کی گئی بات پر میں نے گہرا سانس بھر کے سر دوبارہ جھکا لیا۔ ابوداؤد بھی انہی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے تھے جو اس معاشرے میں اس قسم کی سچویشنز میں مبتلا ہونے والا ہر دوسرا مرد محض ٹارچر کرنے کو اپناتا ہے۔

''حجاب تمہیں اس بات کو لے کر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔''

''میں پریشان نہیں ہوں۔'' میں نے روشی کی بات کے جواب میں رسانیت سے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''گڈ گرل! کل تمہیں کورٹ بھی جانا ہے۔ کیس کی سماعت ہے۔''

ثانیہ بھابھی نے لگے ہاتھوں مجھے اہم اطلاع بھی دے دی۔ جسے سن کر میرے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

''میں اسامہ کو دیکھوں وہ اُٹھ گیا ہوگا۔''

''میرا انداز صاف کترانے والا تھا۔ میں وہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تو کمرے کی خاموش فضا میں سیل فون کی بیل کا شور گونج رہا تھا۔ اسامہ کاٹ میں لیٹا ہوا اس آواز سے ڈسٹرب ہو کر بار بار کسمساتا تھا۔ میں نے تیزی سے لپک کر سیل فون اُٹھایا۔ مگر اسکرین پر نگاہ پڑتے ہی میں کچھ پل کو کنفیوژ ہو گئی تھی۔ فون ابوداؤد کا

تھا۔ میں نے ہونٹ بھینچے اور کال ڈسکنکٹ کر دی۔ محض چند لمحوں کے توقف کے بعد پھر زور و شور سے بیل ہونے لگی۔ میں نے پھر کاٹ دیا تھا۔ نگاہ کا زاویہ بدل کر اسامہ کو دیکھا وہ کسمسا کر پھر سو گیا تھا۔ میں نے سیل فون کو سائلینٹ پر لگایا تھا۔ یہ طے تھا مجھے ابوداؤد کی اب کوئی بات نہیں سننا تھی۔ جس وقت میں سیل فون تکیے پر رکھ چکی تھی اس پل اسکرین پر ابوداؤد کا میسج نمودار ہوا تھا۔ جانے کس خیال کے تحت میں نے اس میسج کو کھول لیا۔

"حجاب بیگم! یہ بات تو کنفرم ہے کہ تمہارا ہر راستہ مجھ تک آتا ہے انہی راستوں پر جتنے مرضی کانٹے بولو آنا تو تمہیں میرے پاس ہی ہے۔ مگر جب لوٹو گی تو میں ان گستاخیوں پر سرزنش کرنے کو تمہارے زخمی پاؤں کے ٹھیک ہونے کا انتظار نہیں کروں گا کہ تم اپنی اس تکلیف کی ذمہ دار خود ہو۔"

میں نے بغیر کسی تاثر کے میسج ڈیلیٹ کر دیا تھا۔ میرے نزدیک ان کا یہ زعم محض ایک خوش فہمی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں تھا۔ میں ہرگز اب ان سے تجدید تعلق کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

☆☆

وہی رنجشیں، وہی حسرتیں
نہ ہی درد دل میں کمی ہوئی
عجب سی ہے میری زندگی
نہ گزر سکی نہ ختم ہوئی

وہ عجیب دن تھا سوگوار بوجھل اور زرد زرد سا فضا میں سناٹا تھا۔ کورٹ کی فضا میں گھٹن تھی۔ وہاں کے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ عجیب نظروں سے دیکھنے والے۔ اسامہ کو مما نے میرے ساتھ نہیں آنے دیا تھا اور بہت اچھا کیا تھا۔ میں ایک بڑی سی چادر میں لپٹی لپٹائی بڑے بھیا کے ساتھ ساتھ سہمی ہوئی چلتی ہوئی جب عدالت کے مین دروازے پر پہنچی تو کوئی ایک دم سے میرے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔ میں اگر بروقت قدم نہ روک لیتی تو یقیناً اس چٹانی وجود سے ٹکرا جاتی۔ سر اٹھا کر دیکھنے پر میرے حلق میں کانٹے اُگ آئے تھے۔ وہ ابوداؤد تھے۔ ہمیشہ کی طرح اکھڑے اور تنے ہوئے۔ وہ اس جگہ بھی ویسے ہی گردن اکڑائے ہوئے کھڑے تھے۔ البتہ چہرے پر جھنجلاہٹ تھی۔ ان کی نظروں کا محور میں نہیں تھی وہ عون بھیا کو گھور رہے تھے۔

"راستے سے ہٹو!"

عون بھیا نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دو قدم پیچھے کھینچا پھر سرد پھنکارتی آواز میں بولے تھے۔

"تم کیا سمجھتے ہو جیت گئے تم؟ میں نے قسم کھائی ہے عون مرتضیٰ کہ اب تمہیں زندگی کے کسی مقام پر خود سے جیتنے نہیں دوں گا۔ اور اگر قسمت سے تم مجھے شکست دینے میں کامیاب ہو بھی گئے نا تو میں جان لے لوں گا تمہاری مار ڈالوں گا قسم سے۔"

وہ ایک بار پھر طیش میں تھے۔ وہ ایک بار پھر حواسوں میں نہیں تھے۔ میں نے دہل کر سہم کر عون بھیا کو دیکھا۔ ان کی آنکھیں بھی سلگ اٹھی تھیں۔

"اس کا مطلب تمہیں اپنی شکست کا پہلے سے یقین ہے۔ گڈ!"

ان کا لہجہ صاف چڑانے والا تھا۔ ابوداؤد کا غیض و غضب مزید بڑھ گیا۔

"چیلنج کرتا ہوں عون مرتضیٰ تمہیں۔ آج جس کے ساتھ کھڑے تم مجھے ہار کا یقین دلا رہے ہو نا اگلی بار اسی کورٹ میں یہ میرے پہلو میں کھڑی ہو کر میرے حق میں بولے گی۔"

عون بھیا نے اس بات کے جواب میں جو قہقہہ لگایا اس میں بہت واضح تمسخر تھا۔ "فیضان بہت جنبش لائر ہے۔ اگلی پیشی تک غالب امکان ہے۔ تم ہماری حسب منشا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ ہار اور بکی تمہارے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ مسٹر ابوداؤد!"

عون بھیا نے جھنجلا کر کہا اور مزید کوئی بات کیے بنا میرا ہاتھ پکڑے آگے بڑھ گئے۔ میں سر تا پا کانپ رہی تھی۔ مجھے نہیں پتا کورٹ میں کیا کارروائی ہوئی۔ مجھے بیان کو بلایا گیا تو میں نے کیا بیان دیا تھا۔ میرا دماغ ماؤف اور حالت غیر تھی۔ میں واپس گھر آئی تو اس ٹینشن میں بخار میں مبتلا ہو چکی تھی۔

☆☆

تمہیں یہ بتا دوں میں
چاہتوں کے رشتوں میں پھر گرہ نہیں لگتی
اور لگ بھی جائے تو
وہ کشش نہیں رہتی
ایک پھیکا پھیکا سا رابطہ تو ہوتا ہے
تازگی نہیں رہتی
روح کے تعلق میں
زندگی نہیں رہتی۔
بات وہ نہیں رہتی
دوستی نہیں رہتی
لاکھ بار مل کے بھی دل سے دل نہیں ملتے
ذہن کے جھروکوں میں
یاد کے دریچوں میں
تتلیوں کے رنگوں کے
پھول پھر نہیں کھلتے
اس لیے میں کہتی ہوں
اس طرح کی باتوں میں احتیاط کرتے ہیں

اس طرح کی باتوں سے
اجتناب کرتے ہیں

میں نے بے خیالی میں نظم پڑھی تھی۔ پھر اسی گم صم کیفیت میں بک کو بند کر کے رکھ دیا۔ یہ کتاب روشی ابھی پڑھتے ہوئے یہاں چھوڑ گئی تھی۔ مجھے جس چیز نے پریشان کیا تھا وہ روشی کے الفاظ تھے۔ اس نے یہ نظم عون بھیا کو ڈیڈیکیٹ کی تھی۔ ان دونوں کے تعلق میں کچھ مسنگ تھی۔ عون بھیا کا رویہ بظاہر جتنا بھی نارمل ہوتا مگر کچھ ایسا تھا جو کھلتا تھا۔ روشی کی آنکھیں ہزار کوشش کے باوجود بھی بجھی ہوئی لگی تھیں۔ اس کی مسکراہٹ میں بے ساختگی نہیں تھی۔ کیا وہ بھرم رکھ رہی تھی عون بھیا کے ساتھ ساتھ خود اپنا بھی۔

"کیا سوچتی رہتی ہو؟"

مجھے سوچوں سے نکالنے والی بھی روشی تھی۔ میں نے خالی نظروں سے اسے دیکھا اور کچھ دیر یونہی دیکھتی رہ گئی۔

"تم عون بھیا کے ساتھ خوش نہیں ہو نا؟"

میرے سوال نے روشی کو گڑبڑا کے رکھ دیا۔

"کیا مطلب بھئی یہ شک کیوں؟" وہ ہنسی مگر اس ہنسی میں کھوکھلا پن تھا۔ میں اتنی مضطرب ہوئی کہ بے ساختہ آگے بڑھ کے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"مجھ سے کچھ مت چھپاؤ روشانے پلیز!"

میری آواز بھرا سی گئی تھی۔ روشی نے بے ساختہ ہونٹ بھینچ لیے۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر یاسیت سے بولی تھی۔

"کیا کرلوگی جان کر بھی؟"

وہ بے دردی سے ہونٹ کچل رہی تھی۔ جیسے ہر ممکن طریقے سے آنکھوں میں اتری نمی کو گالوں پر بہہ جانے سے روکنا چاہتی ہو۔ میرا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔

"کچھ ہے نا روشی؟"

میں بے ساختہ رو پڑی۔ یہ احساس میرے لیے بے حد تکلیف دہ تھا کہ روشی خوش نہیں ہے۔ یعنی عون بھیا خوش نہیں ہیں۔ عون بھیا جن سے مجھے اپنے بھائیوں میں سے سب سے زیادہ محبت تھی۔

"وہ شاید مجھے اچھی لڑکی نہیں سمجھتے۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتے ہیں حجاب!"

میرے دل پر جیسے کسی نے گھونسا دے مارا تھا۔ حواسوں پر بجلی سی گر پڑی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"ان کے خیال میں یہ بے شرمی کی انتہا ہے کہ میں نے عیسٰی سے ان کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ شاید لاشعوری طور پر وہ خود کو عیسٰی سے شرمندہ بھی محسوس کرتے ہیں۔"

وہ سوں سوں کرتی آنکھیں پونچھتی کہہ رہی تھی۔ میں نے کسی قدر غصے سے اسے دیکھا۔

"یہ تو کوئی بات نہیں۔ تم نے بتایا نہیں عیسٰی بھائی خود تم میں انٹرسٹڈ نہیں تھے؟ پھر کیا کسی سے محبت کرنے یا پسند کرنے کا اختیار صرف مردوں کو ہے۔ عورت یہ کام کرے تو مجرم کیوں بن جاتی ہے؟ چاہے وہ کتنا ہی جائز راستہ اختیار کرے۔"

میں جانے کیوں شدید طیش میں آ کر زور زور سے بولنے لگی۔ روشی نے حیران ہو کر مجھے دیکھا۔

"ریلیکس حجاب! کم آن یار تم تو ٹینس مت ہو۔"

اس نے میرا ہاتھ تھپکا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتی اندر سے فیضی بھائی اور عیسٰی بھائی تیز تیز قدموں سے نکل کر پورٹیکو کی جانب جاتے نظر آئے۔ چونکانے والی بات ان کے چہروں پر نظر آئی پریشانی اور گھبراہٹ تھی۔

"خدا خیر کرے۔"

میرے منہ سے بے ساختہ نکلا اور میں یکلخت اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" روشی نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں جواب میں کچھ کہے بغیر پورٹیکو کی جانب لپکی مگر اس سے پہلے اندرونی حصے سے باہر آتیں ثانیہ بھابھی نے مجھے آواز دے لی تھی۔ میں نے گردن موڑ کر کچھ عجلت میں انہیں دیکھا ان کا چہرا بھی اندرونی خلفشار سے پھیکا پڑا ہوا تھا۔ انہونی کا احساس یکدم گہرا ہو گیا۔ میں لپک کر ان کی جانب آئی تھی۔

"بھابھی خیریت؟ یہ عیسٰی اور فیض بھائی کدھر جا رہے ہیں؟"

"خدا سے خیریت کی دعا کرو حجاب! عون بھیا کا بہت شدید ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ ہاسپٹل میں ہیں۔ ابھی فیضی کو فون آیا ہے۔ مما تو بہت رو رہی ہیں۔ پلیز انہیں آ کر سنبھالو۔"

بھابھی نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ جو اطلاع دی تھی اس نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔ مجھے لگا تھا جیسے کوئی تیز رو ٹرین میرے اوپر سے دھڑ دھڑاتی ہوئی گزر گئی ہو۔ ایسی ہی بجلی روشی پر بھی گری تھی۔ وہ وہیں کی وہیں بیٹھ گئی۔ اس کا رنگ بے تحاشا زرد پڑتا چلا گیا تھا۔

"میں روشی کے پاس ہوں۔ تم مما کو دیکھو جا کے پلیز!"

ثانیہ بھابھی نے مجھے پتھرائے ہوئے دیکھ کر تقریباً چیخ کر کہا تھا میں ہولتے دل کے ساتھ گرتی پڑتی ہوئی پلٹی تھی۔

☆☆

بات دن کی نہیں مجھے رات سے ڈر لگتا ہے
گھر کچا ہے میرا مجھے برسات سے ڈر لگتا ہے
اس نے تحفے میں دیئے مجھے خون کے آنسو
زندگی اب تیری ہر سوغات سے ڈر لگتا ہے

عون بھیا ایک ہفتہ تک ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہے تھے۔ جب تک وہ اپنے پیروں پر چلنے پھرنے نہیں لگے۔ ہماری جان جیسے مٹھیوں میں رہی تھی۔ جس روز عون بھیا ڈسچارج ہو کے گھر لوٹے۔ پپا نے صدقات خیرات کے علاوہ گھر پر محفل نعت اور قرآن خوانی کا بھی اہتمام کیا تھا۔ وہ سارا دن بہت مصروف گزرا تھا۔ دل و دماغ پہ جو اتنے دنوں سے بوجھ تھا وہ ذرا سا کم ہوا تھا مگر دو دن بعد کورٹ میں جو پیشی تھی وہ مجھے ریلیکس نہیں ہونے دے رہی تھی۔ اس روز مجھے فیض بھائی کی زبانی پتا چلا تھا کہ ہمارا کیس مضبوط ہے۔ امید واثق ہے کہ اگلی نہیں تو اس سے اگلی پیشی میں ابو داؤد کو طلاق دینا پڑے گی۔ اس خبر نے میرے اندر کیا احساس جگایا اس بات سے قطع نظر میں آنے والے وقت سے خائف رہی تھی۔ عون بھیا نے مجھے اسپیشلی اپنے پاس بلا کے ہمت بندھائی تھی۔

''بس گڑیا! تھوڑی سی ہمت اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یاد رکھنا تمہاری زندگی کا سفر ابھی شروع ہونا ہے۔ ابو داؤد کو ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھلا دینا۔

تب میرا جی چاہا تھا میں ان سے ایک بات منوا لوں۔ ان سے اس چیز کے بدلے روشی کی خوشیاں مانگ لوں۔ مگر میں ایسا نہیں کر پائی اس موقع پر مجھے وہ اہم قول یاد آ گیا تھا۔

''ہمیشہ اپنے خالق سے مانگو جو دے تو رحمت اور نہ دے تو حکمت، مخلوق سے مت مانگو جو دے تو احسان نہ دے تو شرمندگی۔

مجھے عون بھیا کے ریسپانس کا علم نہیں تھا۔ میں ان کی بجائے روشی کے لیے خوشیاں خدا سے مانگنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ ان کے پاس سے اُٹھ کر میں کمرے میں آئی تو ارادہ وضو کر کے نماز ادا کرنے کا تھا۔ مگر سیل فون پر کسی انجان نمبر سے کال آ رہی تھی۔ میں نے کچھ تذبذب کے بعد کال ریسو کر لی۔

کیسی ہیں وائف! نئے نمبر سے اس لیے کیا فون کہ تم میرا نمبر دیکھ کر کال پک نہ کرتیں۔

ابو داؤد کی زندگی کے احساس سے بھرپور چہکتی آواز سن کر میں نے بے ساختہ ہونٹ بھینچ لیے۔

''میرا بیٹا اسامہ کیسا ہے؟''

''فضول کی باتوں سے اجتناب برتا کرو وہ بات کریں جس کے لیے فون کی زحمت کی ہے۔''

میں برس پڑی تھی جواب میں ان کی ہنسی سنائی دی تو میرا خون کھولنے لگا۔ میں یقیناً فون بند کر دیتی مگر انہوں نے گویا میرے ارادے کو بھانپ لیا تھا۔

''عون مرتضیٰ اب کیسے ہیں؟ حالانکہ میں نے اس جھنجھٹ میں پڑنے والا کام تو نہیں کیا تھا کہ بعد میں خیرت دریافت کرنی پڑے۔ موصوف ہمارے راستے کا سب سے بڑا کانٹا ہیں۔ میں تو اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر آمادہ تھا۔ مگر بہت سخت جان ہے کم بخت!''

الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ۔ مجھے لگا تھا مجھے کسی نے اچانک برزخ میں دھکیل دیا ہو۔

''ک..... کیا مطلب؟''

میرے حلق سے آواز پھنس کر نکلی تھی۔ جواباً وہ بڑے سکون سے کچھ دیر ہنسے پھر طنز سے بولے تھے۔

''اتنی سیدھی اور صاف بات بھی نہیں سمجھتی ہو بیگم صاحبہ! میں نے کہا تھا نا اگر مجھے ہار کا اندیشہ بھی ہوا تو میں سالا صاحب کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا اگلی مرتبہ دوسرا سانس نہیں لے پائیں گے سالا صاحب! پھر ہم تم ہوں گے۔ رومانس ہوگا۔ اور ہمارے ڈھیر سارے بچے ہوں گے۔ تمہیں پتا ہے مجھے فیملی پلاننگ سے نفرت ہے۔''

وہ پتا نہیں کیا اوٹ پٹانگ بکواس کر رہے تھے۔ میں نے سراسیمگی سے سنا ضرور مگر سمجھنے کی صلاحیت ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

''آ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے داؤد میں نے کہا آپ ایسا نہیں کر سکتے۔''

میں فون پر ہی بلک اُٹھی تھی۔ دہشت اور خوف نے میرے اعصاب شل کر ڈالے تھے۔

''کیا نہیں کروں گا؟ ہاں؟ پہلی بات یا آخری؟''

وہ شاید پھر ہنس رہے تھے۔ میں زار و قطار روتے ہوئے چیخی۔

''آ آپ بڑے بھیا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔''

''اس کا مطلب تم سے رومانس کر سکتا ہوں ہے نا۔ تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔ گڈ۔ مگر میری جان اس کے لیے تمہیں میرے پاس تو آنا پڑے گا نا۔ اگر وہاں آ کر کرنے کی کوشش کی تو سالا صاحب سے پھر جھگڑا ہوگا۔ اور جھگڑے میں تمہیں پتا ہے میں پاگل ہونے لگتا ہوں۔''

وہ پھر بے مہار ہو رہے تھے۔ میں نے یونہی روتے ہوئے سر کو زور زور سے نفی میں جنبش دی۔

مم میں...... میں آ جاؤں گی۔ خود آپ کے پاس آ جاؤں گی۔ مگر آپ بڑے بھیا کو کچھ نہیں کہیں گے۔ وعدہ کریں۔''

''وعدہ کیا جان من تمہارے صدقے اپنے جانی دشمن کو بھی چھوڑ دیں گے تم کب آؤ گی۔ ابھی آ جاؤ نا۔''

وہ بہکے ہوئے لہجے میں بولے میں اس وقت اتنی بدحواس اس قدر ذہنی اذیت کا شکار تھی کہ فی الفور آنے کی حامی بھر لی۔

''ٹھیک ہے میں آ جاتی ہوں۔ لیکن آپ بھیا کو کچھ نہیں کہیں گے۔''

میں بس یہی یقین حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔

''کہہ دیا نا نہیں کہوں گا۔ سنو گھر میں کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں اسامہ کو لے کر بس خاموشی سے نکلو میں باہر گاڑی میں تمہیں ملتا ہوں۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

وہ گویا پھنکارے تھے۔ میں خائف ہونے لگی۔

''مگر وہ سب پریشان ہوں گے۔ میں روشی کو بتا دیتی ہوں۔ وہ بہت نائس ہے سمجھ سکے گی میری بات۔''

''بکواس مت کرو۔ یہ روشی ٹوشی اسی سانپ کی بیوی ہے نا۔ خبردار جو یہ حماقت کی۔ بس خاموشی سے نکلو۔''

انہوں نے بے دریغ جھاڑ پلائی تو میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ ان کی ہدایت

پر عمل کروں۔ سو میں نے وہی کیا تھا جو وہ چاہ رہے تھے۔ ایک بار پھر ایک مجبور اور بے بس عورت قربان ہوئی تھی۔ اپنے رشتوں کی خاطر اپنوں کی بقا پر مگر پتا نہیں یہ قربانی بھی جن کی خاطر پیش ہوئی تھی انہیں پسند آئی تھیں یا نہیں۔

☆☆

نہ گلہ ہے کوئی حالات سے
نہ شکایتیں تیری ذات سے
خود ہی سارے ورق جدا ہوئے
میری زندگی کی کتاب سے
میری وحشتوں کی راہ میں
محض منزلوں کے سراب تھے
کئی عمر جن کی تلاش میں
میری رتجگوں کے وہی خواب تھے
یوں بھٹک بھٹک کے تمام عمر
کبھی اثر ہی نہ ہوا
جنہیں کھو دیا تیرے عشق میں
وہ سپنے بے حساب تھے

میں نے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولا اور بے دلی سے قدم باہر رکھا۔ بیڈروم میں نائٹ بلب روشن تھا۔ جہازی سائز بیڈ پر ابوداؤد کے پہلو میں اسامہ بے خبر سو رہا تھا اور ابوداؤد میرے منتظر تھے۔ میرے قدم جیسے من من بھر کے ہوگئے۔ ان کی فرمائش پر میں نے نیٹ کی پیازی نائٹی پہنی تھی اور خود کو خوشبوؤں میں بسایا تھا۔ اور ایسا کرتے میرا دل روتا رہا تھا۔ ایک قبرستان میرے اندر آباد ہونے جا رہا تھا۔ اس کے بعد میں ہمیشہ کے لیے زندہ انسانوں کی فہرست سے نکل جاتی۔ وہ شخص جس نے مجھے گالی دی تھی۔ مجھے میری نظر میں حقیر کر دیا تھا۔ جس سے اس کے بعد میں نے نفرت کی تھی۔ جس کی قربت کے تصور سے بھی مجھے گھن آتی تھی۔ آج اس شخص کے آگے حالات نے پھر مجھے ہاتھ پیر باندھ کر پھینک دیا تھا۔ پتا نہیں حالات نے اتنی ستم ظریفی کیوں برتی تھی۔ ابوداؤد نے مجھے ایک بار پھر میرے رشتوں کی نظر میں گرا دیا تھا۔ مجھے شرمناک انداز میں گھر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور یہاں اپنے گھر لے آئے تھے۔ پھر انہوں نے فون پر یہ اطلاع یقیناً بڑے بھیا کو دی تھی اور اپنی فتح کا جشن ڈرنک کر کے مناتے رہے تھے۔ وہ خوش تھے۔ ہاں وہ پھر جیت گئے تھے اور میں ایک بار پھر ہار گئی تھی۔ عون بھیا بھی ایک بار پھر ہار گئے تھے۔ اس ہار پر مجھے صرف عون بھیا کی زندگی نے مجبور کیا تھا۔ عون بھیا جو مجھے بے حد عزیز تھے۔ مگر اب وہ صرف میرے بھیا یا مما پپا کے بیٹے نہیں تھے وہ روشی کی خوبصورت آنکھوں کا سب سے حسین خواب تھے۔ وہ ان کی بیماری کے دوران کیسے پاگل اور وہمی ہوئی پھرتی تھی۔ ہر ہر

آہٹ پر سراسیمہ ہو کر چونکتی تھی۔ سجدے کتنے دراز کر دیئے تھے وہ عون بھیا کو کھونے کے تصور سے کانپ جاتی تھی۔ پھر میں عون بھیا کو دانستہ کیسے خطرات میں گھرا چھوڑ دیتی میں اتنی خود غرضی بے حسی چاہنے کے باوجود نہیں اختیار کر سکتی تھی۔ اس کے لیے چاہے خود پر جیسی بھی قیامت ٹوٹ جاتی میں سہنے کو تیار تھی۔

"بیگم صاحبہ! مائی لولی وائف! کن خیالوں میں کھوئی ہو؟ اتنے مہینوں کا فراق ہے ترس رہے ہیں ہم اور آپ کو خیال ہی نہیں۔"

ابوداؤد نے بلند آواز میں کسی قدر بدمزگی سے کہا تھا۔ میں چونک گئی اور نافہم نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ کسی قدر جھلائے اور بیڈ سے اُٹھ کر کسی قدر جارحانہ انداز میں مجھے جھپٹ کر بیڈ پر واپس آئے تھے۔

"تم محبت کرنے کے لیے بنائی گئی ہو جتنی نازک ہو جتنی خوبصورت مگر حرکتیں تمہاری اڑیل گھوڑوں جیسی ہیں۔ مجھے زبردستی اور بدتمیزی پر خود تم اکساتی ہو۔"

وہ کسی قدر برہمی سے سلگ کر بولے۔ ان کے ہر انداز میں مخصوص قسم کی جارحیت تھی۔ جبری جسارتوں میں حاکمیت کا احساس غالب تھا۔ میں نے اپنے حلق میں گرتے آنسوؤں سمیت آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

بہت مظلوم بنتی ہو نا۔ جیسے میں تم پر بہت ظلم کرتا ہوں۔

ان کے لہجے میں گھن گرج تھی۔ ہزار ہا ضبط کے باوجود بھی میری آنکھیں بہہ پڑیں۔

"نفرت کرتی ہو نا مجھ سے۔ اسی لیے میرے نزدیک آتے ہی آنسو بہانا شروع کر دیتی ہو۔ مجھے تمہارے انہی آنسوؤں سے نفرت ہے۔"

انہوں نے کسی قدر تلخی سے کہتے ہوئے پہلے میرے منہ پر تھپڑ مارے پھر بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ میرے آنسوؤں میں روانی آئی تھی مگر منہ سے آہ نہیں نکلنے دی۔

"بہت پھنے خان بنتی تھیں نا اپنے بھائی کے پاس جب تھیں۔ او نہ خلع لوں گی۔ تمہاری قسمت میں صرف میرا دل بہلانا اور میرے بچوں کو پالنا لکھا ہے بس!"

ان کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کا ہاتھ بار بار مجھ پر اُٹھتا تھا۔ طعنے، طنز، تشدد اور اذیت بے پناہ اذیت، وہ بہت بُری رات تھی۔ وہ بہت طویل رات تھی۔

☆☆

اگلے روز میں نے اپنے بدن کی حدتوں کی پرواہ کیے بغیر اُٹھ کر نماز ادا کی تھی۔ وہ بے حسی جو ایسے حالات میں ضرور مجھ پر طاری ہو جاتی تھی وہ ہو چکی تھی۔ جس اذیت اور کرب سے کل کے فیصلے کے بعد اور پھر رات میں نے گزاری تھی اس کے بعد ہر تکلیف اپنی اہمیت بہت کم کر چکی تھی۔ بے حقیقت اور حقیر، نماز کی ادائیگی کے بعد میں نے سجدے میں جا کر ایک بار پھر اپنے گھر والوں کے لیے اپنی طرف سے صبر کی دعا مانگی تھی۔ اسامہ کاٹ میں سو رہا تھا۔ میں اس کی نیند خراب کیے بغیر کمرے سے باہر آ گئی۔ پو پھٹ رہی تھی۔ فضا میں ہلکی خنکی تھی اور بے تحاشا تازگی۔ ماحول میں پرندوں کی چہکاریں تھیں۔ میں کچھ دیر لان میں ننگے سر ننگے پیر ٹہل

کر اپنے اندر لگی آگ کو بجھانے کی ناکام سعی کرتی رہی۔

"اسلام علیکم بیگم صاحب!"

میں اپنے دھیان میں پلٹی تو کاہی مائل سبز دوپٹے کے ہالے میں نوخیز چہرے کو دیکھ کر تھم سی گئی اور ہونٹ آہستگی سے جواباً سلامتی بھیجنے لگے۔

"مجھے کل ہی صاحب نے بتا دیا تھا کہ آپ تشریف لا رہی ہیں۔ میں رات بہت دیر تک آپ کا انتظار بھی کرتی رہی مگر صاحب نے منع کر دیا تھا کہ اپنے کوارٹر میں رہوں۔"

وہ رضیہ تھی۔ ابوداؤد کی ملازمہ میں اس سے پہلے بھی مل چکی تھی۔

"کیسی ہو رضیہ؟"

میں نے نرمی سے پوچھا جواباً وہ کھل اُٹھی۔

"میں ٹھیک ہوں جی! آپ کچھ کمزور ہو گئی ہیں مگر جی سچی بات ہے۔ ابھی بھی بہت سوہنی لگ رہی ہیں۔ میں نے سنا ہے آپ کا بیٹا بھی ہوا ہے؟"

"ہاں اسامہ نام ہے۔ ابھی سو رہا ہے۔"

"اچھا جی جب اُٹھ جائے تو مجھے بتا دیجئے گا۔ میں سنبھال لوں گی۔ اب ناشتہ بناؤں؟"

نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔

میں نے بے دلی سے جواب دیا اور چلتی ہوئی اندر آ گئی۔ لابی میں پڑے ہوئے ٹیلی فون سیٹ پر اسی وقت بیل بجنے لگی۔ میں نے بے خیالی میں بڑھ کر کال ریسو کر لی تھی۔

"اسلام علیکم!"

"تو تم واقعی وہاں ہو۔ میں سمجھی وہ کتا بکواس کر رہا ہو گا۔"

"مما!" میرا پورا وجود جیسے پانی بن کر بہہ گیا۔

مت کہو مجھے ماں! تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے ہمارے ساتھ۔ ارے اسی ذلت کی کسر رہ گئی تھی۔ حجاب میں مر کیوں نہ گئی۔ یہ وقت دیکھنے سے پہلے۔ ارے کاش تو پیدا ہوتے ہی مر کھپ گئی ہوتی۔ اتنا کمزور تھا تیرا نفس۔ اگر وہ بیوقوف تجھ سے بےچین رہا تھا تو تیرا انتظام بھی کرتا نا۔ ذرا صبر تو کیا ہوتا۔

یہ مما تھیں؟ مجھے جیسے یقین نہ آیا۔ اتنے رکیک الزامات! میری توقع کے عین مطابق وہ لوگ واقعی میرے اس اقدام کی وجہ سمجھنے سے قاصر رہے تھے۔ میرا پورا وجود طوفان کی زد پر آئے ہوئے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ ریسور میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ آنسو، آہیں، سسکیاں مجھے اپنی بھی ہوش نہیں تھی جب ابوداؤد نے مجھے آ کر پکارا۔

"کیا ہوا تمہیں؟"

ان کی آنکھوں میں ابھی تک نیند کا خمار تھا۔ وہ جیسے گہری نیند سے اُٹھ کر آئے تھے۔ میں کچھ نہیں بولی میں جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھی۔

کس نے رلایا ہے تمہیں؟ بتاؤ مجھے میں حشر بگاڑ دوں گا۔ اس کا۔"

انہوں نے رعونت زدہ لہجے میں پھنکار کر کہا۔ ان کی شعلہ برساتی نظریں اسٹینڈ سے لٹکتے ریسور پر تھیں۔

وہ پنجوں کے بل میرے سامنے بیٹھ گئے تھے اور میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ انداز میں اتنی توجہ، ایسی بے ساختگی اور اپنائیت تھی کہ رات کی کسی تلخی کا شائبہ تک نہ تھا۔ میں نے پہلے آنکھیں پھاڑ کر پھر کسی قدر غصے سے انہیں دیکھا تھا اور اپنے ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑا لیے۔ اُٹھی اور بھاگتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ وہ میرے پیچھے آئے تھے۔

"تو ہمارے سسرال سے فون تھا۔ کس سے بات ہوئی سالا صاحب سے؟"

وہ ایک بار پھر میرے پر سوار تھے۔ میں نے سختی سے اپنے آنسو پونچھ دیے۔ بہر حال میں ان کی مزید خوشی کا سامان نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ کو اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے سمجھے آپ!"

میں زور سے چیخی تو انہوں نے رک کر بغور مجھے دیکھا پھر بے ساختہ ہنس دیئے۔ میرے چہرے پر انگشت شہادت پھیری اور ٹھہرے ہوئے انداز میں گویا ہوئے۔

"ایک بات بتاؤں راز والی؟ تم دنیا کی انوکھی حسین اور جاذب نظر لڑکی نہیں ہو۔ تم جیسی بے شمار لڑکیاں میرے ایک اشارے کی منتظر رہتی ہیں مگر تم میں اٹریکشن پتا ہے کیا ہے؟ تمہاری اکڑ تمہاری بے نیازی۔ تمہیں جتنا مرضی توڑ مروڑ لو تم ماش کے آٹے کی طرح اینٹھی کی اینٹھی رہتی ہو۔ تمہیں بار بار توڑنے کو دل کرتا ہے تمہیں بار بار توڑ کر مزا آتا ہے۔"

میں سن کھڑی رہ گئی اتنی سفاکی اتنی بے رحمی پر۔ مجھے احساس تک نہ ہوا اور میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہتے چلے گئے۔ وہ جیسے چونک اُٹھے۔

"نہ...... نہ میری جان عرف دھان پان! پہلے ہی اتنی سی جان ہے۔ یوں خود کو ہلکان مت کرو۔ بس اک کام کرو۔"

اپنی حسین آنکھوں میں چھپا لو مجھ کو
محبت اگر کرتے ہو تو چرا لو مجھ کو
کھونے کا اگر خوف ہے تو
دل کی ہر دھڑکن میں بسا لو مجھ کو
دھوپ ہو یا صحرا ہو تیرے ساتھ چلیں گے
یقین نہ آئے تو آزما لو مجھ کو
تیرے دکھ کو سہہ لیں گے ہنس کر ہم
اپنے بدن کی چادر بنا لو مجھ کو

وہ مسکرا مسکرا کر گنگناتے رہے۔ جتنے فضول خود تھے۔ اس قدر گھٹیا فرمائشیں تھیں۔ میں ہونٹ بھینچے ناگواری

کے شدید احساس سمیت ان کا ہاتھ جھٹکتی وہاں سے چلی گئی۔ وہ گنگناتے ہوئے پھر سے بیڈ پر لیٹ گئے تھے۔

☆☆

میری روح میں سمٹتا تو بھول جاتے اسے
وہ اتنے پاس نہ آتا تو بھول جاتے اسے

انہوں نے مسکرا کر مجھے دیکھتے ہوئے شعر پڑھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر میرا دوپٹہ کھینچ لیا۔ میں نے سخت جھنجھلا کر انہیں دیکھا تھا۔

ظالم نظروں سے تم نہ مجھ کو دیکھو مر جاؤں گا
او جانِ جان مر جاؤں گا

ان پر مستی سوار تھی۔ میں زچ ہونے لگی۔ اسامہ کے یہ سونے کا وقت تھا اور وہ مکمل پر سکون ماحول میں سونے کا عادی تھا۔

''پلیز کچھ دیر کو باہر چلے جائیں۔ اسامہ ڈسٹرب ہو رہا ہے۔''

میں نے تنگ آ کر مگر تحمل سے کہا۔

''اسے رضیہ کے حوالے کرو۔ رقیب روسیاہ کو۔ میں سخت جلیس ہو رہا ہوں۔''

انہوں نے نخوت سے کہا ساتھ ہی رضیہ کو بلانے لگے۔ میں ٹپٹا سی گئی۔

''کیا کرتے ہیں۔ اسامہ صرف میرے پاس سونے کا عادی ہے۔ روئے گا بہت۔''

''عادی تو میں بھی صرف تمہارے پاس سونے کا ہوں۔ مگر تمہیں پرواہ کہاں ہے۔''

وہ عجب بہکے ہوئے انداز میں بولے۔ مجھے کوفت ہونے لگی۔ بس نہیں چل رہا تھا ان کی فضول نظروں، فضول باتوں سے دور بھاگ جاؤں۔

اتنے ظالم نہ بنو کچھ تو مروت سیکھو
تم پر مرتے ہیں تو کیا مار ہی ڈالو گے ہمیں؟

انہوں نے یقیناً میرے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ لیے تھے۔ آہ بھر کے کسی قدر عاشقانہ انداز میں بولے میں محض ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔ اسامہ اس رات بہت جلدی سو گیا۔ حالانکہ میری خواہش تھی اس ساری رات اسامہ نہ سوتا اور اس کی کمزور آڑ مجھے ایک شیطانی قربت سے دور رکھتی مگر ہر خواہش پوری ہونے کو نہیں ہوتی۔

''تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے نا؟ تم مجھ سے عاجز رہتی ہو نا؟''

میں سوئے ہوئے اسامہ کو جھک کر کاٹ میں ابھی لٹا ہی رہی تھی جب ابوداؤد نے مجھے کمرے بازوؤں میں بھر لیا۔ مجھے لگا تھا۔ جیسے مجھ سے کوئی مگرمچھ لپٹ گیا ہو۔ بے بسی لاچاری کے ساتھ گھن کا احساس اتنا شدید تھا کہ میں آنکھوں کو نم ہونے سے کسی طور نہیں بچا سکی۔

بتاؤ نا؟

اصرار بڑھتا جا رہا تھا گرفت سخت ہو رہی تھی۔ میرا سانس گھٹنے لگا۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں ہنی! تمہیں کبھی یقین نہیں آئے گا اس کے باوجود یہ سچ ہے۔ محبت کے جواب میں محبت پانا میرا حق ہے۔ مجھے بتاؤ تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟''

ان کی آواز سرگوشی سے مشابہ ہونے لگی جذبات سے بوجھل۔ مگر میرے لبوں پر لگی مہر نہیں ٹوٹی۔

میری بے بسی، میری التجا، میری ضبط آہ پر نظر تو کر
مجھے مسکرا کے نہ ٹال یوں میری زندگی کا سوال ہے

ان کے انداز میں واقعی التجا تھی یا مجھے محسوس ہوئی مگر میں نے کان نہیں دھرا میں اپنے اندر کی کیفیت اگر عیاں کر دیتی تو شاید ان کے قہر کو آواز دیتی پھر کیا خاموشی بہتر نہیں تھی۔

''کچھ بولو نا ہنی! میں تمہیں سننا چاہتا ہوں۔''

ایک اور فرمائش ہوئی تھی مگر بے حد انوکھی۔ میرے چہرے پر زہر خند پھیل گیا۔

''کیا کہوں بھلا؟''

''کچھ بھی کچھ بھی۔'' وہ میرے لانبے بالوں کو چوم کر مستی میں بولے۔

''چاہے کچھ مانگ لوں؟''

میں نے ایک بار پھر اسی تلخی سے پوچھا وہ بھی اسی کیفیت میں بولے تھے۔

''ہاں مانگ لو۔''

''جو مانگوں دیں گے؟''

''یار اب آزادی نہ مانگ لینا۔''

وہ ذرا سا جھینپے تھے ہنس کر کہا۔ میں نے چہرے کا رخ پھیر لیا۔ اس میں شک نہیں تھا کہ وہ ہنستے ہوئے بے حد اچھے لگتے تھے۔ اتنی نفرت کے باوجود مجھے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کی مسکراہٹ بہت فیسی نیٹک تھی۔

نہیں۔ آزادی نہیں کچھ اور ہے۔

''مانگو نا جان من!'' وہ بے چین سے ہونے لگے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دی اور کسی قدر سنجیدگی سے کہا تھا۔

''کل کورٹ میں مجھے اپنے ساتھ نہ لے کر جائیں۔ میں بھیا کے خلاف بیان نہیں دینا چاہتی۔ پلیز!''

میں نے خاموش ہو کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا مگر پھر خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ابوداؤد کے چہرے تاثرات دیکھتے ہی دیکھتے بے حد خوفناک ہو گئے تھے۔ ہونٹ بھینچ گئے ابرو تن گئے۔ اور چہرا جیسے تانبے کا ہو گیا تھا۔ وہ بولے تو ان کی آواز بھی یکسر بدلی ہوئی تھی۔

''کتیا! ہو نا اس کم ظرف کمینے آدمی کی بہن! جس نے ہمیشہ مجھے منہ کے بل گرانے کی کوشش کی،

مجھے اذیت دی۔ میرا نقصان کیا۔ تم کیسے میرا بھلا چاہ سکتی ہو؟ بھیا کے خلاف بیان نہیں دے سکتی۔ تمہیں دینا ہے بیان، سنا تم نے تم نے دینا ہے۔ ورنہ میں تمہاری بوٹی بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گا۔''

وہ اتنی زور زور سے دھاڑ رہے تھے کہ کمرے کی دیواریں لرزنے لگیں۔ وہ جیسے پاگل ہو گئے تھے۔ مجھے لاتیں گھونسے اور تھپڑ مار مار کے بھی ان کا غصہ ختم نہیں ہوا تو اسی دیوانگی کے عالم میں کمرے کی ایک ایک چیز اٹھا کر خود اپنے ہی اوپر پھینکنے لگے۔ پھر یونہی چلاتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ میں حواس باختہ اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ گرتی پڑتی اٹھی اور ٹیبل پر پانی کے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر منہ سے لگا لیا۔ جانے کیسی پیاس تھی ایک کے بعد دوسرا گلاس پی جانے کے باوجود تشنگی برقرار تھی۔ میں وہیں بے دم سے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کا مطلب تھا میری آزمائش ختم نہیں ہوئی تھی۔ ابھی مجھے اپنوں کی نگاہوں میں مزید ذلیل ہونا تھا۔ ابھی مجھے اپنی موت آپ پھر مرنا تھا۔ ابوداؤد کی وعدہ خلافی کم ظرفی سے قطع نظر مجھے ابھی یہ سوچ کر ہول آ رہے تھے کہ یہ سب کیسے ہوگا کیسے؟

☆☆

اگر وہ مہرباں ہوتا
تو میری آنکھوں میں نہ یہ نمی ہوتی
نہ میرے دل کی وادی میں
خزاں کا قافلہ رکتا
اگر وہ مہرباں ہوتا
میری بے نور آنکھوں میں
ستارے قید کر دیتا
میری زخمی ہتھیلی پر کوئی پھول وہ رکھتا
میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ یہ کہتا
محبت روشنی ہے
رنگ ہے
خوشبو ہے
ستارہ ہے
قسم مجھ کو محبت کی
مجھے تو سب سے پیارا ہے
مگر ایسا وہ تب کہتا
اگر وہ مہرباں ہوتا

میں نے سر پر اسکارف باندھا اور ملتجی نگاہوں سے ابوداؤد کو دیکھا۔ وہ لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے

ہوئے سگریٹ سلگانے لگے۔ میں کاندھوں پر دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔ جب ابوداؤد نے رضیہ کے حوالے اسامہ کو کرتے ہوئے اسے کچھ ہدایات دی تھیں۔ پھر میری جانب مڑے۔

''چلیں؟ تم تیار ہو نا؟''

''ابوداؤد!'' میں جیسے کراہی تھی۔ ان کی مستفسرانہ نگاہیں مجھ پر جم گئیں۔

''میرے ساتھ ایسا مت کریں پلیز!'' میں سسک اٹھی تھی۔

''کیا کر رہا ہوں؟''

ان کی نظریں بھی سرد ہو گئیں ان کے لہجے کی طرح

''یہ یہ کورٹ لے جانا اور اور بھیا!!......''

میری بات ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ کی بدولت ادھوری رہ گئی۔ ایسا زناٹے کا تھپڑ تھا کہ میں الٹ کر دور جا کے گری تھی۔ میرے حواس جھنجھلا اٹھے۔

''اب کرو بکواس۔ زبان نہ کھینچ لی میں نے تمہاری! بدبخت عورت تو بھول کیوں نہیں جاتی کہ تو اس مردود کی بہن ہے۔ تو بس میری بیوی ہے تمہیں یہ کیوں یاد نہیں رہتا؟''

مجھے سنبھلنے کا موقع دیئے بنا انہوں نے مجھے جھپٹ کر اٹھایا تھا اور میرا چہرا اپنے سخت فولادی پنجے میں جکڑ کر اپنے نزدیک کرتے ہوئے غرانے کے انداز میں بولے تھے۔

''ایک بات کان کھول کر سن لو تم! مجھے ہر صورت آج کی تاریخ میں سالا صاحب کو نیچا دکھانا ہے ہر قیمت پر اس پر اپنی برتری اور فتح واضح کرنی ہے۔ اگر تم نے وہاں جا کے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہیں پہلے ہی بتا رہا ہوں کہ آج تم پھر اپنے لاڈلے بھیا کی شکل زندگی میں آخری بار دیکھو گی۔ صرف تم ہی نہیں اس کی کم عمر حسین بیوی اور تمہارے باقی گھر والے بھی۔ اس کے بعد وہ زندہ نہیں بچ سکے گا۔ اور مجھے کچھ نہیں کہنا اب چلو میرے ساتھ۔''

اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے حقارت بھرے انداز میں مجھے جھٹک دیا تھا۔ پھر سب کچھ ویسا ہی ہوا تھا جیسا انہوں نے چاہا۔ اس عدالت میں ایک مرتبہ میں پہلے بڑے بھیا کے ساتھ گئی تھی۔ تب ابوداؤد نے بڑے بھیا کو ایک چیلنج کیا تھا۔ آج وہ اس چیلنج کو پورا کر چکے تھے۔ خوش میں اس روز بھی نہیں تھی مگر جتنی مجروح آج تھی جتنا آج دل مجروح تھا یہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہاں کون تھا میرے اپنوں میں سے۔ میں نے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ابوداؤد کے حق اور بھیا اور اپنے گھر والوں کے خلاف بیان دیتے وقت میرے اپنوں کے میرے لیے کیا تاثرات تھے۔ میں نے دیکھنے کی خواہش نہیں کی۔ ایک سناٹا تھا جو اطراف میں تھا ماحول پر چھا گیا تھا۔ ایک سناٹا تھا جس نے میرے اندر بسیرا کیا تھا۔ ایک جامد چپ تھی جو میرے ہونٹوں پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔ واپسی پر ابوداؤد بہت خوش تھے اس خوشی کا اظہار انہوں نے اپنے انداز میں مجھ سے محبت جتلا کر کیا مگر میری خاموشی نہیں ٹوٹی مجھے لگا میں آج واقعی مر گئی ہوں۔ آخری بار...... چلو شکر ہے اب مجھے دوبارہ اور بار بار مرنا تو نہیں پڑے گا۔ اس بار کی موت میں بھی بہت اذیت ہوتی ہے۔ یہ وہی جان سکتا ہے جس نے موت

کو بار بار سہا ہو برداشت کیا ہو۔

☆☆

ہاں سنو دوستو
جو بھی دنیا کہے اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں
ساری دنیا یہ کہتی ہے پربت پر چڑھنے کی نسبت اُترنا بہت سہل ہے
کس طرح مان لیں؟
تم نے دیکھا نہیں
سرفرازی کی دھن میں کوئی آدمی
جب بلندی کے رستے پر چلتا ہے تو
سانس تک ٹھیک کرنے کو رکتا نہیں
اور اسی شخص کا عمر کی سیڑھیاں اترتے ہوئے پاؤں اُٹھتا نہیں
اس لیے دوستو جو بھی دنیا کہے اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں
ہم کھلی آنکھ سے جو بھی کچھ دیکھتے ہیں وہ ہوتا نہیں
راستے کے لیے
آدمی اپنے خوابوں کو بھی کاٹ دیتے ہیں لیکن!
سلگتا ہوا راستہ پھر بھی کٹتا نہیں۔
اس لیے دوستو جو بھی دنیا کہے اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں

میں نے پڑھا تھا۔ مرد کی ذات ایک سمندر سے مشابہہ ہے۔ اس میں ہمیشہ پرانے پانی بھی رستے بستے ہیں اور نئے دریا بھی آ کر گلے ملتے ہیں۔ سمندر سے پرانی وفا اور نیا پیار علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ان دونوں کے لیے کٹ مرے گا۔ لیکن عورت جھیل کی مانند ہے جس کا ہر چشمہ اس کے اندر سے ہی نکلتا ہے۔ ایسے میں جب جھیل کی زندگی اور ہے اور سمندر اور طرح سے رہتا ہے۔ تو ان دونوں کا ہمیشہ یکجا رہنا کس قدر مشکل ہے۔ مچھلی اور ابابیل کے بجوگ کی طرح ان میں ہمیشہ نظریئے کے اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ میرے اور اس کے بیچ بھی وجہ اختلاف تھی۔ وہ شبنم تھی۔ میں شعلہ، وہ پانی تھی میں آگ۔ یہ اس کی مہک تھی جس نے مجھے جکڑ لیا تھا۔ تب جب میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا۔ پھر میں نے اسے سلگا دیا وہ اور بھی مشکبوہ ہوگئی اتنی زیادہ کہ میرے حواسوں پر کچھ اس طرح چھائی کہ مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ میں بتاؤں وہ مجھے کتنی اچھی لگنے لگی تھی کہ اس کے بغیر زندگی ادھوری اور بے معنی لگنے لگی۔ مگر نہیں یہ تو شاید داستان کا اختتام ہے۔ اگر میں نے یہاں سے شروع کر دیا تو آپ اُلجھے رہیں گے۔ تعلقات کے ریشم میں پنہاں رشتے ریشم ہی تو ہوتے ہیں۔ نرم گداز لچھوں کی طرح ہر تند الگ الگ اور سلجھا ہوا اپنی اپنی جگہ پر جتنا بھاتا ہے اگر باہم اُلجھ جائے گنڈ مڈ ہو جائے تو اتنی

ہی کوفت الجھن اور بے زاری ہوتی ہے دیکھ کر۔ ایسے میں اگر نرمی احتیاط سے سلجھانے کی بجائے عجلت اور جھنجلاہٹ میں پکڑ کر کھینچ تان کی جائے تو تند ٹوٹ جاتے ہیں بکھر جاتے ہیں اور باقی کچھ نہیں بچتا میں نے بھی یہی غلطی کی میں نے بھی جھٹک دیا توڑ دیا۔ اور اور سب بکھر گیا۔

افوہ میں پھر کہانی کے اختتام میں اُلجھ گیا۔ میں شروع سے بتاتا ہوں جب اس کہانی کا آغاز ہوا۔

میں ابو داؤد ہوں اس کہانی کا دوسرا اہم کردار آپ جانتے ہیں نا مجھے؟

یہ ان دنوں کی بات ہے۔ جب میں کالج سے نیا نیا یونیورسٹی میں گیا۔ ہم جیسے پینڈو اسٹوڈنٹس کے لیے تو اسکول کے بعد کالج ہی ایک عجوبہ تھا۔ ایک نئی خود مختار آزاد دنیا جو اتنی پیاری تھی کہ ہم تب ہی آپے سے باہر ہو گئے تھے۔ اکثر کلاسز بنک کرتے اور گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو کر لڑکیاں تاکتے، آوازے کستے اور کسی ایک آدھ پری وش کو با حفاظت ڈائیلاگز کی بوچھاڑ میں اس کے گھر تک بھی پہنچا کر آتے۔ مگر یہ یونیورسٹی تھی۔ مخصوص یونیفارم کی قید سے آزاد طرحدار پری وشوں اور مہ نازوں کے جلوؤں سے بھری ہوئی۔ میرے تو صحیح معنوں میں وہاں آ کر چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ ہم جو خود کو شاید افلاطون سمجھنے لگے تھے۔ وہاں اکثر بے حد پر اعتماد اور مین ٹین لڑکے لڑکیوں کے کسی نہ کسی مذاق کا نشانہ بن جاتے۔ مگر ہم پھر بھی خود کو ایک چیز سمجھنے سے باز نہیں آتے تھے۔ میں گاؤں کے ماحول میں پلا بڑھا تھا۔ بابا نے بچپن میں مجھے اپنے بے اولاد بھائی کو دے دیا تھا۔ جو وسیع جاگیروں کے مالک تھے۔ تاؤ تائی یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ تب وہ وسیع جاگیریں میرے نام منتقل ہو چکی تھی۔ محض سترہ سال کی عمر میں میں اپنے بابا سے زیادہ صاحب جائیداد تھا اور قد میں صرف چار فٹ ایک انچ سترہ سال کی عمر تک میرا قد چار فٹ سے نہیں بڑھ سکا۔ اسی چھوٹے قد کی وجہ سے لوگوں نے مجھے ٹیڈی کے نام سے مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔ میرے گھر والوں کا خیال تھا میں موچھا (بونا) رہ گیا تھا۔ مگر میری عمر کا اٹھارواں سال جب میں میٹرک کا امتحان دے کر فارغ تھا حیرت انگیز ثابت ہوا۔ میرا وہ قد جو پچھلے دس سالوں سے ویسے ہی رکا ہوا تھا جو بڑھنا شروع ہوا تو چھ فٹ پر بھی نہیں رکا۔ سوا چھ فٹ قد کے ساتھ اگر مجھے کوئی فائدہ ہوا تھا تو نقصان اس سے بھی زیادہ سامنے آیا۔ کہ اب میں بونا تو نہیں رہا۔ البتہ میری قابل رشک صحت خطرناک حد تک سوکھے پن میں بدل گئی۔ اب میں شہتیر کی طرح لمبا اور سوکھا ہوا تھا اتنا کہ اس لمبائی سوکھائی اور رنگت کی سیاہی کی بدولت اکثر مذاق کا نشانہ بننے لگا۔ میں جس میں اعتماد تو پہلے بھی نہیں تھا کچھ اور بھی عدم اعتماد کا شکار ہو کر رہ گیا۔ کالج کے بعد یونیورسٹی میں مجھے مشکلات کا سامنا یوں بھی ہوا کہ یہاں چالاک مکار لڑکے ہی نہیں ویسی ہی تیز طرار لڑکیاں بھی تھیں۔ حسین خوبصورت اور طرحدار۔ جن کی جانب ظاہر ہے دل تو میرا بھی کھینچا کرتا تھا۔ شکل وصورت کے برعکس میں فطری تقاضوں سے مبرا تو نہیں ہو سکتا تھا نا۔ اور یہ دل پہلی بار اگر کسی لڑکی کے لیے باقاعدہ دھڑکا تو وہ سبرینہ تھی۔ میری پھپھی زاد سبرینہ علی شیر جسے دکھا کر میری اماں نے ایک بار میرے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔ ”یہ ہمارے خاندان کی سب سے سوہنی کڑی ہے اور اسے میں ہر قیمت پر تیری دلہن بناؤں گی۔“

خوبصورت آنکھوں سیاہ گھنیرے بالوں اور موم کی گڑیا جیسی وہ قیامت خیز حسن کی مالک تھی۔

جسے اس دن سے میں نے شعوری یا لاشعوری طور پر اپنی ملکیت سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات اماں نے مجھ سے تب کہی تھی جب ہم خاندان کی ایک تقریب میں مدعو تھے۔ اور میں فرسٹ ائیر کا اسٹوڈنٹ تھا تب وہ بے حد شوخ تتلی جیسی لڑکی مری کانونٹ میں پڑھتی تھی۔ فرفر انگلش بولتی ہوئی۔ میں کیا اس کے پیچھے تو خاندان کا ہر کا اا پیلا لڑکا لگ گیا تھا مگر وہ شاید ہم جیسوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتی تھی لیکن یہ کوئی بددل یا مایوس ہونے والی بات نہیں تھی۔ میری اماں کے گھڑکے سے جو واقف تھے وہ جان سکتے تھے کہ ان کے منہ سے نکلی بات حرف آخر ہوا کرتی ہے۔ سو سے زیادہ مربعے کے مالک بیٹے کی ماں تھی وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ خاندان میں اس کی ٹور تھی ایک ٹہکا تھا۔

خیر ذکر سبرینہ کا ہو رہا تھا۔ سبرینہ سے میری دوسری ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی۔ اس کا تصور تو ان تین چار سالوں میں ہر لمحہ میرے تصور میں بسا تھا جبھی اسے پہچاننے میں مجھے ایک لمحہ نہیں لگا تھا۔ وہ ویسی ہی تھی۔ بے حد پر اعتماد اور شوخ وشنگ۔ کتنے دوست تھے اس کے اسی کی طرح امیر طرحدار پر اعتماد اور شوخ۔ جن میں لڑکے یا لڑکیوں کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ میں اسے دور دور سے دیکھا کرتا۔ پاس جا کے بات کرنے کا حوصلہ مجھ میں ناپید رہتا۔ مجھے یہ خدشہ لاحق رہا کرتا اگر اس نے تعارف کے باوجود مجھے نہ پہچانا تو کیا ہوگا۔ مجھے یہ احساس طمانیت بخشتا رہتا کہ وہ جلد یا بدیر میری ہی ہوگی۔ خوابوں میں تو میں ابھی بھی اس پر حکمرانی کرتا تھا۔ وہ میرے لیے کھانا بناتی تھی کپڑے دھوتی تھی۔ میرے کام کرتی تھی۔ ملازماؤں کی فوج کے باوجود میں اس معاملے میں بڑا دقیانوسی تھا ہر کام بیوی سے کرانا میرا بھی شوق تھا۔ یا شاید ہر مرد کا ہوتا ہے۔

مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے انداز ہو رہا تھا۔ سبرینہ کو دور سے دیکھ کر میری تسلی نہیں ہو رہی۔ دل کے تقاضے کچھ اور تھے۔ اب میں خوابوں سے نکل کر حقیقت میں بھی اس پر حکمرانی کا خواہاں تھا۔ پھر سب سے بڑی بات اس کے دوست تھے۔ جن میں لڑکے بھی شامل تھے۔ وہ ان سے بے تکلف تھی۔ ہنستی بات کرتی تھی۔ میرے جیسے غیرت مند جوشیلے لڑکے کے لیے یہ ناقابل برداشت بات تھی کہ میری ہونے والی بیوی مختلف لڑکوں سے میل ملاقاتیں کرتی پھرے۔ یہ بے چینی کبھی کبھی طیش میں بھی بدل جاتی۔ انہی دنوں جب میں اماں سے بات کرنے والا تھا گاؤں جا کے، وہاں سے مجھے ان کی بیماری کی خبر آ گئی۔ میں حویلی پہنچا تو اماں کی حالت بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ بستر مرگ پر اماں کو آخری سانسیں لیتے دیکھنا میری برداشت کا بہت کڑا امتحان تھا۔ اس روز اماں کی موت پر میں بہت رویا تھا۔ مجھے اگلے کئی دنوں تک صبر نہیں آ سکا تھا۔ اماں نے مجھے اتنی محبتیں دی تھیں کہ مجھے کبھی کسی اور رشتے کی ضرورت ہی نہ پڑ سکی تھی۔ اماں کے چہلم کے بعد میں واپس کراچی آ گیا۔ یونیورسٹی آ جانے کے باوجود میں جیسے اماں کی یاد سینے سے لگائے پھرتا تھا۔ وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ میں بھی سنبھل گیا۔ بس یہ قلق رہ گیا تھا کہ اماں سبرینہ کو میری دلہن بنانے کی خواہش پوری نہ کر سکیں۔ دھیرے دھیرے یہ خلش بھی جاتی رہی سب کچھ معمول پر آ گیا۔ سبرینہ کے لیے میری دیوانگی کچھ اور

بڑھ گئی تھی۔ وہ انگلش کے مضامین میں ماسٹرز کر رہی تھی جبکہ میں پٹیکل سائنس کا اسٹوڈنٹ تھا مگر میں گھنٹوں انگلش ڈیپارٹمنٹ جا کر وہاں سبرینہ کی ایک جھلک کا منتظر رہا کرتا۔ پھر انہی دنوں مجھ پر وہ تکلیف دہ انکشاف ہوا تھا۔ جس نے مجھے وحشت زدہ سا کر ڈالا۔

عون مرتضیٰ جو اپنی بے حد ڈیشنگ پرسنالٹی کے باعث پوری یونیورسٹی میں اپنی ذہانت قابلیت کی وجہ سے مشہور تھا۔ وہ سبرینہ کے لیے بے حد خاص اہمیت کا حامل تھا۔ ساری یونیورسٹی کی لڑکیاں اگر عون مرتضیٰ پر مرتی تھیں تو کیا ضروری تھا ان میں ایک سبرینہ بھی ہوتی۔ کیا ضروری تھا عون مرتضیٰ ساری لڑکیوں کو چھوڑ کر اگر کسی کو اپنی نگاہ التفات سے نوازتا تو وہ سبرینہ ہی ہوتی۔ یہ ضروری نہیں تھا مگر ایسا ہو گیا تھا اور جب ایسا ہو گیا تھا تو پھر عون مرتضیٰ اس گستاخی کا مرتکب ہونے کے بعد میرا دوست کیسے رہ سکتا تھا۔ عون مرتضیٰ کے ساتھ اپنی منگیتر اور ہونے والی بیوی کا گھومنا پھرنا میرے طیش کو آواز دیتا رہتا مگر میں اس طیش کو دبائے رکھنے پر بھی مجبور تھا۔ اس میں شک نہیں تھا کہ عون مرتضیٰ کی ایک حیثیت تھی۔ وہ ہر دلعزیز تھا۔ یہ جامعہ تھی۔ کوئی ہمارا گاؤں یا حویلی نہیں تھی جہاں میرا حکم یا راج چلتا ہو۔ مجھے برداشت کرنا ہی تھا۔ البتہ میں ہر وقت جلتا کڑھتا سبرینہ کو عون سے چھیننے کی ترکیبیں سوچتا رہتا۔ بالآخر ایک طریقہ میرے ذہن میں آ گیا تھا۔ میں نے گاؤں جا کر بابا کو بتانے کا فیصلہ کیا۔ شادی نہیں تو کم از کم اب باقاعدہ منگنی ضرور ہو جانی چاہیے تھی۔ سبرینہ کو میری اہمیت کا تو اندازہ ہوتا۔ اگلے روز ہی میں گاؤں حویلی پہنچ گیا۔ مگر ان دنوں شاید میرے ستارے ہی گردش میں تھے۔ یا پھر یہ ایک بڑا بگاڑ ہونا طے ہو چکا تھا کہ حالات موافق ہونے کی بجائے بگڑتے چلے گئے۔ حویلی پہنچ کر مجھے شاک لگا تھا۔ بابا دوسری شادی کر چکے تھے اور ایک ہٹی کٹی خرانٹ عورت حویلی میں میری اماں کی جگہ لے چکی تھی۔ صرف وہی نہیں اس کے رنگ برنگے چار پانچ بچے بھی حویلی میں دندناتے پھرتے تھے۔ یہ میرے قہر کو آواز دینے والی بات تھی۔ میں نے حویلی میں خوب ہنگامہ مچایا بابا سے تو تکار جھگڑے تک جا پہنچی۔ پتا چلا تھا کہ بابا یہ شادی کئی سال سے کیے ہوئے تھے بس اماں کی وجہ سے چھپا رکھی تھی۔ میں نے بابا کی بیوی بچوں کو حویلی سے چلتا کیا اور بابا کو سختی سے اس حویلی میں انہیں گھسانے سے منع کرتا ہوا اسی جھنجھلاہٹ میں واپس آ گیا۔ سبرینہ کو پانے کی جو تھوڑی بہت امید بچی تھی۔ وہ بھی اندھیرے میں ڈوب گئی کہ بابا سے جیسے اب میرے تعلقات تھے ان میں بابا سے یہ بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بالآخر میں نے خود سبرینہ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جو بھی تھا اب میں مزید صبر کر سکتا تھا نہ عون مرتضیٰ کی دیدہ دلیریاں برداشت کر سکتا تھا۔ ان دنوں ہمارے فائنل ایگزیم قریب تھے مگر میں پڑھائی کی بجائے سبرینہ کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں تھا۔ میں جانتا تھا لڑکیاں دولت مند امیر لڑکوں کو شادی کے لیے پسند کرتی ہیں۔ میرے پاس عون مرتضیٰ جیسی متاثر کن شخصیت نہیں تھی مگر دولت بہت زیادہ تھی میں اسی دولت سے سبرینہ کو عون سے چھین سکتا تھا۔ میں نے کچھ سوچا پھر فیصلہ کر لیا۔ اگلے دن میں نے کراچی کے سب سے مہنگے جیولر شاپ سے پلاٹینم کی ڈائمنڈ سے مزین رنگ سبرینہ کے لیے پسند کی تھی۔ میرا ارادہ سبرینہ کو اپنا تعارف کروا کے اسے پرپوز کرنے کا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اب جو بھی کرنا تھا مجھے خود ہی کرنا تھا۔

اگلا دن میری زندگی کا بے حد اہم دن تھا۔ میں اس روز خصوصی طور پر تیار ہو رہا تھا۔ جینز کے اوپر کھدر کا کرتا پہن کر میں نے بالوں کو سلیقے سے جمایا تھا۔ اور آدھی بوتل پرفیوم کی خود پر انڈیل کر میں بہت ترنگ میں یونیورسٹی آ گیا۔ میرے کرتے کی جیب میں موجود ڈائمنڈ رنگ مجھے بے پناہ اعتماد بخش رہی تھی۔ اس کی موجودگی کے باعث یقیناً سبرینہ مجھے رد نہیں کر سکتی تھی۔ اس روز انگلش ڈیپارٹمنٹ کے باہر خوش قسمتی سے مجھے سبرینہ کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ شانوں پر جھولتے کٹے ہوئے ریشمی بالوں کو جھٹکتی وہ اپنے دھیان میں مگن میرے پاس سے گزر کر آگے بڑھ رہی تھی جب میں بہت سرعت سے اسے پکارتا ہوا اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''ایکسکیوز می مس سبرینہ!''

میں نے اس کا راستہ روک کر اسے مخاطب کیا تو بے تکلفی کے اس مظاہرے پر اس نے بھنویں سکوڑ کر کسی قدر حیرانی سے مجھے دیکھا۔

''آپ فری ہیں تو میرے ساتھ چائے پینے چلیں۔ مجھے آپ سے کچھ بات بھی کرنی ہے۔''

میرے خیال میں یہ ایک مہذبانہ آفر تھی۔ عون مرتضٰی کے ساتھ میں نے اسے یونیورسٹی کنٹین میں ہی نہیں متعدد بار ریسٹورنٹس میں بھی دیکھا تھا۔

''سوری میرا چائے کا موڈ نہیں ہے۔ کیا بات کرنی ہے بولو؟''

اپنی سڈول کلائی پر اسٹائلش سی نازک رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے اس نے جیسے بادل ناخواستہ کہا اس کے بے نیاز قسم کے تاثرات اور وہی ازلی اعتماد مجھے نروس کرنے لگا تھا۔ مگر میں اس اہم موقع کو گنوانے کا رسک بھی نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے خود کو کمپوز کیا اور کرتے کی جیب ٹٹول کر دل شیپ بلڈ ریڈ کلر کا وہ ننھا سا کیس نکال لیا جس میں بے حد مہنگی انگوٹھی تھی۔

''یہ یہ آپ کے لیے ہے۔ ایکچوئلی آ آپ مجھے اچھی لگتی ہو۔ مم میں آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔''

ایک بار پھر میرا اعتماد ڈانواں ڈول ہو گیا تھا۔ میری ہکلاہٹ نے مجھے بتا دیا تھا۔ میرے ہاتھ کی انگلیوں میں دبے کیس پر انگلیوں کی لرزش بے حد واضح تھی۔ سبرینہ کی حیرت سے ساکن آنکھوں میں کیا کچھ نہ تھا۔

غیر یقینی۔ تحیر استعجاب۔

پھر اس نے مجھے بغور دیکھا۔ اور ایک دم ہنس پڑی۔ میں خوشی و مسرت سے گنگ ہونے لگا۔ میرا اندازہ بالکل درست تھا۔ دولت میں بڑی طاقت تھی۔ میں نے اپنی سوچ کو داد دی۔ ابھی میں ڈھنگ سے خوش بھی نہیں ہو پایا تھا کہ سبرینہ کی آواز نے مجھے بھک سے ہواؤں میں اڑا دیا۔ مجھے لگا میری سماعتوں نے غلط سنا ہے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ ابھی وہ ہنسی تھی۔ یعنی خوش تھی۔

''تم نے کبھی اپنی شکل دیکھی ہے؟''

اس نے شاید میری شکل پر برستی حیرانی کو پا لیا جبھی اپنی بات کو دہرایا تھا۔ مگر اس مرتبہ اس کا لہجہ صرف تمسخرانہ نہیں تھا۔ وہ زہرخند سی پھنکاری تھی۔

''جی!!''

میں چکرا سا گیا تھا۔ احمقوں کی طرح آنکھیں پھاڑ کر اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگا۔ وہ پھٹ پڑی۔

''جی نہیں کہو۔ اگر دیکھی ہوتی تو تم یہ حماقت نہ کرتے۔ نان سنس! ناؤ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر!''

یہ الفاظ نہیں تھے۔ توپ کے گولے تھے۔ جنہوں نے میرے وجود کے پرخچے اڑا کے رکھ دیئے۔ اس سے قبل میں کبھی اتنا ہرٹ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت بھی نہیں جب چھوٹے قد کی وجہ سے لوگ مجھے ٹیڈی، کوڈو اور بونے جیسے گھٹیا ناموں سے پکارا کرتے تھے۔ سبرینہ مجھے ذلیل کرنے کے بعد وہاں سے جا چکی تھی۔ پھر یہ سلسلہ اگر وہیں پر ختم ہو جاتا شاید تب بھی ٹھیک تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ چند روز اس سوگ میں مبتلا رہنے کے بعد جب میں یونیورسٹی آیا تو عون مرتضٰی جیسے میرا ہی منتظر تھا۔ میں کلاس اٹینڈ کرنے کی بجائے برگد کے بوڑھے پیڑ کے چوڑے تنے سے ٹیک لگائے سر جھکائے بیٹھا گھاس کے تنکے سے کچی زمین پر اپنے نام کے ساتھ سبرینہ کا نام لکھنے میں مگن تھا جب خشک پتوں پر کسی کے قدموں کی آہٹ پا کر بھی چونکے بنا اپنے کام میں محو مگن رہا تھا۔ اس کام میں خلل تب پڑا جب میرے ہاتھ کے اوپر ایک چمکدار سیاہ بوٹ آ کر جم گیا۔ میں نے ٹھٹک کر سر اونچا کیا۔

بلیو جینز پر سفید براق شرٹ پہنے عون مرتضٰی کے وجیہہ خوبرو چہرے پر غیض و غضب کی لالی تھی۔

''ہاؤ ڈیئر یو؟''

انگشت شہادت سے مجھے اُٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ غضبناک انداز میں غرایا۔

''اپنی اوقات سے واقف ہو دو ٹکے کے انسان! سبرینہ کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی تمہاری جرأت کیسے ہوئی۔ بولو۔ بتاؤ؟''

میرے گریبان میں ہاتھ ڈال کر مجھے اپنے مقابل کرنے کے بعد اس نے پے در پے مجھے کئی تھپڑ مارے تھے۔ میرا گریبان بدستور اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ لمبا تڑنگا اور تندمند تھا جبکہ میں اسی قدر منحنی اور نحیف اس نے صحیح معنوں میں مجھے فٹ بال بنا کر ٹھوکروں کی زد پر رکھ لیا۔ اتنی تکلیف مجھے عون مرتضٰی کی ٹھوکروں اور گھونسوں نے نہیں دی جتنی اطراف میں جمع ہونے والے اسٹوڈنٹس کے تماشائی مجمع نے۔ ان میں کوئی ایک بھی میرا حامی نہیں تھا۔ وہ سب عون مرتضٰی کے دوست اور پرستار تھے۔ سبکی، توہین، بے بسی، غم و غصہ اپنی جگہ مگر اس پل میں ہر طرح سے شکستہ اور کمزور تھا۔ چاہنے کے باوجود میں اپنا دفاع نہ کر سکا اور عون مرتضٰی نے مجھے تنکے کی طرح مسل کر رکھ دیا۔

''عون لیٹس موو۔ سر جاوید از ہیئر۔ انہیں اس ہنگامے کی اطلاع مل گئی ہے۔ کوئیک کم آن؟''

میں نیچے گرا ہوا تھا جب میں نے مجمع میں سے کسی کی بدحواس تیز آواز سنی تھی۔ مجمع تیزی سے چھٹنے لگا۔ عون مرتضٰی نے مجھے ایک بار پھر ٹھوکر ماری اور مجھے زندگی بھر سبرینہ سے دور رہنے کا حکم دیتا وہ بھی پلٹ کر کہیں غائب ہو گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے یاد نہیں۔ شاید میں اس درجہ سبکی کے سامنے ہمت ہار کر حواس کھو گیا تھا۔

پھر وہ یونیورسٹی میں میرا آخری دن ثابت ہوا۔ اس درجہ ہتک اور تضحیک آمیز سلوک کے بعد عون مرتضیٰ کے ساتھ ساتھ پوری جامعہ میں بھی میں گویا کسی کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا پھر میری تعلیم اگر ادھوری رہ گئی تھی تو بھی وجہ عون مرتضیٰ تھا۔

اگر سبرینہ مجھے نہیں مل سکی تھی تو بھی اس کی وجہ صرف عون مرتضیٰ تھا۔

اپنے گھر میں کئی اگلے دن میں بھوکا پیاسا پڑا اپنی تذلیل اور شکست کا غم مناتا رہا تھا۔ بہت دنوں بعد جب میں ذرا سا سنبھلا تو بستر چھوڑ کر اپنے کمرے کے قد آدم آئینے کے سامنے آ کر رک گیا تھا۔ پتا نہیں میری آنکھوں میں اتنی تاریکیاں تھیں یا وہ آئینہ دھندلا گیا تھا۔ جو بھی تھا بہرحال مجھے اپنا عکس بہت بدصورت دکھ رہا تھا۔ یہ احساس بہت تکلیف دہ ہوتا ہے کہ آپ میں کوئی کمی ہے کوئی بہت بڑی خامی پھر وہ خامی بھی ایسی کہ جسے آپ چھپانے میں بھی ناکام رہیں۔ بھلا اس بدصورت چہرے کو میں دنیا کی نظر سے کیسے چھپا سکتا تھا۔ اس روز میں اماں کے مرنے کے بعد اور بڑے ہونے پر دوسری مرتبہ رویا۔ پھوٹ پھوٹ کر۔

تڑپ تڑپ کے
بچوں کی طرح بلکتے ہوئے

اس روز میرے نزدیک خود مجھ سے زیادہ کوئی اور قابل رحم نہیں تھا۔ گہری سانولی رنگت، اندر کو دھنسی آنکھیں نحیف کمزور سا لاغر چہرا۔ سوکھا چرخ جسم یہ سب میرے لیے نئے اور انوکھے تو نہیں تھے۔ مگر پھر بھی مجھے ایک احساس دھچکا پہنچا رہا تھا۔ انجانے درد میں مبتلا کر رہا تھا۔ اگر میں ایسا نہ ہوتا تو سبرینہ مجھے کبھی ذلیل نہ کرتی۔

اگر میں ایسا نہ ہوتا تو عون مرتضیٰ مجھے کبھی اس طرح دھنک کے نہ رکھ دیتا۔

پچھتاوے کے ناگ مجھے لمحہ لمحہ ڈنگ مار رہے تھے۔ تب میں نے اس روز کوشش سے اپنی قسمت بدلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انجام سے قطعی بے نیاز رہ کر۔ میرا سب سے پہلا ٹارگٹ اپنی ذات کا بدلاؤ تھا۔

☆☆

سب سے پہلے میں نے ڈاکٹر سے مشورہ کیا کچھ میڈیسن کے ساتھ میں نے بہترین ڈائٹ کے ساتھ جم بھی باقاعدگی سے جوائن کرلیا۔ خود کو بہتر بنانے اور بدلنے کی مجھ پر ایک دھن سوار ہو چکی تھی۔ جو کسی حد تک جنون کا انداز اختیار کر رہی تھی۔ میں پاگلوں کی طرح ویٹ بڑھانے مسلز ابھارنے والی مشینوں کے ساتھ مصروف رہنے لگا۔ خواہش کوئی بھی ہو۔ جنون کا رخ اختیار کرے تو پھر راستے میں آنے والی چٹانیں بھی تنکے بن کر اڑ سکتی ہیں۔ میں نے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک سال بہت صبر آزما اور مشقت میں گزارا تھا میں نے۔ ایک سال بعد میں نے دل کڑا کر کے آئینہ دیکھا تھا۔ اور تنقیدی جائزہ لیتا رہا۔ کہیں بھی ایک سال پہلے والے ابو داؤد کی جھلک نہیں تھی۔ نقوش میرے جاذب نگاہ ہی تھے۔ سارا کام خراب حد سے بڑھے ہوئے سوکھے پن اور سانولی رنگت نے کیا تھا۔ ایک سال کی محنت رنگ لائی تھی۔ اب آئینے میں جو عکس تھا وہ ایک دراز قد ریسلر نما لڑکے کا تھا۔ جس کا چہرا پرکشش تر اور رنگت گندمی!

میں اپنے آپ کو دیکھ کر بہت خوش نہیں ہوا تھا۔ یہ پہلا ٹارگٹ تھا جسے میں نے اچیو کیا تھا۔ اصل اور اہم کام ابھی میرے پیش نظر تھا۔ اور وہ تھا عون مرتضیٰ سے بدلا چکانے کا کام۔

☆☆

میں نے اپنی گاؤں کی اراضی کا کچھ حصہ فروخت کیا اور بزنس کا آغاز کر دیا۔ امپورٹ ایکسپورٹ کے کام کا مجھے کوئی اتنا خاص تجربہ نہیں تھا مگر میں نے شروع میں نقصان کو برداشت کیا اور کام جاری رکھا اگلے ایک سال مزید کاروبار کے ساتھ میں نے اپنی پچھلے سال کی روٹین (جم اور اچھی ڈائٹ) میں فرق نہیں آنے دیا تھا۔ بزنس کے دوسرے سال نقصان کی جگہ منافع نے لی جو ہر گزرتے دن کے ساتھ دوگنا چوگنا ہوتا چلا گیا۔ نظام قدرت ہے وقت کی گردش بدلتی رہتی ہے۔ کل مجھ پر اگر برا وقت تھا تو آج میرے لیے بہترین تھا کل دنیا مجھے مذاق کا نشانہ بناتی تھی۔ اب میری جانب رشک آمیز نظروں سے دیکھتی تھی۔ میں دولت مند تھا۔ پرکشش تھا۔ لڑکیاں دیوانہ وار مجھ پر نثار ہوا کرتیں۔ میں بھی شرافت کے جامے سے اکثر باہر ہوتا رہتا۔ اب میں وہ مرد تھا جس کے لیے کائنات تخلیق کی گئی ہے۔ جس کی راحت و تسکین کی خاطر ہی صنف نازک کو بنایا گیا ہے۔ یہ دنیا خوبصورت لوگوں کے لیے تھی۔ اور میں خوبصورت تھا۔ جبھی میں ہر خوبصورتی سے حصہ وصول کرنے لگا۔ میں سمجھتا تھا یہ میرا حق ہے میں ہر چیز فتح کر سکتا تھا دولت سے۔ اپنی ایک جنبش ابرو سے۔ میرے پاس دولت کی طاقت تھی۔ میرے گرد ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا۔ رنگین آنچلوں کی ہوا، رنگ و بو کا سیلاب رواں رہنے لگا۔ اور نقرئی قہقہوں کی جلترنگ۔ میں جہاں بھی جاتا سراہا جاتا۔ پسند کیا جاتا کیونکہ دولت کو میں نے ہمیشہ نہایت فراخدلی سے لٹایا تھا۔ مجھے کبھی احساس ہی نہ ہوا کہ میں خود کسی کو نہیں سراہتا۔ یا شاید کبھی سبرینہ والے واقعہ کے بعد اس کی نوبت ہی نہ آسکی۔ صنف نازک میں میں سنگ دل اور ہرجائی مشہور ہونے لگا۔ ڈال ڈال منڈلانا میری فطرت تھی یا عادت بن گئی تھی مجھے سوچنے کی فرصت کہاں تھی۔ لڑکیاں مجھے بے حس بھی کہتی اور مجھ پر فدا بھی ہوتی پھرتیں۔ میری زندگی میں لاتعداد لڑکیاں آئیں سبرینہ کے بعد مگر میں کسی سے محبت نہ کر سکا۔ مگر پھر کچھ عجیب ہو گیا۔ ایک دم پانسہ پلٹ گیا۔ فتح کرنے والا مفتوح ہو گیا۔ سراہے جانے والا خود کسی کو سراہنے لگا پہلے میں نے یہ مجبوری میں کیا تھا۔ جبراً محض مصلحت کے تحت مگر پھر پتا نہیں کیسے یہ میری ضرورت بنی اور پھر خواہش افوہ میں پھر کہانی کے اختتام پر جا پہنچا۔ آپ کو کیسے پتا چلے گا کہ وہ کون لڑکی تھی۔ کیوں مجھے مجبوراً اس کی جانب بڑھنا پڑا؟

ہاں وہ عون مرتضیٰ کی بہن تھی۔ اکلوتی بے حد چارمنگ حسین بہن! اس کا نام حجاب تھا۔

☆☆

حجاب سے پہلے میری ملاقات اس کے بھائی سے ہوئی تھی یعنی عون مرتضیٰ سے۔ میں اکثر بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر جاتا رہتا تھا۔ اسی سلسلے میں میں ان دنوں سری لنکا میں تھا جب ایک شاپنگ مال میں خریداری کرتے وقت میرا کسی سے زوردار تصادم ہو گیا تھا۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں میرے ہاتھ میں موجود

شاپنگ بیگز اور سیل فون جس پر میں اس وقت بات کرنے میں مصروف تھا زمین بوس ہو گئے تھے۔ اپنی اشیاء اٹھانے کی بجائے میں نے گھور کر ٹکرانے والے کو دیکھا تھا۔ تب ہی جیسے میرے ذہن میں عون مرتضٰی اپنی تمام تر اکھڑ بے نیازی اور خودسری کے ساتھ اسپارک کرنے لگا۔ ہاں وہ بلاشبہ عون مرتضٰی تھا۔ بلیک لانگ کوٹ اور بلیو جینز میں ہمیشہ کی طرح اسمارٹ، گڈلکنگ اور ڈیشنگ!

میں ساکن کھڑا تھا جبکہ وہ جھکا میری چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ پھر وہ سیدھا ہوا اور نہایت مہذبانہ انداز میں بہت شائستگی سے مجھ سے معذرت کی اور میرا سامان میری جانب بڑھا دیا۔ میں تب بھی پتھرائے ہوئے انداز میں کھڑا رہا۔ میری ساکن آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

”تم پاکستانی ہو؟“

اس نے مسکرا کر یہ سوال انگلش میں کیا تھا۔ تب میں چونکا اور بنا جواب دیئے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اسے وہیں حیران چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ میں جانتا تھا میں نے ایک غیر اخلاقی حرکت کی ہے۔ مگر یہ غیر اخلاقی حرکت اس غیر اخلاقی حرکت کے مقابل کچھ بھی نہیں تھی جو عون مرتضٰی کچھ سال پہلے یونیورسٹی میں میرے ساتھ کر چکا تھا۔

میری آنکھیں، میرا چہرا، میری روح حتیٰ کہ میری پور پور سلگ اُٹھی تھی۔ وہ ہزیمت، وہ سبکی، وہ توہین کچھ بھی بھولنے والا نہیں تھا۔ اس دن میرا موڈ رات گئے تک خراب رہا۔ یہ تین دن بعد کی بات ہے۔ میں سری لنکا کے ایسے ہوٹل میں موجود تھا جہاں پاکستانی کھانے دستیاب ہو جاتے ہیں چکن روسٹ میں بہت رغبت سے کھانے میں مصروف تھا جب میں نے ایک بار پھر اپنی زندگی کی سب سے ناپسندیدہ آواز سنی تھی۔

”ایکسکیوز می! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“

میں نے سر اونچا کیا۔ میرے روبرو عون مرتضٰی کا لمبا چوڑا سراپا تھا۔ آج وہ بلیو پینٹ کوٹ میں تھا اور اس سوٹ میں اس کی رنگت بے تحاشا چمک رہی تھی۔ مگر میرے حلق تک کڑواہٹ گھل گئی۔ چھری اور کانٹا پلیٹ میں زوردار آواز کے ساتھ پٹخ کر میں نے سلگتی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے سر کو نفی میں جنبش دے کر بداخلاقی کا ایک عظیم مظاہرہ بڑی بے نیازی سے کیا تھا اور خود جیکٹ کی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر سگریٹ سلگانے لگا۔

”اوہ اب تو میں ضرور بیٹھوں گا۔ چاہے آپ اجازت نہ دیں۔“

وہ بھرپور طریقے سے مسکرایا اور پچ کرسی کھینچ کر میرے مدمقابل بیٹھ گیا۔ میری تیوری چڑھ گئی۔ وہ آج بھی اتنا ہی پراعتماد نظر آتا تھا جیسا کبھی ہوا کرتا تھا۔ مگر مجھے اس کے اعتماد سے ہی نفرت تھی۔ مجھے اپنے چہرے سے بھاپ نکلتی محسوس ہوئی۔

”ویسے اس روز میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں تھی کہ آپ اتنا مائنڈ کر جائیں۔ جبکہ میں معذرت بھی کر چکا تھا۔“ وہ اب کے کسی قدر سنجیدہ تھا۔ میں تنفر بھرے انداز میں اُٹھا اس کی بات پر کان دھرنے کی میں نے قطعی

کوشش نہیں کی تھی۔ کرسی کو پیر کی ٹھوکر رسید کر کے میں کاؤنٹر کے پاس گیا۔ پے منٹ کرنے کے بعد میں لمبے ڈگ بھرتا ہوا گلاس ڈور تک پہنچا ہی تھا کہ عون مرتضٰی وہاں بھی عجلت میں لپکتا ہوا میری جانب آ گیا تھا۔

”پلیز مسٹر آپ میری بات تو سنیں؟“

اس نے کسی قدر زور دیا تھا اپنی بات پر میرا جی چاہا میں عون مرتضٰی کو اُٹھا کر باہر سڑک پر دے ماروں۔

”پلیز اس مس بی ہیوئیر کی وجہ بھی تو بتا دیں۔ ایکچوئلی میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے سے کسی کو خفا نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ میرے ساتھ ساتھ تیز تیز چلتا ہوا روڈ پر آ گیا تھا۔ اب یہ موقع تھا کہ میں اس پر اپنی نفرت کی وجہ آشکارا کرتا مگر میں چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر سکا تھا تو اس کی وجہ مجھے بعد میں سمجھ آئی تب جب میں نے اس کی اکلوتی بہن کو دیکھا تھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“

میں نے اپنی زبان سے اپنی کیفیت کے متضاد فقرہ ادا ہوتے سنا اور خود ہی جھنجھلا گیا۔ جبکہ عون مرتضٰی اسی قدر خوش ہونے لگا تھا۔

”اوہ ریئلی!“

وہ یوں بولا جیسے پتا نہیں کیسا بوجھ اتر گیا ہو سر سے۔ میں محض بے زار نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ میرا راستہ روکے کھڑا تھا۔ سر کھجا کر مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

”یار مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے جیسے میں آپ کو پہلے دیکھ اور مل چکا ہوں؟“

میرا حلق کڑواہٹ سمیت [illegible]یا۔ وہ مجھے پھر میرا تلخ اور ناگوار ماضی یاد کرا رہا تھا۔

لگتا تو مجھے بھی ہے لیکن یاد نہیں آ رہا۔

پتا نہیں میرے جواب اتنے مصالحانہ کیوں ہو رہے تھے۔ حالانکہ یہی وہ شخص تھا جسے میں نے کبھی رعایت سے نہیں سوچا تھا۔

”تو یار تم مجھے اپنا تعارف کراؤ نا؟ تمہارا نام کیا ہے؟ ویسے میں عون مرتضٰی ہوں۔“

اس کا انداز دوستانہ لب ولہجہ شائستگی لیے ہوئے تھا۔ مجھے تمام تر ناگواریت کے باوجود اس کا مصافحے کو بڑھا ہاتھ تھامنا پڑا تھا۔

”اپنا نام بتاؤ نا؟“

وہ مجھے گہری متبسم نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کی گرمجوش گرفت میں اپنائیت تھی۔

”ابوداؤد!“

میرا جواب مختصر تھا۔ میں نے اس کے تاثرات دیکھے تھے۔ وہ کچھ چونکا اور زیرلب میرا نام دہرایا۔

”ابوداؤد وہی نا جو بہت لمبا اور دبلا پتلا سا ہوا کرتا تھا اور......“

معاً وہ بات ادھوری چھوڑ کر خفیف سا ہو کر مجھے تکنے لگا۔ میں لب بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل گیا تھا۔

''سوری یار میں پہچان نہیں سکا تمہیں۔ تم ایک دم بدل گئے ہو۔ بہت ہینڈسم اور شاندار میں کیا کوئی اور بھی تمہیں اتنی آسانی سے ہرگز نہیں پہچان سکتا تھا۔''

پتا نہیں وہ کیوں خفت زدہ سا وضاحتیں پیش کر رہا تھا۔ میں تب بھی خاموش اور اکتایا ہوا کھڑا رہا۔

''اب میں جاؤں؟''

میرا لہجہ یقیناً طنزیہ تھا۔ جس پر دھیان دیے بنا اس نے کاندھے اچکا دیے تھے۔

''شیور، لیکن یار اگر تم مائینڈ نہ کرو تو مجھے پلیز ڈراپ کر دو۔ یہاں سے میرا اپارٹمنٹ کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔''

میں اپنی گاڑی کا لاک کھول رہا تھا۔ جب اس کی بے تکلفانہ انداز میں کی گئی فرمائش نے شدید ناگواری میں مبتلا کر دیا تھا۔ مگر میں ایک بار پھر جانے کیوں رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گیا تو وہ دوسری جانب سے گھوم کر فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ اس کے بتائے گئے راستے پر گاڑی ڈالتے ہوئے میں خاموش تھا وہی بولتا رہا۔ جس میں مجھے کام کی بات ایک بھی سننے کو نہ ملی تو میں نے جانا اسے بولنے کا خبط تھا۔

''آؤ نا؟ ایک کپ کافی ساتھ پیتے ہیں۔''

جیسے ہی گاڑی رکی وہ اصرار کرنے لگا۔ میرے ہزار منع کرنے کے باوجود وہ ضدی رہا تو میں اس وقت کو کوستا جب یہ مجھے ٹکرا گیا تھا گاڑی لاک کرتا اس کے ساتھ چلا آیا۔ اس کا اپارٹمنٹ فل کارپٹ اور بیش قیمت سامان سے آراستہ تھا۔ گو کہ سری لنکا میں میرا بھی اپارٹمنٹ تھا مگر اسے فرنشڈ کرنے کا خیال مجھے اس لیے بھی کبھی نہیں آیا تھا کہ میں کبھی کبھار وہاں آتا تھا وہ بھی بزنس کے سلسلے میں۔

''تم بیٹھو میں تمہارے لیے کافی بنا کر لاتا ہوں۔''

کورٹ اُتار کر جھٹکنے کے بعد ہینگ کرتے ہوئے اس نے ایک اچھے میزبان کی طرح خوش اخلاقی سے کہا تو میں کچھ کہے بنا بلیو مخملیں صوفے میں دھنس کر بیٹھ گیا۔ کمرے کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے میری نگاہ کارنس پہ رکھی اس فوٹو گراف میں اُلجھ گئی تھی جو خوبصورت سے فریم میں آویزاں تھی۔ وائیٹ شیفون کے کڑھائی والے سوٹ میں دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر پھیلائے وہ پندرہ سولہ سال کی بے حد پرکشش لڑکی کی تصویر تھی جس کی لانبی پلکوں والی آنکھوں اور معصوم آنکھوں میں خوفزدہ سی ہرنی کی آنکھوں کا تاثر ٹھہرا ہوا تھا۔ لانبے بے انتہا سلکی بال کانوں کے پیچھے سے ہو کر شانوں سے ہوتے پشت پر گر رہے تھے۔

''میری بہن ہے حجاب!''

میں تصویر کا جائزہ لینے میں مگن تھا۔ عون مرتضٰی کی آواز پر گڑبڑا سا گیا۔ وہ کافی کا مگ میری جانب بڑھائے ہوئے تھا۔

''ہم سب بھائیوں سے چھوٹی ہے اور اکلوتی بھی۔ جبھی بہت عزیز ہے ہم سب کو۔''

وہ بہت پیار اور شفقت سے اس کا ذکر کر رہا تھا۔ اور میرے حواس الرٹ ہو گئے تھے۔ عون مرتضٰی کو کیا پتا تھا اس نے مجھے اپنے گھر لا کے کیا غلطی کی تھی۔ اسے تو یہ بھی نہیں پتا تھا اس نے مجھے کیا کچھ نہ سوجھا دیا تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتا تھا اور اس کا کچھ نہ جاننا ہی میری کامیابی کی ضمانت تھا۔

☆☆

میں بزنس اور اپنی دلچسپیوں میں اتنا محو ہو گیا تھا کہ اپنی فیملی کو بالکل ہی بھول بیٹھا۔ بابا کے انتقال کی خبر نے مجھے جھنجھوڑا تھا اور میں ہر مصروفیت ترک کر کے گاؤں حویلی چلا آیا۔ وہاں سوتیلی اماں ان گزرنے والے سالوں میں مکمل حکمرانی اپنے اختیار میں لے چکی تھیں۔ داور بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ اور سنیہ بھابھی دن رات اماں اور بہنوں کے آگے تختہ مشق بنی ہوئی تھیں۔ میں نے سب سے پہلے داور بھائی کو حویلی سے نکالا۔ لاہور میں انہیں کوٹھی لے کر دی اور کاروبار کرا دیا۔ سنیہ بھابھی کو اماں اور آپاؤں کے ظلم و ستم سے نجات ملی تو میری احسان مند ہو گئیں۔ وہ لوگ اکثر مجھ سے ملنے آ جایا کرتے اور بھابھی ہر مرتبہ مجھے بہت خلوص سے شادی کا مشورہ دیا کرتیں۔ مگر میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ عون مرتضٰی سے اگلی ملاقات بھی اتفاقی تھی۔ وہ برسات کا سیزن تھا میں تقریباً چھ ماہ بعد داور بھائی اور بھابھی کے اصرار پر لاہور ان لوگوں سے ملنے آیا تھا۔ چند دن گزار کر جب واپسی کا قصد کیا تو ایک دم بارشیں شروع ہو گئیں۔ اگلے روز میری فارن ڈیلیگیشن سے بہت اہم میٹنگ تھی اور موسم کی خرابی کے باعث ہوائی سفر ممکن نہ رہا تھا۔ مجبوراً مجھے ٹرین کے ذریعے واپس آنا پڑا۔ داور بھائی مجھے اسٹیشن چھوڑنے ساتھ آئے تھے۔ کراچی جانے والی ٹرین کچھ لیٹ تھی اور چھاچھم برستا آسمان مسافروں کو بوکھلائے دے رہا تھا۔ بارش کے باعث سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے زبردستی داور بھائی کو واپس بھیجا اور خود ویٹنگ روم میں آ گیا۔ ایمرجنسی میں مَیں ٹکٹ بھی نہیں لے سکا تھا اب جیسے تیسے سفر کرنا تھا۔ انہی سوچوں میں گھرا ہوا میں اندر آیا تو میری پہلی نگاہ جس چہرے پر پڑی وہ عون مرتضٰی کا تھا۔ میں ہرگز بھی اس وقت اس سے ملنا نہیں چاہتا تھا جبھی کترا گیا کہ اس کی نگاہ ابھی مجھ پر نہیں پڑی تھی۔ اُلٹے قدموں پلٹتے ہوئے میں نے غیر شعوری طور پر مڑ کے دیکھا اور میری نگاہیں چند ثانیوں کو جم کر رہ گئیں تھیں۔

عون مرتضٰی کے ساتھ وہ نازک سی لڑکی حجاب کے سوا یقیناً اور کوئی نہیں تھی۔ بلیک اسٹالکش سے سوٹ پر فینسی شال اپنے گرد لپیٹے وہ اپنی تصویر سے کہیں بڑھ کر دلکش اور حسین نظر آ رہی تھی۔ چیونگم چباتے لاپرواہی سے کسی بات پر زور سے ہنستے اس لڑکی کی ہر حرکت سے بچپنا عیاں تھا۔ میں نے ہونٹ بھینچے اور پلٹ کر ویٹنگ روم سے باہر آ گیا۔ پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہوئے سگریٹ کے کش لیتے میں عون مرتضٰی سے ہونے والی اس اتفاقی ملاقات پر غور کرنے لگا۔ اس کا بار بار کا سامنا یونہی بے وجہ نہیں تھا۔ قدرت خود مجھے میری منزل کے قریب کر رہی تھی۔

چھٹا حصہ

برستی بارش میں خود سے غافل سا انداز لیے میں جانے کب تک ٹہلتا رہا تھا۔ جب کسی مضبوط ہاتھ کا لمس میرے شانے پر آ کر ٹھہرا تو میں ایک دم ساکن ہو گیا۔ عون مرتضیٰ کو روبرو پانا مجھے اپنے ضبط کا ہمیشہ امتحان لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا وہ شاید ٹک شاپ سے کچھ لے کر نکلا تھا کہ نگاہ مجھ پر پڑ گئی تھی۔

''ابوداؤد! واٹ اے سرپرائز یار!''

اس کا بشاش لہجہ بے حد خوشگواریت لیے ہوئے تھے

''تم یہاں کیسے؟'' وہ مجھے مسکرا کر دیکھتے استفسار کرنے لگا۔

''کراچی جا رہا ہوں۔''

میں نے سگریٹ پھینک کر جوتے سے مسلا اور رکھائی سے جواب دیا۔ میں نے سرسری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا بلیک ٹو پیس میں اپنی غضب کی اسمارٹنس کے ساتھ وہ خوبرو لگ رہا تھا۔ مگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو مجھ سے کم۔ وہ قد اور جسم میں مجھ سے پیچھے تھا۔ مگر اس کی شخصیت میں کچھ ایسا سحر تھا جو جکڑ لیتا تھا۔ جو مجھے بھی جکڑنے کی کوشش کرتا تھا میں اس کے سامنے خود کو مسمرائز ہوتا محسوس کیا کرتا اور یہی بات میری شدید جھنجھلاہٹ کا باعث بن رہی تھی۔ شاید میں لاشعوری طور پر آج بھی اس سے خائف تھا۔ یا پھر کہیں ذہن میں اس کی برتری کا احساس آج بھی موجود تھا۔ اور یہی بات مجھے خود پر تاؤ دلایا کرتی تھی۔

''یہاں بارش میں کیوں بھیگ رہے ہو؟ وہاں اندر آ جاؤ ہمارے ساتھ۔''

اس نے پھر اسی خلوص سے آفر کی جو شاید اس کی طبیعت کا خاصا تھا۔ مگر مجھے یہ سراسر اس کی منافقت لگتی تھی۔ جبھی میں نے نخوت بھرے انداز میں اس آفر کو اگنور کر دیا۔

''نو تھینکس! میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''جب تک ٹرین نہیں آ جاتی تم ہمیں جوائن کر و داؤ ڈنی میرے ساتھ ہے میں تمہیں اس سے ملواتا ہوں۔ بہت پیاری بچی ہے، چائے تو بہت ہی اچھا بناتی ہے۔ مگر خود نہیں پیتی۔''

وہ خود ہی بولتا رہا خود ہی ہنسا۔ میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ کچھ چپ سا ہو کر مجھے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ توجہ کے تمام تر ارتکاز لیے۔

''ابوداؤد!''

میں جو اسے یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھا اس کے لہجے میں کچھ محسوس کر کے متوجہ ہوا نہ چاہتے ہوئے بھی ''تم کچھ بھولے نہیں ہو نا؟''

بات ایسی تھی کہ میرا چہرا متغیر ہو کر رہ گیا۔ اس کا اس درجہ درست قیاس وہ بھی منہ پر کہہ دینا عون مرتضیٰ کا ہی خاصا ہو سکتا تھا۔

''اگر ایسا ہے تو میں تم سے باقاعدہ ایکسکیوز کر لیتا ہوں۔ آئی ایم ساری فار ڈیٹ یار! ذرا سی گنجائش رکھ کے سوچو وہ ہمارا بچپنا اور جذباتی عمر تھی۔ دماغ جوشیلے ہوا کرتے تھے۔ پھر بھی میں مانتا ہوں میں نے غلط بلکہ بہت غلط کیا تھا تمہارے ساتھ۔''

وہ کہہ رہا تھا۔ اور میں اس قدر شاکڈ تھا کہ گویا قوت گویائی کھو بیٹھا! کچھ وقت خاموشی کی نذر ہو گیا۔ وہ بارش میں میرے سنگ بھیگتا منتظر نظروں سے مجھے دیکھتا رہا تھا۔ اور میں تو جیسے پھر پانچ سال پیچھے چلا گیا تھا۔ وہی ذلت، وہی بے بسی، مجھے اپنے وجود پر چیونٹیوں کی گردش محسوس ہو رہی تھی۔

''تم نے کچھ کہا نہیں ابوداؤد!''

وہ مایوس ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ بے بس کر دینے والوں میں سے تھا۔ مگر اسے پتا نہیں تھا۔ میں اب بے بس ہونے والوں میں شمار نہیں ہوتا تھا مگر میں اپنا بنا بنایا کھیل بگاڑنا نہیں چاہتا تھا جبھی خود کو فی الفور سنبھالا اور بے ساختہ ہنس پڑا۔

''کم آن عون! تم غلط سوچ رہے ہو۔ اتنا کم ظرف نہیں ہوں کہ اس چھوٹی سی بات کو لے کر بیٹھا رہوں۔ سو ریلیکس! ٹیک اٹ ایزی یار!''

میں نے اس کا کاندھا تھپکا تھا اور بے حد نارمل انداز میں کہا بلکہ اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ اور میرے خیال میں عون مرتضیٰ سٹھیا ہی گیا تھا کہ اس نے میری بات کا یقین کر لیا تھا۔ پھر وہ مجھے اپنے ہمراہ اندر لے گیا۔

''کہاں رہ گئے تھے بھیا آپ؟ پتا ہے میں پریشان ہونے لگی تھی۔''

وہ مجھے نظر انداز کیے عون سے الجھنے لگی۔

''اُف آپ تو سارے ہی بھیگ گئے ہیں۔''

اس نے تشویش بھرے انداز میں کہا پھر جھک کر ایک بیگ کی زپ کھول کر شاید ٹاول ڈھونڈنے لگی تھی اور میں اسے گنگ سا دیکھتا چلا گیا تھا۔ میدے جیسی بے داغ دودھیا رنگت میں چاندنی کا سا اجلا پن اور چمک تھی۔ چمپے کی کلیوں کی سی نازک جلد میں اس کی کم عمری اور معصومیت کا مخصوص نکھار نگاہ کو ٹھٹھکائے دے رہا تھا۔ اُٹھتی گرتی ریشمی پلکوں کی جھالریں اور لانبے بالوں کی کچھ موٹی لٹیں جو شال سے نکل کر اس کے صبیح چہرے کے بوسے لے رہی تھیں۔ وہ سحر طاری کر دینے کی حد تک دلربا تھی۔ اسے اتنے قریب سے دیکھ کر میرے اندر کا انتقام کی آگ میں جھلستا ہوا مرد جیسے بے چین ہو گیا۔ عون مرتضیٰ سے اس سے بڑھ کر بھی کوئی انتقام لیا جا سکتا تھا

ـ اس کی عزت، محبت اور مان وزعم کو میں اپنے پیروں کی خاک بنا دیتا۔ اس حسین کانچ کی گڑیا جیسی لڑکی کو توڑ پھوڑ ڈالنے اور ریزہ ریزہ کر ڈالنے کا تصور ہی بڑا جاں افزا تھا۔ میرے ہونٹوں پر ایک جاندار مسکراہٹ بکھر گئی۔
عون مرتضیٰ نے میرا تعارف اس سے کروایا تھا۔ اس کی مجھ پر اٹھنے والی نگاہ میں وہی معصومیت بھری لاتعلقی تھی۔ وہ سرسری سا متوجہ ہونے کے بعد پھر عون سے باتیں کرنے لگی تھی۔ دونوں بہن بھائی کی محبت مثالی تھی۔ عون کے ہر انداز سے اس کے لیے محبت اور شفقت ٹپک رہی تھی۔ اس لڑکی کے ہر انداز میں اٹریکشن تھی۔ وہ بے حد خاص تھی میرے ٹارگٹ کی زد پر اب وہی تھی۔

☆☆

بہت عرصے بعد میں ایک بار پھر مضطرب ہوا تھا۔ عون مرتضیٰ سے میری لاسٹ ملاقات کو بھی چھ ماہ ہونے والے تھے مگر میں اس دوران کوئی بھی ایسی کارگر ترکیب نہیں لڑا سکا تھا جس کے نتیجے میں حجاب پر مکمل دسترس حاصل کر کے میں عون کو نیچا دکھا سکتا۔ مسلسل سگریٹ پھونکتے ہوئے میں اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ مجھے عون مرتضیٰ کو اس لڑکی کے ذریعے بے بس کرنا تھا۔ اس کی دکھتی رگ کو ہر ہر لمحے مسلنا تھا۔ تاکہ عون مرتضیٰ تڑپے چیخے روئے۔ مگر کیسے؟

میں چاہتا تو اپنا پروپوزل اس کے لیے بھیج سکتا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ بہت کم عمر تھی۔ مشکل سے اٹھارہ سال کی جبکہ میں تیس سال کا ہو چکا تھا۔ شاید عون کو اعتراض ہوتا۔ جبکہ میں ایک بار پھر اس سے انسلٹ کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اگر حجاب کو کڈنیپ بھی کرا لیتا تب بھی۔ میری اپنی ساکھ خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔ عون مرتضیٰ کے بھائیوں میں سے ایک نامور وکیل تھا جبکہ دوسرا ڈاکٹر۔ خود عون مرتضیٰ کا بزنس میں ایک ساکھ ایک نام تھا۔ یہ کام ہرگز آسان نہیں تھا۔ جبکہ میں عون کو معمولی زک تو پہنچانا چاہتا ہی نہیں تھا۔ لمحہ لمحہ کی موت اس کا نصیب بنانا ہی میری ازلی خواہش تھی۔ اس وقت میری سب سے بڑی الجھن یہی تھی جو سلجھ کے نہیں دے رہی تھی۔ اسی مسئلے میں اُلجھ کر میں بزنس کی جانب سے بھی غافل ہو رہا تھا۔ اور مجھے اس بات کی پرواہ بھی نہیں رہی تھی۔ اپنے بیڈروم میں بند میں سگریٹ پھونکتے ہوئے ٹہل رہا تھا جب ملازم نے مجھے ولید کی آمد کی اطلاع دی۔ ولید میرا بزنس پارٹنر تھا۔ چند ماہ قبل اس نے میری گارمنٹ فیکٹری میں اپنے شیئر انویسٹ کیے تھے۔ اس وقت میں ہرگز اس سے ملنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ملازم کو میں صاف منع کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ اسی دوران دندناتا ہوا وہیں گھس آیا۔ میں نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

''مجھے پتا ہے تم کسی ٹینشن میں مبتلا ہو۔ بہرحال مجھے بیٹھنے کا تو کہو ہوسکتا ہے میں تمہارے کسی کام ہی آجاؤں۔''

وہ چرب زبان تھا مجھے اسی خامی کی بدولت اکثر ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ میں نے تند نظروں سے اسے گھورا ''مجھے تمہاری کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جب تمہیں پتا ہے میں تم سے ملنا نہیں چاہتا تو تمہیں واپس چلے جانا چاہتے تھا۔''

سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا کر میں نخوت سے بولا تو وہ جواباً خفت سے دوچار ہونے کے بجائے بے شرمی اور ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

''دوست کیوں نہیں مان لیتے ہو مجھے! یاروں کا یار ہوں۔ اک بار آزما کر تو دیکھو۔''

سینے پر ہاتھ رکھ کر وہ جاں نثاری سے بولا۔ مگر میری آنکھوں کی کوفت میں ہرگز کمی نہیں آئی۔ اسے ٹرخا کر میں نے چند دن مزید اسی اُلجھن میں بتائے تھے۔ پھر میں نے اتفاقی ملاقاتوں کے بعد عون مرتضیٰ سے ایک عمداً دانستہ ملاقات کی تھی۔ اور ایک اور اہم کام کیا تھا۔ ڈائری لکھنے کا کام یہ بھی میری پلاننگ کا حصہ تھا۔ میں نے ذہن پر زور ڈال کر اس دن اور تاریخ کو یاد کیا تھا جب عون مرتضیٰ اور حجاب سے اسٹیشن پر میری ملاقات ہوتی تھی۔ میں نے اسے بڑے جذباتی اور ڈرامائی انداز میں ڈائری کا حصہ بنا دیا تھا۔ اس کے بعد دو تین مزید عون سے ہونے والی ملاقاتوں نے میری رسائی عون مرتضیٰ کے گھر تک کر دی تھی۔ اگلی اور اہم ملاقات میری حجاب سے اس کے گھر پر اس کے گھر کے سبزہ زار لان میں ہوئی تھی اور بڑے ہی فلمی انداز میں۔ مجھے معمولی فلو تھا جسے دانستہ میں نے بگاڑا تھا۔ طبیعت زیادہ خراب ہوئی تب میں عین ان لمحوں اس ریسٹورنٹ میں کافی پینے گیا جہاں مجھے پہلے سے پتا تھا آج وہاں عون ایک اہم میٹنگ میں شریک ہونے آ رہا تھا۔ میں نے ٹائمنگ اس حساب سے رکھی تھی کہ عون میٹنگ سے فارغ ہوتب مجھ سے ٹکرائے۔ اور ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ واپسی کو نکل رہا تھا جب اس کی نگاہ مجھ پر جا پڑی تھی۔ میں بیٹھا ہی ایسی جگہ اور ایسے زاویے پر تھا کہ وہ مجھے دیکھ سکتا۔ میں بار بار چھینکتا تھا اور رومال سے ناک رگڑتا کراہتا ہوا کم از کم عون مرتضیٰ کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ بے خبری کا تاثر دیتے بھی میری ساری توجہ اس پر مرکوز تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر چونکا تھا پھر میری جانب آنے لگا۔ اس کے قدموں کی آہٹ سے میرے دل کی دھڑکنیں غیر متوازن ہونے لگیں۔

''ہیلو داؤد! آر یو اوکے؟''

وہ کسی قدر تشویش میں مبتلا ہو کر مجھ سے مخاطب تھا۔ میں نے چونکنے کی شاندار اداکاری کی تھی اور نمناک سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا اور ذرا سا جھینپ گیا۔

''ہاں یار بس یہ معمولی زکام ہے۔ میرا ملازم بھی چھٹی پر تھا۔ کافی پینے کو یہاں آنا پڑا۔''

میں ہر ممکن طریقے سے اس کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ مجھے بغور تکتا ہوا میرے مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا پھر میری پیشانی چھوئی تھی۔

''معمولی زکام! تمہیں اچھا خاصا ٹمپریچر ہے۔''

وہ ایک دم پریشان ہو گیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر حتمی انداز میں بولا تھا۔

''اُٹھو میرے ساتھ چلو۔''

''مگر کہاں؟؟''

میں مصنوعی حیرت سے بولا۔

''گھر۔ ملازم نہیں ہے تمہارے گھر تو دیکھ بھال اس بیماری میں کیسے ہوگی۔ بس تم میرے ساتھ چلو۔''

اس کا انداز حتمی اور دوٹوک تھا۔ میں بوکھلا اُٹھا منصوبے کی اس حد تک شاندار کامیابی کی تو مجھے بھی امید نہیں تھی۔ میں نے بظاہر بہتیرا جان چھڑانا چاہی۔ ہاتھ پیر مارے مگر وہ عون مرتضٰی تھا اپنی منوانے کے فن جاننے والا مجھے اپنے ساتھ لیے بنا نہیں ٹلا تھا۔ اگلے دو دن اس نے اپنے گھر کی انیکسی میں میری جی جان سے تیمار داری اور خدمت کی تھی۔ اس کے دو چھوٹے بھائی فادر اور مما بھی گاہے بگاہے مجھ سے خیرت دریافت کرنے آتے رہے۔ مگر میرا مقصد پورا نہ ہو سکا۔ حجاب یا عون کی مسز کے ساتھ ملنے کی خواہش دل میں ہی دبی رہی تھی۔ اس روز میں قدرے بہتر تھا اور عون سے اپنے گھر جانے کی بات کر رہا تھا وہ آمادہ تو ہو گیا مگر جب تک میرا ملازم واپس نہیں آتا وہ میرے ساتھ اپنا ملازم بھیجنا چاہ رہا تھا۔ وہ جتنی تیزی سے میرے قریب آیا تھا اور جتنی مجھے اہمیت دیتا تھا ہونا تو یہ چاہتے تھے کہ میرا دل اس سے صاف ہو جاتا مگر میرے اندر لگی آگ تو جیسے کچھ اور بھڑک اُٹھی تھی۔ عون مجھے وہاں چھوڑ کر جانے خود کدھر نکل گیا۔ میں اس کے انتظار میں بےزار ہوا تو بالکونی سے ٹیرس پر نکل آیا۔ سبک ہوا کے سرمست جھونکوں نے میرا استقبال کیا تھا۔ سرمئی بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر اڑتے ہوئے پھر رہے تھے۔ موسم بہت سہانا ہو رہا تھا۔ میری نگاہوں کے سامنے سرسبز لان تھا مجھے جانے کیا سوجھی کہ ٹیرس سے اُتر کر انیکسی کے لان میں آ گیا۔ انیکسی اور گھر کے لان کو علیحدہ کرنے کو درمیان میں سبزے کی تین فٹ اونچی باڑھ تھی۔ میں چہل قدمی کر رہا تھا جب کوئی اچانک بھاگتا ہوا میرے نزدیک آیا تھا۔

''بھیا بچائیں بچائیں اس ڈاگ سے پلیز!''

خوفزدہ سی آواز عین میں نے اپنی پشت پر سنی تھی اور میں بُری طرح سے چونکا تھا۔ اس سے پہلے کہ پلٹتا کسی نرم و نازک گداز ہاتھ نے میرا بازو کہنی کے قریب سے دبوچ لیا۔ میں ساکن سا اسی زاویے پر کھڑا رہ گیا۔ لمس کا اضطراری دباؤ شدید خوف کا مظہر تھا۔ اب پلٹنا ناگریز ہو چکا تھا۔ میرے پورے وجود میں جیسے بجلی دوڑ رہی تھی۔ دیکھے بنا بھی میں جان گیا تھا وہ حجاب تھی۔ پلٹے بنا میں نے محض گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ میری بجائے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے سحر انگیز چہرے سے نگاہ چھڑا کر میں نے اسؔ کی نظروں کا تعاقب کیا۔ بل ڈاگ کچھ فاصلے پر کھڑا زبان لہراتا ہوا ہمیں گھور رہا تھا۔ اس غلط فہمی کی وجہ یقیناً میرے اور عون کے لباس کا ایک رنگ ہونا تھا۔ عون مرتضٰی بھی بلیک جینز شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ جبھی وہ دھوکہ کھا گئی تھی۔ میں نے ایک نظر اپنے بازو پر مضبوطی سے جمی سفید مومی انگلیوں والے ہاتھ کو دیکھا جس کی لانبی انگلیوں کے کنارے شدید ضبط سے سرخی مائل ہو رہے تھے۔ دوسری نظر ارادتاً اس کے چہرے پر ڈالی۔ گلابی کاٹن کا سوٹ جس پر ہلکی شکنیں پڑ چکی تھیں۔ سادگی سے بنی چوٹی سے بال نکل کر اطراف میں اڑ رہے تھے۔ بغیر کسی آرائش کے اجلا روپہلا روپ معصوم نوخیز چہرہ جس پر بہکا دینے والی بےخبری معصومیت اور خوبصورتی۔ مجھے اسی پل کسی انتہا سے گزر جانے پر اکسانے لگی۔ میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ مگر وہ آج اس دن سے کہیں زیادہ حسین لگی تھی شاید وجہ یہ قربت تھی۔ میں نے پہلی مرتبہ اس کی مکمل بےخبری میں اسے اتنے نزدیک سے دیکھا تھا۔ جانے کس جذبے

کے تحت میں نے اپنا بازو اس کی نازک کمر کے گرد حمائل کیا۔ اور ایک دم پوری قوت سے بھینچ ڈالا۔ وہ چونکی تھی اور پھر ٹھٹھک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اگلے لمحے اس کی آنکھیں حیرت، خوف اور غیر یقینی سے پھیل کر رہ گئیں۔ وہ کرنٹ کھانے والے انداز میں اچھل کر مجھ سے فاصلے پر ہوئی تھی۔ یقیناً اپنے بھیا کی جگہ وہ مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ اس کے یوں بدک جانے پر میں محفوظ ہو کے مسکرایا تھا یوں جیسے وہ بہرحال مجھ سے بچ نہیں سکے گی کبھی نہ کبھی۔ مجھے زیرلب مسکراتے دیکھ کر وہ کچھ اور بدحواس ہو گئی تھی۔ پھر سراسیمہ نظروں سے مجھے تکتی وہ اُلٹے قدموں بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے نظر کی آخری حد تک اسے دیکھا تھا پھر اس کی ہراسگی کو محسوس کر کے مسکرانے لگا۔ عون مرتضٰی کے واپس آنے تک میں خود کو سنبھال چکا تھا۔

☆☆

آنکھوں سے میرے اس لیے لالی نہیں جاتی
یادوں سے کوئی رات جو خالی نہیں جاتی
اب عمر نہ موسم نہ وہ رستے کہ وہ پلٹے!
اس دل سے مگر خام خیالی نہیں جاتی!
مانگے تو اگر جان بھی ہنس کے تجھے دے دیں
تیری تو کوئی بات بھی ٹالی نہیں جاتی!

میں آفس سے گھر واپس جا رہا تھا۔ گاڑی کی فضا میں بجتی غزل کی مدھم موسیقی میں سیل فون کی بیپ کی آواز غالب آنے لگی۔ میں جو کسی خیال میں تھا ذرا سا چونکا اور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا۔ بلنک کرتی اسکرین پر عون مرتضٰی کا نام تھا۔ میرے چہرے پر سکوت چھا گیا۔ اس وقت اس ناپسندیدہ بندے سے بات کرنے کا میرا ہرگز موڈ نہیں تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ یہ ہی آدمی وہ سیڑھی تھا جس پر چڑھ کر میں اپنی منزل تک پہنچ سکتا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر میں نے پہلے ٹیپ ریکارڈر آف کیا پھر کال ریسو کی تھی۔

''ہیلو!''

''اسلام علیکم! کیسے ہو ابوداؤد؟''

اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح پرخلوص اور خوشگوار تھا۔

''فائن! تم سناؤ؟'' میں نے جبراً اس کی خیریت دریافت کی تھی۔ جواباً اس کی ہنسی کی آواز گونجی۔

''اگر کہوں گا تمہیں یاد کر رہا تھا تو شاید یقین نہ کرو۔''

''یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں ہے۔''

میں نے رسان سے کہا اپنے اندر اٹھتے زہر سے برعکس۔

''یار آج میری برتھ ڈے ہے۔ میں نے سوچا تمہیں بھی انوائیٹ کر لوں۔ عموماً تو ہم سیلیبریشن کرتے نہیں ہیں بس وش کر دیا جاتا ہے مگر اس مرتبہ ہنی کی ضد ہے۔''

وہ اسی مشفقانہ انداز میں اپنی بہن کا ذکر کر رہا تھا۔ میرا دل اس اور موقع کو پا کر ایک دم مسرت سے بھر گیا مگر بظاہر کسی قدر سپاٹ انداز کو اختیار کیا تھا۔

''یہ خالصتاً گھریلو تقریب ہوگی یار مناسب نہیں لگتا میرا شریک ہونا۔''

''ارے۔ یہ کیا بات کی تم نے ابوداؤد! تم دوست ہو میرے! کبھی کبھار ملتے ہو۔ وہ بھی اتنی اجنبیت سے کہ میں خجل ہونے لگتا ہوں۔ یار دوستی میں تکلفات کہاں ہوتے ہیں۔ پھر بنی تو ہمارے لیے اولاد کی طرح ہے اس کی بات میں ٹال نہیں سکتا۔''

وہ پتا نہیں کیا کچھ ہانک رہا تھا میں نے لاپرواہی سے سنا۔ میرے اندر زہر پھیلنے لگا تھا۔

''بڑھو بڑھو عون مرتضیٰ آگے بڑھو اس راستے پر۔ تم دیکھو میں کرتا کیا ہوں تمہارے ساتھ۔'' میں دل ہی دل میں پھنکارا۔

''پھر تم آرہے ہو نا شام کو؟''

وہ بے حد اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس کی یہ لگاوٹ، یہ توجہ، یہ محبت، مجھے اکثر حیران کر جاتی وہ فطرتاً کیسا تھا میں نہیں جانتا تھا۔ لیکن اگر وہ اتنا ہی پیار لٹانے والا تھا تو اس سلوک کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی جو اس نے میرے ساتھ روا رکھا تھا۔ جو بھی تھا میں اسے معاف کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

''آج شام کو؟ اوکے آجاؤں گا۔''

میں نے نیم دلی سے جواب دیا تب اس نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ لیکن اس رات لی میری ساری جدوجہد ساری تیاری خاک میں مل گئی تھی۔ حجاب سے اس رات میری ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ عون مرتضیٰ نے اس کی بابت کا کوئی تذکرہ بھی نہیں کیا۔ حالانکہ میرے نزدیک سب سے اہم بات ہی یہی تھی۔ میں چار گھنٹے وہاں رہا تھا۔ اور جس پل میں واپسی کو اُٹھا میری جھنجلاہٹ اور کوفت نقطہ عروج پر جا پہنچی تھی۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا میں عون کا سر پھاڑ ڈالوں۔ حالانکہ اس کی فیملی کے تقریباً تمام لوگوں نے مجھے ٹائم دیا تھا اور بہت اپنائیت اور محبت سے پیش آئے تھے۔ عون کی مما تو مسلسل مجھے شادی کر لینے کا مشورہ دیتی رہی تھیں۔ اسی روز مجھ پر انکشاف ہوا تھا کہ عون کی اپنی بیوی سے علیحدگی ہو چکی تھی۔ اور اس کی بیوی کوئی اور نہیں سبرینہ ہی تھی۔ میں وہاں سے واپسی کو لوٹا تو میرے اندر اس انکشاف کی متضاد کیفیات تھیں۔ عون کی شادی کی ناکامی مگر محبت کی کامیابی کا زہر بھی میرے وجود کو نیلا کر رہا تھا۔ سبرینہ جو میرا خواب میرا پہلا ارمان تھی۔ وہ اس بدترین انسان کی بیوی بن چکی تھی۔ وہ اس کا ہر لحاظ سے فاتح تھا اور یہی بات مجھے کانٹوں پر گھسیٹ رہی تھی۔ عون کے ساتھ اس کے پپا اور بھائی میرے ساتھ پورنیکو تک آئے تھے۔ میں ان لوگوں سے الوداعی مصافحہ کر رہا تھا۔ جب کھلے گیٹ سے ایک بائیک زن سے ہمارے پاس سے گزر کر [illegible] میں جا کر رک گئی۔ میری سرسری طور پر اُٹھی ہوئی نگاہ تمام حسیات سمیٹ لائیں۔ عون کے سب سے چھوٹے بھائی کے ساتھ نیلے خوبصورت پرنٹ کے شفون کے سوٹ میں وہ وہی تھی۔ اپنی تمام تر جاذبیت اور دلکشی کے نکھار کے ساتھ۔ مگر اس کا چہرا کچھ ستا ہوا محسوس ہوا۔ موسیٰ اسے

سہارا دے کر اپنے پپا کے پاس [illegible] ''کیسی طبیعت ہے بیٹا رعنا بی کی؟''

''وہ ٹھیک نہیں ہے پپا! ڈاکٹرز نے اس کے حوالے سے کوئی امید نہیں دلائی۔ وہ بچ سکے گی پپا!''

وہ ان کے ساتھ لگ کر سسکی اور بھرابٹ زدہ آواز میں بولی تھی۔ اس کی ریشمی پلکیں شفاف آنسوؤں سے بجی ہوئی تھیں۔ میں یک ٹک ماحول سے کٹ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اور جانے کب تک یونہی تکتا کہ عون کی کھنکار پر قدرے سنبھل گیا۔

''رعنا بی کی فرینڈ ہے۔ بلڈ کینسر ہے اسے!''

وہ مجھے تاسف بھرے انداز میں بتا رہا تھا۔ میں اس بات کے جواب میں ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔ وہ اپنے پپا کے سہارے اندرونی حصے کی جانب چلی گئی۔ مجھ پر ایک نگاہ تک ڈالے بنا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ اس کی تقدیر میں سیاہی میری وجہ سے ہی پھیلنے والی تھی۔ وہ وقت دور نہیں تھا۔ جب ساری دنیا سے غافل ہو کر اسے صرف میں یاد رہ جاتا۔

☆☆

طبیب بن کے جو آ گئے ہو، میں نیم جاں تھا تو تم کہاں تھے
تمہاری اُلفت کی بے حسی پر، میں نوحہ خواں تھا تو تم کہاں تھے
ہر ایک گل تھا خزاں رسیدہ، کہ آگ ہر سو لگی ہوئی تھی
بہار آئی تو آ گئے ہو، یہاں دھواں تھا تو تم کہاں تھے
اندھیرا جب تک طویل راہوں کا حکمراں تھا تو تم کہاں تھے
شعورِ گفتار آ گیا ہے نہ میرے لہجے میں زہر گھولو
مجھے اب اپنی زباں ملی ہے میں بے زباں تھا تو تم کہاں تھے

پچھلے کچھ دنوں سے میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ آفس بھی نہیں جا رہا تھا۔ ایک عجب بےزاری طبیعت کا گھیراؤ کر رہی تھی۔ عون مرتضیٰ کا التفات ایک طرف مگر مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ خاک سمجھ نہیں آتی تھی کیا کروں۔ عون کی توجہ اور التفات کے لیے تو میں یہ پاپڑ نہیں بیل رہا تھا۔ مجھے اس کا اچار نہیں ڈالنا تھا۔ غصہ، جھنجلاہٹ میرے اعصاب کو ناکارہ کر رہا تھا جس مادہ مزید اسی ناکامی اور جدوجہد میں بےکار ہو چکے تھے۔ میرا ضبط جواب دیتا جا رہا تھا۔ انتقام کی آگ مجھے جلا کر خاکستر کر رہی تھی۔ میں تو جل ہی رہا تھا اتنے سالوں سے اب اس آگ میں عون مرتضیٰ کے جلنے کی باری تھی۔ مگر کیسے کیسے؟

اسی جھنجلاہٹ میں میں سگریٹ پھونک رہا تھا جب میرے سیل پر ولید کی کال آنے لگی۔ ایک تو یہ بندہ ہر وقت جان کو آیا رہتا تھا۔ یہ عون کا کزن تھا اور عون سے متعلق ہر شے سے مجھے نفرت تھی شدید نفرت، میں نے کال ڈسکنکٹ کر دی اور فون سائلنٹ پر لگا دیا۔ اب مجھے سنجیدگی سے اس امر پر غور کرنا تھا کہ میں اس ولید کے بچے کے شیئرز اپنی فیکٹری سے نکال دوں۔ سیل فون کی اسکرین روشن ہوئی اور ون میسج ریسو کا سگنل آنے

لگا۔ میں نے بے خیالی میں میسج چیک کیا تھا۔

جگر تو مجھے پسند نہیں کرتا مجھے پتا ہے۔ مگر میں اس وقت بہت اہم اطلاع دینے والا تھا تمہیں عون آیا تھا تجھ سے ملنے۔ میں نے تیری بیماری کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ پریشان نظر آنے لگا۔ مجھے لگ رہا ہے وہ اب گھر آئے گا۔ ذرا دھیان سے ہاں۔"

ولید کا میسج تھا۔ میں پڑھ کر بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ جیسا میرا موڈ تھا ہرگز بھی عون کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ معاً میں چونک گیا۔ سامنے ٹیبل پر وہی ڈائری پڑی ہوئی تھی جسے میں نے کبھی اپنی پلاننگ کا حصہ بنانے کی خاطر بڑے جتنوں سے لکھا تھا۔ عون آ رہا تھا اور اس کے خیال میں مجھے اس کی آمد کی اطلاع نہیں تھی۔ کسی خیال نے میرے اندر جیسے پارہ بھر دیا۔ میں سرعت سے اُٹھا اور الماری سے ڈھونڈ کر حجاب کی وہ تصویر نکال لی جو میں عون کے گھر سے اُڑا لایا تھا۔ کیسے یہ ایک الگ داستان تھی۔ میں نے عجلت میں تصویر پر چند پھڑکتے اور کسی حد تک قابل اعتراض اشعار لکھے اور اسے ڈائری کے اندر رکھ دیا۔ پھر قلم اُٹھایا اور آج کی تاریخ لکھ کر پروین شاکر کے جذبات کو اپنے منہ زور جذبوں کی ترجمانی دے دی۔

کوئی رات میرے آنگن میں مجھے یوں بھی تو نصیب ہو
نہ خیال ہو لباس کا وہ اتنا میرے قریب ہو
اپنے بدن کی گرم آنچ سے میرے بدن کو آگ دے
میرا جوش بھی بہک اُٹھے میرا حال بھی عجیب ہو
تیرے چاشنی وجود کا میں سارا رس نچوڑ لوں
پھر تو ہی میرا مرض ہو پھر تو ہی میرا طبیب ہو

اس کے بعد میں نے حجاب کے حسن جہاں سوز کو خاصے بے باک انداز میں خراج عقیدت اور خراج تحسین پیش کیا تھا۔ میرا مقصد محض تب عون مرتضیٰ کو آگ لگانا تھا۔ اور مجھے یقین تھا اسے آگ لگ جانی تھی۔ میں تب اتنا جذباتی اور پاگل ہو رہا تھا کہ اس کے بعد عون کا رسپانس اور بعد کا انجام میرے ذہن سے محو ہو گیا۔ ڈائری میں نے تکیے پر اس انداز میں رکھی جیسے لکھتے لکھتے اچانک اُٹھا ہوں اور خود بے تابی سے ٹہلتے ہوئے عون کا انتظار کرنے لگا۔ محض چند منٹ بھی جان لیوا ثابت ہوئے تھے اس کے بعد گیٹ پر عون کی گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا تھا۔ میں نے کھڑکی سے ذرا سا پردہ سرکایا۔ عون کی سفید مارگلہ گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ میں نے سکون سے دیکھا تھا۔ گاڑی ڈرائیووے پر پھیلتی گول ستونوں والے پورٹیکو کے نیچے جا رکی۔ وہ باہر نکلا تھا اور چوکیدار سے کچھ بات کی تھی۔ پھر قدم بڑھاتا اندرونی حصے کی جانب آنے لگا۔ مجھے پتا تھا وہ سیدھا میرے روم میں آئے گا۔ وہ اس سے پہلے بھی دو تین مرتبہ آ چکا تھا اور میں نے اسے مہمانوں کی طرح ڈرائنگ روم میں نہیں بٹھایا تھا اسے گھر لانے سے بھی پہلے میں اپنا پورا منصوبہ پلان کر چکا تھا جس پر آج عمل ہونے جا رہا تھا۔ میں زہرخند سے مسکرایا اور پلٹ کر واش روم میں گھس گیا۔ شاور کھولا اور اطمینان سے باتھ لینے

لگا۔ عون کے کمرے میں آ جانے کے بعد سب کچھ یقیناً میرے حسب منشا ہونا تھا۔ سارا نہ سہی کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ تک شاور لینے کے بعد میں باتھ گاؤن پہن کر باہر آیا تو عون مرتضیٰ کمرے میں نظر نہیں آیا تھا میں تیزی سے آگے لپکا۔ میری توقع کے عین مطابق وہ ڈائری دیکھ چکا تھا۔ وہ تصویر بھی یقیناً اس کی نگاہ سے بچ نہیں پائی ہوگی۔ میں لپک کر آگے بڑھا۔ ڈائری سے حجاب کی تصویر غائب تھی اور وہ صفحات بھی جن پر میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھ چکا تھا۔ عون مرتضیٰ انہیں اکھاڑ کر پرزہ پرزہ کر کے وہیں کارپٹ پر پھینک گیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر بھرپور مسکراہٹ بکھر گئی۔ میں نے انٹرکام پر واچ مین سے کانٹیکٹ کیا۔

"ابھی کوئی آیا تھا یہاں؟"

"جی سر! عون صاحب تھے۔ آپ سے ملنے آئے تھے۔ مگر کچھ دیر بعد ہی چلے گئے۔"

"کیوں؟ میں باتھ لے رہا تھا وہ مجھ سے ملا کیوں نہیں؟"

میں نے کسی قدر مکاری سے کہا تھا۔ جواباً واچ مین ذرا آواز دبا کر بولا تھا۔

"پتا نہیں سر! عون صاحب بہت غصے میں لگتے تھے۔ میں نے جلدی لوٹنے کی وجہ پوچھی تو جواب نہیں دیا۔ حالانکہ جب آئے اس وقت موڈ ایسا تو نہیں تھا۔"

او کے۔ میں نے نخوت سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ مجھے عون کے رسپانس کو جاننے کی بے چینی لگ گئی تھی۔ مگر یہ فوری ممکن نہیں تھا مجھے صبر سے انتظار کرنا تھا کہ اونٹ اب کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ جبھی میں نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ مزید ایک ماہ اسی طرح گزرا تھا۔ اس دوران عون کا کوئی فون یا کسی قسم کی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ میں اس صورتحال سے اُکتا گیا تھا۔ جبھی کچھ اور دلچسپیاں ڈھونڈنے لگا۔ اس روز بہت دنوں بعد میں ٹُن ہو کر نائٹ کلب چلا گیا تھا۔ وہاں ایک عرصے بعد میری علینہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ علینہ سے کبھی میری بہت زیادہ دوستی رہ چکی تھی۔ وہ امیر گھرانے کی پابندیوں سے مبرا بے باک آزاد لڑکی تھی۔ وہ مجھے بہت پسند کرتی تھی۔ بہت سا وقت ہم نے نیویارک میں بھی ایک ساتھ گزارا تھا۔ اب یہاں مجھے دیکھ کر وہ خوشی سے چنگھاڑتی ہوئی آ کر مجھ سے لپٹی تھی۔

"ابو داؤد کہاں تھے تم؟ ہاں"

اس نے اپنے ہاتھ کا مکہ میرے سینے پر ناز سے مارتے ہوئے مجھے مصنوعی غصے سے گھورا میں مسکرا دیا۔

"اور بھی غم ہیں دنیا میں رومانس کے سوا۔"

"یعنی......؟" وہ مجھے گھورنے لگی۔

"مثلاً غم روزگار۔"

"شادی کر لی تم نے؟"

وہ ایک کانشش ہو کر بولی تو میں نے کاندھے اچکا دیے۔

"ساری زندگی ایسے ہی گزارو گے۔ چلو مجھ سے کر لو نا۔ رئیلی تمہاری خاطر پابند بھی ہو جاؤں گی۔ تمہارے بچوں کی بھی ماں بنوں گی۔"

اس نے میرے گلے میں بازو حمائل کر دیئے تھے۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے طنزیہ نظروں سے دیکھا

''تم جیسی عورتیں نہ گھر سنبھالتی ہیں نہ مائیں بنتی ہیں۔ اگر بن بھی جائیں تو نہ پرورش کر سکتی ہیں نہ ماں ہونے کا حق ادا کر پاتی ہیں۔''

میں پتا نہیں کیوں اتنا زہر خند ہو رہا تھا۔ علینہ کے ماتھے پر ایک شکن نمودار ہوئی تھی۔

''وہ کیسی عورتیں ہوتی ہیں؟''

وہ کسی قدر سرد پن سے بولی تھی۔ میں نے ہنکارا بھرا۔

''ملا دوں گا کبھی موقع ملا تو۔''

''ایسی عورت سے ہی شادی کرو گے؟'' وہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔

''آف کورس!''

''تو کیا پاک دامن معصوم عورتوں کا کال پڑ گیا ہے پاکستان میں۔''

وہ گہرے کاٹ دار لہجے میں کہہ کر طنزیہ ہنسی تو میں نے گہرا کش لے کر بہت سارا دھواں اسی کے منہ پر چھوڑ دیا۔

''کال تو نہیں پڑا مگر ایسی عورتیں اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آیا کرتیں۔ باقاعدہ جتن کرنے پڑتے ہیں۔''

میرے تصور کے پردے پر آپوں آپ ہی حجاب کا نازک بے نیاز اور گھبرایا ہوا سراپا لہرانے لگا۔ کتنے روپ تھے اس کے اور ہر روپ دوسرے سے زیادہ اٹریکٹو اور دلکش۔ وہ واقعی بہت خاص تھی۔ مگر یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ عون مرتضیٰ کی بہن تھی۔

''ہاں صحیح کہتے ہو تم جیسے گھاگ اور خبیث مردوں کو ایسی عورت کے لیے تگ و دو کرنی ہی پڑتی ہے مگر یہ کتنے تاسف اور حیرانی کی بات ہے نا کہ تم جیسے جو گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتے ہیں وہ بھی بیوی پاک باز اور ان چھوئی چاہتے ہیں ہاؤ فنی۔''

اس بات کے جواب میں مَیں نے اسے باقاعدہ گھور کر دیکھا تھا۔

''تم مجھے بدکردار کہہ سکتی ہو مگر فاحش نہیں سمجھیں؟'' اکتیس سال کا ہو گیا ہوں مگر آج تک کسی عورت سے تعلق استوار نہیں کیا۔ تم گواہ ہو نیویارک میں تم نے مجھے کتنا بہکانے کی کوشش کی مگر ایک حد سے آگے بڑھنا مجھے گوارا نہیں تھا۔'' میں نے جیسے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے ساتھ ساتھ اسے بھی آئینہ دکھایا تھا۔ وہ کچھ کھسیا کر رہ گئی۔

''چھوڑو یہ موضوع بہت تلخ ہے۔ اگر اس پر مزید بات ہوئی تو ہمارا جھگڑا یقینی ہے۔''

وہ دانستہ کترا گئی۔ میں نے بھی بحث مناسب نہیں سمجھی تھی۔ اس نے میرے ساتھ ڈانس کی خواہش ظاہر کی تھی۔

''چلو آج ایک بُری عورت کے ساتھ ہی تھوڑی دیر کو وقت پھر رنگین کر لو۔''

''میں اس کی خاص خواہش محسوس نہیں کرتا۔''

میرا لہجہ پھر خشک ہونے لگا۔ وہ پھر کھسیائی۔

''چلو ایسے نہ سہی تم ایک غلط عورت کو اس کی لمحاتی خوشی ہی دے دو۔ یو نو میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اور یہ سچ ہے۔''

اس نے بات کے دوران اپنا سر میرے بازو سے ٹکا دیا۔

''ہاں یہ کسی حد تک قابلِ غور بات ہے۔''

میں اب کے ذرا سا ہنسا تھا۔ پھر ہم دونوں بانہوں میں بانہیں ڈالے ڈانسنگ فلور پر آ گئے کچھ دیر اس کے ساتھ ڈانس کرنے کے بعد میں واپس اپنی ٹیبل پر آ گیا تھا۔ ایک بار پھر مجھے بے حد اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ میں نے اپنے لیے شمپئن کے آرڈر کی اور وہیں بیٹھے بیٹھے ڈرنک کرنے لگا۔

''ہائے داؤد ہاؤ آر یو؟''

میں نے نظر اٹھائی میرے سامنے زوما کھڑی تھی۔ یہ بھی میری اچھی دوست تھی۔

''فائن! بیٹھو۔''

میں نے کرسی کی جانب اشارہ کیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کیا ہوا؟'' میں نے کچھ حیرانی سے اس کی صورت دیکھی۔

اس ٹیبل کے ساتھ ایک ہی چیئر ہے داؤد اس پر تم براجمان ہو اب میں کیا تمہاری گود میں بیٹھوں؟ وہ اٹھلا کر بولی تھی میں نے جواباً قہقہہ لگایا۔

''بیٹھ جاؤ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں اعتراض تمہارے اس گاؤدی شوہر کو ہو گا۔ ڈائی ورس نہ کر دے تمہیں۔''

''اونہہ! وہ کیا ڈائی ورس کرے گا۔ میں نے خود چھوڑ دیا اسے۔''

اس نے تنفر سے جواب دیا تو میں نے اسے سراہا تھا۔

''گڈ، بہت اچھا کیا وہ تھا ہی کھڑوس''

''تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے؟ شادی کی؟ کتنے بچے ہیں؟''

''اف اتنے سوال ایک سانس میں؟'' میں گھبرایا وہ پھر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی بہت خوبصورت تھی۔ جیسے اونچے پہاڑ سے جھرنا بہتا ہو۔

''شادی نہیں کی۔ تمہیں پتا ہے ہم جیسوں کو شادیاں راس نہیں آتیں شاید اس لیے۔''

''مگر سب کے ساتھ تو ایسا نہیں ہوتا نا ابو داؤد!''

وہ متفق نہیں ہوئی تھی۔ میں نے کاندھے اچکائے اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں جا رہے ہو؟ بیٹھو نا ابھی باتیں کرتے ہیں۔'' وہ بے چین سی ہوئی۔

"نہیں بس چلوں گا۔ مجھے نیند آرہی ہے کچھ تھک بھی گیا ہوں۔"

"او کے یہ کارڈ رکھ لو۔ پرسوں میرا برتھ ڈے ہے۔ ضرور آنا او کے۔ ورنہ خفا ہو جاؤں گی۔"

اپنے شولڈر بیگ سے اس نے بلڈ ریڈ کلر کا ایک خوبصورت کارڈ نکال کر بڑھایا جس پر سنہرے حروف جگمگا رہے تھے۔ بہت خوبصورت کارڈ تھا میں کھول کر دیکھنے لگا۔

"آؤ گے نا؟" وہ یقین چاہ رہی تھی۔

"کوشش کروں گا" میں نے نرمی سے جواب دیا تھا۔

"نہیں لازمی آنا مجھے بہت اچھا لگے گا۔ ویسے میں کال کر کے تمہیں یاد بھی کرادوں گی۔ اپنا سیل نمبر دو نا۔"

میں نے اسے سیل نمبر لکھوایا تھا اور وہاں سے نکل گیا۔ مجھے لگا تھا۔ میری خود کو اس طرح بہلانے کی یہ کوشش بری طرح ناکام ہوئی ہے۔ دل و دماغ پر بس ایک ہی دھن سوار تھی۔ عون مرتضٰی سے انتقام کی دھن۔

☆☆

تمہیں تقسیم کر دے گا یہ ہر اک دل میں گھر کرنا
تم اب کی بار یوں کر لو کہ بس میرے ہی ہو جاؤ

علینہ کا میسج تھا میں نے بغیر کسی تاثر کے پڑھا اور ضائع کر دیا۔ کچھ دیر بعد اس کی کال آنے لگی۔ میں اس وقت راستے میں تھا اور گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ لہٰذا نظر انداز کر دیا۔ اگر ایسی بات نہ بھی ہوتی تب بھی میں اسے اتنی اہمیت دینے کو پھر بھی تیار نہیں تھا۔ میں اپنے من پسند ریسٹورنٹ سے لنچ کرنے آیا تھا۔ گاڑی ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں روک کر میں باہر نکل رہا تھا جب میرے سیل پر میسج ٹون بجی میں نے میسج کھول کر دیکھا۔

وہ تجھ کو بھولے ہیں تو تجھ پر بھی لازم ہے
خاک ڈال آگ لگا، نام نہ لے، یاد نہ کر

ایک بار پھر علینہ کا ہی میسج تھا۔ اس بار تو گویا اس نے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ میں بے ساختہ ہنس دیا۔ مگر اگلے ہی لمحے مجھے سنجیدہ ہونا پڑا تھا۔ عین اس پل عون مرتضٰی اور فیضان مجھے اسی سمت آتے نظر آئے۔ میں دانستہ وہاں رک کر انہیں تکنے لگا۔ ایش گرے کھدر کے بہترین شلوار سوٹ میں عون مرتضٰی بہت ڈیسنٹ اور اسمارٹ نظر آرہا تھا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ مگر اگلے لمحے یوں نظر انداز کیا جیسے سرے سے جانتا نہ ہو۔ اس کی یہ حرکت میرا خون کھولا کے رکھ گئی۔

"عون مرتضٰی بہت چھوٹا ظرف ہے تمہارا۔ بھول گئے کیا کیا تھا تم نے میرے ساتھ۔ بدلا تو دینا پڑے گا تمہیں۔" میں دل ہی دل میں تلملاتا آگے بڑھ کر ان کے راستے میں آگیا۔ میری اس دانستہ حرکت پر اس کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔ مگر اس حرکت کا جو ایڈوانٹیج میں لینا چاہ رہا تھا وہ مل چکا تھا۔ فیضان مجھے دیکھتے ہی خوشگواریت سے مسکرایا تھا۔

"ارے داؤد صاحب! کیسے ہیں آپ؟"

مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے خوشدلی سے کہا تو میں جواباً بے حد جوش سے بولا تھا۔

"خیریت سے ہوں جناب! آپ سنائیں؟"

کن اکھیوں سے عون کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے میں دل ہی دل میں ہنسا۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے وہ جیسے خود پر ضبط کر رہا تھا۔

"آپ بھی یقیناً لنچ کے لیے آئے ہیں۔ ہمیں جوائن کریں نا۔"

عون مرتضٰی کے گھر میں جب جاتا تھا۔ عون کے بھائی ہمیشہ مجھے خصوصی پروٹوکول دیا کرتے تھے۔ اب بھی وہ ہمارے اختلاف سے بے خبر مجھے خصوصی توجہ دے رہا تھا۔ میں نے پھر ترچھی نگاہوں سے عون کو دیکھا وہ سخت جز بز ہو رہا تھا۔

"اوہ شیور۔ مائی پلژر۔"

اندھا کیا چاہے دو آنکھوں کے مصداق میں اسی وقت مان گیا۔ عون کا چہرا کچھ اور بھی سپاٹ ہو گیا۔ اس تبدیلی کو دیر سے سہی مگر اس کے بھائی نے بھی محسوس کیا تھا۔

"بھیا کیا بات ہے۔ آپ بہت خاموش ہیں؟"

نو...... اٹس او کے۔ وہ کس قدر روڈ لہجے میں بولا۔ ہم اکٹھے ٹیبل تک آئے۔ فیضان نے مجھ سے پوچھ کر لنچ کا آرڈر کیا۔

"عون سے بھی پوچھو ان کی پسند؟"

میں اسے بولنے پر اکسانا چاہ رہا تھا۔ مگر فیضان گاوَدی نے بات بننے نہیں دی۔

"مجھے ان کی چوائس کا پتا ہے۔"

وہ آرڈر کر چکا تھا۔ چکن روسٹ، نان، رائتہ اور پیپسی۔ آرڈر سرو ہونے تک فیضان سے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ مگر میرا دھیان عون کی طرف لگا تھا۔ میں گاہے بگاہے اس پر پُرسوچ نگاہ ڈال لیتا تھا۔ وہ بہت الجھا ہوا نظر آتا تھا کسی حد تک اَپ سیٹ۔ کھانا بھی برائے نام ہی کھایا۔ میں اندر ہی اندر حیران بھی تھا کہ ایسی کیا مجبوری اس کے ساتھ لگی تھی آخر کہ وہ میرے ساتھ یہ مروت برت رہا تھا۔ کھانے کے بعد فیضان کسی کام سے اُٹھ کر گیا تو ٹیبل پر ہم دونوں اکیلے رہ گئے۔ میں تو جیسے ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اسے دیکھا تو وہ والٹ نکالے کچھ نوٹ گن کر پلیٹ میں رکھنے کے بعد اُٹھنے کی تیاری میں تھا۔

"عون پلیز!"

میں نے بے ساختہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بے خیال سا تھا کچھ چونک کر متوجہ ہوا مگر میرے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔

"دس از ناٹ فیئر۔"

نگاہیں چراتے ہوئے میں نے اپنی آواز میں مقدور بھر شرمندگی کا تاثر بھرنے کی کوشش کی تھی مگر

عون میرا ہاتھ [illegible] یا۔

''آئی ایم رئیلی ایکسٹریملی سوسوری عون پلیز مجھے معاف کردو۔ اس دوستی کی خاطر جو ہمارے بیچ ہے مجھے پتا ہے تمہیں ہرٹ کرچکا ہوں مگر مجھے خود پر ہرگز اختیار نہیں رہا تھا۔ پتا نہیں کب؟ پتا نہیں کیسے؟ مم میں......''

میں نے اپنی پوری جان لڑا دی تھی اس اداکاری میں۔ دکھ، بے بسی، لاچارگی اور کرب کو آواز میں شامل کرکے آواز کو بھراہٹ زدہ کیا تھا۔ پتا نہیں اس خبیث کو پھر بھی یقین آتا تھا کہ نہیں۔ میں نے دانت کچکچائے۔ یہ میری وہ ضرورت تھی جس میں مجھے گدھے کو بھی باپ بنانا پڑ رہا تھا۔

''حجاب میرے لیے بہت قابل احترام ہیں عون! اس روز پتا نہیں وہ ڈائری لاکر سے باہر کیسے رہ گئی۔ شاید مجھے تمہارے سامنے شرمندہ ہونا تھا۔ میں نے تو بہت سینت سینت کر رکھا تھا اپنے جذبوں کو مگر......''

میں جیسے بے بسی کا تاثر دینے کو بیچ میں ہی چپ ہوگیا۔ پھر خفت زدہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا وہ سر جھکائے ہونٹ بھینچے پتھر بنا بیٹھا تھا۔ میں نے سگریٹ سلگالیا اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔

''اس قدر سموکنگ نہ کیا کرو۔ یونو صحت خراب ہوجاتی ہے۔''

میں نے اس کی آواز سنی تھی۔ اور گنگ ہونے لگا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور میرے ہونٹوں کے درمیان دبا سگریٹ کھینچ لیا اسے نیچے پھینکا اور جوتے سے مسل دیا۔

''میں نے یہ نہیں کہا کہ تم غلط ہوا ابوداؤد مگر بہر حال تمہارا طریقہ کار غلط ہے۔ یہ ڈائری میرے علاوہ بھی کسی کی نظر میں آسکتی تھی اور...... یار اتنے بے باک الفاظ...... اینی ویز۔ آئندہ احتیاط کرنا۔ او کے؟ ٹین ایجر لڑکوں کی طرح ڈائری لکھنا اور تصویریں چھپا کر رکھنا اچھا لگتا ہے بھلا......'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔ اس نے مجھے معاف کردیا تھا یہی بڑی بات تھی۔ مجھے اس کے ظرف کا قائل ہونا چاہیے تھا مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''؟؟ آئی ایم ساری فار دیٹ!''

میں نے پھر سر جھکا کر کہا۔ وہ خاموش نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

''ابوداؤد میں بیک ورڈ ہرگز نہیں ہوں اگر تمہارے دل میں کوئی اس قسم کا خیال تھا تو تمہیں مناسب انداز میں اپنی بات کو آگے بڑھانا چاہیے تھا۔ آئی تھنک تم اس قابل تو ضرور ہو کہ کوئی بھی اچھی لڑکی تمہیں شریک سفر کے طور پر فخر سے قبول کرسکے۔'' میں نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔ غیر یقینی اور تحیر و استعجاب نے مجھے ساکن کردیا۔

''مگر وہ مجھ سے خاصی...... آئی مین ہمارا ایج ڈیفرنس، مجھے اظہار مدعا سے روکتا تھا۔''

میں گڑبڑا سا گیا مجھے ہرگز توقع نہیں تھی عون اپنے منہ سے ایسی بات کہہ دے گا۔ ''کوئی اتنا خاص تو نہیں ہے۔ حجاب مجھ سے بارہ سال چھوٹی ہے اور تم میرے ہم عمر ہی ہو۔ بہر حال اگر تمہارا ایسا خیال ہے تو پھر اپنے بڑوں کو بھیجنا ورنہ حجاب کے معاملے کو یکسر بھول جانا او کے؟''

اس نے دوٹوک اور قطعی انداز میں کہا اور اُٹھ کر باوقار انداز میں چلتا وہاں سے چلا گیا جبکہ میرا بس نہیں چل رہا تھا اپنے داؤ کی کامیابی پر اُٹھ کر ناچنا شروع کردوں۔ عون مرتضیٰ میرے پھینکے گئے جال میں اتنی

آسانی سے پھنس جائے گا۔ مجھے ہرگز توقع نہیں تھی۔

☆☆

میں نے اسی دن گاؤں حویلی میں اماں سے کانٹیکٹ کیا تھا اور انہیں پہلی فرصت میں اپنے گھر آنے کا آرڈر کردیا۔ دوسرا فون میں نے داور بھائی اور بھابی کو کیا تھا۔ اب میں مزید دیر نہیں چاہتا تھا۔ اس ایمرجنسی بلاوے کی وجہ میں نے کسی کو نہیں بتائی تھی۔ اس شام زوما میرے پیچھے کچھ اس انداز میں پڑی کہ مجھے اس کی برتھ ڈے میں شرکت کرنا پڑی۔ میں جب گیا تو بے دلی کا احساس میرے ساتھ تھا مجھے تب ہرگز اندازہ نہیں تھا حجاب سے میری اگلی ملاقات وہاں ہوجائے گی۔ دوران تقریب ویسا ہی ہلا گلہ اور ہنگامہ پارٹی کا حصہ بنا رہا تھا۔ زوما اور علینہ کے علاوہ بھی مجھے وہاں کئی پرانے دوست مل گئے تھے۔ جبھی وقت اچھا گزر گیا۔ جس پل میں واپس آرہا تھا۔ زوما نے زبردستی روک لیا یہ کہہ کر کہ میں اس کے کمرے میں جا کے بیٹھوں اسے مجھ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔

''کیا بات؟؟''

''بتاتی ہوں نا......'' وہ سنجیدہ تھی مجھے بادل ناخواستہ اس کی بات ماننا پڑی کہ وہ تنہائی میں مجھ سے بات کرنے کی متمنی تھی۔ میں اس کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی تھی یہ اس کا میکہ تھا۔ کمرا بے حد آرٹسٹک انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ میں کچھ دیر میں اکتا گیا۔ بھلا میں وہاں بیٹھ کر کیا کرسکتا تھا جبھی اُٹھ کر ٹیرس پر نکل آیا۔ ٹیرس پر چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ ہلکی نم آلود مگر خوشگوار ہوا کے جھونکوں نے میرا استقبال کیا۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور کش لیتے ہوئے ریلنگ کے پاس آگیا۔ یہاں سے لان کا ایک حصہ نمایاں تھا۔ سوئمنگ پول کے کنارے کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ تنہا اور کسی قدر اداس۔ ذرا سا غور کرنے پر وہ کسی لڑکی کا سایہ محسوس ہوا تھا۔ رات کا پہر تھا اور چودھویں کی شب تھی۔ پورا چاند آسمان کے عین وسط میں چمک رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھی اس کا حسن ایسے میں کچھ اور نکھر گیا تھا۔ لانبے بال پشت پر بکھرائے اس مدھم روشنی میں وہ حسین اور ماورائی تاثر پیش کررہی تھی۔ چاند کی روشنی کا عکس اس کے بے انتہا اجلے چہرے پر پھیلا تھا۔ سوئمنگ پول کا پانی ہولے ہولے ہل رہا تھا اور اس ہلتے ہوئے پانی کی سطح پر اس لڑکی کا عکس بھی لرز رہا تھا۔ ایک پل کے لیے مجھے لگا گویا چاند کے ساتھ اس کے چہرے کا بھی روپ تالاب کے پانی میں چھلک آیا ہے۔ پانی کی بے ترتیب سطح روشنی اور نور سے بوجھل تھی۔ یہ ایک طلسمی سماں تھا۔ جیسے سارے پانی میں سونا بکھر گیا ہو۔ اس لڑکی کے حسین چہرے کا سونا۔

''کیا بہت خوبصورت ہے جو اتنا محو ہوگئے؟''

زوما کی آواز میں نے بہت قریب سے سنی تو ایک دم سنبھلا پھر مسکرایا۔ وہ جانے کب آگئی تھی مجھے خبر نہیں ہوسکی تھی۔

''بلاشبہ بہت فیسی نیٹک ہے محترمہ! ہے کون؟''

میری بھانجی کی فرینڈ ہے شاید حجاب نام ہے۔ اپنے بھائی کا ویٹ کررہی ہے لان میں رک کر، ویسے بھی کچھ شرمیلی قسم کی ہے پوری تقریب میں سمٹی سمٹائی رہی۔ یار بہت چھوٹی ہوگی تم سے۔ کیا کروگے انوسٹی

"گیشن لے کر۔؟"

سنجیدگی سے بات کرتی وہ آخر میں کچھ شریر ہوگئی تھی۔ جبکہ میں اس کے بتائے نام میں اُلجھ گیا تھا۔

"حجاب!!!"

میں نے رک کر اور پلٹ کر ایک بار پھر وہاں دیکھا۔ اب اس کے پاس کوئی دوسری لڑکی بھی آ کھڑی ہوئی تھی دونوں باہم بات کرتی رہیں پھر اس لڑکی نے حجاب کو خود لپٹا کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا تھا وہ گیٹ کی جانب پلٹی تو میں اسے پوری طرح دیکھ سکا تھا۔ اس پل ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس کے لانبے بے انتہا نرم سلکی بال پیچھے کی جانب اُڑنے لگے۔ وہ اتنی پیاری اتنی دلربا لگی کہ ایک پل کو مجھے اپنا دل تھمتا ہوا محسوس ہوا۔

"جانتے ہو اسے؟"

میری بے تاب لپکتی ہوئی نظروں نے گیٹ تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ زوما کے سوال پر میں معنی خیزی سے مسکرانے لگا۔

"عنقریب یہ تمہاری بھابھی بن جائے گی۔"

"واٹ؟" "مگر میرے بھائی کی آل ریڈی شادی ہو چکی ہے۔" اس نے منہ پھلا کر مجھے اطلاع دی۔

"یہ تمہارا بھائی جو تمہارے سامنے کھڑا ہے اس کی بیوی بنے گی یہ۔"

میں بدستور ذومعنی انداز میں مسکرا رہا تھا۔ وہ زور سے بدکی۔

"یہ کیسا مذاق ہے ابو داؤد؟ میں کہہ چکی ہوں نا لڑکی میری بھانجی کی دوست ہے۔ یعنی ہم سے خاصی چھوٹی۔"

"میں بھی بڈھا نہیں ہو گیا ہوں۔ ابھی تیس سال کا ہوں یار۔"

میں ہنسنے لگا۔ وہ مجھے عجیب وغریب انداز میں گھورتی رہی۔

"تم سیریس ہو؟"

"آف کورس؟ یہ لڑکی میرے دوست کی چھوٹی بہن ہے۔ میں آج کل میں اپنا پرپوزل بھیج رہا ہوں" میں نے کسی قدر سنجیدگی سے بتایا تو اس نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

"او کے خیر! مبارک ہو۔ ابھی کچھ دیر پہلے اریبہ نے مجھ سے انٹروڈیوس کرایا تھا میں نے سرسری سا دیکھا اگر پتا ہوتا تو اچھی طرح ملتی۔"

"الس او کے یار۔ اچھی طرح ملنے کو میں ہوں نا۔"

میں نے خبیث انداز میں ایک آنکھ دبا کر کہا تو جواباً وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔

"مجھے پتا ہے گنوں کے پورے ہو تم۔ خیر چھوڑو آؤ میں کچھ ڈسکس کرنا چاہ رہی ہوں تم سے" اس نے موضوع بدل دیا تو میں بھی کاندھے جھٹک کر اس کے ہمراہ ہو لیا تھا۔

☆☆

میں آفس سے گھر لوٹا تو عام روٹین سے ہٹ کر گھر میں ایک ہنگامہ سا برپا تھا۔ اماں آپاؤں کے ساتھ تشریف لا چکی تھیں۔ بھابھی اور بھائی بھی پہنچ چکے تھے۔ میں نے بس بھابھی اور بھائی سے ہی سیدھے منہ بات کی۔ اماں اور آپائیں تو بس مجبوری میں بلوائیں تھیں۔ مگر اماں کا ساری بہنوں کو اکٹھا کرلانا مجھے ناگوار خاطر ہوا تھا۔ اور میں نے یہ بات بلا دریغ اماں سے کہہ بھی دی تھی۔ "یہ آپ اپنی پلٹون کیوں اُٹھا لائیں؟ ابھی پرپوزل لے کر جانا تھا بارات روانہ نہیں ہو رہی تھی۔" میرے یوں منہ پھاڑ کر کہہ دینے پر اماں اچھی خاصی کھسیا گئیں۔

"تم نے خود ہی کہا تھا۔"

"میں نے کسی ایک آدھ کو لانے کو کہا تھا نا کہ ساری فوج کو، اپنی وے اب ان کے گھر سب کو جانے کی ضرورت نہیں بھابھی بھائی کے ساتھ آپ اور کسی ایک اپنی بیٹی کو لے جایئے گا۔ وہ ڈیسنٹ لوگ ہیں مناسب نہیں لگتا۔"

میں نے اسی ناگواری سے اگلا آرڈر جاری کیا تھا۔

"ابھی سے یہ حال ہے۔ بعد میں پتا نہیں کیا کرڈالیں موصوف! ہم جاہل ہو گئے وہ ڈیسنٹ ہیں اونہہ!" سائرہ آپا بدبدائیں۔ میں نے گھور کر انہیں دیکھا۔ البتہ کچھ کہا نہیں وہ میری ان پرتپش نگاہوں سے ہی دبک سی گئی تھیں۔ رات کو کھانے کے بعد جب میں اپنے کمرے میں جانے لگا تو بھابھی نے مجھے روک لیا تھا۔ ان کا ارادہ مجھ سے باتیں کرنے کا تھا۔ مجھے رکنا پڑا بہر حال میں ان کا بہت لحاظ کرتا تھا۔

"اچھا تو تم اب شادی کرنا چاہتے ہو۔ گڈ! اس کا مطلب آ ہی گئی تمہیں کوئی لڑکی بھی پسند"

"جی آ گئی" میں آہستگی سے مسکرایا یہ الگ بات کہ میرے اندر تناؤ اترنے لگا تھا۔ کون جانتا تھا میں یہ شادی کتنی خوشی سے کر رہا تھا۔

"ہے کیسی؟ مجھے تو سنتے ہی اشتیاق ہو گیا اسے دیکھنے کا۔"

"آپ جا رہی ہیں نا کل! خود دیکھ لیجیے گا۔"

میں نے اپنی رائے محفوظ رکھی تھی۔ وہ مجھے کسی قدر شوخ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"نہیں تم بتاؤ نا؟ کیسی ہے وہ؟"

"اگر آپ شکل وصورت کے حوالے سے پوچھ رہی ہیں تو بہت خوبصورت ہے۔" میں سنجیدگی سے بولا تو وہ ہنس دیں۔

"وہ تو ظاہر ہے ہو گی ہی۔ تمہارے معیار پر پورا اترنا آسان تھوڑا تھا۔ کہاں دیکھا کیسے ملی؟ اس کے بارے میں اس طرح کا خیال کیسے آیا؟"

"میرا یونیورسٹی فیلو ہے اس کی بہن ہے۔ اور خیالات کا نہ پوچھیں بڑے نیک ہیں محترمہ کے متعلق۔"

میں نے پھر ڈھکی چھپی بات کی تو انہوں نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا یا تھا۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد میں نے عون مرتضی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ میں اسے کل اماں وغیرہ کی آمد کے سلسلے میں بتانا چاہ رہا تھا۔ پہلی

سے دوسری بیل پر کال ریسو ہو گئی۔ دوسری جانب سے کھنکتی ہوئی نسوانی آواز میری سماعتوں میں اتری تھی۔

"ہیلو السلام علیکم! کیسی ہو؟"

میں کچھ گڑبڑا سا گیا اور ناگواری سے سیل فون کان سے ہٹا کر باقاعدہ گھورا۔

"زائرہ بولتی کیوں نہیں ہو۔ اگر فون کر ہی لیا ہے کنجوس!"

وہ ہنس رہی تھی ایسی ہنسی جیسے دور کسی ویرانے میں موجود مندر میں اچانک گھنٹیاں بج اٹھیں میں خوامخواہ کھنکارا۔ وہ یقیناً حجاب تھی۔

"محترمہ میں زائرہ نہیں ابوداؤد ہوں۔ بالکل ویسے جیسے کیسی نہیں کیسا ہوں۔"

میرے شوخ لہجے میں شرارت اُتر آئی تھی۔ وہ اگر غیر متوقع طور پر فون پر دستیاب ہو گئی تھی تو بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ مجھے لگا دوسری سمت وہ میری بات اور آواز سن کر گڑبڑا گئی ہو۔

"اوہ سوری جی! ایکچوئلی میں آپ کو اپنی فرینڈ سمجھی۔"

"کوئی مضائقہ نہیں میں آپ کا فرینڈ ہی ہوں۔" میں نے پھر اسی شوخی کا مظاہرہ کیا۔

"جی!!" وہ سٹپٹائی تھی۔

"آ آپ شاید بھیا کے دوست ہیں یہ انہی کا سیل ہے نا۔ میں انہیں دے کر آتی ہوں۔"

"ارررے رے پلیز بات سنیں۔"

اس سے پہلے کہ وہ سلسلہ منقطع کرتی میں نے بے ساختگی میں پکار لیا تھا۔

"جی!!" اس نے جیسے مارے بندھے کہا تھا عجیب پھنسی سی آواز تھی۔

"تم حجاب ہو نا؟"

"آ آپ کون ہیں؟"

"بتایا تو ہے ابوداؤد!"

"آپ بھیا سے بات کر لیں۔"

اس نے کسی قدر روکھے پن سے کہا اور کال منقطع کر دی۔ میں ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ اس کا یہ ہرگز گریز میرے اندر ایسے آگ لگا گیا تھا۔ اس پر دسترس حاصل کرنے اور اسے کسی تنکے کی مانند توڑ مروڑ دینے کی جنونی خواہش نے مجھے جیسے پاگل کر دیا۔ میں نے طیش کے عالم میں سیل فون دور پھینک دیا تھا اور کھولتے ہوئے دل و دماغ کے ساتھ اُٹھ کر بیئر کا ٹن پیک نکال کر اس کی سیل توڑ کر منہ سے لگا کر ایک بڑا گھونٹ بھرا۔ اب یہی چیز مجھے ذرا غافل اور پرسکون کر سکتی تھی۔

☆☆

اگلے دن اماں وغیرہ عون مرتضیٰ کے گھر چلے گئے۔ واپسی پر اماں اور آپا بے حد متاثر جبکہ بھابھی بہت خوش تھیں۔

"اُف داؤد تمہاری چوائس اتنی اعلیٰ ہے کہ میں تو حیران ہی ہو گئی جیسے! اتنی معصوم اتنی سادہ، اور پیاری لڑکی ہے کہ کیا بتاؤں۔ ابھی بچی سی لگتی ہے۔ تم تو بہت لمبے ہو۔ وہ بہ مشکل تمہارے کاندھوں تک آئے گی۔ گڑیا جیسی ہے بالکل!"

وہ اس کی تعریفوں میں رطب اللسان رہی تھیں۔ میں بے تاثر چہرے کے ساتھ سنتا رہا۔

"پتا ہے جب مجھے تمہارے بھائی نے بتایا کہ داؤد کسی لڑکی سے محبت کرنے لگا ہے اور شادی کرنا چاہ رہا ہے۔ تو میں حیران ہوئی تھی۔ داؤد اور محبت؟ مجھے یقین نہیں آ سکا تھا۔ مگر داؤد اس لڑکی کو دیکھ کر مجھے یقین کرنا پڑا۔ وہ اتنی انوسینٹ ہے اتنی چارمنگ ہے گویا محبت کے لیے ہی بنائی گئی ہے۔ بس اس کا بہت خیال رکھنا۔ وہ بہت حساس لگتی ہے۔"

میں نے پھر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ ان کی آخری بات کو فی الفور ایک کان سے سن کر دوسرے سے اُڑا دیا تھا۔ بعد کے مراحل بہت تیزی سے طے ہوئے تھے۔ بھابھی کا خیال تھا اب ہمیں عون مرتضیٰ کے گھر والوں کو اپنے ہاں ڈنر پر بلانا چاہیے تھا۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں نے عون مرتضیٰ کو یہ دعوت دے دی تھی۔ اگلے روز وہ لوگ رات کے کھانے پر ہمارے ساتھ تھے۔ وہیں میرے کیے کہنے پر اماں اور بھابھی نے منگنی کی ڈیٹ عون اور اس کی فیملی سے ڈسکس کر کے مقرر کر دی تھی۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ اماں عون کی مما کو ہماری گاؤں کی اراضی کے قصے سنا کر متاثر کرنے کی فضول کوشش میں مصروف تھیں مجھے غصہ آنے لگا۔ جب وہ لوگ واپس جانے کو اُٹھے تو بھائی کے ساتھ میں بھی مروتاً انہیں پورٹیکو تک چھوڑنے آیا تھا۔

"ابوداؤد تم چلو نا ہمارے ساتھ۔ کافی ساتھ پیتے ہیں۔"

جب میں نے مصافحے کو عون کی جانب ہاتھ بڑھایا اس نے اچانک یہ بات کر کے مجھے حیران کر دیا تھا۔

"اب؟ اس وقت؟" میں نے تحیر آمیز انداز میں اسے دیکھا تو وہ جواباً ازلی اعتماد سے مسکرایا تھا۔

"کیوں کیا اس وقت تم کافی نہیں پیتے ہو؟"

اور میں خجل ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر کچھ کہے بغیر ان لوگوں کے ساتھ آ گیا۔ عون مرتضیٰ میرے ساتھ میری گاڑی میں بیٹھ گیا۔ راستے میں وہ مجھے حجاب کے متعلق چیدہ چیدہ باتیں بتاتا رہا تھا۔ اس کا بچپن، اس کی تعلیم اور اس کے مستقبل کے حوالے سے بہت ساری نیک تمنائیں اس نے مجھ سے شیئر کی تھیں۔

وہ مجھ سے جانے کیا سننا چاہتا تھا مگر میرے اندر زہر دوڑتا رہا تھا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابھی ہم صرف منگنی کریں گے ابوداؤد۔ شادی دو سال بعد کم از کم! ایکچوئلی ابھی حجاب بہت امیچور ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ گھر سنبھالنے کی اہلیت ابھی رکھتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس نے مجھے دیکھا تھا میں گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

"ایز یو وش! ویسے یار لوگوں کا خیال ہے۔ شادی کے لیے میں پہلے ہی اوور ایج ہو رہا ہوں۔ دو سال مزید لیٹ کر کے بوڑھا نہ ہو جاؤں۔"

میں نے جبراً مسکرا کر کہا تھا۔ عون مرتضیٰ بھی جواباً مسکرا دیا تھا۔ ایسی ہی باتوں کے دوران گھر آ گیا تھا۔ میں عون کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر آتے ٹھٹھک گیا تھا۔ شکن آلود گیلے کپڑوں میں ملبوس وہ لڑکی یقیناً حجاب ہی تھی۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی سے پریشان وہ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے کھڑی میری پوری توجہ اپنی جانب مبذول کروا گئی۔ عون کو میں نے خجل سا محسوس کیا۔ وہ لپک کر اس کے نزدیک گیا تھا اور شاید اسے ڈانٹنے لگا تھا۔ اس نے قدرے چونک کر مجھے لحہ بھر کو دیکھا پھر پلٹ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔

"آؤ داؤد پلیز!"

عون کی آوازیں مجھے ہوش کی دنیا میں کھینچ کر لائی تھی۔ ہال کمرے میں ایک بار پھر اس سے سامنا ہو گیا۔ ٹیوب لائٹس کی روشنی میں نیوی بلیو قمیض شلوار میں اس کا شعاعیں بکھیرتا ہوا روپ نگاہ کو چندھائے دے رہا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں تھی میری جانب پلٹی تو اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت لہرانے لگی تھی۔ فیضان میرے ساتھ ساتھ تھا۔ مگر اس کے باوجود مجھے جیسے اپنی کیفیت پر قابو نہیں رہا۔ میں نگاہوں میں اسے چیرتا پھاڑتا رہا تھا۔ اسے روبرو پا کے جانے کیوں مجھ پر ایک جنونی سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ وہ یقیناً میری نظروں سے خائف ہوئی تھی۔ جبھی تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔ فیضان اور عون کے ساتھ موسیٰ نے بھی مجھے بھرپور کمپنی دی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی چائے آ گئی اچھا خاصا اہتمام تھا۔ مگر میں نے چائے کے علاوہ کچھ نہیں لیا۔ ان تینوں کے اصرار کے باوجود کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں جانے کو اُٹھا تھا۔ میں عون مرتضیٰ کے سامنے زیادہ دیر تک اپنا ضبط نہیں آزما سکتا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے خون میں اُبال ہی ایسے اُٹھا کرتے تھے۔ وہ تینوں پورٹیکو تک مجھے چھوڑنے آئے تھے۔ مجھے عون مرتضیٰ کی خود کو یہاں لانے کی منطق قطعی سمجھ نہیں آ سکی تھی۔ دل ہی دل میں مجھے طیش آ رہا تھا جب میں اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا تب بالائی منزل کے ایک کمرے کی روشن کھڑکیوں کے پیچھے میں نے کسی کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ شاید وہ حجاب تھی۔ وہ مجھے شاید چھپ کر دیکھ رہی تھی میرے اندر تمسخرانہ ہنسی پھیل گئی۔ ساری لڑکیاں احمق ہوتی ہیں۔ بظاہر جتنی بھی مضبوط بنیں مگر درحقیقت بودی اور محبت کی خواہش مند، محبت تو میں بھی اس سے کرنے والا تھا مگر صرف اس کے جسم سے۔ کیا یاد کرے گی وہ۔ میں بہت سے خطرناک عزائم اور زہریلی سوچیں لیے وہاں سے لوٹا تھا۔

☆☆

اپنے لیے بس ایک محبت ہی بہت
ہم کوئی بھی غلطی ہو دوبارہ نہیں کرتے
جب تک وہ سلامت ہے عداوت کا مزا ہے
دشمن کو ہم جان سے مارا نہیں کرتے

میرے گھر والے سب یہی سمجھ رہے تھے۔ حجاب سے میں محبت جیسی خرافات میں مبتلا ہوں۔ جبھی وہ ہر کام ہر بات کو بے پناہ اہمیت دے رہے تھے۔ چونکہ منگنی کی تقریب اعلیٰ پیمانے پر ہو رہی تھی اور بیچ میں دن بھی زیادہ نہیں تھے جبھی میں نے بھابھی اور اماں وغیرہ کو رک جانے اور تیاریاں وغیرہ کرنے کا کہہ دیا تھا۔ اماں بھابھی اور آپا

ذوق و شوق اور جوش سے شاپنگ میں مگن ہو گئی تھیں۔ وہ ہر روز آفس سے واپسی پر میرے سامنے جیولری کپڑوں اور پتا نہیں کیا الا بلا کے ڈھیر جمع کر دیا کرتیں۔ میں کبھی سرسری نگاہ ڈال لیتا کبھی وہ بھی نہیں۔ اس روز بھی میں آفس سے تھکا ہارا لوٹا تو بھابھی نے ایک بہت شوخ اور جھلملاتا ہوا لباس میرے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ کیسا ہے داؤد؟"

"مجھے کیا پتا۔ آپ نے خریدا ہے تو اچھا سمجھ کے لیا ہوگا۔"

میں سیل فون پر مصروف تھا کچھ ناراضی سے بولا۔

"ارے تمہاری دلہن کے لیے خریدا ہے۔ تمہیں تو پسند ہونا چاہیے۔ دیکھو اسے اور ذرا تصور کر کے بتاؤ وہ اس ڈریس میں کیسی لگے گی؟"

بھابھی کے لہجے میں شوخی و شرارت تھی میں ان کے انداز پر کچھ جھیپ سا گیا۔ جبکہ وہ ہنسنے لگی تھیں۔

"اب کیوں شرم آ رہی ہے۔ ساری رات جیسے اس کے تصور میں نہیں بتاتے ہو نا۔؟" وہ پھر مجھے چھیڑ رہی تھیں میرے چہرے پر ایکدم کر ختگی چھا گئی۔

"اتنا فارغ نہیں ہوں کہ اس فضول کام میں نیندیں خراب کروں۔"

"اچھا اب ہم سے پردہ داری کی ضرورت نہیں۔ سچ بتاؤ نہیں سوچتے ہو اسے؟"

بھابھی میرے لہجے پر غور کیے بنا پھر اسی انداز میں بولیں تو میں نے گہرا سانس بھر لیا تھا۔ اگر وہ میری سوچوں تک رسائی پا جاتیں تو حجاب کے حشر کا سوچ کر لرز جاتیں جس انداز میں مَیں اس کے متعلق سوچتا تھا۔ میرا ذہن زہر سے بھرنے لگا۔ میرے تاثرات ایسے لمحات میں اس قدر غصیلے ہو جاتے تھے کہ دیکھنے والا صاف محسوس کر سکتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ بھابھی اس حساس موضوع پر میرے اندر کی کیفیت کو پائیں اور الرٹ ہوں جبھی میں وہاں سے دانستہ ہٹ گیا تھا۔ اگلے دو تین دن خیریت سے گزرے تھے جب ایک روز بھابھی نے عجیب فرمائش کر دی۔

"باقی کی خریداری تو ہم نے کر لی ہے داؤد! تم ایسا کرنا انگیجمنٹ رنگ خود لے آنا۔ لانے کو تو ہم بھی لا سکتے تھے مگر میں چاہتی ہوں تم اپنی پسند سے خریدو۔ ویسے مجھے حیرانی ہے تم نے حجاب کی کسی چیز میں بھی اپنی پسند کو ترجیح نہیں دی۔ ورنہ لڑکوں کو تو بہت شوق ہوا کرتا ہے۔"

"منڈے نے کڑی پسند کر لی ہے کیا یہ کافی نہیں؟ سب سے اہم معاملہ تو اس نے خود نپٹایا ہے۔"

داور بھائی نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ میں نے بھنوؤں کو جنبش دے کر گویا ان کی تائید کی تھی۔

"اچھا لے آؤ گے نا انگوٹھی! مجھے تو بتا دو؟"

جب میں اپنے کمرے میں جانے کو اُٹھا بھابھی پھر میری جان کو آ گئیں۔ ان کی یہ عادت بالکل اچھی نہیں تھی وہ کسی بات کے پیچھے پڑ جاتیں تو کرا کے دم لیا کرتی تھیں۔

"جی لے آؤں گا۔ ڈونٹ وری!"

مجھے حامی بھرنا پڑی تھی۔ پھر یہ اس سے اگلے دن کی بات ہے شاید، جب میں اپنی شاپنگ کرتے

ہوئے خیال آنے پر جیولری کی شاپ کی جانب آ گیا تھا۔ شکر تھا کہ مجھے اچانک یاد آ گیا تھا ورنہ بھابھی کی سخت سست سنا پڑتیں اور جو وہ شک کرتیں وہ الگ کہ میں ویسا خوش نظر کیوں نہیں آتا جیسا پسند کی منگنی ہونے پر مجھے نظر آنا چاہیے وغیرہ۔ اپنے دھیان میں مگن میں شاپ کے اندر داخل ہوتے وہیں ٹھٹھک گیا تھا۔ وہ حجاب ہی تھی اپنی مما کے ہمراہ کاونٹر کے پاس کھڑی ہوئی۔ ان کے سامنے شوکیس کے اوپر درجنوں جیولری باکس کھلے پڑے تھے۔ وہ یقیناً یہاں جیولری خریدنے آئی تھیں۔ میں وہیں رک کر اسے دیکھنے لگا۔ بوٹل گرین باریک شیفون کے سوٹ میں اس کی نقرئی چاندنی جیسی رنگت کچھ اور بھی کھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ معصوم چہرے پر لانبی ریشمی پلکوں کا اُٹھتا گرتا جال، وہ مبہوت کر دینے کی حد تک دلکش تھی۔ سحر طاری کر دینے کی حد تک دل آویز تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے میں خود سے تو کیا اطراف سے بھی یکسر بیگانہ ہو گیا تھا۔ پھر اس کی مما نے ایک باکس سے بندیا اٹھائی تھی اور اسے اس کی صبیح پیشانی سے لگا کر دیکھا۔ وہ ایک دم جھینپ گئی تھی۔ اس پل اس کے چہرے پر رو پہلے سپنوں کے کتنے رنگ اُترے تھے۔ اس کی آنکھوں میں کتنی جھلملائیں در آئی تھیں۔ میں بس اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اتنی انوکھی ایسی پیاری لگ رہی تھی کہ مجھے ایک پل کو اپنا دل اپنے مضبوط سینے میں ڈانواں ڈول ہوتا محسوس ہوا۔

''کیا تھی یہ لڑکی اس قابل کہ اسے کسی اندھے انتقام کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا۔؟''

محض ایک پل ایک لمحے کے لیے میرے دل میں یہ خیال آیا تھا مگر اگلے لمحے میں پھر ویسا تھا۔ جابر، سفاک اور بے حس!

ہاں وہ اسی قابل تھی کہ اس سے بدترین انتقام لیا جاتا۔ اس لیے کہ وہ ایک قابل نفرت انسان کی بہن تھی۔ میری پور پور زہریلی ہوتی جا رہی تھی۔ میں انگوٹھی خریدے بغیر واپس آ گیا تھا۔

☆☆

انگیجمنٹ کی تقریب عون مرتضٰی کے گھر پر ہونا تھی۔ اور اس میں میری شرکت نہیں تھی جبکہ میں کسی قیمت پر یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے جو لائحہ عمل ترتیب دیا تھا اس میں میرا بھی اس تقریب میں شریک ہونا لازمی تھا۔ یہی سوچ کر میں عون سے خود بات کرنے اس کے آفس پہنچ گیا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران نظر آیا مگر اظہار نہیں کیا۔ البتہ اس نے میرا استقبال بہت تپاک سے کیا تھا۔

''بیٹھو ابوداؤد!''

مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے وہ انٹرکام پر چائے کا آرڈر کرنے لگا۔ میں نے اپنی اضطراری کیفیت کو سگریٹ کے دھویں میں مدغم کرنا چاہا تھا۔ اور اس سے بات کرنے کو مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگا۔

''اینی پرابلم ابوداؤد! تم مجھے کچھ الجھے ہوئے لگ رہے ہو۔''

میں چونکا تھا اور اسے دیکھتے ہوئے ایک اور گہرا کش لیا۔

''پہلے تو تم یہ آگ سے کھیلنا ترک کر دو نا۔ سخت کوفت ہوتی ہے تمہیں انجن کی طرح ہر وقت دھواں اڑاتے دیکھ کر۔''

اس کے لہجے میں نئے استوار ہونے والے رشتے کا مان تھا۔ میرے اندر کا تنفر تمسخر میں ڈھلنے لگا۔ البتہ کسی تاثر کے بغیر میں نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دیا تھا۔ اس دوران چائے آ گئی تھی۔ اس نے بھاپ اڑاتا مگ میرے سامنے کیا۔

''چائے لو۔''

پھر مجھے بغور دیکھتے ہوئے رسانیت سے بولا تھا۔

''داؤد جو بھی بات ہے کہہ دو یار! تم ابھی تک غیریت برت کر مجھے فاصلوں کا احساس دلا کر اذیت دیتے ہو رئیلی!''

اس کے اپنائیت آمیز لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا۔ اور میں دانت بھینچ کر رہ گیا تھا۔

''ابھی کہاں اذیت! ابھی تو تم اذیت سہو گے، تڑپو گے مگر میں تمہیں پانی بھی نہیں دوں گا۔ دیکھنا تو سہی، میں نے حقارت بھری نگاہ اس پر ڈالی مگر جب بولا تو میرا لہجہ نارمل تھا۔

''تھنگ یار اماں اور آپا وغیرہ کی خواہش تھی کہ انگیجمنٹ کی تقریب میں مَیں بھی شریک ہوں۔ ایکچوئلی شادی میں تو ابھی دیر ہے نا۔ تو وہ لوگ بس اپنے ارمان نکالنا چاہتی ہیں کچھ رسموں وغیرہ کے ذریعے لیکن اگر تم مائنڈ نہ کرو۔''

میں نے بھرپور احتیاط کا دامن تھام کر کہا تھا۔ وہ جو نہایت سنجیدگی سے میری بات سن رہا تھا ایک دم سے ہنس پڑا۔

''بس اتنی چھوٹی سی بات! کم آن یار تم تو شرمانے میں لڑکیوں کو بھی مات دے گئے۔ ہمیں کیوں اعتراض ہوگا بھئی! تم اماں سے کہہ دینا وہ لازمی اپنے تمام شوق پورے کریں۔ میں پپا سے بات کر لوں گا۔ آئی تھنک انہیں بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ کوئی اور بات؟؟؟''

اس نے ہلکے پھلکے اپنائیت آمیز انداز میں کہا تھا۔ میں متحیر رہ گیا۔ شاید مجھے اس کے اتنی سہولت سے مان جانے کی امید نہیں تھی۔ خیر میں نے سکھ کا سانس بھرا تھا۔ البتہ یہ مسئلہ ختم ہوا تو طیش، غصہ اور جھنجھلاہٹ میرے اعصاب پر سوار ہونے لگی۔ مجھے اس کی شرمانے والی بات نے بھڑکا دیا تھا۔ ''گھٹیا آدمی! میں کوئی شرماتا ورماتا نہیں ہوں۔ اور دیکھنا ایک بار میرا مقصد حل ہو جانے دو پھر جو جرات اور بے باکی کے مظاہرے میں کروں گا نہیں تم سہار انہیں پاؤ گے پناہ مانگو گے مگر پناہ نہیں ملے گی۔''

میرے اندر جیسے اژدھا پھنکارتا رہا تھا۔ میرے اعصاب بے حد کشیدہ ہو گئے تھے۔ وہ مجھ سے مسلسل اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ میں محض بے دلی سے ہوں ہاں کرتا رہا تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کسی طرح وقت کو مات دے دوں اور حجاب میرے قابو میں ہو پھر پھر...... میری سوچیں پراگندہ، میرے خیالات تلخ تھے میں پور پور سلگ رہا تھا ختم ہو رہا تھا۔ میں اس آگ میں تنہا نہیں جلنا چاہتا تھا۔

☆☆

منگنی کی تقریب میں میں نے اپنی تیاری پر خصوصی توجہ دی تھی۔ بلیک کلر مجھ پر بہت سوٹ کیا کرتا تھا۔ اور لڑکیاں مجھے اس رنگ میں دیکھ کر پاگل ہونے لگتی تھیں اور آج کے اس اہم دن میں صرف ایک لڑکی کو پاگل کرنا چاہتا تھا اور وہ حجاب تھی۔ صدیوں سے یہ روایت رہی ہے۔ مردوں کی دشمنی، بغض اور نفرت کے معاملوں میں عورت سے انتقام اور بدلہ چکایا جاتا ہے میں کوئی منفرد اور بڑا کام نہیں کر رہا تھا۔ میرے خیال میں اس میں ایسی کوئی بزدلی نہیں تھی۔ وہ غیرت تھی عون مرتضٰی کی، اور اس کی عزت اور غیرت ہی تو مجھے تار تار کرنی تھی۔ ویسے ہی جیسے کبھی اس نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا تھا۔

اماں سے میں دوٹوک انداز میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ حجاب کو رنگ میں خود پہناؤں گا۔ اس پل عون مرتضٰی یقیناً انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا جبھی میں نے اسے پہلے سے آگاہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مقررہ وقت سے خاصا بعد ہم لوگ اچھا خاصا انتظار کروا کے پہنچے تو ہمارا وہاں بہت پروقار انداز میں خیر مقدم کیا گیا۔ مجھے ہر سمت خصوصی اہمیت سے نوازا جا رہا تھا اور میں گردن تانے حق سمجھ کر اسے قبول کر رہا تھا۔ وہاں بیشتر نگاہوں میں میرے لیے ستائش تھی۔ واضح ستائش، عون مرتضٰی گو کہ اس روز مصروف تھا مگر اس کے باوجود اس نے مجھے کمپنی دینے کی کوشش کی تھی۔ گو کہ میرے دوست ہی کافی تعداد میں میرے اطراف جمع تھے مگر مجھے عون کا اپنے آگے پیچھے پھرنا ایک کمینی سی خوشی سے ہمکنار کر رہا تھا۔ کیمروں کی آنکھیں ہر جانب سے مجھے فوکس کر رہی تھیں جبھی مجھے اپنے تاثرات پر خصوصاً دھیان دینا پڑ رہا تھا۔ تبھی وہ چلی آئی تھی۔ مووی میکرز مجھے چھوڑ کر اس کی جانب لپکے میں بھی متوجہ ہوا تھا کسی ریاست کی شاہزادی کی سی تمکنت کے ساتھ وہ سج سج قدم رکھتی اسی سمت آ رہی تھی۔ اس کا کامدانی لباس میچنگ کے کندنی زیورات اور پھولوں کے گہنوں نے جو آرائش کی تھی وہ ایک طرف اسے تو قدرت نے ہی بڑی محبت اور شوق سے بنایا تھا۔ وہ خوبصورت ہے میں جانتا تھا مگر وہ اس درجہ حسین ہوگی یہ انکشاف اسی رات مجھ پر ہوا تھا۔ اس کا شعاعیں بکھیرتا ہوا حسن نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ میں جیسے اگلے کئی ثانیوں تک خود اپنے آپ کو بھی بھول گیا۔ وہ سچ مچ کوئی ساحرہ تھی جس نے مجھے مسحور کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے اسٹیج تک لایا گیا تھا۔ اس کے بعد وہاں اس کے گرد یوں خواتین اور لڑکیاں جمع ہو گئیں جیسے شہد کے چھتے کے گرد مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ وہ میری نگاہ کی زد سے دور ہوئی تب میں بھی جیسے حواسوں میں لوٹا تھا۔ گہرا سانس بھر کے میں نے یوں سر جھٹکا جیسے خود اپنی کیفیت پر خود کو سرزنش کی ہو۔ میرے دوست شرارتی نظروں سے مجھے دیکھتے مجھ پر ذومعنی فقرے اچھال رہے تھے۔ میں اندر سے جتنے بھی تاؤ کا شکار تھا مگر ہونٹوں پر زبردستی کی مسکراہٹ چپکائے رکھی کہ یہ وقت کا تقاضا تھا۔ میں اپنی طرف سے ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے کوئی بھی خاص طور پر عون مرتضٰی مشکوک ہو۔ اس کے بعد دانستہ میں نے حجاب کی جانب دیکھنے سے گریز کیا تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ مجھے خود پر، اپنی نگاہوں پر قطعی اختیار نہیں رہا تھا۔ میری نظریں بھٹک بھٹک کر اسی سمت اُٹھ رہی تھیں۔

اندھیری رات کے لمحے شمار ہونے تک
تمہیں ہی سوچتا رہتا ہوں صبح سے شام ہونے تک

اس مہین آواز نے مجھے چونکا تھا جو میرے داہنے پہلو سے بڑے اسٹائل سے ابھری تھی میں نے بے ساختہ گردن موڑی اور علینہ کو روبرو پا کے کچھ حیران رہ گیا۔

"تم؟؟"

میں ایسا جسم ہوں جس کی روح بھی تو ہے
اندھیری رات ہوں میں تیرے نام ہونے تک

اس نے میری بات کے جواب میں بھی شعر لڑھکایا۔ اس کی آنکھیں خمار آلود اور سرخ تھیں۔ شاید وہ بہت ڈرنک کر چکی تھی۔ آج کل اس کی میرے لیے دیوانگی جنونیت کی سمت بڑھ رہی تھی۔ میں اس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے خائف تھا جبھی اسے دانستہ اس تقریب میں انوائیٹ نہیں کیا تھا۔ مگر اب وہ کسی حسین چڑیل کی طرح میرے سامنے تھی مجھے غصہ آنے لگا۔

"تم یہاں کیسے آ گئیں؟" میں نے دانت کچکچائے۔ میں بنا بنایا کام ہرگز بگاڑنا نہیں چاہتا تھا مگر جو اس کی حرکتیں تھیں اور لازمی رنگ میں بھنگ ڈالتیں۔

تیری آواز نہ سن لوں تو دل نہیں لگتا
تڑپتا رہتا ہوں تجھ سے ہمکلام ہونے تک

میری بات کا جواب ایک بار پھر ندارد تھا۔ وہ مکمل طور پر خبطی محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے اب غصے کی بجائے تشویش نے آن لیا۔ میرا بس نہیں چلا اس مصیبت کو اُٹھا کر اس جگہ سے دور پھینک دوں۔

"کیا عون سے تمہارا کوئی ریلیشن ہے؟ کس کے انوٹیشن پر آئی ہو تم؟"

تیری نظر کی قیمت پہ بک رہا ہے کوئی
اسے خرید لے تو مہنگے دام ہونے تک

اس نے پھر بہکے ہوئے انداز میں شعر پڑھا تو میرا ضبط جواب دے گیا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ گھٹیا عورت! اتنے سستے ہیں تمہارے جذبات تو جاؤ کسی کوٹھے پر بیٹھ جاؤ بہت چاہنے والے مل جائیں گے۔"

میرا دماغ صحیح معنوں میں اُلٹ گیا تھا۔ میرے منہ میں جو آیا میں نے کہہ ڈالا۔ وہ ایک دم چپ ہوئی تھی۔ کچھ دیر لہو رنگ مگر نم آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر ہنس پڑی۔ وہ عجیب ہنسی تھی۔ جس میں کچھ ٹوٹنے کی آواز تھی۔ نوحہ تھا۔

"کم آن داؤد! ڈرتے کیوں ہو؟ مجھے زونا نے بتایا تھا اس ویڈنگ کا تمہاری! بس تمہاری دلہن دیکھنے کے شوق میں چلی آئی۔ ڈونٹ وری ڈونٹ وری! میں ہرگز تمہاری منگنی تڑوانے والی کوئی حرکت نہیں کروں گی۔ پرامس یار!"

اس نے میرے گال کو تھپک کر کہا تھا۔ مجھے جیسے کرنٹ لگا۔ اس کا ہاتھ زور سے جھٹکتے ہوئے میں

بدک سا گیا

''اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ انڈر اسٹینڈ!''

میں آنکھیں نکال کر غرایا۔ وہ جواباً زور سے پھر ہنس پڑی۔ ویسی ہی عجیب ہنسی۔

''اتنے پارسا تو نہیں ہو داؤد! کم آن!''

اس نے مٹک کر کہا تھا میں دانت بھینچے اسے گھورتا رہا۔

''تم فوراً سے بیشتر یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ یہاں میری کوئی عزت ہے جسے میں بہر حال تمہاری وجہ سے داؤ پر نہیں لگا سکتا۔''

میں نے پھنکار کر کہا تو وہ مجھے ڈوبتی نظروں سے تکنے لگی۔

''تمہاری یہاں عزت ہے ہماری تو کہیں بھی نہیں ہے سب لوگ کہتے ہیں جس کے پاس بہت سارا پیسہ ہو اس کے پاس عزت خود بخود آ جاتی ہے۔ داؤد میرے پاس پیسہ تو ہے مگر عزت......

''عزت صرف پیسے سے نہیں کردار اور اعمال سے بھی بنتی ہے اور تمہارے کرتوت ہرگز عزت پانے والے نہیں ہیں۔''

میں نے حقارت بھری نظر اس کے سراپے پر ڈال کر کہا تو اس کا چہرا دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ مگر میں پرواہ کیے بغیر وہاں سے ہٹ گیا۔ میں اتنا جھنجلا رہا ہوا تھا کہ مجھے خبر ہی نہ ہوئی کہ میں عون کے ساتھ ہی ایک چیئر پر جا بیٹھا اور سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ خاموش تھا اور سنجیدہ نظروں سے میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔ مجھے اس بات کی خبر جب ہوئی تو میں ایک دم کچھ ٹپٹا گیا۔

''خوامخواہ جان کو آ جاتی ہیں ایسی عورتیں۔ نان سنس!''

مجھے لگا تھا جیسے عون مجھے علینہ کے ساتھ دیکھ چکا ہے۔ وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔ میں ہرگز نہیں چاہتا تھا جبھی ایک طرح سے اپنی پوزیشن کلیئر کی۔

''کس قسم کی عورتیں؟''

وہ اب براہ راست مجھے تکنے لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ خاص تاثر نہیں تھا۔ سپاٹ سا انداز تھا۔

''یہ علینہ!'' میں نے بُرا سا منہ بنایا اور ایک اور گہرا کش لیا۔

''مگر اس نے تو اپنا تعارف تمہاری دوست کی حیثیت سے کرایا ہے۔''

عون مرتضٰی نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ جیسے ایک شکایت خاموش شکوہ اپنی نگاہ سے میری نگاہ تک منتقل کیا۔ میں جزبز ہو کر رہ گیا۔

''بکواس کرتی ہے یار! اس قسم کی عورتوں سے میں کیوں دوستیاں گانٹھنے لگا۔''

میرے تضحیک آمیز لہجے میں کڑواہٹ بھی شامل ہو گئی۔ عون مرتضٰی کے چہرے پر خفیف سی سرخی جھلکی۔ شاید اسے میری گفتگو کا انداز پسند نہیں آیا تھا۔ میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا۔

بہر حال میں کچھ سنبھل سا گیا۔

''جاؤ وہاں اسٹیج پر تمہیں بلایا جا رہا ہے۔''

اس نے کسی قسم کا تبصرہ کیے بغیر موضوع بدل دیا۔ میں بھی اماں کی آواز سن چکا تھا وہ مجھے یقیناً رسم کے لیے بلا رہی تھیں مگر میں نے دانستہ اگنور کر دیا تھا۔ پر اب میں اُٹھا تھا پھر مسکرا کر عون کو دیکھا۔

''آؤ نا اکٹھے چلتے ہیں۔''

اس نے کچھ چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر اسی سنجیدگی سمیت سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

''میں وہاں کیا کروں گا۔ تم جاؤ''

وہ مجھے کچھ الجھا ہوا لگا تھا۔ مگر اس کے فقرے نے میرے اندر ایک دم کمینگی بھر دی میں نے دل ہی دل میں قہقہہ لگایا۔ بیچارا صحیح کہتا تھا۔ اب اس کے اختیارات سمٹ رہے تھے اور میرے لامحدود ہو رہے تھے لامحدود سمجھتے ہیں نا؟ ہاہاہا!

میری ہر سوچ نے جیسے عون مرتضٰی کو بیچارا سمجھ کر اس کا مضحکہ اڑایا تھا اور اسٹیج کی سمت دیکھا اور جیسے میرے دل کی کلی کھل اُٹھی وہ سامنے ہی باوقار انداز میں بیٹھی نظر آ گئی۔ اس کی کچھ گھبرائی کچھ اُلجھی نظریں مجھ پر ہی اُٹھی ہوئی تھیں۔ میں بھرپور اور جاندار انداز میں مسکرایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا انداز ایسا جان لیوا تھا گویا نظروں کے رستے ہی اس کی روح کھینچ لینا چاہتا ہوں۔ وہ یقیناً ٹپٹا گئی تھی۔ جبھی فوراً سے بیشتر سر جھکا لیا۔ میں دل ہی دل میں ہنسا اور پھر سے عون کو دیکھا۔ وہ کچھ گم صم سا سا نیوڑائے بیٹھا تھا۔ میں نے کاندھے اچکائے اور مضبوط قدم اُٹھاتا ہوا اوپر آیا اور رجاب کے ساتھ صوفے پر براجمان ہو گیا۔ اب وہ براہِ راست میری نگاہوں کی زد پر تھی۔ میں اسے آج گویا اپنی نگاہوں کی حدتوں سے ہی جلا کر خاکستر کر دینا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا وہ نروس ہو رہی ہے اس کا ہولے ہولے کانپتا سراپا مجھے انوکھی لذت سے ہمکنار کر رہا تھا۔ اماں نے مجھے انگوٹھی تھما کر رسم کرنے کا کہا تھا۔ میں نے رنگ کیس ہاتھ میں لے کر سامنے دیکھا۔ عون اپنی جگہ پر موجود تھا اور میری سمت متوجہ بھی۔ اس کی آنکھوں کی خفیف سی سرخی مجھے اتنے فاصلے سے بھی محسوس ہوئی۔ میں باقاعدہ جتلانے والے انداز میں مسکرایا اور رنگ کیس ذرا سا لہرا کر ایک فقرہ اس کی جانب اچھالا تھا۔

''اجازت ہے؟''

عون مرتضٰی نے کچھ دیر ساکن پلکوں سے مجھے دیکھا تھا۔ پھر بے ساختہ نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔ کچھ توقف سے اس نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ یہ اس کی میرے سامنے باقاعدہ اور پہلی شکست تھی۔ میرے اندر جیسے ایک طویل مضحکہ خیز قہقہے کی گونج بھر گئی۔ اس کے بعد میں نے اپنا روئے سخن اس کی بہن کی جانب کر دیا تھا۔ آج میرا ارادہ تھا دونوں بہن بھائی کو جی بھر کے زچ کرنے کا۔ یہ وہ وقت تھا جب اوپر والے نے مجھے کھل کر کھیلنے کا موقع دیا تھا اور میں اس سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ میری نگاہیں گستاخانہ انداز میں حجاب کے خدوخال سے لپٹ رہی تھیں اور وہ اسی قدر پزل ہوئی جاتی تھی میں نے اس کا سفید مومی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا

تھا۔مہندی کے عربیک نقش ونگار سے سجایا بے حد خوبصورت ہاتھ تھا۔وہ مضطرب سی ہوئی تھی اوراپنا ہاتھ میری گرفت سے نکالنا چاہا میرے اندر جیسے طیش کا طوفان اُبل پڑا۔گرفت مضبوط کرتے ہوئے میں نے اس کوشش کو نا کام بناتے ہوئے در پردہ اسے کچھ جتلانے کی سعی کی تھی۔ایسے میں بھابھی نے حجاب کی حالت کے پیش نظر مجھے خفیف سا ڈانٹا تھا اور انگوٹھی پہنانے کی ہدایت کی تھی۔میں نے کاندھے اچکائے اور اسے رنگ پہنا دی۔اطراف میں مبارک باد کا شور اُٹھ کھڑا ہوا میں نے حجاب کے ہاتھ کے گداز اور نرمی کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے اماں کو دیکھا تھا۔

"اماں جائیں عون سے بات کریں۔"

میں گھر سے روانہ ہونے سے قبل اماں پر اپنا ارادہ آشکارا کر چکا تھا۔میں آج حجاب سے نکاح کرنے کا متمنی تھا۔میرا خیال تھا ایسی صورتحال میں عون انکار کی پوزیشن میں نہیں تھا۔اور میں مزید وقت ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔اماں کا رنگ اڑ سا گیا۔

"بیٹے تم خود بات کرو نا۔"

وہ خائف سی بولی تھیں۔میرے ماتھے پر تیوریاں پڑ گئیں میں نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں گھورا۔میں نے بڑی مشکل سے اپنے لہجے کو کنٹرول رکھا۔

نہیں آپ کہیں اُسے جا کر ویسے میں نے داور سے بھی کہا ہے۔وہ نیچے ہے وہ بھی بات کرے گا۔

میں نے انہیں یونہی گھورتے ہوئے اُٹھا کر دم لیا۔وہ کچھ خائف، کچھ جز بز سی نیچے گئی تھیں۔تب دوسری مصیبت نازل ہوگئی۔علینہ اپنی کسی جاننے والی کے ساتھ اسٹیج پر دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھ آئی تھی۔میرے خفا سے چہرے کو دیکھ کر وہ دانستہ مسکرائی۔پھر اس نے جانے کس دل سے حجاب کو سراہا تھا۔میں اس کی کیفیت محسوس کر کے ہنسنے لگا۔اور جوابی وار اس پر طنز کر کے کیا تھا۔

"سمجھدار ہو۔میرے خیال میں وضاحت کی ضرورت نہیں۔"

اس کا چہرا ایک بار پھر پھیکا پڑ گیا مگر وہ خود کو سنبھال کر حجاب سے مخاطب ہوگئی تھی۔اس نے جو کچھ حجاب سے کہا وہ اس کی تشنگی اور بے بسی کا مظہر تھا مگر مجھے اس پر ترس نہیں آ سکتا تھا۔اس کی ساتھی لڑکی کو اس کا یہ انداز نا گوار خاطر گزرا تھا جبھی وہ اسے جھڑکتی ہوئی زبردستی پکڑ کر پھر نیچے لے گئی۔

"میں نے منع بھی کیا تھا نا۔ایسی کوئی فضول بات نہیں کرنی مگر تم......"

وہ ہنوز علینہ کو ڈانٹ رہی تھی۔میں نے اپنی توجہ ان پر سے ہٹا کر حجاب کو دیکھا وہ ابھی تک کچھ متحیر سی علینہ کو تک رہی تھی۔میں دانستہ کھنکارا۔مقصد اس کی توجہ حاصل کرنا تھا جس میں کامیابی بھی ہوئی۔میں نے کمال جرات کا مظاہرہ کرتے اس کا ہاتھ ایک بار پھر اپنی گرفت میں لے لیا۔اور اس کی تعریف کی۔وہ کچھ جز بز ہوئی تھی میں اسے کچھ اور حراساں دیکھنا چاہتا تھا۔جبھی میں نے اس پر اس راز کو منکشف کر دیا۔وہ فق چہرے کے ساتھ مجھے خوفزدہ نظروں سے تکنے لگی۔عجیب لڑکی تھی۔ بجائے شرمانے، لجانے کے وہ پریشان ہو رہی تھی مجھے طیش آنے لگا۔مگر میں نے اپنے طیش کو دبایا تھا پھر اس پر جھک کر سرگوشی کرنے لگا۔میں ہر قیمت پر اس کو

اپنی طرف مائل کرنا چاہتا تھا اور جانتا تھا لڑکیاں محبت کے سنہرے جال میں کس آسانی سے آ پھنستی ہیں۔میں اسے ہجر وفراق کی داستان سنانے لگا تا کہ وہ پتھر جیسی لڑکی پگھلے اور پانی بن کر میرے قدموں میں بہہ جائے۔مگر مجھے اپنی یہ کوشش فی الحال تو نا کام ہوتی محسوس ہوئی تھی۔وہ سہمی ہوئی سی نظر آنے لگی۔بلکہ اس نے میری منت کی تھی۔کہ میں ایسا ارادہ ترک کر دوں۔میرے اندر اتنی تلخی اُنڈی کہ اسے تھپڑ رسید کرنے کی خواہش نے پاگل کر دیا۔ہونٹ بھینچے میں اپنے منتشر احساسات کو کنٹرول کرنے کی سعی میں مصروف تھا جب میری نظریں اسٹیج کے سامنے جا ٹھہریں۔اماں اور داور بھائی نے یقیناً اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔اور معاملہ کشیدگی میں جاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔صورتحال کی گھمبیرتا کو پاتے ہی میں سرعت سے اُٹھ کر وہاں تک گیا تھا۔عون مرتضٰی کے چہرے پر واضح برہمی تھی۔جبکہ داور بھائی اور اماں کچھ دبے دبے لگ رہے تھے۔عون مرتضٰی کے پپا بھی کچھ خاموش اور سنجیدہ تھے۔

"خیریت کیا بات ہے؟"

میں نے پاس آ کر بڑے محتاط انداز میں صورتحال کو جانچنا چاہا تھا۔عون مرتضٰی نے سرد نظروں سے مجھے دیکھا تھا البتہ جواب دینے کی بجائے اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔مجھے صحیح معنوں میں معاملے کے بگاڑ کا اندازہ ہوا تھا۔میں ایک دم کانشش ہو کر رہ گیا۔میری سوچ اور توقع کے برعکس نتیجہ نکلا تھا۔عون کا بے حد خراب موڈ مجھے فکرمند کرنے کو کافی ثابت ہوا۔مجھے لگا گیند ابھی پوری طرح میرے کورٹ میں نہیں آئی۔میں نے اپنی جلد بازی اور حماقت کو کوسا تھا۔

"بیٹے آپ کی والدہ صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ منگنی کی بجائے نکاح ہونا چاہیے۔یہ بھلا کیا بات ہوئی۔ سینکڑوں لوگ جمع ہیں اور وہ منگنی کی تقریب میں شریک ہوئے ہیں۔ہم کس کس کو وضاحت دیں گے اور پھر اس ہنگامی نکاح کی کوئی تک بھی تو ہو۔خدانخواستہ یہ تو اپنی بچی کی طرف خود سے لوگوں کی انگلیاں اٹھوانے والی بات ہے گویا"

عون مرتضٰی کے پپا نے رواداری اور تحمل سے جواب دیا تھا۔میں نے بے اختیار ہونٹ بھینچے۔

"اماں نے آپ سے نکاح کا کہا؟ اسٹرینج۔کیوں اماں آپ کو کیا ضرورت تھی یہ سب کہنے کی۔ خدانخواستہ ہم دونوں میں سے کوئی کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا تھا۔میری اس سلسلے میں بات ہو چکی تھی تفصیلی اور شادی حجاب کی تعلیم مکمل ہونے پر طے پائی تھی۔"

میں نے جس طرح پینترا بدلا تھا وہ اماں اور داور بھائی کو بھونچکا کر کے رکھ گیا۔وہ تحیر وغیر یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھتے رہ گئے۔مگر میں ہنوز برہم نظر آتا تھا۔میں سمجھتا تھا میرے پاس اس وقت سرے سے مکر جانے کے سوا چارہ نہیں تھا۔اس وقت سدھار کا طریقہ صرف یہی چال ہو سکتی تھی۔جسے میں نے بڑی کامیابی سے چلا تھا۔اماں اور داور بھائی کی حیرانی کو نظر انداز کیے میں نے بہت شائستگی کے ساتھ عون مرتضٰی اور اس کے فادر سے معذرت کی تھی اس کے باوجود کہ میں اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔بنا بنایا کام جو بگڑ گیا تھا۔

ساتواں حصہ

مگر آنٹی اور بھائی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ بات انہوں نے تمہاری خواہش بلکہ ضبط پر کی ہے میں اپنے تئیں معاملہ سلجھا چکا تھا جب میں نے عون مرتضٰی کی سرد آواز سنی۔ میں نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا وہ جانچتی کسی حد تک خفا نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں جو مکمل پر اعتماد اور بے باک انسان سمجھتا تھا خود کو، اس پل میں جیسے گڑبڑا سا گیا۔

"ایسے ہی کہہ دیا ہوگا یار! میں نے تمہیں بتایا تھا ناں اماں کو میری شادی کا بہت شوق ہے" خود کو بامشکل کمپوز رکھ کر میں نے جیسے طرارہ سا بھر کے اس کی بات کا جواب ہلکے پھلکے انداز میں دیا تھا۔ عون مرتضٰی جواباً کچھ نہیں بولا اور یونہی بے حد سنجیدگی کے ساتھ وہاں سے ہٹ کر اسٹیج پر حجاب کے پاس چلا گیا۔ میں نے گھور کر اماں اور داور بھائی کو دیکھا جو مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بنے کھڑے بے حد خفت زدہ نظر آرہے تھے۔ میں نے انہیں وہاں سے ہٹنے کا اشارہ کیا اور خود تشویش زدہ انداز میں عون کی سمت دیکھا۔ وہ حجاب کو وہاں سے یقیناً کمرے میں بھجوا رہا تھا۔ دوٹر کیوں نے حجاب کو اُٹھنے میں مدد دی اور پھر اس کا بھاری لباس ذرا سا اُٹھا کر آہستگی سے چلاتیں اسٹیج سے نیچے لے آئیں۔ عون مرتضٰی اس سے پہلے اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ وہاں سے جا چکا تھا۔ میں دانستہ حجاب کے راستے میں آگیا۔ میں نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ میں واقعی اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ مجھے جانے کیوں لگ رہا تھا معاملہ میرے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ میں عون کا محتاج بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں حجاب کو خود میں انوالو کرنا چاہتا تھا۔ اور میں سمجھتا تھا یہ مجھ جیسے سحر انگیز پرسنالٹی کے مالک شخص کے لیے قطعی کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

عون کے موڈ میں جو سنجیدگی اتری تھی وہ ہماری واپسی تک برقرار رہی۔ البتہ اس کی باقی فیملی کا رویہ نارمل ہی تھا۔ میں نے عون کے رویے کو اتنا سر پر سوار نہیں کیا تھا مگر بہرحال تشویش کالاحق ہونا ایک فطری عمل تھا۔ گھر واپس آنے تک میں نے داور بھائی کے ساتھ اماں کا موڈ بھی خراب محسوس کیا تھا۔ وہ اپنے رویے میں جتنے بھی حق بجانب ہوتے مگر میں انہیں اہمیت دینے کو ہرگز تیار نہیں تھا۔ گھر پہنچ کر اماں نے شاید آپاؤں کو یہ بات بتا دی تھی جبھی ان کی بڑبڑاہٹیں جو ناگواری لیے تھیں شروع ہوگئیں۔ ان کے خیال میں مَیں نے اپنے سسرالیوں کے سامنے ان کی سُبکی کرائی تھی۔ میں نے کسی قدر تلخی سے انہیں کچھ باتیں سنائی تھیں جواب میں جھگڑا شروع ہوگیا۔ آپاؤں نے داور بھائی کی طرح میری اس زیادتی کو چپ چاپ نہیں سہا تھا۔ وہ احتجاج کر رہی تھیں۔ میں نے اماں سمیت سب کی اچھی خاصی انسلٹ کر دی۔ میں پہلے ہی جھنجلایا ہوا تھا آپاؤں کی شکایت نے جیسے مجھ پر تیل ڈال کر بھانبھڑ جلا دیئے۔

"ہمیں نہیں رہنا ہے یہاں! اس کا نہیں کھاتے ہم۔ ارے ایسا قہر گھر بلا کے بے عزتی کرتا ہے۔"

بی بی صالحہ آپا جذباتی انداز میں رونے پیٹنے لگیں۔ میں نے سرخ آنکھوں سے انہیں گھورا تھا پھر انہیں خود اپنے مرے دفعان ہوجانے کا کہہ دیا۔ جھگڑا کچھ اور بڑھ گیا سب ہی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ ملازموں کو تماشا دکھانے والی بات تھی۔ میں نے سب کو جھڑک کر خاموش کرایا اور خود تنتناتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔ کوٹ اور شرٹ اُتار کر پھینکنے کے بعد میں نے اُلٹے سیدھے جوتے بھی اُتار کر پھینک دیئے۔ میرے اندر جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا۔ عون مرتضٰی نے ایک بار پھر مجھے طمانچے دے مارے ہوں۔

"اُودداوَر!!"

میں صوفے پر بے ترتیب پڑا شمپئن کی بوتل کی سیل توڑ کر یونہی منہ سے لگائے بڑے بڑے گھونٹ لے رہا تھا دوسرے لفظوں میں اپنے اندر لگی آگ بجھانے کی کوشش میں تھا جب میں نے داور بھائی کی سرسراتی آواز سنی تھی اور محض بھر کو نگاہ اُٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ دروازے میں کھڑے تھے اور ان کا چہرا پیلا پڑا ہوا تھا۔ شاید وہ مجھے ڈرنک کرتے دیکھ کر پریشان ہوچکے تھے۔

"کیا بات ہے؟"

میں بدمزگی سے کہتا اُٹھ کر بیٹھ گیا میری پیشانی پر ناگواری کی شکنیں تھیں۔ مجھے اس پل ان کا اپنی تنہائی میں مخل ہونا بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

"تت تم یہ شراب بھی پیتے ہو؟" ان کی آواز عجیب پھنسی پھنسی تھی جیسے شدید صدمے کے زیر اثر ہوں۔ میں نے اچاٹ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"تو کیا اس کام سے پہلے مجھے آپ کی اجازت حاصل کرنی چاہیے تھی؟"

میرا لہجہ از حد طنزیہ ہوگیا۔ داور بھائی نے پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ بے بسی سے مجھے دیکھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو داوَد! اور وہاں جو تم نے کیا؟ دس از ناٹ فیئر۔"

"اچھا؟" میں حقارت سے ہنسا۔

"فیئر کیا ہے یہ میں نے آپ سے نہیں پوچھا! آپ جائیں یہاں سے۔"

میں چیخ اُٹھا تھا انہوں نے تاسف سے مجھے دیکھا پھر گہرا سانس بھر کے گویا ہوئے۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے جانا ہی چاہیے۔ اس وقت تم حواسوں میں نہیں ہو۔ پھر کبھی بات کریں گے۔"

میں نے تلخی سے سر جھٹک کر انہیں جاتے دیکھا اور بوتل میں باقی ماندہ سیال ایک ہی سانس میں حلق سے اُتار لیا۔ میرے سینے میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اور پیروں کے نیچے جیسے کسی نے کانٹے بچھا دیئے تھے۔ بوتل کو کارپٹ پر لڑھکا دیا اور خود لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا واش روم میں بند ہوگیا۔ ایک گھنٹہ تک شاور لینے کے باوجود بھی میرا ذہن سویا سویا اور بوجھل تھا۔ میں سونا چاہتا تھا مگر مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ تب مجھے یاد آیا مجھے حجاب کو فون کرنا تھا میں نے اپنے بستر پر ہاتھ مار کر سیل فون کو تلاش کیا۔ وہ شاید میرے کوٹ کی جیب میں تھا پھر اُٹھا اور صوفے پر بے ترتیب پڑے کوٹ کی پاکٹ سے سیل فون نکالا اور لرزتی کانپتی انگلیوں سے حجاب کا نمبر ڈائل

کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ میری طبیعت شاید خراب ہو رہی تھی۔ میرے سارے وجود کو وقفے وقفے سے جھٹکے لگ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے میں ایک نمبر ڈائل کر سکا تھا۔ دوسری جانب بیل جا رہی تھی مگر کال ریسو نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ دو مرتبہ پھر میں نے بار بار ٹرائی کیا مگر نتیجہ وہی رہا۔ میں طیش اور جنون میں جیسے پاگل ہونے لگا۔ میں نے ایک بار پھر ٹرائی کیا تھا اور سیل فون اپنے کانپتے ہاتھ میں دبوچ کر کان سے لگائے حجاب کو گالیاں دینے لگا۔

''کتیا، سالی! فون اُٹھا بات کر مجھ سے۔''

میں چیخنے لگا۔ ایک بار پھر نو آنسرنگ آنے لگا۔ میں نے طیش میں سیل فون دور پھینک دیا۔ اور مغلظات بکنے لگا۔ میری آواز بھرانے لگی تھی۔ غصہ میرے دماغ میں ٹھوکریں مار رہا تھا شکست کا احساس مجھے روہانسا کر رہا تھا۔ میں ایک بار پھر ہارنا نہیں چاہتا تھا مگر مجھے ہار کا خوف ڈرا رہا تھا۔ اتنا ڈرا رہا تھا کہ میں اسی خوف میں مبتلا گھٹ گھٹ کر رونے لگا تھا۔

☆☆

اثر دل پر کرے شکوہ، شکایت ہو تو ایسی ہو
گلے لگ کر کوئی روئے، ندامت ہو تو ایسی ہو
یہی محسوس ہو جیسے، کئی صدیاں گزاری ہیں
فقط اک پل کی فرقت میں اذیت ہو تو ایسی ہو
مجھے کانٹا چبھے اور اس کی آنکھوں سے لہو ٹپکے
تعلق ہو تو ایسا ہو محبت ہو تو ایسی ہو

اگلے کئی دن تک میری طبیعت خراب رہی تھی۔ جو وجہ بھی ہوتی بات اصل یہ تھی کہ اماں اگلے دن ہی تمام آپاؤں کے ساتھ گاؤں رخصت ہو چکی تھیں۔ داور بھائی بھی یقیناً بھابھی کو لے کر چلے جاتے مگر میری طبیعت ہی اتنی خراب ہو گئی تھی۔ بھابھی اور بھائی نے مل کر میری تیمارداری کی تھی۔ کسی قسم کا کوئی شکوہ کیے بغیر انہوں نے دل سے میرا خیال اس طرح رکھا کہ میں خود اپنے رویے پر شرمسار ہو کر ان سے معذرت کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں بھائی! اس روز میں نے واقعی آپ سے زیادتی کی۔ ایکچوئلی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ لوگ اس طرح کا بھی ری ایکشن دے سکتے ہیں۔ تب مجھے اس طرح ہی صورتحال کو سنبھالنا آیا تھا جو شاید غلط تھا۔''

''اٹس او کے داوَد! تم جانے دو ہر بات! مجھے پتا ہے تم حجاب سے بہت محبت کرتے ہو اور اسے کھونے کے خیال نے تمہیں بوکھلا دیا تھا۔''

جواب بھائی کی بجائے بھابھی نے دیا تھا ان کا انداز کسی حد تک شوخی سمیٹے ہوئے تھا۔ میں گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''بھئی محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ اتاؤلی اور خوفزدہ کر دینے والی۔ پھر حجاب تو بنائی ہی محبت کرنے کو

گئی ہے۔ اتنی پیاری ہے کہ چھونے سے میلی ہونے کا خدشہ محسوس ہوتا ہے۔''

بھابھی کتنی دیر بیٹھی رہیں پھر میرے لیے سوپ بنانے چلی گئیں۔

''میں نے تمہارے سسرالیوں کو تمہاری طبیعت کا بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے آج کسی وقت آ جائیں۔''

داور بھائی کی اطلاع پر میں جیسے سر پیٹنے والا ہو گیا۔

''افوہ کیا ضرورت تھی خوامخواہ۔''

''خوامخواہ کیوں؟ وہ اپنے ہیں تمہارے۔ اگر ہمارے علاوہ کہیں اور سے یہ بات پتا چلتی تو مناسب ہوتا بھلا؟''

انہوں نے رسانیت سے کہا تو میں جواب میں کچھ نہیں بولا تھا۔

''ویسے تمہیں ہوا کیا؟ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کوئی شدید ذہنی ہیجان ہے جو تمہیں اَپ سیٹ کرتا رہا ہے۔''

داور بھائی کی بات کے جواب میں میرا چہرا تمتمانے لگا۔ میں نے بے ساختہ ان سے نگاہ چرائی تھی۔

''کیا ٹینشن ہے داوَد بتاوَ نا میرے بھائی!''

انہوں نے ایک دم میرا چہرا اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔ میں نے دیکھا ان کے چہرے پر میرے لیے فکرمندی، تشویش کے ساتھ ساتھ محبت کا رنگ بھی تھا۔ میں بے دلی سے جبراً مسکرایا تھا۔

''نتھنگ بھائی! مجھے کیا ٹینشن ہو گی بھلا۔ میری لائف اسٹابلش ہے۔ کیا کمی ہے میری زندگی میں؟'' میں نے انہیں صاف ٹال دیا۔ وہ بھی شاید سمجھ گئے کہ میں انہیں بتانا نہیں چاہ رہا جبھی انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ بھابھی سوپ لے کر آئیں تو اصرار کر کے مجھے پلایا تھا۔ بھائی نے خود میڈیسن کھلائی تھیں۔ پھر دونوں مجھے آرام کا مشورہ دیتے کمرے سے چلے گئے۔ میں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور تھکے ہوئے انداز میں لیٹ گیا۔ میرا سر جیسے ابھی بھاری تھا۔ لیٹے لیٹے کروٹ بدلنے پر میری نظر بیڈ اور ڈریسنگ کے بیچ خالی جگہ موجود اپنے ٹوٹے ہوئے سیل فون پر پڑی تو میرا ذہن ایک دم سے تناؤ کا شکار ہونے لگا۔ مجھے یاد آیا رات میں نے حجاب سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے میری کال پک نہیں کی تھی۔ ایک واہیات گالی میرے ہونٹوں پر پھر آ گئی۔ طیش سے میری مٹھیاں بھینچ گئیں وہ عون مرتضیٰ کی بہن تھی۔ میرے لیے اذیت کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی۔ ایک بار پھر اسے توڑنے مروڑنے کی وحشت بھری خواہش نے میرے فشار خون کو بڑھا دیا۔ اس کے بعد بہت دیر تک میں کلستا جھلستا رہا تھا پھر میڈیسن کی وجہ سے مجھ پر غنودگی چھا گئی تھی۔ دوبارہ میری آنکھ کھلی تو کمرے میں کچھ شور تھا میں نے کروٹ بدل کر دیکھا۔ عون مرتضیٰ کے ساتھ اس کے پپا تھے۔ یقیناً یہ بھائی کی اطلاع کا شاخسانہ تھا۔ میں خود کو کمپوز کرتا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''السلام علیکم!''

پیشانی پر بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے میں نے دزدیدہ نگاہوں سے عون مرتضیٰ کو دیکھا تھا۔ وہ اس دن کی طرح خطرناک سنجیدگی کے حصار میں نہیں تھا۔ میں ذرا سا ریلیکس ہوا۔

''وعلیکم السلام! کیسی طبیعت ہے؟''

عون کے پپا نے شفقت بھرے انداز میں مجھے مخاطب کیا تھا۔ میں آہستگی سے مسکرا دیا۔

''جی بیٹر! بھائی نے خواہ مخواہ آپ کو زحمت دی۔ میری طبیعت کوئی اتنی بھی خراب نہیں تھی۔'' میرے لہجے کے تکلف پر عون مرتضٰی نے ایک نگاہ مجھے دیکھا تھا البتہ کچھ کہنے سے اب بھی گریز برتا۔

''یہ تو بیگانگی کی باتیں ہیں بیٹے! آپ شاید ہم سے خفا ہیں۔''

عون کے پپا نے اسی ٹھہرے ہوئے شائستہ انداز میں کہا تو میں ایک لمحے کو خفیف سا ہو گیا۔

''نہیں انکل پلیز! ایسی بات بالکل بھی نہیں بلکہ اماں کی بات سے جو پریشانی آپ کو سہنا پڑی میں اس پر شرمندہ ہوں۔''

میں نے جواباً تہذیب اور فرمانبرداری کی حد کر دی۔ وہ رواداری سے مسکرائے۔ بھابھی نے چائے اور اسنیکس سے ان لوگوں کی ضیافت کی تھی۔ ان دونوں نے صرف چائے پی تھی۔ پھر جانے کو اُٹھ کھڑے ہوئے تھے میں انہیں باہر تک چھوڑنے کو اُٹھا تو عون مرتضٰی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''اس فارمیلٹی کی ضرورت نہیں ہے داؤد! ریلیکس ہم چلے جائیں گے۔''

وہ اس دوران پہلی مرتبہ کچھ بولا تھا اور اس طرح کہ میرے اندر سنسناتے ہوئے تمام خدشے، واہمے جیسے اپنی موت آپ مر گئے تھے۔ میں جیسے یکا یک پُرسکون ہونے لگا۔

''تھینکس عون!''

میں نے اس کا ہاتھ تھاما

''فار واٹ!'' اس نے استعجابی انداز میں بھنوؤں کو جنبش دی تھی۔

اور میں مسکرا دیا تھا۔ جواب میں کچھ بھی کہے بغیر ان لوگوں کے جانے کے بعد میں ایک بار پھر بستر پر لیٹ گیا تھا۔ ایک بار پھر میں اپنے من پسند خواب سجا سکتا تھا۔ عون صاحب کو برباد کرنے کے خواب۔

☆☆

تجھے ناز ہے تو حسین ہے تیرے گلستاں کی مثال کیا
مجھے فکر ہے میں عشق ہوں جو جلا نہ دوں تو کمال کیا
مجھے زندگی کی دعا نہ دے مجھے زندگی کی طلب نہیں
میری موت کو جو ٹال دے اس زندگی کی مثال کیا
مجھے منزلوں کی خبر نہیں مجھے رہگوار کی تلاش ہے
اس راہگزر پر نکل پڑے تو عروج کیا اور زوال کیا
تیرے پیار میں شکوے گلے تیرے اداؤں پر ہم مر لے
جو حیات تھی تجھ پر وار دی اب اور سوال و جواب کیا

اگلی مرتبہ جب میں نے حجاب سے کانٹیکٹ کیا تھا تو اس کے سیل نمبر کو ٹرائی نہیں کیا۔ وہ شاید مجھ سے بات کرنے سے گریزاں تھی۔ میں نے لینڈ لائن نمبر پر رابطہ کیا۔ فون ان لوگوں کی ملازمہ زبیدہ نے اُٹھایا تھا۔ میں نے اسے اپنا تعارف کرایا اور حجاب سے بات کرانے کی تاکید کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ حجاب کو یہ نہ بتائے کہ فون پر میں ہوں۔ جواباً وہ چہکی تھی اور ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''ہماری چھوٹی بی بی لڑکوں سے بات نہیں کرتی ہیں جی! پر آپ تو ان کے منگیتر ہونا۔ نہیں بتاتی جی! پر ہوسکتا ہے وہ آپ سے بھی بات نہ کریں۔''

وہ مجھے ہولڈ کرا کے چلی گئی تھی۔ میں نے سگریٹ کے کئی کش لیتے اپنے اندر کے تناؤ کو کم کرنے کی کوشش کی جو زبیدہ بیگم کی باتوں سے بے تحاشا بڑھ گیا تھا۔ مگر اس وقت میرا دماغ بالکل خراب ہو گیا تھا جب ملازمہ نے دوسری مرتبہ آ کر مجھ سے بات کی اور منمنا کر بتایا کہ حجاب نے کیا کہا ہے۔ مجھے لگا تھا اگر میں بولا تو گالیاں ہی دوں گا۔ اتنا ہی غصہ آ رہا تھا مجھے مگر میں نے خود پر بے تحاشہ جبر کیا اور زبیدہ سے کہا وہ حجاب سے جا کر کہے اس کی دوست کا فون ہے۔ وہ پھر چلی گئی۔ حجاب کا گریز اور احتیاط مجھے اس کا طنطنہ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنی حرکتوں سے میرے غیض کو آواز دے رہی تھی گویا! میں نے اس کام کو جتنا آسان سمجھ لیا تھا۔ شاید یہ اتنا آسان تھا نہیں مگر یہ میرے لیے چیلنج تھا۔ میں ہر قیمت پر اب عون مرتضٰی کے ساتھ ساتھ حجاب سے بھی اپنی انسلٹ کا بدلہ لینے کو تلملا رہا تھا۔ میں یونہی پیچ و تاب کھا رہا تھا جب میں نے اس کی آواز سنی تھی۔ محترمہ عزت دار صاحبہ فون پر تشریف لا چکی تھیں۔ ایک مرحلہ سر ہوا تھا ابھی اور مرحلے باقی تھے۔ اسے میں نے ابھی کچھ اور ذلیل کرنا تھا۔ اسے بہکا کر میں نے اپنے گھر تک پھر اپنے بستر تک لے کر جانا تھا۔ اپنی تلخ و ترش سوچوں اور خیالات کے برعکس میں نے اس سے بڑے رومینٹک انداز میں گفتگو کا آغاز کیا جس میں استحقاق کی واضح جھلک تھی۔ میں اسے ہر قیمت پر اپنی جانب مائل کرنا چاہتا تھا۔ چند ایک باتوں کے بعد میں اپنے مقصد کی جانب آ گیا۔

''مجھے آپ سے ملنا ہے۔''

وہ جو پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی اس فرمائش پر یقیناً مضطرب ہو گئی تھی۔ اب مجھے تڑ سے جواب بھی نہیں دے سکتی تھی۔ آف کورس میری حیثیت اس کی زندگی میں واضح ہو چکی تھی۔ میں نے اسے متاثر کرنے بلکہ بے چین کرنے کو کچھ ڈائیلاگز جھاڑ دیئے۔ اور پھر دوبارہ وہی تقاضا کیا۔ ملنے کا تقاضا! مگر وہ کترانے لگی۔ مگر میں بھی یہ موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔ جبھی کچھ جذباتی سے انداز میں پھر کچھ ڈائیلاگز جھاڑے تھے۔ مگر اس وقت میرا دماغ کسیلے دھوئیں سے بھرنے لگا تھا جب اس نے اچانک فون بند کر دیا۔ میں نے دانت بھینچ کر سیل فون پٹخ دیا۔ پھر جیسے میں پاگل ہو گیا تھا بار بار اس کا سیل نمبر ٹرائی کرتے ہوئے، میں اسے وہ ساری گالیاں بار بار دیتا رہا تھا جو مجھے آتی تھیں۔ مگر اس نے کال ریسو نہیں کی۔ تب میں نے درد سے پھٹتے سر کے ساتھ اس کے نمبر پر کچھ میسجز سینڈ کیے تھے۔ جن میں شاعری کے علاوہ اپنی جذباتیت اور دیوانگی کا اظہار بہت گھمبیر انداز میں کیا گیا تھا۔ پھر تو جیسے مجھے ایک مشغلہ ہاتھ آ گیا۔ وہ میری کال پک نہیں کرتی تھی۔ مگر میرے میسجز ضرور پڑھے گی میں

جانتا تھا اور فی الحال یہ ذریعہ بھی کافی تھا مقصد تو اس تک اپنے احساسات پہنچانا تھا۔ اس میں بھی شک نہیں تھا کہ اس لڑکی کو لائن پر لانے کی خاطر مجھے بہت محنت کرنا تھی۔

☆☆

اگلے روز علینہ کی خودکشی کی کوشش کی خبر میرے اعصاب پر بم بن کے گری تھی۔ زومانے بتایا تھا ایسا اس نے میری وجہ سے کیا ہے۔ میں ششدر رہ گیا۔

"میری وجہ سے کیوں؟" مجھے جانے کیوں غصہ آیا تھا اس الزام پر۔

"تم نہیں جانتے؟" زومانے طنزیہ کہا۔

"وہ پسند کرتی ہے تمہیں۔ بلکہ پاگل ہو رہی ہے تمہارے حصول کی خاطر۔"

زومانے اپنی بات پر زور دیا تھا۔ میں جھنجھلانے لگا۔

"وہ کوئی ٹین ایجر نہیں ہے زوما! تم بھی فضول بات مت کرو۔ یہ کوئی عمر ہے اس کی ایسی حرکتوں کی؟"

"عشق عمر کب دیکھتا ہے داؤد! پھر وہ بوڑھی تو نہیں ہوگئی۔"

"بتیس سال کی عمر میں تم اسے دوشیزہ بھی نہیں کہہ سکتی ہو۔ بہرحال میں اس بحث میں پڑنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہ سراسر اس کا اپنا فیصلہ، اپنی حماقت ہے۔"

میں بڑے آرام سے بری الذمہ ہو گیا تھا۔

"اتنے بے حس نہ بنو ابوداؤد! تمہاری ذرا سی توجہ اور ہمدردی اسے زندگی کی طرف مائل کر سکتی ہے۔" زومانے جیسے منت کی تھی۔ میں حیران ہونے لگا۔

"کیسی توجہ اور ہمدردی؟"

"جیسی تم پہلے اسے دیتے تھے۔ نہ کرو اس سے شادی بھلے مگر اس سے ملو تو سہی بات تو کرو۔ وہ لجاجت سے بولی تو میں نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔"

"دیکھو تم جانتی ہو میں اب انگیجڈ ہوں۔ اب میں یہ افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"یہ کیا بیک ورڈ فیملی کی کسی لڑکی کی سی مجبوریاں بتلانے لگے ابوداؤد! کم آن تم مرد ہو اور آزاد بھی۔"

"تم مجھے بہکانا چاہ رہی ہو؟ شیم آن یو۔"

میں ہنس دیا تھا۔ وہ جواباً خفا ہونے لگی۔

"ابوداؤد وہ مر جائے گی پلیز!"

"اوکے میں آج اسے مل لوں گا۔" میں نے وعدہ کر لیا۔

"تھینکس! ویسے تمہاری فیانسی بہت پیاری ہے۔ اگر وہ علینہ کے حوالے سے غلط فہمی کا شکار ہوئی تو مجھے بتانا میں معاملہ کلیئر کرادوں گی۔"

"اس تعاون کے لیے ایڈوانس میں شکریہ!"

میں نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ اس شام میں ذرا فارغ تھا۔ میں نے اسی شام علینہ سے ملنے کی ٹھان لی۔ میرا ارادہ اس سے مل کر ذرا اس کا دماغ ٹھکانے لگانے کا بھی تھا۔ وہ ابھی تک ہاسپٹلائزڈ تھی۔ میں اسے ملنے پہنچا تو اس کی بجھی ہوئی آنکھوں میں مجھے دیکھ کر جیسے زندگی جاگ اٹھی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر بے ساختہ رونے لگی۔ میں نے اس کا سر تھپکا تھا۔

"یہ کیا بیوقوفی تھی علینہ!" میں نے گویا سرزنش کی تھی۔

"تم نے سب کچھ سچ کہا تھا ابوداؤد! میں واقعی بہت بری عورت ہوں۔ جس میں نہ وفا ہے، نہ ایثار، نہ قربانی، نہ کوئی اور خوبی! ابوداؤد ایسی عورت کو ماں بننے کا حق نہیں ہے نا؟"

وہ بے حد رنجور ہو رہی تھی۔ مجھے لگا میں اس کے ساتھ زیادتی کر چکا ہوں۔ اس نے میری باتوں کا اتنا اثر لے لیا تھا۔ میں آہستگی سے اس کے بیڈ کے کنارے ٹک گیا۔ اور اسے تسلی دی۔

"ریلیکس علینہ! پلیز ٹیک اٹ ایزی! میری باتوں سے تمہیں دکھ پہنچا، مجھے معاف کر دو۔" میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تو وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح ڈھلک کر میرے شانے سے لگ گئی تھی۔ میں نے اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا اور کسی بچی کی طرح تھپک کر تسلی دیتا رہا۔

"تم بیشک مجھ سے شادی نہ کرو ابوداؤد مگر مجھ سے اپنا تعلق ختم نہ کرو۔"

وہ التجا آمیز نظروں سے مجھے دیکھ کر بولی تو میں نے یونہی سر کو اثبات میں ہلا دیا تھا۔ تبھی میرے سیل فون کی بیپ ہونے لگی۔ میں نے جینز کی جیب سے سیل فون نکالا۔ عون مرتضیٰ کی کال تھی۔ میں کچھ حیران ہوا۔ علینہ ابھی تک میرے ساتھ چپکی ہوئی بیٹھی تھی۔ میں نے کال پک کرنے سے قبل اسے دور ہٹانا چاہا مگر وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ میرا دھیان اب ویسے بھی بٹ چکا تھا جبھی میں نے توجہ دیئے بنا عون کی کال پک کی تھی یہ تو طے تھا کہ وہ کبھی بھی بنا مقصد یا ضروری بات کے فون نہیں کیا کرتا تھا۔

"کہاں ہو ابوداؤد؟"

سلام اور خیریت کے بعد اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

"میں ہاسپٹل میں ہوں اپنے ایک دوست کی مزاج پرسی کو آیا ہوں۔ خیریت؟"

"کونسا دوست؟ میں جانتا ہوں اسے؟"

اس نے سرسری سا پوچھا مگر میں محتاط ہو گیا تھا۔

"نہیں تم نہیں جانتے! یہ ہمارے گاؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ خیر تم بتاؤ کچھ کام تھا؟"

میں نے ٹال کر دوسری بات کی۔

"نہیں کام تو نہیں تھا۔ بس ذرا فارغ تھا سوچا تمہاری طبیعت پوچھ لوں۔"

"تھینکس میں اب بہتر ہوں۔" میں نے ممنونیت کا تاثر دیا۔ اس نے چند اِدھر اُدھر کی مزید باتوں کے بعد فون بند کر دیا تو میں نے گہرا سانس بھر کے کاندھے اچکائے۔

''کون تھا؟'' علینہ نے بے تکلفی سے پوچھا!

''ہمارے سالا صاحب!'' میں نے ہنستے ہوئے کہا تو جواباً وہ آنکھیں نچا کر بولی تھی۔

''اوہ پھر تو تمہارا یہ جھوٹ بنتا تھا۔ ویسے مجھے اچھا لگا یہ سب!''

اس کا اشارہ پتا نہیں کس طرف تھا میں دھیان دیے بنا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''جا رہے ہو؟'' وہ یکا یک اداس نظر آنے لگی۔

''اور کیا اب میں تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا رہوں؟''

میرے جیسا بندہ کسی سے اتنی مروت برت لے کافی تھی۔ میں ایک طرح سے اس پر برس پڑا۔

''کاش تم میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھے رہتے۔ کاش میں علینہ نہ ہوتی حجاب ہوتی۔''

وہ جیسے خود ترسی کا شکار ہو رہی تھی میں نے چونک کر اسے دیکھا پھر زہرخند سے بولا تھا۔

''پھر تو تم شکر ادا کرو کہ تم حجاب نہیں ہو۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ٹھٹھکی۔ میں نے تلخی سے سر جھٹک دیا۔

ہر بات سمجھانے کی نہیں ہوتی۔ آج سے چند سال بعد کبھی حجاب سے ملو تو تم میری بات کا مطلب بہ آسانی سمجھ لوگی۔''

میں نے پھنکار کر کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے بیٹھی تھی۔

☆☆

اگلے دن جب میں لنچ کے لیے اپنے آفس کے قریبی ریسٹورنٹ میں گیا تو وہاں غیر متوقع طور پر میری ملاقات حجاب سے ہوگئی تھی۔ وہ اپنی کالج کی فرینڈز کے ساتھ تھی۔ اسے روبرو پانا میرے لیے ایک خوشگوار احساس تھا میں خود کو اس کے پاس جانے اور بات کرنے سے روک نہیں سکا۔ دوسرے لفظوں میں میں یہ سنہری موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ مجھے روبرو پا کے بہت گھبرا اُٹھی تھی۔ میں نے اس کی فرینڈز سے اپنا تعارف کروایا اور ان کے ساتھ اسی ٹیبل پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی نسبت اس کی تمام فرینڈز بہت پُراعتماد اور فرینک ہونے والی تھیں۔ شوخ مزاج اور چنچل میں نے ان کی باتوں کو واقعی انجوائے کیا تھا۔

تو سامنے ہے مگر تشنگی جاتی نہیں
یہ کیا ستم ہے کہ دریا سراب جیسا ہے

میں نے حجاب کو نظروں کے فوکس میں رکھ کر موقع کی مناسبت سے ایک شعر پڑھ کا دیا تھا۔ اس کی گھبراہٹ مجھے مزا دے رہی تھی۔ وہ کتنا سٹپٹا گئی تھی۔ خفت زدہ سی نظریں چراتی ہوئی۔ بہت حسین لگ رہی تھی کہ میں نے اسے کچھ اور زِچ کرنے کو کچھ اور ستانے کو ایک اور شعر پڑھا۔

یہ کیا کہ ہمیشہ میری تھکن ہی تجھے صدا دے
کبھی تو خود بھی سپردگی کی تھکن میں آؤ

یہ میری بے باکی کا مظاہرہ ہی تھا شاید کہ وہ روہانسی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی فرینڈ کی اطلاع پر کہ وہ رو رہی ہے میرے اعصاب کی سرمستی کی جگہ کشیدگی اور تناؤ نے لے لی۔ کیا سمجھتی تھی وہ خود کو؟ بہت عزت دار تھی۔ اور میں نے سرِ عام اس کی شان میں گستاخی کر دی تھی۔ میں خود کو کمپوز کرنے کی کوشش میں خاموش رہا تھا۔ یہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی شرافت کا ہی مظاہرہ تھا کہ وہاں سے واپسی کو جب میں اُٹھا تو اسے تھوڑا سا سبق سکھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کی فرینڈز کو ٹرخا کر میں نے اسے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ وہ سہمی ہوئی چڑیا کی طرح نظر آتی تھی۔ اسے میرے ارادے کی خبر بہت دیر سے ہوئی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد میرے اندر کی شیطانیت ظاہر ہونا شروع ہوگئی تھی۔ جس میں وحشت کا رنگ غالب تھا۔ میں نے اسے خوف زدہ ہوتے محسوس کیا مگر پرواہ نہیں کی۔ مگر جب وہ میری بے باکی سے متوحش ہو کر رونے لگی تب میں ذرا ہوش میں لوٹا تھا۔ اور پھر اپنی حرکت کا تاثر مٹانے کو بات بدل دی تھی۔ انداز بدل لیا تھا۔ وہ میرے یک بیک بدلتے موڈ سے ہراساں خائف ہوتی مجھے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اس نے یونہی روتے ہوئے مجھے اپنی ماں کا فرمودہ سنایا تھا جس کو سن کر میرے کشیدہ اعصاب مزید کشیدہ ہونے لگے۔ اس کا مطلب تھا اس کے دماغ میں گناہ و ثواب کا تاثر بہت گہرا تھا۔ اور مجھے آئندہ بہت مشکل پیش آنے والی تھی۔ میں نے جواب میں اپنا نقطہ نظر اس پر واضح کرنے بلکہ ٹھونسنے کی کوشش کی تھی کہ پچ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں اسے ہر قیمت پر اس راہ پر لانا چاہتا تھا۔ وہ راہ جس پر وہ چلتی تو عون مرتضیٰ کی عزت کی دھجیاں بکھر جاتیں۔ میں اس کے دل سے اس احساس کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ ہر ممکن طریقے سے مگر وہ قائل ہو کر نہیں دے رہی تھی۔ تب مجھے ایک بار پھر جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔ میں اسے بتانے لگا وہ میرے لیے کیا ہے اور میں اس کے بغیر کتنا ادھورا ہوں وغیرہ وغیرہ مگر وہ عجیب خر دماغ لڑکی تھی۔ ڈھیٹ، بے حس مٹی سے بنی تھی۔ کہ اس پر محبت کا، جذباتیت کا، اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔ میں جھنجھلانے لگا۔ میرا موڈ بے حد خراب ہو رہا تھا۔ گاڑی اس کے گھر سے کچھ فاصلے پر روک کر میں نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ رونے دھونے کا کوٹا پورا کر چکی تھی شاید۔ اب مطلع صاف تھا۔ بھیگی پلکیں آنکھوں کی سطح پر تیرتی خفیف سی لالی آنسوؤں سے دھل کر نکھرا ہوا چہرا۔ اُف وہ ہر روپ میں پہلے سے بڑھ کر دلکش نظر آتی تھی۔ مجھے لگا تھا میں اس تنہائی اور گستاخی پر آمادہ کر دینے والی قربت میں اتنا زیادہ بہک جاؤں کہ حد نہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور نظر کا زاویہ بدل لیا۔

''خود کو ریلیکس کریں حجاب! ورنہ دیکھنے والے پریشان ہی نہیں مشکوک بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کی حالت ایسی ہی ہے۔''

پریشان بال آنکھ میں آنسو اتری ہوئی صورت
نصیب دشمناں ایسے میں آئے ہو کہاں ہو کر

میں مسکرایا اور وہ بوکھلا گئی تھی۔ چادر اور اپنا بیگ سنبھال کر اُٹھنے لگی تھی جب میں نے بہت آہستگی اور ملائمت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

نظر کے سامنے حسن بہار رہنے دو
جمال دید کو پروردگار رہنے دو
سوال شوق کا کوئی جواب ہو کہ نہ ہو
ہمارے دل میں امید بہار رہنے دو

میں مسکرایا تھا بہت دل آویز انداز میں۔ پھر اس کا ہاتھ مدھم انداز میں دبا کر چھوڑ دیا۔ میرے خیال میں میں بہت نہیں بھی تو کچھ نہ کچھ اپنی شدتیں اس پر واضح کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

☆☆

اس سے کچھ دن بعد میں نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ میں اپنے تئیں اسے بے قرار کر چکا تھا۔ میری شخصیت کا سحر ایسا ہرگز نہیں تھا کہ مخالف پر اثر انداز نہ ہوتا مگر حجاب کے معاملے میں سب اُلٹ ہو رہا تھا میں جو اس کی طرف سے رابطے کا منتظر تھا خود فون کرنے پر بھی جب اس نے بات نہیں کی تو ایک بار پھر میں آگ بگولہ ہونے لگا تھا۔ کچھ دیر اپنے طیش پر قابو پانے کے بعد میں نے ایک بار پھر شاعری اور ٹیکسٹ کا سہارا لیا تھا۔

پھر میٹھی پیار کی باتیں ہوں
بحث و تکرار کی باتیں ہوں
جب جانے کی وہ بات کرے
اک دم سے بارش آجائے
اور یوں وہ کچھ پل ساتھ رہے
کوئی بات سنے کوئی بات کہے
بارش رکنے کی کوئی آس نہ ہو
دن ڈھلنے کا احساس نہ ہو
یوں باتوں میں وہ کھو جائے
اے کاش کہ ایسا ہو جائے

اس چکر میں اتنا انوالو ہو گیا تھا کہ باقی کی میری دلچسپیاں جیسے ختم ہو کر رہ گئی تھیں۔ بھلے یہ انتقام کا کھیل تھا مگر تھا بہت دلچسپ۔ حجاب کا حسن ایسا نہیں تھا کہ اگنور کر دیا جاتا۔ وہ عام لڑکی بھی نہیں تھی جسے آسانی سے شکار کیا جا سکتا۔ اور مجھے مشکل کام خاص طور پر اتھری اور مغرور لڑکیاں ہی بھاتی تھیں۔ پکے ہوئے پھل کی طرح جھولی میں آ گرنے کو تیار رہنے والی عورت میں مجھے کبھی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ یہ افسوس کا مقام تھا کہ آج کل ایسی عورتوں کی ہی تعداد زیادہ تھی۔ حجاب اپنے نام کا پورا بھرم قائم رکھے ہوئے تھی۔ وہ واقعی حجاب تھی۔ اگر وہ عون مرتضٰی کی بہن نہ ہوتی تو ایک بہترین شریک زندگی کے طور پر مجھے بہت سوٹ کرتی۔ مگر وہ عون مرتضٰی کی بہن تھی اور میرے لیے محض تسکین انتقام اور استعمال کی ایک چیز۔

حجاب کے رویے سے بد دل اور مایوس ہو کے میں نے ایک اور بولڈ اور حتمی قدم اُٹھایا تھا۔ مجھے ہر صورت اسے ملنے تھا اور اس کے لیے چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑتا۔ مجھے اور کچھ نہ سوجھا تو میں اس کے کالج چلا آیا۔ اس کا انتظار اور اس کی کوفت سے بچنے کو میں فون پر مصروف ہو گیا۔ دوسری جانب زوما تھی جو مجھے علینہ کی حماقتوں کی داستانیں سنا رہی تھی۔ مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ میں تو جیسے کوفت سے بچنے کو اس وقت اس سے بات کر رہا تھا۔ پھر وہ نکل کر آتی نظر آئی میں نے سیل فون جیب میں ڈالا اور اس کی جانب لپک کر آیا۔ وہ شاید مجھے دیکھ نہیں سکی تھی میں نے اس کا راستہ روک لیا۔ مگر میں نے جب اس سے بات کی تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے کے مصداق بات کی تھی۔ وہ بے حد نروس محسوس ہوئی شاید اسے اپنی پوزیشن کا احساس تھا۔ یہ احساس تو مجھے بھی تھا جبھی میں نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کا کہا تھا۔ مگر وہ کبھی بھی میرے لیے آسان ہدف نہیں ہو سکتی تھی پھر اب کیسے ہوتی۔ میں نے اسے جتلایا تھا کہ وہ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہی۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ وہ مجھ پر بھروسہ نہیں کرتی۔ میرے اندر آگ لگی ہوئی تھی۔ میں بری طرح سے زچ تھا۔ شاید اس پل میری کچھ اندرونی کیفیت میرے لہجے میرے چہرے سے چھلک گئی تھی۔ میں نے اسے پہلی بار ذرا بے بس محسوس کیا۔ وہ کچھ کہے بغیر میرے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ شاید اپنے تئیں اس نے مجھے اپنے بھروسے کا احساس بخشنا چاہا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی میں اس کے اس بھرم کو کیسے ریزہ ریزہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ وہ سنہری پروں والی وہ تتلی تھی جس کے رنگ میں اپنی پوروں پر اُتارنے کو مچل رہا تھا۔ گاڑی کو گھر کے راستے پر ڈال کر میں نے اس سے ہلکی پھلکی گفتگو شروع کر دی۔ مقصد اس کی جھجک ختم کرنا اور خود سے فرینک کرنا تھا۔ اس کوشش میں میں نے ایک معمولی سی جسارت کی اس کے نرم بالوں کی کچھ لٹیں جو اس کے چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھیں میں نے انہیں ہاتھ میں لے کر ان کی نرمی کو محسوس کیا تھا۔ اس نے شاید برا منایا۔ وہ سمٹ سی گئی تھی۔ اس خوفزدہ ہرنی جیسی لڑکی کو مزید حراساں کر کے مجھے ہمیشہ ہی بہت تسکین ملی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ میری کوشش اسے عون مرتضٰی سے بدگمان کرنے کی بھی تھی۔ یہ کام بھی بہت آسان نہیں تھا مگر مجھے کرنا تو تھا۔ تب ہی ایک پھول بیچنے والا لڑکا مجھے پھول لینے پر اصرار کرنے لگا۔ میں نے پھول لے کر حجاب کو دیئے تھے ساتھ ہی اس کے گریز کو نشانہ بنا کر اپنی یاسیت کا بھی اظہار کر دیا۔ پھر اس کے بعد بھی میں اس سے اپنے مقصد کی باتیں کرتا رہا۔ ایسی باتیں جو میں اس کی بجائے کسی اور لڑکی سے کرتا تو یقیناً وہ اپنے نصیب پر رشک کرتی۔ مگر وہ حجاب تھی ایک اوکھی مہم، ایک ناقابل شکست لڑکی! جسے بالآخر میرے پیروں کی دھول بن جانا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا وہ خود کو بااعتماد ظاہر کر رہی ہے جتنا اتنی ہے نہیں۔ وہ اندر سے خائف تھی۔ جبھی تو میرے گھر جانے کا سن کر سراسیمہ نظر آنے لگی تھی۔ میں اسے گھر لے آیا۔ اپنے بیڈ روم میں۔ ایک کے بعد دوسرا مقصد پایہ تکمیل تک پہنچ چکا تھا۔ اس کا اعتماد رخصت ہو چکا تھا۔ وہ بالکل وحشت زدہ ہو کر رہ گئی تھی۔ جب میں نے اسے بتایا اس گھر میں میں اکیلا ہوتا ہوں۔ اس روز مو[...] یک دم خراب ہو گیا تھا۔ ایک طوفان باہر تھا اور دوسرا میرے اندر، اگر میں چاہتا تو تیسرا اور حتمی مرحلہ طے کرنا کچھ کٹھن نہیں تھا۔ وہ مکمل طور پر میری دسترس میں تھی اور میں ہر لحاظ سے اس کے اوپر حاوی تھا۔ مگر یہ جلد بازی مجھے وقتی فائدہ دے سکتی تھی اور عون کو معمولی تکالیف

اور رسوائی۔ جبکہ میں اس کے لیے عمر بھر کی ذلت و رسوائی اور لمحہ لمحہ کی اذیت کا خواہش مند تھا۔

بیڈروم سے باہر آکر میں نے بٹلر کو چائے بنانے کا کہا اور خود پلٹ کر ایک بار پھر اندر آ گیا۔ وہ رخ پھیرے کھڑکی سے باہر متوجہ تھی۔ کمرے کی فضا میں گرد کی باس اور آندھی کا شور در آیا تھا۔ اس کا ریشمی اسکارف سر سے ڈھلک گیا تھا۔ اور نم ہوا کے جھونکوں سے بال پیچھے کی جانب اُڑ رہے تھے۔ میں بے آواز قدموں سے اس کے بے حد نزدیک آ گیا۔ اتنا نزدیک کہ اس کے بدن کی مسحور کن خوشبو براہِ راست میرے اعصاب کو جکڑنے لگی۔ میں نے نرمی اور ملائمیت سے اس کے سیاہ مخملیں بالوں کو چھوا اور بے ساختہ تعریف کرنے لگا۔ وہ چونک کر ٹھٹھک کر مڑی۔ اور مجھے دیکھ کر متوحش نظر لگی۔ وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی مگر میں آج اس کی ہر کوشش کو ناکامی کا منہ دکھانا چاہتا تھا۔ میں اسے ہر قیمت پر اپنی ذات کی اہمیت بتانا چاہتا تھا۔ میرے اندر کی وہ ساری کیفیات جو اسی راہ پر چلتے ہوئے ہزیمت کی صورت مَیں نے برداشت کی تھی اس پل اعصاب شکن احساس کے ہمراہ میرے ساتھ تھی۔ اس نے بھی شاید میری کیفیت کو نوٹ کر لیا۔ میری بہکی ہوئی نظروں نے کچھ تو اسے جتایا تھا۔ جبھی وہ موسم کی خرابی کا بہانہ کر کے گھر جانے کو کہنے لگی۔ مگر میرا دل کہاں بھرا تھا نہ اس کی ہراسگی سے نہ ہی اس کی گھبراہٹوں سے۔ میں کچھ اور بہکنے لگا اور وہ بھی دانستہ۔

وہ لمحے بہت خاص تھے جب عون مرتضٰی کی عزت سے میرے ہاتھوں میں تھی۔

میں نے اسے اپنے نزدیک آنے کا کہا۔ میں اسے ہر طور پر آزمانا، بے بس کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ شدید خوف اور عدم تحفظ کے احساس کے باوجود ان فاصلوں کو پاٹنے پر آمادہ نہیں تھی جو ہمارے درمیان حائل تھے۔ میرا جی مکدر ہونے لگا۔ اس کا گھر لوٹنے کا تقاضا بڑھ رہا تھا۔ اس سحر انگیز موسم میں ایک بے حد ڈیشنگ مرد کی قربتوں میں بھی وہ احمق لڑکی گناہ ثواب عزت اور وقار کے چکروں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ وہ واقعی بہت ڈھیٹ مٹی کی بنی ہوئی تھی۔ مجھے پھر جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ جب میں ہر طرح سے اس سے دماغ کھپا چکا اور اس پر اثر ہوتا نظر نہیں آیا تو میرا دل اس کا گلا گھونٹنے اور جان سے مار دینے کی مجنونانہ خواہش سے بے تاب ہونے لگا۔ یہ خواہش اتنی شدید تھی کہ میں خود سے ہی خائف ہو کر رہ گیا۔ جبھی اور کچھ نہیں سوجھا تو اسے واپس چھوڑنے کو تیار ہو گیا۔ مگر جب ہم لان تک پہنچنے اور پورٹیکو کی جانب جا رہے تھے۔ موسم کی طوفانی شدت نے ایک کرشمہ دکھایا۔ بادل کی خوفناک گرج سے حجاب ڈری تھی اور میرے نزدیک آ گئی خود سے۔ میں پہلے تو حق دق ہوا تھا۔ پھر میرا دل قہقہہ لگا کر ہنسنے کو چاہا۔ آہ کاش میں اس بات پر قادر ہوتا کہ اس پل یہ منظر عون مرتضٰی کو دکھا سکتا۔ اس کی پارسا مغرور بہن اس وقت بغیر کسی شرعی رشتے کے اس کے جانی دشمن سے لپٹی کھڑی تھی۔ جسے ہمیشہ میرے چھو لینے پر بھی ناگواری ہوتی تھی وہ ایک ذرا سی بادل کی گرج سے وہاں کھو کر اپنا وہ حصار توڑ چکی تھی جسے باندھ کر رکھنے کا دعوہ وہ پچھلی ملاقات میں میرے سامنے کر چکی تھی۔ وہ۔ یہ جذباتی کیفیت اور خوف کا احساس لمحاتی تھا وہ جلد سنبھل گئی تھی مگر اس کا طنطنہ تو ٹوٹ چکا تھا۔ میں نے تو کبھی پارسائی کا دعوہ کیا ہی نہیں تھا۔ پھر میں ایسے لمحات میں کیوں خود پر پہرے بٹھاتا بلکہ میں نے اس موقع سے بہترین فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ میری وحشت بھری مجنونانہ گرفت میں ماہی بے آب کی مانند مچلی

تڑپی تھی اور پھر بے بسی کی انتہاؤں پر پہنچ کر رو دی تھی۔ میں نے اتنے کو ہی کافی جانتے ہوئے اسے آزاد کر دیا۔ میں نے کبھی خواہش نہیں کی تھی اس کے ساتھ بارش میں بھیگنے کی مگر یہ تجربہ بہت دل آویز ثابت ہوا۔ وہ رو رہی تھی اور میرے جلتے دل پر جیسے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑ رہے تھے۔ میں نے اسے چپ کرایا اور اس سے پہلا سچ بولا میں نے اسے بتایا کہ میں ہر حد توڑنا چاہ رہا ہوں مگر خود پر صرف اس کی وجہ سے ضبط کے پہرے بٹھائے ہیں یہ سچ تھا۔ کس قدر گھاٹے کا سودا اور میں اب گھاٹا کھانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ پتا نہیں اس نے میری بات کا کس حد تک یقین کیا تھا۔ مجھے اس بات کی قطعی پرواہ نہیں تھی۔ آج کی اس ملاقات میں ہونے والے نفع نقصان پر غور کیے بنا میں مسرور تھا۔ وہ جاتے جاتے میرے پاس بہت حسین یادیں چھوڑ گئی تھی۔

☆☆

بے بسی، بے خیالی، بے خودی دے گیا
کچھ نئے تجربے وہ ہم نشیں دے گیا
سوچنے کے لیے پل کی مہلت نہ دی
جاگنے کے لیے اک صدی دے گیا
لے گیا جان و دل جسم سے کھینچ کر
ہاں مگر روح کی تازگی دے گیا
اس کے آجانے سے ہر کمی مٹ گئی
جاتے جاتے وہ اپنی کمی دے گیا
اس کی سوداگری میں بھی انصاف تھا
زندگی دے گیا زندگی لے گیا

میں نے بڑی دل جمعی سے یہ غزل ٹائپ کر کے حجاب کے نمبر پر سینڈ کی تھی۔ معنی خیز حوالہ اس آخری ملاقات کا تھا۔ میں ہر ممکن کوشش کر رہا تھا اس کے دل میں جونک لگا سکوں۔ اگر میں اس میں کامیاب ہو جاتا تو پھر عون مرتضٰی کی شکست یقینی تھی۔ مزید چند دن گزر رہے تھے جب مجھے بذریعہ کوریئر فیضان کی منگنی کا انویٹیشن کارڈ ملا تھا۔ مجھے جیسے عون سے بات کرنے کا بہانہ مل گیا۔ میں نے اسی وقت اس کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم!"

"وسلام!" رابطہ ہونے پر میں نے عون کی سنجیدہ و متین آواز سنی تھی۔

"کیسے ہو عون! بہت مبارک ہو فیضان کی منگنی کی۔ تم اس سے کیسے پیچھے رہ گئے۔؟"

میں پہلی مرتبہ عون سے اس درجہ خوشدلی اور فرینڈلی انداز میں بات کر رہا تھا تو وجہ اس کی ہار کا احساس مزا دے رہا تھا جو عنقریب انشاءاللہ اسے میری طرف سے ملنے والی تھی۔

"تھینکس! میں سمجھا نہیں؟"

اس نے مختصر جواب دے کر الجھن آمیز انداز اختیار کیا تھا۔

''مطلب تم بڑے ہونا۔ تمہاری شادی پہلے ہونی چاہیے تھی۔'' میں نے بے تکلفی کی حد کر دی۔

دوسری جانب کچھ لمحوں کو خاموشی چھا گئی۔

''میری شادی برسوں پہلے ہو چکی تھی۔''

اس انکشاف نے مجھے دھچکا لگایا تھا۔

''اچھا کب؟ کس سے؟''

چار پانچ سال پہلے۔ میری دوست تھی۔ مگر ہماری علیحدگی ہو چکی ہے۔

وہ کچھ غیر معمولی سنجیدگی سے بات کر رہا تھا بلکہ مجھے ایک دو بار تو شدت سے لگا جیسے وہ بارے بندھے جواب دے رہا ہو۔

''اچھا! تم نے بتایا ہی نہیں۔'' میں نے حیرانی کا تاثر دیتے ساتھ ہی شکوہ بھی کیا۔

''یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں تھی جس کو ڈسکس کیا جاتا۔''

اس نے کس قدر رکھائی سے کہا تو میں کچھ چپ سا ہو گیا۔

''او کے داؤد پھر بات ہو گئی آئی ایم بزی ناؤ۔''

اس نے جس طرح اچانک رابطہ منقطع کیا مجھے شدید دھچکا لگا تھا۔ یہ عون مرتضیٰ تھا؟ میں حیرانی اور کسی حد تک توہین آمیز انداز میں ساکن بیٹھا خود سے سوال کرتا رہا۔ پھر مجھے اتنی انسلٹ فیل ہوئی تھی کہ میں اگلے آدھے گھنٹے تک عون کو گالیاں دیتا رہا تھا۔ تب بھی میری بھڑاس نہیں نکلی تھی۔ جبھی میں کلستا ہوا سگریٹ سلگا کر گہرے کش لینے لگا۔ تب بھی سکون نہیں ملا تو میں نے ڈرنک کرنا شروع کر دی تھی۔ اور پھر خود سے بھی غافل ہو گیا تھا۔ ان دونوں بھائی بہن نے مل کر مجھے اور میری زندگی کو برباد کر دیا تھا۔

☆☆

قرب میسر ہو تو یہ پوچھیں درد ہو تم یا درماں ہو
دل میں آن بسے ہو لیکن مالک ہو یا مہماں ہو
دوری آگ سے دوری بہتر قرب کا انجام ہے راکھ
آگ کا کام فروزاں ہونا راکھ ضرور پریشاں ہو

میں اس قسم کے جذباتی اشعار اکثر حجاب کو سینڈ کیا کرتا تھا۔ آج کل تو ویسے بھی علینہ کی وجہ سے مجھے سہولت ہوئی تھی۔ وہ مجھے بھیجتی میں حجاب کو فارورڈ کر دیتا۔ اب پتا نہیں جس طرح علینہ کی توانائیاں جذبے اور سعی پر مجھ بے اثر تھی حجاب پر بھی اثر پذیر تھی کہ نہیں۔ میں تو بس کوشش کیے جا رہا تھا۔ فیضان کی منگنی کا فنکشن قریب آیا تو میں خصوصی تیاری کے ساتھ پہنچا تھا۔ عون مرتضیٰ کا رویہ و انداز مبہم تھا مگر میں نے زیادہ پروا نہیں کی تھی۔ مجھے حجاب وہاں کہیں بھی نظر نہیں آئی اور میں اسے دیکھنے کو بے قرار ہوا جا رہا تھا۔ عون کی ساری فیملی مجھے

خصوصی اہمیت دے رہی تھی عون کا رویہ البتہ مصالحانہ محسوس ہوتا تھا۔ مبہم، غیر واضح۔ اس کی وجہ مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی مگر میں پریشان نہیں تھا۔ عون ہمارے پاس سے اٹھ کر گیا تو میں اس کے والد کے ساتھ اور کچھ دیگر مہمانوں کے ساتھ بور ہونے کو رہ گیا۔ یہ بوریت کچھ مزید بڑھی تو میں عون کے بہانے درحقیقت حجاب کی تلاش میں اٹھ کر اندرونی حصے کی جانب آیا تھا۔ ہال کمرے سے ڈھولک بجنے اور گیتوں کی آواز ابھر رہی تھی۔ جانے کیوں میرے قدم اسی سمت بڑھ گئے۔ کیا حسب حال گانا تھا۔ میں تو حجاب کو روبرو پا کے ہی جیسے تر و تازہ ہو گیا تھا اوپر سے یہ پذیرائی۔ اس کی تمام کزنز نے ایک خوشگوار اور لطیف قسم کا شور برپا کر دیا تھا۔ معنی خیزی، ذومعنیت، شرارت، مجھے بھی یہ سب برا نہیں لگ رہا تھا۔ حجاب کا حیا آمیز گلاب چہرہ۔ اور اس پر اٹھتی گرتی سیاہ پلکوں کی جھالروں کی لرزش۔ وہ اس روز اپنی خصوصی تیاری کے ساتھ ایسے جگمگا رہی تھی جیسے روشنیوں کے سیلاب پر نظر جا ٹھہرے۔ میں اس وقت سوچوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ اس سے میرا دل کا کوئی رشتہ تعلق نہیں تھا تو اس روز اسے دیکھنے کی خواہش اور بے چینی کیوں اندر دھر آئی تھی۔ اور تب جب میں وہاں سے پلٹ رہا تھا میں نے اس کی اتنی ساری فرینڈز اور کزنز کی پرواہ کیے بغیر اس پر کچھ جتانا چاہا تھا۔

ذرا نہ موم ہوا پیار کی حرارت سے
چٹخ کے ٹوٹ گیا دل کا سخت ایسا تھا
یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے دل کا سخت ایسا تھا

یہ براہ راست ایک شکوہ تھا۔ جس نے حجاب کو صرف سٹپٹایا نہیں شرمندہ بھی کر دیا۔ اس کی ساری فرینڈز شور مچانے لگی تھیں۔

''یہ زیادتی ہے داؤد بھائی! ہماری کزن پر آپ الزام لگا رہے ہیں۔ یہ ہرگز ایسی نہیں۔''

ایک لڑکی نے احتجاج کیا تھا۔ میں مسکرایا میری شوخ متبسم نظریں حجاب کے چہرے پر تھی جو ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

''اپنی نہیں میری بات کریں۔ جو یہ آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے لیے بالکل برعکس ہیں۔ آپ کے لیے یہ موم ہمارے لیے پتھر۔ آپ کے لیے شبنم ہمارے لیے شعلہ۔ آپ کے لیے مسکان ہمارے لیے...... باس باس......!! کیوں حجاب ایسا ہی ہے؟''

وہ سب مختلف سوال کر رہی تھیں حجاب نے ایک نظر مجھے دیکھا ان آنکھوں میں اس پل مجھ سے ایک معصوم سا شکوہ تھا۔ ایسا شکوہ جو کسی بہت اپنے بہت پیارے کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔ ایک لمحے کے لیے محض ایک لمحے کے لیے، اس کی اس نگاہ کی تاثیر نے میرے مضبوط دل کو سینے کے اندر اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ مگر اگلے لمحے میں نارمل تھا۔ جبھی زور سے ہنس پڑا۔

''ارے نہیں آپ انہیں کچھ مت کہیں۔ یہ ہمارا پرسنل افیئر ہے ہم خود سالو کر لیں گے۔ او کے؟''

میں نے ایک گہری متبسم نگاہ حجاب پر ڈالی اور وہاں سے پلٹ گیا۔ وہ سارا دن میرا خوشگوار گزرا تھا میں اس خوشگواری کو بھرپور تسکین میں بدلنا چاہتا تھا بھرپور کامیابی میں، جبھی میں نے بہت دنوں بعد ایک بار پھر اس کا نمبر ٹرائی کیا تھا۔ اس وقت میری حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اس نے کال پک کر لی۔ البتہ آواز سے صاف ظاہر تھا گہری نیند سے جاگی ہے۔ میں اسے ذکر پر لانے کو معنی خیز گفتگو شروع کر چکا تھا۔ مگر اس وقت مجھے شدید توہین اور خفگی نے دبوچ لیا جب اس نے میری بات کے جواب میں ایک طیش دلانے والی بات کہی تھی اور میری پکاروں کو نظر انداز کیے فون کاٹ دیا تھا۔ مجھے لگا تھا کسی نے مجھے نرم گرم بستر سے اُٹھا کر کانٹوں بھری جھاڑیوں پر پھینک دیا ہو۔ میرا پورا وجود جل اُٹھا تھا۔ اس نے کہا تھا وہ مجھ سے اتنی جلدی شادی نہیں کرنا چاہتی وغیرہ وغیرہ اور اس روز شدید طیش کے عالم میں میں نے قسم کھائی تھی کہ اس بات کی اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ خود سے نگاہیں نہیں ملا سکے گی۔

”تم میری خود منت بھی کرو نا حجاب بیگم کہ میں تم سے شادی کر لوں تو تب بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔ آج تم نے خود میری زندگی میں اپنی حیثیت متعین کر دی۔ تم ساری عمر میری کیپ بن کر ہی رہو گی۔ یہی تمہارے غرور کی سزا ہے۔“

اس رات میں جب تک جاگتا رہا۔ سگریٹ پھونکتے ذرنک کرتے خود سے بار بار عہد باندھتا رہا تھا۔

☆☆

میں ہوں گردشوں میں گھرا ہوا مجھے آپ اپنی خبر نہیں
وہ جو شخص تھا میرا رہنما اسے راستوں میں گنوا دیا
مجھے عشق ہے کہ جنوں ہے ابھی فیصلہ نہیں ہوا
میرا نام زینت دشت تھا مجھے آندھیوں نے مٹا دیا

اگلے روز میں بہت دیر تک خود سے غافل پڑا رہا تھا۔ صبح گیارہ بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو وال کلاک پر نگاہ جاتے ہیں ہڑبڑا کر اُٹھ گیا۔ آج میری بہت اہم میٹنگ تھی ساڑھے گیارہ بجے۔ میں نے سیل چیک کیا ولید کی بیس مسڈ کالز تھیں۔ میں نے سیل پھینکا اور اُٹھ کر واش روم کی جانب بھاگا۔ محض دس منٹ میں ایک افراتفری کی کیفیت میں تیار ہو کر میں عجلت میں باہر نکلا تھا جب اماں سے ٹکراؤ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

”اکیلے جا رہے ہو داؤد؟ ہمیں بھی ساتھ لے جاتے۔“

”کہاں؟“ میں نے ماتھے پر شکنیں ڈال کر سوال کیا۔ یہ مداخلت مجھے سخت ناگوار محسوس ہوئی تھی۔

”اپنے سسرال! ہم بھی منگنی میں شریک ہو ہی آتے ہیں غالباً۔

ان کا لہجہ طنزیہ تھا میرا برہم مزاج کچھ اور بھی برہم ہو گیا۔

”اطلاعاً عرض ہے میں آفس جا رہا ہوں۔“

”ہائیں منگنی میں نہیں جاؤ گے؟“ وہ ٹھٹھکیں۔

”میری فکر میں مت گھلیں آپ بھگتائیں اپنے کام۔“

میں نے کسی قدر سرد مہری سے کہا اور کترا کر نکل گیا۔ آفس سے میں ایک بجے تک فارغ ہو سکا تھا۔ میرے ذہن میں فیضان کا فنکشن تھا۔ پھر خود فیضان نے اس دوران دو مرتبہ کال کر کے مجھ سے نہ آنے اور تاخیر کی وجہ پوچھی تھی۔

”فنکشن شام کا ہے نا۔ میں پہنچ جاؤں گا فیضان! اس وقت بزی ہوں۔“ میں نے اسے تسلی دی تھی۔ میں خود بھی لازماً جانا چاہتا تھا۔ حجاب کا دماغ میں وہاں جا کے ہی درست کر سکتا تھا۔ اس کی رات والی بدتمیزی کی وجہ سے میرا دماغ ابھی تک تناؤ کا شکار تھا۔ آفس سے اُٹھ کر میں گھر پہنچا تھا اور تیار ہونے کے بعد عون کی رہائش گاہ پر۔ اماں وغیرہ مجھ سے پہلے پہنچ چکی تھیں مگر میری اپنی الگ حیثیت تھی۔ میں موسیٰ کے ساتھ کھڑا بات کر رہا تھا جب میں نے اسے دیکھا تھا۔ پنک کامدانی شرارے اور دوپٹے کو اچھی طرح سے سیٹ کیے بڑے بڑے جھمکوں کے درمیان اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح دلکش لگ رہا تھا۔ میں نے نگاہ پھیر لی۔ وہ اس روز مجھے بالکل بھی اچھی نہیں لگی۔ آج اسے ہر صورت میں تنبیہہ کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے مجھے موقع کی تلاش تھی کیا حکمت عملی ہوتی اس پر فی الحال میں نے غور نہیں کیا تھا۔ مگر اس وقت میں ایک دم الرٹ ہو گیا جب میں نے محجاب سے اس کی مما کو جیولری کی بابت بات کرتے سنا۔ مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ حجاب سے تنہائی میں ملنے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا مجھے اتنی جلدی موقع میسر آ جائے گا۔ اسے فیضان کے روم میں جانا تھا اور لیضان پارلر جا چکا تھا۔ میں نے موسیٰ سے ایکسکیوز کیا اور سب کی نظر بچا کر بالائی حصے کی جانب چلا گیا۔ میں لیضان کے کمرے میں تو پہلے کبھی نہیں گیا تھا۔ البتہ عون کے کمرے میں جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ فیضان کا کمرا اس کے برابر میں ہی تھا۔ جب میں فیضی کے کمرے میں داخل ہوا وہ مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی۔ اور اپنے دھیان میں مگن وارڈ روب کھولے کھڑی اپنے کام میں مصروف تھی۔ کمرے کے فرش پر کارپٹ موجود تھا جبھی میرے قدموں کی چاپ اس تک نہیں پہنچی اور میں بنا آہٹ کے اس کے سر پر جا پہنچا۔ موتیے کے پھولوں کی گندھی ہوئی لڑی سے اس کی موٹی سی ناگن جیسی چوٹی کی آرائش کی گئی تھی۔ اس کے نزدیک جاتے ہی موتیے، مہندی اور پرفیوم کی دلفریب مہک نے میرے احساس کو جھنجھوڑنا چاہا تھا مگر اس پل سب سے شدید احساس غصے اور توہین کا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں مڑی اور مجھ سے تصادم ہو گیا۔ مجھے اس طرح روبرو پا کے وہ فق ہوتے چہرے کے ساتھ مجھے دیکھنے لگی۔ اس نے پیچھے ہٹنا چاہا تھا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے کچھ کہے بنا اسے ایک دم اپنی جارحانہ وحشت بھری گرفت میں جکڑ لیا۔ مقصد اس پر ایک ساتھ بہت کچھ جتلانا تھا۔ دھونس، استحقاق، برتری، طاقت پھر میں نے اسی وحشت بھرے انداز میں اس سے اس گستاخی کی وجہ دریافت کی تھی۔ مگر وہ اتنی حواس باختہ تھی کہ جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں رہی۔ مگر مجھ پر تو جیسے کوئی پاگل پن سوار تھا۔ میں اسے نہایت غصے کے عالم میں دبوچ کر اپنے مقابل لے آیا۔

پھر پہلے اسے آئندہ کے لیے تنبیہہ کی تھی پھر معافی مانگنے کا کہا۔

وہ بے حد سراسیمہ اور خوفزدہ تھی۔ میری ہر ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس نے التجا آمیز انداز میں

اپنا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ وہ کسی کے دیکھ لینے کے احساس سے وحشت زدہ تھی۔ مگر مجھے جیسے اس لمحے کسی بھی بات کا خوف نہیں تھا طیش ہی ایسا تھا جو مجھے کوئی ڈھنگ کی بات سوچنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔ جبھی میں نے غصے میں بھر کر اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ عون کو بھی پتا چلنا چاہیے کہ تم خود بھی یہ چاہتی ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ کچھ دیر خوفزدگی کے عالم میں مجھے دیکھتی رہی پھر اتنی بے بس ہوئی تھی کہ بے ساختہ رو پڑی۔ پھر جیسے وہ خوفزدہ سی لڑکی نہیں رہی۔ اس نے شدید طیش کے عالم میں مجھے دھکیلا تھا اور مجھ پر برس پڑی تھی۔

میں نے معاملے کی گھمبیرتا کو محسوس کیا تو پینترا بدل لیا تھا۔ میں نے اسے جذباتی کرنا چاہا مگر وہ جانے کس مٹی سے بنی تھی۔ اس پر میری باتوں کا اثر نہیں ہوا تھا۔ اُلٹا وہ مجھے طعنے دینے لگ گئی۔ پھر وہ مجھے گھورتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ وہ سارے دعوے جو میں نے کیے تھے پانی کا بلبلہ ثابت ہوئے اور میں جیسے تلملا کر رہ گیا۔ جیسے تیسے میں نے اس تقریب کو بھگتایا تھا پھر اگلے دو دن تک اسے منانے کی، راہ راست پر لانے کی اپنی سی کوشش کرتا رہا مگر اس نے نرمی کا کوئی تاثر نہیں دیا اور اینٹھی رہی۔ مجھے جانے کیوں لگ رہا تھا میں نے اپنی جلد بازی اور جذباتیت میں معاملہ بگاڑ لیا ہے۔ عین اس وقت جب کامیابی کے امکان ستر فیصد روشن ہو چکے تھے۔ مجھے خود اپنے اوپر طیش آنے لگا۔ آفس میں بھی میں اکھڑا، اکھڑا اور اپنے ورکرز پر برستا رہا تھا۔ واپسی پر میرا ذہن بے حد کشیدہ ہو رہا تھا میں اس مقام پر آ کر ہرگز ہارنا نہیں چاہتا تھا مگر جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا جیسے عون کے ساتھ ساتھ میں نے حجاب کو بھی خود سے مشکوک اور بدگمان کر دیا ہے۔ اور یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ ایسی ہی پراگندہ سوچوں میں اُلجھا میں ڈرائیو کر رہا تھا میرا دھیان ڈرائیونگ کی جانب نہیں تھا شاید جبھی وہ حادثہ پیش آ گیا۔ یہ سب اتنا شدید اور اچانک تھا کہ میں اپنے حواس برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔

☆☆

دوست ملتے جلتے ہیں
ساتھ ساتھ چلتے ہیں
ساتھ ساتھ چلنے میں
رنجشیں تو ہوتی ہیں
رنجشوں میں بھی لیکن
چاہتیں تو ہوتی ہیں
چاہتوں کی بھی ہر پل اک عجب کہانی ہے
بھیگی آنکھوں میں خواب جلتے بجھتے ہیں
درد کے سفر میں
کچھ موڑ ایسے آتے ہیں
خواب ٹوٹ جاتے ہیں

ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
کرچیاں اُٹھانے میں
وقت بیت جاتا ہے
درد جیت جاتا ہے

جانے کتنی طویل مدت تھی جو میں نے خود فراموشی کی کیفیت میں گزاری تھی۔ حواس بحال ہوتے تو صرف ایک احساس جاگتا تھا درد کا شدید احساس۔ اس وقت بھی میں درد اور تکلیف سے بے چین تھا جب میں نے حجاب کی آواز سنی تھی۔ دور کہیں گہری کھائی سے آئی ہوئی آواز، مجھے لگا جیسے میں نیند میں ہوں اور وہ مجھے بلا رہی ہے۔ پھر میں نے اسے دیکھا۔ وہ نزدیک تھی میرے۔ شاید میرے لیے رو بھی رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی نمی میں نے اپنے چہرے اپنے ہاتھوں پر محسوس کی تھی۔ وہ واقعی میرے لیے پریشان تھی۔ مجھے لگا جیسے میرا سارا درد اس کی پریشان متوحش آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔ مجھے توانائی محسوس ہوئی۔ مجھے لگا میں پھر سے زندہ ہو گیا ہوں۔ ابھی میں ہارا نہیں تھا۔ ہاں ابھی میں اگر ہارا نہیں تھا تو مجھے ابھی اور جینا تھا اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر۔

اگلے روز وہ آئی تو میں کسی حد تک بہتر تھا۔ ایک بات اس کے گھر والوں کی مجھے اچھی لگتی تھی۔ وہ جب آتی تو یہ لوگ ہمیں تنہائی میسر کرتے تھے اور میں تو دل سے یہ چاہتا تھا۔ وہ میرے قریب آئی تو میں نے بہت بے صبری سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”کیسی ہو حجاب!“

میرے لہجے میں کچھ ایسی بے چینی اور لپک تھی جذبوں کی، جس نے اسے کچھ ٹپٹا دیا تھا۔

”آ آپ بتائیں کیسی طبیعت ہے؟“

”میں تو تمہارے سامنے ہوں تم بتاؤ نا کیسا لگ رہا ہوں؟“

میری سرخ آنکھوں میں مسکراہٹ جاگی تھی۔ جواباً وہ کسی قدر اپنائیت بے تکلفی اور شرارت سے ہنسی تھی۔

”مجھے تو بہت بہتر لگ رہے ہیں بس اب جلدی سے بستر چھوڑ دیں۔“

مریضِ عشق ہوں ہاسپٹل اور میڈیسنز میں میری بیماری کا علاج نہیں ہے حجاب! تم ہو میری طبیب!“

میں نے ایک دیوانگی کی کیفیت میں اس کے ہاتھ کو تھام کر اسے بے تحاشا چوما تو وہ پہلے ٹپٹائی تھی پھر جھجک گئی اور کچھ دور سرک گئی مجھ سے۔ میں نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

”حجاب اتنے قریب آ کر پھر سے دور مت ہو جانا میں مر جاؤں گا۔“

میں نے کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ وہ دہل کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اس کی آنکھوں کے ہراس کو دیکھا تھا اور دانستہ آنکھیں موند لیں۔

”میں تمہارے بغیر اب اور نہیں جی سکتا۔ عون کو یہ بات سمجھاؤ پلیز!“

"آپ ٹھیک ہو جائیں پھر باقی سب بھی ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے اپنے تئیں مجھے تسلی دی تھی مگر میں کسی طور پر بھی مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ "کیا تم مجھے مل جاؤ گی؟"

میں نے پر آس اور سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ کسی قدر شرما کر مسکرائی تھی۔

"مجھے اب کہاں جانا ہے داؤد! آپ ہی کی ہوں۔"

یہ ڈائیلاگ سن کر کوئی عاشق تو خوش ہونے کی حماقت کر سکتا تھا میں نہیں۔ میں نے ایک اضطراب کے عالم میں اس کے ہاتھ مضبوطی سے جکڑ لیے۔

"حجاب میں نے کہا نا میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کچھ کرو کچھ کرو ورنہ شاید میرے دماغ کی کوئی وین پھٹ جائے گی۔"

میری آواز میں ہیجان تھا میں بے حد وحشت زدہ ہونے لگا۔ اور وہ بے حد خائف!

"پلیز ایسی باتیں مت کریں۔ میں نے کہا نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

میری توقع کے عین مطابق وہ بے حد پریشان نظر آنے لگی۔

میں نے آنچ دیتی نظروں اور تیز ہوتے تنفس کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ بلکہ گھورا تھا۔

"کیا کرو گی تم! مثلاً کیا کر سکتی ہو تم؟"

میں نے اسے اکسانا چاہا تھا۔

"مم میں آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کروں گی ابو داؤد!"

کچھ دیر بے بسی سے مجھے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے کہا تھا اور میرا دل چاہا تھا میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑوں اگر میں اپنی خوشی کی قیمت اسے بتا دیتا تو شاید وہ دوبارہ میری شکل بھی دیکھنا گوارا نہ کرتی مگر میں احمق تھوڑی تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا اور خود کو ڈھیلا چھوڑ کر ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس کی اس بات کو کسی خاص وقت کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے یا نہیں مگر میں اس جنگ میں سب کچھ جائز کر لینے کا تہیہ کر چکا تھا۔

☆☆

جتنی دیر میں ہاسپٹل میں رہا۔ اسی جدوجہد میں مصروف رہا تھا کہ حجاب میرے نزدیک آ جائے جسمانی طور پر نہیں، قلبی و دماغی طور پر۔ اس طرح کہ پھر اس کی سانسیں بھی اٹکیں اگر مجھ سے کبھی جدائی کا خیال بھی کرے۔ اب پتا نہیں اس میں میری کوششوں کا کتنا عمل دخل تھا اور اس کے جذبے کا کتنا کہ میری یہ خواہش پوری ہو گئی۔ اس روز جب اس نے میرے سامنے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنی شکست اور محبت کا اعتراف کیا تھا میرا دل صحیح معنوں میں الٹی چھلانگیں لگانے کو چاہا تھا۔ مگر بظاہر خفگی کا مظاہرہ کیا۔ اور اس کے آنسوؤں کو نشانہ بنا کر تنقید کی تھی اور شک کا اظہار کیا۔ جواباً اس نے مجھے یہ کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ یہ دکھ کے نہیں خوشی کے آنسو ہیں۔ وہ کتنی سادہ تھی، واقعی معصوم تھی کہ اس بات پر خوش تھی کہ خدا نے مجھے زندگی عطا کر کے اس کے لیے جیتا رکھا تھا۔

وہ اپنے آنے والے دکھوں سے بے خبر تھی۔ مجھے بے حد ہنسی آئی تھی۔ مگر اس کے برعکس میں نے اس کے اعتراف پر بڑی ترنگ میں آ کر اس کے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے مان و استحقاق بھری دھونس سے کہا تھا۔

تجھے محبت کرتا ہوں تیری میں جان لے لوں گا
اگر ان جھیل آنکھوں کو کبھی پر نم کیا تو نے

میری اس دھمکی کو سن کر وہ پہلے ششدر ہوئی تھی پھر جھینپ کر ہنس دی۔ مجھے اب ہرگز بھی عون کی خاموشی، گم صم کیفیت اور بے نیازی کی فکر نہیں رہی تھی۔ میں نے وہ محاذ سر کر لیا تھا جس کی مجھے خواہش تھی اب عون مرتضٰی کو کاری ضرب لگانے سے مجھے کون روک سکتا تھا۔ ڈسچارج ہونے کے بعد میں گھر چلا گیا۔ اماں اور داور بھائی وغیرہ ہاسپٹل بھی آتے رہے تھے ان کا ارادہ گھر پر بھی میرے ساتھ قیام کرنے کا تھا مگر میں نے منع کر دیا۔ اماں تو خاصی خفا ہو کر گئی تھیں۔ داور بھائی کی ناگواری خوشی وغیرہ کبھی مجھ پر ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کے مالک تھے اور مجھے ان کی یہ بات اچھی لگتی تھی کہ وہ خوامخواہ رشتوں سے توقعات باندھتے تھے نہ ان کے ٹوٹنے پر واویلے کے عادی تھے۔ عون کے گھر والے وقتاً فوقتاً میری خیریت دریافت کرنے آ جاتے۔ پتا نہیں حجاب ساتھ کیوں نہیں آ رہی تھی۔ میں کچھ مضطرب ہونے لگا۔ جب یہ پریشانی تشویش میں بدلی تو میں نے حجاب کو فون کر لیا تھا۔ میں اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کرتا رہا۔ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا جیسے حجاب کو منع کیا گیا ہے۔ اور ایسا کرنے والا عون کے سوا بھلا اور کون ہو سکتا تھا۔ مگر حجاب نے ایسی کسی بات کا اشارہ نہیں دیا۔ وہ جتنی سادہ اور راور سچی تھی میں اس کے متعلق کچھ غلط چاہتا بھی تو نہیں سوچ سکتا تھا مگر یہ بات ضرور تھی کہ عون کا رویہ مجھے محتاط ہی نہیں مشکوک بھی کر رہا تھا۔ میں حجاب کی طرف سے خدشات کا شکار ہو رہا تھا کہ اگلے روز اس کی آمد نے مجھے حیرت، خوشی اور مسرت کے احساس سے گنگ کر دیا۔ وہ یونیفارم میں تھی صاف ظاہر تھا گھر والوں کے علم میں لائے بغیر اس نے یہ بولڈ اسٹیپ لیا تھا۔ مجھے لگا جیسے عون مرتضٰی کی عزت کی نیلامی کی پہلی بولی لگ گئی ہو۔ میرے اندر کوئی مسلسل ہیجانی قہقہے لگانے لگا۔ وہ میرے ساتھ باتیں کر رہی تھیں مگر میرا دل و دماغ حاضر نہیں تھا۔ میں اسے قریب پا کے حواسوں سے اور تہذیب کے دائروں سے نکلنے کو مچل اٹھا تھا۔ میں نے اسے اپنے قریب بلایا تو وہ جھجک گئی تھی۔ اس کے نرم انکار پر بھی میں طیش اور ہیجان سے بپھرنے لگا تھا۔ میں اس سے باقاعدہ جھگڑنے لگا۔ مجھے لگا ابھی کچھ دیر قبل جس کامیابی کے احساس نے مجھے مسحور کیا ہے وہ میری خام خیالی تھی۔ وہ مجھے ملنے ضرور آ گئی تھی۔ مگر وہ نفس اور خواہش کی اتنی غلام نہیں ہوئی تھی کہ میری ہدایات پر عمل کر کے مذہب کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگ جاتی۔ اس کے اسی گریز اور احتیاط نے مجھے طیش میں مبتلا کیا تھا۔ یہ طیش جنون کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں ہر قیمت پر آج من مانی چاہتا تھا اس گھٹیا لڑکی کی خاطر میں نے خود پر بہت جبر کیا تھا۔ کتنی وحشت کو سہا تھا میں نے، آج میں اس وحشت میں اسے مبتلا کرنے دینے کی اندھی خواہش میں جکڑا جا چکا تھا۔ میں نے اس خواہش پر عمل کیا تھا اور اسے زبردستی خود سے قریب کر لیا اتنا قریب کہ سارے فاصلے سمٹ گئے۔ اس کی سراسیمہ صورت، ہیجان زدہ دھڑکنیں، مجھ سے کتنی نزدیک آ گئی تھیں۔ معاً میں

سنبھل گیا میں معاملے کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اپنی وحشتوں کو اندر سمیٹ کر میں نے اپنی گرفت میں نرمی کو شامل کیا۔ لگاوٹ اور محبت کو چاہے جھوٹی سہی۔ ایک بار پھر میں نے ڈائیلاگز کا سہارا لیا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کتنے جھوٹے اور کتنے سچے تھے میں اپنی پرسنالٹی کی سحر انگیزی سے آگاہ تھا میں اسے اسی سحر میں جکڑ لینے کا خواہش مند تھا وہ پریشان تھی۔ مضطرب اور بے چین بھی۔ اس نے میرے حصار سے نکلنے کو مزاحمت بھی کی تھی مگر میں آج اس کی چلنے دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ آج میں نے اپنا طریقہ واردات مختلف رکھا تھا۔ میں اسے زور زبردستی سے نہیں نرمی آسانی اور محبت سے لوٹنا چاہ رہا تھا اور میں نے دیکھا تھا مجھے اس میں کتنی کامیابی مل رہی تھی۔ میں نے گستاخی کی انتہا کردی۔ میں نے جھک کر بار بار اس کی گردن اور چہرے کے مختلف نقوش کو چوما تھا اور یہی وہ لمحہ تھا جب ایک غیر متوقع حرکت ہوئی کیمرے کی مخصوص آواز کے ساتھ فلیش لائٹ چمکی تھی اور پے در پے بعد دیگرے ہمارے کئی فوٹو بن گئے۔ حجاب سراسیمہ ہو کر مجھ سے فاصلے پر ہوئی میں خود بھی ٹھٹھک گیا تھا۔ ولید کے ہاتھ میں کیمرا تھا اور وہ بڑی ذلیل قسم کی مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے فتح مندانہ نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

میں نے اس کی بکواس پر کان دھرے بغیر اسے سخت سست سنائی تھیں۔ جواباً وہ خائف ہوئے بغیر طنزیہ حقارت بھری نظروں سے حجاب کو دیکھ کر اپنے الفاظ کے نشتر اچھالنے لگا۔ میں شدید طیش میں مبتلا تھا۔ میرے لیے اگر اس سارے معاملے میں تشویش کی کوئی بات تھی تو وہ قبل از وقت عون تک یہ بات پہنچ جانے کی تھی۔ ورنہ حجاب بی بی کی عزت داؤ پر لگ جانے کی مجھے کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر واپسی کو جاتے ولید کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ اور اسے کیمرا وہاں چھوڑ دینے کا حکم دیا تھا۔ جواباً اس نے حجاب کے بعد مجھے بھی طنز کا نشانہ بنایا مجھے کہیں سے بھی وہ ولید نہ لگا جسے میں آج سے قبل جانتا تھا۔ اس کے متکبرانہ انداز نے مجھے غضبناک کر دیا تھا۔ میں آؤ تاؤ دیکھے بنا اس پر پل پڑا۔ وہ جو ہمیشہ میرے آگے بھیگا بلا بنا رہتا تھا میرے لیے مشکل ہدف ثابت ہونے لگا۔ شاید میں زخمی تھا اس وجہ سے اس نے مجھ پر جلد برتری حاصل کر لی۔ حجاب کے سامنے اس ہزیمت پر میں جیسے خود سے بھی نظریں چرا رہا تھا۔ طیش اور غم و غصے سے میں ہذیان بکنے لگا تھا۔ ولید پرواہ کیے بنا کیمرے سمیت وہاں سے جا چکا تھا۔ حجاب شاکڈ کھڑی تھی۔ بالکل پتھرائی ہوئی۔ مجھے ایک پل کو اس پر ترس بھی آیا۔ میری تسلی کے جواب میں اس کی کیفیت میں فرق آیا اور وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے اور سسکنے اور بلکنے لگی۔ میں نے اسے دلاسا دینا چاہا تھا مگر وہ سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔ میں نے بھی زیادہ پرواہ نہیں کی۔ بھاڑ میں جائے اس کی نیک نامی اور عزت۔ ایک دن مجھے بھی تو اسے مٹی میں رولنا تھا نا۔ ذرا پہلے رل گئی تو غم کس بات کا؟

☆☆

حجاب کے جانے کے بعد میں نے سب سے پہلا کام ولید سے رابطہ کرنے کا کیا تھا۔ مگر وہ خبیث میرا فون مسلسل کاٹ رہا تھا۔ مجھے غصہ آیا تھا۔ جبھی میں نے سیل فون پٹخ دیا تھا۔ اگلے دن میں اپنی بیماری کی پرواہ کیے بغیر آفس پہنچا تھا اور مینجر سے ایک اہم میٹنگ رکھی۔ اپنی فیکٹری سے ولید کے شیئرز علیحدہ کر دینے سے مجھے ہرگز کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اس سے مکمل قطع تعلقی اختیار کر لینے کے بعد میں واپس گھر لوٹا تو پژ

مضمحل تھا۔ اب پتا نہیں کیا ہونا تھا۔ حجاب والا معاملہ ایک بار پھر التوا کا شکار ہو رہا تھا۔ اگر ولید عون کو وہ تصویریں دکھا دیتا تو یقیناً وہ کوئی بڑا اقدام اُٹھاتا جو سراسر میرے منصوبے کے خلاف جاتا۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ مجھے ہرگز سمجھ نہیں آرہی تھی۔ دو تین دن اسی طرح گزرے تھے۔ تیسرے دن ولید خود میرے پاس آن دھمکا۔ میں نے سرد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ کچھ کھسیانا ہو کر رہ گیا۔

''آپ نے اس روز بہت غلط اندازہ لگایا تھا۔ ایکچوئلی میں نے وہ صرف ڈرامہ کیا تھا۔ آپ پر جو ہاتھ اُٹھایا اس کی معافی چاہتا ہوں۔ یہ تصویریں لے لیں۔ میرا خیال ہے ان کی سب سے زیادہ ضرورت آپ کو ہی ہے۔ اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ میں نے تصویریں لینے کو ہاتھ نہیں بڑھایا۔ تو اس نے لفافہ میری گود میں رکھ دیا۔

''دیکھیں تو سہی ابو داؤد صاحب! کیا شاہکار آئی ہیں۔''

اس کا انداز چاپلوسانہ تھا۔

''تم یہاں سے اپنی شکل لے کر دفعان ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارا جو حشر میں کروں گا۔ خود کو پہچان نہیں سکو گے۔''

میں پھنکارا تو وہ جواباً ہنس دیا۔

''نہ جی دوستوں اور سجنوں سے ایسی باتیں نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں آپ حجاب بی بی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ میں ہر بات کو جانتا ہوں جی! مجھے اندازہ تھا کہ آپ کو ان تصویروں کی ضرورت پیش آئے گی میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں اگر آپ کو پہلے سے حجاب بی بی کی آمد کا اندازہ ہوتا تو آپ تصویریں کیا خفیہ مووی کیمرے کا انتظام کر کے رکھتے۔ عون بھائی کو جو دکھانا ہوتا یہ ثبوت۔''

اس کے رازدرانہ لہجے میں خباثت کمینگی اور بدمعاشی سب کچھ تھا۔ میں نے چونک کر اسے پہلی بار بغور دیکھا تھا۔

''کیا مطلب؟ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟''

میں غرانے کے انداز میں بولا تو وہ خائف ہوئے بغیر مسکرایا تھا۔

''آپ نہیں جانتے مجھے لیکن میں جانتا ہوں۔ آج سے نہیں آٹھ سال پہلے سے۔ تب جب آپ اور عون بھائی اکٹھے یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ اس کے بعد آپ کا جھگڑا ہوا تھا ان سے اور...... وہ'' ساری باتیں دہرا رہا تھا جو میرے دل و دماغ پر نقش تھیں جنہیں میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ اسی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا اور مجھ سے ایک سال جونیئر تھا۔

''میں نے وہ ساری لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ پوری جامعہ میں اگر آپ کا دل سے کوئی ہمدرد تھا تو وہ میں تھا داؤد صاحب! میں جانتا تھا آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ میں دیگر اسٹوڈینس کی طرح عون مرتضٰی سے امپریس تھا نہ ہی ان کے عشق میں مبتلا تھا۔ اس بات کو سالوں بیت گئے میں بھی فراموش کر دیتا اگر میں آپ کو دوبارہ عون بھائی کے ساتھ نہ دیکھتا۔ آپ یکسر بدل گئے تھے مگر آپ کی آنکھیں وہی تھیں۔ آپ کا نام وہی تھا۔ مجھے تب آپ کو دیکھ کر لگا تھا آپ کی آمد بے وجہ، بے معنی نہیں ہے۔ آپ یقیناً کسی خاص

مقصد سے آئے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ اس روز جب حجاب کو میں نے یہاں آپ کے ساتھ دیکھا تو میرے یقین کی تصدیق ہوگئی۔ میں آپ کا دوست ہوں داؤد صاحب! آپ سے بزنس میں شراکت بھی اسی وجہ سے کی تھی کہ میں آپ کے نزدیک رہنا چاہتا تھا۔ آپ کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہتا تھا۔''

''مگر مجھے تمہاری کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جا سکتے ہو۔''

میں نے اس کی طویل تقریر کو سن کر بھی بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا تو وہ کچھ خائف نظر آنے لگا تھا۔

''آپ نے شاید میری باتوں کا یقین نہیں کیا۔''

''یقین کر بھی لوں تو تم پر اعتبار نہیں کر سکتا۔'' میرا لہجہ ہنوز خشک تھا۔ چٹخا ہوا۔

''چلا جاتا ہوں داؤد صاحب! لیکن میں آپ پر اپنی سچائی ضرور ثابت کروں گا۔''

اس کے جذباتی ڈائیلاگ پر میں نے قطعی دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس کا وہیں چھوڑا ہوا لفافہ چاک کر کے میں نے تصویریں نکال لی تھیں۔ اور بہت اطمینان بھرے انداز میں بغور تکنے لگا۔ حراساں متوحش اور سراسیمہ سی وہ میری جبری جسارتوں کے آگے کتنی بے بس نظر آ رہی تھی۔ ہر تصویر میں میں جتنا گستاخ اور بے باک تھا وہ اسی قدر مضطرب! میں مسکرا دیا۔ کسی مناسب موقع پر عون مرتضٰی کے لیے یہ بہترین تحفہ ہو سکتی تھیں۔ وہ موقع کب اور کیسے آنا تھا یہ فی الحال میں نے سوچا نہیں تھا۔

☆☆

میری طبیعت کچھ اور خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ملازم چھٹی پر تھا ایک لے دے کے واچ مین تھا اسے ویسے بھی کچھ کرنا نہیں آتا تھا۔ رضیہ ویسے ہی بے وقوف تھی۔ مجھے اکثر بھی لگتا وہ مجھ سے کچھ خائف رہتی ہے۔ وقت کے وقت کھانا پہنچاتی کمرے کی ڈسٹنگ ایسے وقت میں کرتی جب میں واش روم میں نہا رہا ہوتا۔ مجھے اس کی احتیاط اور گریز پر ہنسی آئی۔ ایک تو وہ اتنی چھوٹی تھی دوسرے ایک حقیر اور غلیظ سی ملازمہ کو میں اپنے قریب لانے کا سوچتا بھی تو میرا جی متلانے لگتا تھا۔ میرا کافی کا جی چاہ رہا تھا مگر رات بہت ہوگئی تھی۔ مجھے نہیں لگتا تھا رضیہ جاگتی ہوگی۔ دل پر جبر کر کے میں پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ تب ہی ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا میرا سیل فون وائبریٹ کرنے لگا تھا۔ نیم تاریک کمرے میں اس کی بلنک کرتی اسکرین اور تھرتھراہٹ نے میری توجہ فوراً اپنی جانب مبذول کی تھی۔ میں کچھ دیر ساکن لیٹا اسے گھورتا رہا پھر اُٹھ کر کال پک کر لی تھی تو وجہ دوسری طرف حجاب کی موجودگی تھی وہ میرے لیے پریشان تھی مگر میرا موڈ اتنا خراب تھا کہ اس کی یہ تشویش بھی اچھی نہیں لگی۔

میں نے اسے ڈانٹا تھا جس کے جواب میں وہ رونے لگ گئی تھی۔

''ولید نے کوئی گھٹیا حرکت کی کوشش تو نہیں کی؟ آئی مین عون کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟''

''ابھی تک تو سب ٹھیک ہے میں خود بہت پریشان ہوں۔''

میں کچھ دیر خاموش رہا تھا پھر اسے تصویروں کے متعلق بتایا۔

''آ کر لے جاؤ وہ تمہاری امانت ہے میرے پاس!''

اسے بلانے کو مجھے کوئی بہانہ تو چاہیے ہی تھا۔ جواباً وہ گھبرانے لگی تھی۔

''آپ انہیں ضائع کر دیں داؤد وہ ایسی تھوڑی ہوں گی کہ دیکھی جائیں۔'' وہ بے حد شرمسار اور مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

چند اِدھر اُدھر کی باتوں اور مجھے اپنا خیال رکھنے اور اگلے روز آنے کا وعدہ کر کے اس نے فون بند کیا تو میرا موڈ کسی حد تک بحال ہو چکا تھا۔ مجھے اگلے دن کے انتظار میں وقت کاٹنا مشکل ہونے لگا۔ پتا نہیں وہ آتی بھی تھی یا نہیں؟ خوف کا احساس میرے اندر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ رات جیسے تیسے بیت گئی اگلی صبح میں چونکہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا جبھی آنکھ لگ گئی۔ تقریباً دس بجے میں جاگا تو سب سے پہلے انٹرکام پر واچ مین سے کانٹیکٹ کیا تھا اور اس سے حجاب کے بارے میں سوال کیا۔

''صاحب وہ بی بی تو ابھی تک نہیں آیا۔''

''او کے جب آئیں تو فوری میرے کمرے میں بھیج دینا۔''

میں نے خصوصی تاکید کی تھی۔ اور اس کے بعد انٹرکام پر ہی رضیہ کو ناشتے کا آرڈر کیا تھا اور خود نہانے چلا گیا۔ بنیان اور شرٹ کا تکلف برتے بغیر میں صرف جینز پہن کر باہر آ گیا۔ موسم خراب ہو چکا تھا میرا اضطراب کچھ بڑھ گیا۔ اب شاید حجاب نہ آ پاتی۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے آفس مینجر کو فون کیا اور اسے کچھ ہدایات دی تھیں۔ پھر بستر سنبھال کر اپنا دھیان بٹانے کو ٹی وی آن کیا اور چینل سرچنگ میں مصروف ہو گیا۔ اس کام سے بھی جلد اکتاہٹ ہونے لگی تو جھنجھلا کر ٹی وی بھی آف کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میری جھنجھلاہٹ کچھ اور بڑھتی انٹرکام کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے سرعت سے جھپٹ کر ریسور اُٹھایا۔

''صاحب بی بی آ گیا ہے۔ ام نے اندر بھیجا ہے۔''

''اوہ!!!'' میرے جیسے اندر تک طمانیت لہرا گئی۔ میں نے خود کو بیمار ظاہر کرنے کو لیٹنا ضروری سمجھا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ میرے سامنے تھی۔ ایک بار پھر وہ گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک چکی تھی۔ وہ یونیفارم میں تھی۔ مجھے اپنی فتح اور کامرانی کا احساس دوچند ہونے لگا۔ میں اس کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھا! وہ آ تو گئی تھی مگر جیسے خود سے بھی خائف اور گریزاں تھی۔ میں نے اس کے اس گریز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا تھا۔ جب اس نے ایک عجیب بات کہی جو مجھے بے حد فضول لگی تھی۔ اس نے مجھے شرٹ پہننے کا کہا تھا۔ مجھے جیسے آگ سی لگ گئی۔ وہ بہت پارسا بننے کی کوشش کر رہی تھی اب تک، جبکہ وہ دوبار خالصتاً اپنی مرضی سے میرے مجبور کیے بنا مجھ سے مکمل تنہائی میں ملنے آ چکی تھی۔ میرا دل چاہا میں اس بات کے جواب میں اسے منہ کی ماروں مگر میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا تھا۔ اور کسی قدر شرارت بھرے انداز میں اپنے متعلق لڑکیوں کی دیوانگی جتلائی تھی مگر اس کے پرنخوت جواب نے ایک بار پھر مجھے سلگا کے رکھ دیا۔ میرا دل چاہا تھا دو تھپڑ مار کر اس کا عرش معلیٰ پر پہنچا ہوا دماغ ٹھکانے لے آؤں۔ کیا سمجھ رہی تھی وہ خود کو، اب وہ مضبوط کردار تھی نہ ان چھوتی۔ میں متعدد بار اسے اپنی من مرضی سے چھو چکا تھا مگر اس کا طنطنہ تھا کہ ہنوز برقرار تھا۔

مگراپنے غصے کو قابو میں رکھ کر میں نے ایک بار پھر خود کو کمپوز کیا تھا اور اسے اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر خود سے نزدیک کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ اب وہ وقت تھا جب میں پوری طرح کھل کر اپنا کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔ اب مزید صبر تھا نہ وقت کہ میں ٹالے جاتا۔ مگر میری بے تکلفی کے مظاہرے نے اسے تپا دیا تھا۔ وہ شدید ناگوار تاثرات لیے مجھ سے اپنا آپ چھڑا کر اُٹھنے لگی تھی کہ میں نے وحشت بھری بے صبری سے اسے پھر دبوچ لیا۔

''کیا ہوا؟''

میں نے جتنی بھی لاتعلقی سے پوچھا ہو۔ وہ اسی حد تک تلخ ہو رہی تھی۔ جواب میں اس نے مجھے تند لہجے میں لعن طعن کی تھی تو مجھے بھی غصہ آنے لگا۔

''بدتمیزی کونسی کی ہے میں نے؟ تم بدتمیزی کا مطلب جانتی ہو؟''

میں نے جواباً تلخی اور درشتی سے اپنے دل کا غبار اچھی طرح نکالا۔ ابھی کچھ دیر قبل اسے دیکھ کر جو میری کیفیت ہوئی تھی وہ میں نے اسے نشتر بنا کر چھوڑی میں نے اسے باقاعدہ طعنے دیئے تھے۔ اور کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی چادر اُتار کر دور پھینک دی۔ میرا انداز اس قدر تحقیر آمیز تھا کہ وہ بھونچکی رہ گئی۔ اسے شاید مجھ سے اتنے گرے ہوئے سلوک اور ایسے الفاظ کی توقع نہیں تھی۔ مگر میرے اندر تو آگ لگی ہوئی تھی میں اس آگ میں اپنے ساتھ اسے بھی جلا کر خاکستر کر دینے کے درپے تھا۔ طیش اور غیض نے مجھے بے قابو کر دیا تھا۔ میری سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفقود کر دی تھیں۔ وہ بھی صدمے سے گنگ تھی شاید حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں تھی۔ میں اپنی من مانی کو آزاد تھا۔ میں نے اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہا تھا۔ مگر میری قسمت ہی شاید خراب تھی۔ میں شاید جیتنے کے لیے دنیا میں بھیجا ہی نہیں گیا تھا جبھی عین موقع پر جب میں جیت اور فتح سے ہمکنار ہونے جا رہا تھا۔ عون مرتضٰی کی ناگوار انٹری نے مجھے سرتاپا جھلسا کے رکھ دیا۔ مگر آج میں ہرگز ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ جبھی عون مرتضٰی کو آگ لگائے جلا کر خاکستر کر دینے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے حجاب کے بعد اسے بھی طعنوں کی زد پر رکھ لیا۔ حجاب میرے بازوؤں میں تھی اور میں کچھ اور گستاخ اور بے باک ہو رہا تھا۔ عون مرتضٰی نے مجھے ملامت کی تھی اور مجھے بُرا بھلا کہا مگر مجھ پر کیا اثر ہونا تھا۔ پھر وہ مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اور حجاب کو میری گرفت سے چھڑا کر فاصلے پر کر دیا۔ وہی لمحہ تھا جب اس پر میں اپنی اصلیت اور ارادوں اور عزائم کے ساتھ پوری طرح واضح ہوا تھا۔ پہلے تو شاید کوئی شبہ تھا جس کی وجہ سے وہ میرا لحاظ کرتا رہا تھا مگر اب جبکہ یہ لحاظ ختم ہوا تو ہم صرف دشمن تھے۔ کچھ دیر تک ہم نے ایک دوسرے کی ٹھکائی کر کے گویا اپنے اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ وہ شدید طیش میں تھا مگر اس طیش میں بھی اس کے حواس بحال تھے۔ جبھی حجاب کی مداخلت پر اس نے اسی غیض و غضب کی کیفیت میں اسے بھی ایک تھپڑ رسید کر دیا تھا۔ وہ شاید بے توازن تھی جبھی لڑکھڑا کر دور جا گری۔ مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی مگر مجھے اس کی نظروں میں اچھا تو بننا تھا وہ بھی اس وقت جب اس کا بھائی اس کی جان کا دشمن ہو رہا تھا۔ یہ بڑا نازک وقت تھا تو اسی قدر جذباتی بھی۔ میں اس کے جذبات ہی تو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بازی جس طرح پلٹی تھی میری ہار کے امکان کچھ اور روشن ہو گئے تھے۔ عون مرتضٰی خود مرے

بھی حجاب کو میرے حوالے نہ کرتا۔ اگر حجاب میرا ساتھ دیتی تو یہ ہی میری فتح کی وجہ بن سکتی تھی۔ جبھی میں اس کی جانب لپکا تھا۔ مقصد محض اس کی ہمدردی اور توجہ حاصل کرنا تھا۔ مگر عون مرتضٰی کو جیسے کسی نے آگ لگا دی۔ اس نے مجھے حجاب تک پہنچنے سے قبل دبوچ کر پھر اپنی جانب گھسیٹ لیا۔ وہ ایک بار پھر آٹھ سال پہلے والا عون مرتضٰی تھا۔ ویسا ہی غصیلا۔ تند خو اور مار دھاڑ کا شوقین۔ اس نے میری مزاحمت اور دفاع کے باوجود مجھے اچھا خاصا پیٹ ڈالا۔ کچھ دانستہ بھی میں خود ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اس مقام پر جب حجاب وہاں تھی۔ اور مجھے اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اٹھائی جانے والی ذلت، سبکی اور زخموں کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ میرے گھر میں اس وقت صرف تین ملازم تھے۔ واچ مین، رضیہ اور بوڑھا مالی۔ رضیہ اور مالی تو خیر میری کیا مدد کرتے البتہ واچ مین حواس باختہ تھا پھر اس نے ہی صورتحال میں خود کو سنبھالا اور عون مرتضٰی کو اپنی گن کی زد پر لے لیا تھا۔ مگر وہ جیسے ہر خطرے سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے ایک اور ضرب لگائی تھی اور جاتے جاتے حجاب کی انگوٹھی اُتار کر گویا اس سے وابستہ میرا ہر رشتہ، ہر تعلق ختم کر گیا۔ مگر کیا اس کے اس طرح کرنے سے میں نے بھی ہر رشتہ ہر تعلق ختم کر لیا تھا۔

☆☆

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حالِ دل یار سے کہوں کیونکر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

میں نے جب حجاب کے نمبر پر یہ اشعار سینڈ کر دیئے تب مجھے خیال آیا تھا کہ اس کا سیل فون کہیں آف تو نہیں۔ میں نے اس کا نمبر ٹرائی کیا تو خدشہ درست نکلا تھا نمبر بند تھا۔ میں سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ مجھے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی ایسی حالت میں، ایسی سچویشن میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ جھنجلاہٹ اور بے زاری میرے روم روم میں آن سمائی تھی۔ مجھے لگا تھا جیسے میں منزل کے قریب پہنچ کر بھٹکا دیا گیا ہوں۔ روشنی کا سفر کرتے ایک دم گھٹا ٹوپ اندھیروں میں آ کھڑا ہوا ہوں۔ مجھے اپنی شکست اپنی ہار کسی طور بھی قبول نہیں تھی۔ اگلے دو دن حجاب سے کانٹیکٹ کی کوشش میں گزرے جو مسلسل ناکامی کا شکار ہو رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے ان کا لینڈ لائن نمبر ٹرائی کیا تھا۔ فون عون نے اُٹھایا تھا۔ مجھے لگا یہ پہرا بہت سخت ہو۔ وہ کسی قیمت پر بھی اب مجھے کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں دانت بھینچ کر رہ گیا۔ میرا دماغ سن ہونے لگا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد میں نے زوما کی خدمات حاصل کرنے کا سوچا علینہ کی طرف سے بھی کچھ خاموشی تھی یا میں اپنے مسائل میں کچھ اس بُری طرح اُلجھا تھا کہ کسی اور کی خبر ہی نہیں رہی تھی۔

اس کام کے لیے میں نے زوما کو کال کی تھی۔ اور ساری صورتحال اس کے سامنے رکھی ماضی کی بھید بھری داستان کے بغیر منگنی توڑنے کی اطلاع کے ساتھ میں نے کچھ جذباتیت حجاب کے لیے ظاہر کرنا ضروری خیال کیا تھا۔

''اس کا بھائی میری اس سے بات نہیں ہونے دے رہا ہے زوما پلیز ہیلپ می''

''کیا ہیلپ چاہتے ہو ابوداؤد؟''

اس نے گہرا سانس بھر کے پوچھا تھا میں اسے سمجھانے لگا۔

''تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا ہے زوما! اس کے گھر کے نمبر پر فون کر کے کہو مجھے حجاب سے بات کرنی ہے۔ اس کی ایک دوست کا نام ثنا ہے تم خود کو ثنا ظاہر کرنا۔''

اس نے بلا تامل میری بات مان لی۔ مگر مجھے اس وقت شدید مایوسی اور دل گیری نے گھیر لیا جب تھوڑی دیر بعد اس نے اپنی کوشش کی ناکامی کا مجھے مژدہ سنایا تھا۔

''کال اس کے کسی بھائی نے پک کی تھی ابوداؤد! اور بہت خشک انداز میں بات کی۔ وہ کہہ رہا تھا حجاب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ابھی وہ بات نہیں کر سکتی۔ میں نے کہا کب کرے گی یا وہ کالج کیوں نہیں آ رہی تو اس نے جواب دیئے بنا فون کاٹ دیا تھا۔'' میں نے خاموشی سے اس کی بات سنی تھی اور کچھ کہے بغیر سیل آف کر دیا۔ مایوسی مجھے ہر سمت سے گھیر رہی تھی۔ اگلا ایک اور دن اسی بے زاری، اکتاہٹ اور جھنجلاہٹ کی نذر ہو گیا۔ جی تو چاہتا تھا زبردستی گھس جاؤں عون کے گھر اور حجاب کو اٹھا لاؤں مگر انجام بخیر ہرگز نہ ہوتا۔ عون کے جو تیور تھے وہ مجھے شوٹ کر کے خود سولی چڑھ سکتا تھا۔ اور یہ مجھے کسی طور بھی گوارا نہیں تھا۔ میں زندہ رہنا اور عون مرتضیٰ کو ایسا زخم لگانا چاہتا تھا جو اسے عمر بھر کی کسک اور شرمندگی سے دو چار کر دے۔ وہ ساری زندگی سکون اور عزت کو ترس جائے۔ اور اس کے لیے مجھے جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت تھی۔ جبھی میں خود پر جبر کرتا رہا تھا۔ یہ اسی شام کی بات ہے جب میرے سیل پر ولید کی کال آنے لگی تھی۔ میں نے اس کا نمبر دیکھا اور نظر انداز کر دیا میں جس قسم کی صورتحال میں مبتلا تھا اس جیسے کھڑوس کی باتیں سننے کا ہرگز موڈ نہیں تھا۔ مگر وہ کسی کتے کی بڈی کی طرح ڈھیٹ تھا۔ باز آنے کا ارادہ نہیں تھا۔ مسلسل کال کیے گیا تو میں نے جھلا کر فون آف کر دیا تھا۔

مگر اس وقت میرا پارہ چڑھ گیا تھا جب ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد واچ مین نے مجھے اس کی آمد کی اطلاع انٹر کام پر دی تھی۔

''میں اسے ملنا نہیں چاہتا۔ اس خبیث سے کہو اپنی شکل سمیت دفعان ہو جائے۔ ورنہ میں اسے شوٹ کر دوں گا۔''

میں بولا نہیں تھا غرایا تھا۔

''ابوداؤد صاحب! اتنے جذباتی نہ ہوں۔ میں آپ کا خیر خواہ اور دوست بن کر آیا ہوں۔ آپ کی اس معاملے میں مدد کرنے جس کی وجہ سے آپ پریشان ہیں۔''

انٹر کام پر کچھ جھنجھناہٹ کے بعد میں نے ولید کی متحمل آواز سنی تھی۔ وہ شاید واچ مین کو زبردستی

پرے کر کے انٹر کام پر خود آ گیا تھا۔

''بکواس مت کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے سمجھے!''

میں پھر چیخا مگر وہ خائف نہیں ہوا تھا۔

''ابوداؤد پلیز محض پانچ منٹ دیں مجھے۔ آپ کے فائدے کی بات نہ ہوئی تو جو چور کی سزا وہ میری۔''

اس نے بے حد ملتجی ہو کر کہا تو میں نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ کچھ سوچا پھر اس کی بجائے واچ مین کو مخاطب کیا تھا۔

''اسے آنے دو خان!''

واچ مین کو ہدایت کے بعد میں نے انٹر کام کا ریسور رکھ دیا۔ رضیہ اس وقت میری ہدایت پر مجھے کافی دینے آئی تھی۔

''جو صاحب باہر آئے ہیں انہیں یہیں بھیج دینا۔''

میری تاکید پر وہ سر ہلاتی باہر چلی گئی۔ اگلے پانچ منٹ میں ولید میرے سامنے تھا۔

''بکو کیا بکنا ہے؟'' میں نے نروٹھے پن سے کہا اور خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔

''میں جانتا ہوں آپ بہت خفا ہیں مجھ سے۔ مگر جو اطلاع میں آپ کے لیے لے کر آیا ہوں وہ آپ کو ابھی پہنچانا کتنا ضروری تھا یہ آپ کو سننے کے بعد اندازہ ہو جائے گا میں حقیقتاً آپ کا دوست ہوں یا دشمن! میں بتا چکا ہوں کہ اس دن جو ہوا وہ محض مصلحتاً......''

''ٹو دی پوائنٹ بات کرو۔ اِدھر اُدھر کی ہانکنے کی ضرورت نہیں۔''

میں نے اسے ڈپٹ کر کہا تو وہ گہرا سانس بھر کے بولا تھا۔

''آپ کے لیے حجاب یقیناً بہت اہم ہیں آئی تھنک آپ اسے کھونا نہیں چاہئیں گے۔''

اس کی ڈرامائی گفتگو کے جواب میں میں نے سرد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

کیا کہنا چاہتے ہو؟

''حجاب کی شادی عون بھائی نے اپنے کسی واقف کار سے طے کر دی ہے۔ ڈائریکٹ نکاح ہو گا۔ وہ بھی ہفتہ پندرہ دنوں کے اندر آپ کو اگر میری اطلاع پر شک ہے تو خود تصدیق کرا لیں۔ اس کے علاوہ اگر آپ کو اس معاملے میں میری ہیلپ کی ضرورت ہے تو بھی میں دل و جان سے حاضر ہوں۔''

وہ میری سماعتوں میں صور پھونک کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور میں گم صم کھڑا تھا۔

آٹھواں حصہ

''ابوداؤد صاحب کیا آپ کو شک ہے میری بات پر؟ میں نے کہا نا جس قسم کی چاہے تصدیق کرالیں۔''

اس نے مجھے ساکن پا کر میرے کاندھے کو باقاعدہ ہلا کر متوجہ کیا تھا۔ میں کیا کہتا اس کی فراہم کردہ اطلاع نے میرے حواس سلب کر لیے تھے۔ مجھے اپنی صلاحیتیں بے کار ہوتی محسوس ہوئیں۔ حجاب کی شادی کسی اور سے ہو جانا صرف میری انسلٹ نہیں تھی۔ عون مرتضیٰ کی ایک اور فتح اور میری ایک اور ناکامی ہوتی جس سے میں اب مر کے بھی دو چار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ آپ اس خبر کی تصدیق کرالیں داؤد صاحب! پھر اگر یہ اطلاع غلط ہو تو بھلے جو مرضی سزا دیجیے گا۔'' اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا اور میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تھا۔ میں نے اسے بیٹھنے کا کہا تھا نہ چائے پانی کا پوچھا وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا بھی گیا یہ کہہ کر کہ وہ میری طرف سے خدمت کے موقع کا منتظر رہے گا۔ اس کے چلے جانے کے بعد بھی میں کتنی دیر تک اسی کیفیت کا شکار رہا تھا پھر میں نے اپنے اعصاب کا تناؤ کم پڑتا محسوس کیا۔ اتنا تو میں جان ہی گیا تھا اب مجھے میرا جوش کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ میں نے ایک مگ مزید گرما گرم کافی کا اپنے اندر انڈیلا اور پھر ولید کا نمبر ملایا تھا۔

''ہائے داؤد صاحب! مجھے یقین تو تھا کہ آپ مجھ سے رابطہ کریں گے مگر اتنی جلدی اس کی توقع نہیں تھی۔ مجھے اندازہ ہوا ہے آپ حجاب سے کتنی محبت کرتے ہیں۔''

اس کا لہجہ شوخی اور گھٹیا قسم کی شرارت لیے ہوئے تھا۔ ذومعنیت الگ تھی۔

''سنو مجھے حجاب کی ایک ایک لمحے کی رپورٹ چاہیے۔''

''آپ نے میری خبر کی تصدیق کرالی ہے نا؟''

''مجھے تمہاری بات کا یقین ہے۔'' میں نے جواباً متانت سے کہا تو وہ عجیب سے انداز میں ہنسا تھا۔

''اچھا گڈ! مگر داؤد صاحب جب کسی کا کام کیا جاتا ہے تو آپ کو پتا ہی ہے مفت نہیں کیا جاتا آپ سمجھ تو رہے ہوں گے میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔''

اس نے جیسے اپنے مقصد کی جانب آتے ہوئے کہا تو میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

''تم جو کہو گے میں دینے کو تیار ہوں۔''

''او کے پھر آپ میرے شیئرز پھر سے اپنی فیکٹری میں شامل کریں۔ آپ تو جانتے ہیں داؤد صاحب

مجھے بزنس کا تجربہ ہے نہ کام کی عادت۔ بس آپ میرا منافع دیتے رہیے گا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ضرورت پڑی تو میں پھر آپ کو زحمت دے لوں گا۔''

اس نے خالص کاروباری انداز میں کہا تو میں نے ٹھنڈا سانس کھینچا تھا۔

''او کے فائن! تم مجھے حجاب کی شادی کی تاریخ پتا کر کے بتاؤ اس کے علاوہ بھی ہر بات سے مراد جانتے ہو؟ خاص طور پر یہ رپورٹ کہ وہ کب گھر سے نکلتی ہے۔''

''اس کی آپ فکر ہی نہ کریں داؤد صاحب! ہم خادم ہیں جی آپ کے۔ بس ہمارے اس احسان کو یاد رکھیے گا۔''

وہ اپنے مخصوص سطحی انداز میں بولا تو میں نے ہونٹ بھینچتے ہوئے سلسلہ کاٹ دیا تھا اب مجھے شدت سے اس کی اگلی رپورٹ کا انتظار تھا۔

☆☆

دو دن بعد ولید نے بہت اہم اطلاع دی تھی کہ حجاب اپنے ہونے والی ساس اور نند کے ساتھ شادی کی شاپنگ کرنے جا رہی تھی۔ میں اس وقت سو کے اُٹھا تھا اور بیڈ ٹی لے رہا تھا اس خبر نے اتنا طیش میں مبتلا کیا کہ میں نے غصے میں بے قابو ہو کر چائے کا ہاتھ میں پکڑا ہوا مگ دور پٹخ دیا تھا۔ ایک زور کا دھماکہ ہوا تھا اور کرچیاں ہر سو بکھر گئی تھیں۔ رضیہ جو میرے کپڑے وارڈ روب سے نکالنے میں مصروف تھی سہم کر رہ گئی۔ میری آنکھیں یکبارگی جل اُٹھی تھیں۔ میں ایک جھٹکے سے اُٹھا اور باتھ لیے بغیر گاڑی کی چابی جھپٹ کر باہر نکل آیا تھا۔ ولید نے بتایا تھا وہ لوگ گھر سے نکل چکے ہیں۔ میں نے اسے ان پر نگاہ رکھنے کا کہا تھا۔ ولید نے میری ہدایت پر پوری طرح عمل کیا اور مجھے لمحہ لمحہ کی رپورٹ پہنچائی تھی۔ صدر پہنچ کر وہ لوگ گاڑی سے نکل آئی تھیں حجاب زرد اور نحیف محسوس ہوئی تھی۔ وہ کچھ گم صم اور ویران بھی تھی۔ اس کا مطلب تھا یہ جو کچھ ہو رہا تھا اس میں یقیناً اس کی رضا شامل نہیں تھی۔ مجھے ایک کمینی سی خوشی کے احساس نے اپنے حصار میں لے لیا۔ مختلف دوکانوں میں پھرتیں وہ جس بوتیک میں گھسی تھیں میں بھی وہیں چلا گیا۔ ولید کو میں اس سے پہلے فارغ کر چکا تھا۔ جس جگہ میں نے خود کو ان کی نظروں سے اوجھل رکھا تھا وہ کپڑوں کی آرائش کے بڑے بڑے شوکیس تھے۔ ان کے برابر دو بڑی قطاروں میں ہینگرز میں سجا کر ملبوسات اس طرح لٹکائے گئے تھے کہ ان کے درمیان جو جگہ تھی وہ ایک تاریک اور تنگ سی گلی کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ میں اس جگہ کپڑوں کی آڑ لے کر کھڑا ہو گیا۔ اب بس مجھے موقع کی تلاش تھی جب میں اس سے بات کر سکتا۔ وہ ان دو تین مسکین سی خواتین کے ساتھ تھی جنہیں اس کی ساس نند وغیرہ بننے کا خبط سوار ہوا تھا۔ ایک لمحے کو تو میرا جی چاہا تھا ایک ایک جھانپڑ انہیں بھی رسید کر دوں مگر یہ بھرے بازار میں خالصتاً دہشت گردی کا واقعہ بن جاتا جس میں تماشا لگنے کے چانسز بہت حد تک نکلتے تھے اور میں ایسا ہی نہیں چاہتا تھا جبھی دل پر جبر کر لیا تھا۔ پھر مجھے ذرا موقع ملا وہ اس جگہ کے پاس سے گزری جہاں میں تھا وہ تینوں خواتین آپس میں بات کرتے ہوئے آگے تھیں جبکہ حجاب ان کے پیچھے کچھ تھکی تھکی سی چل رہی تھی۔ ان عورتوں کے نکل جانے

کے بعد میں نے نہایت احتیاط اور چابک دستی سے حجاب پر گرفت کی تھی اور اس کے چیخنے کے خوف سے سب سے پہلے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر جما دیا تھا۔ اور اگلے لمحے وہ کسی مرغِ بسمل کی طرح میری بانہوں میں تڑپ رہی تھی۔ میں نے اسے جی بھر کے سہمایا دھمکایا تھا پھر اسے سراسیمہ پا کے میں نے ایک دم اس کا چہرا اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیا تھا۔ اور اس بے حد عجیب صورتحال کے باوجود میں نے مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں اس پر پچھا اشعار لڑھکائے تھے۔

بے موسم بارش کی صورت دیر تلک اور دور تلک
تیرے دیارِ حسن پر میں بھی کن من کن من برسوں گا
شرم سے دہرا ہو جائے گا کان پڑا وہ بُندا بھی
بادِ صبا کے لہجے میں اک بات میں ایسی کہہ دوں گا

میرا مقصد اس پر اپنی برتری، اپنی زور آوری جتلانا تھا۔ اس لمحے میں بے حد گستاخ ہو گیا تھا۔ اور اس موقع سے کسی حد تک فائدہ اُٹھا کر میں نے اس کی سراسیمگی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اسے وہاں سے نیٹ کے بعد میں ہاتھ جھاڑتا بہت ریلیکس انداز میں دوسری جانب سے نکل کر شاپ سے باہر آیا اور مگن انداز میں مارکیٹ کا چکر کھا کر اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ حجاب کو فی الحال چھوڑنے اور عون کو عبرت انگیز شکست دینے کا فیصلہ میں نے اس وقت کیا تھا کیسے؟ یہ میں سوچ چکا تھا۔

☆☆

اگلا دن حجاب کے نکاح کی تقریب کا تھا جسے بہر حال انجام تک نہیں پہنچنا تھا۔ میں نے ولید سے باقاعدہ ایک طویل میٹنگ رکھی تھی۔

”تم سب کچھ جان تو چکے ہی ہو کل جو موقع مجھے ملا میں اگر چاہتا تو اسی وقت حجاب کو بڑی آسانی کے ساتھ اپنے ہمراہ لا سکتا تھا۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا میری نفرت ایسے چھوٹے سے انتقام کی متقاضی نہیں ہے۔ عین نکاح کے وقت میں حجاب کو وہاں سے اٹھواؤں گا اور اس کے لیے مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔“

میں نے درزیدہ نظروں سے ولید کو دیکھا وہ اطمینان سے مسکرایا۔

”آپ فکر ہی نہ کریں داؤد صاحب! بس حکم کریں۔“

اس کے تابعدارانہ انداز نے مجھے تقویت دی تھی۔ میں نے اسے دو چار مسلح بدمعاش ٹائپ غنڈوں کا انتظام کرنے کا کہا تھا جو اس وقت ہمارے ساتھ ہوتے۔ میں اس کام کے لیے ایک کثیر رقم ولید کو پہلے ہی آفر کر چکا تھا۔ مگر وہ بڑا کاروی آدمی تھا اس نے رقم دوگنا بڑھا کر مطالبہ کیا اور مجھے اطمینان دلایا ہر کام تسلی بخش ہو گا۔ اتنی رقم پر میں متذبذب ہوا تھا مگر اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا میں نے اس کی مطلوبہ رقم کا چیک کاٹ کر اس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد مجھے رات کاٹنی اور اگلے دن کا انتظار بے حد کٹھن اور دشوار محسوس ہوا تھا۔ خیر جیسے تیسے وہ وقت بیت گیا ولید مجھے لمحہ لمحہ کی رپورٹ دے رہا تھا۔ جس وقت اس نے مہمانوں کی عون مرتضیٰ کے ہاں آمد کی اطلاع دی تھی۔ میں اس کے بھیجے گئے بندوں کے ساتھ جو منتظر بیٹھا تھا اُٹھ کھڑا ہوا۔ گاڑی میں ہم

لوگ عون مرتضیٰ کی رہائش گاہ کے عقبی سائیڈ پر پہنچے تھے۔ اگلے پانچ منٹ میں ولید بھی وہاں پہنچ گیا۔

”آپ نے بہت دیر کر دی ہے داؤد صاحب اب وقت بالکل نہیں ہے میرا خیال ہے نکاح شروع ہو چکا ہے۔ کوئیکلی او کے۔“

وہ اہم اطلاع پہنچا کر خود غائب ہو گیا۔ اور میرے اندر جیسے پارہ بھر گیا تھا۔ اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ میں بھی دیوار پھلانگ کر اندر گھسا تھا اور ہم دندناتے ہوئے ہال میں پہنچ گئے تھے جہاں ولید کی اطلاع کے مطابق عین نکاح کا مرحلہ شروع ہونے والا تھا۔

”خبردار اوئے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا ورنہ بھون کے رکھ دیں گے۔“

مسلح بدمعاشوں میں سے جن کے چہرے سیاہ ڈھاٹوں میں پوشیدہ تھے ایک کڑک کر بولا اور خوف زدہ کرنے کی نیت سے چند گولیاں ایک کھڑکی کے شیشے پر ماری تھیں۔ ایک زور کا چھناکا ہوا اور شیشہ ٹوٹ کر بکھرتا چلا گیا۔ خوف زدہ چیخوں کی آواز سے ہال کمرا گونج اُٹھا۔ میں نے مسکرا کر عون مرتضیٰ کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ جیسے بھونچکا کھڑا تھا۔

”کیا خیال ہے سالا صاحب! آپ کی عزت مآب بہن سے یہیں نکاح پڑھ لوں یا اپنے ساتھ لے جاؤں ایسے ہی؟“

عون مرتضیٰ بے بسی سے مجھے دیکھ کر رہ گیا۔ اس وقت ایک مسلح بندے نے اسے اپنی گن کی زد پر رکھا ہوا تھا خود میرے پاس بھی لوڈڈ پسٹل تھا۔ مگر وہ پھر بھی خائف ہوئے بغیر دھاڑ اُٹھا تھا۔ اس کی اس غراہٹ نے مجھے آپے سے باہر کر دیا۔ میں نے جواب میں اسے خوفناک نتائج کی دھمکیاں دی تھیں اور مسلسل آگے سے جواب دیتا رہا۔ وہ جیسے بے بس ہو کر بھی بے بس نہیں تھا۔ مجھے صاف لگا جیسے وہ مجھے خواہ مخواہ اُلجھانا اور میرا وقت ضائع کرنا چاہتا ہو۔ جبھی میں نے حاضر دماغی سے کام لیا اور کچھ فاصلے پر سہمی ہوئی کھڑی حجاب کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا۔ اس سے یقیناً میری یہ جسارت برداشت نہیں ہوئی تھی جبھی وہ زور سے چلایا تھا اور مجھ پر حملہ آور ہوا اس کے باوجود کہ وہ نہتا تھا اور میں مسلح۔ وہ نڈر اور بے خوف تھا مجھے ایک بار پھر اس کی جی داری کا اندازہ ہوا۔ مگر اس پل اس کی بے خوفی اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی تھی۔ میں نے حجاب کو سنبھالتے ہوئے ایک مسلح بدمعاش کو فائر کرنے کا کہا تھا۔ اس نے بلا جھجک میری ہدایت پر عمل کیا البتہ احتیاط یہ برتی گئی کہ فائر اس کی ٹانگوں پر کیا گیا تھا ایک دم ہر سو ہراس اور چیخ و پکار مچ گئی۔ سب حجاب کو بھول کر عون کی جانب لپکے تھے خود حجاب بھی مگر میں اسے وہاں چھوڑنے کو نہیں آیا تھا میں نے سفاکی اور بے دردی کے ساتھ اسے اپنے ساتھ گھسیٹا تھا اور سرعت سے واپسی کے لئے مڑا۔ گھر کے ملازموں نے ہماری راہ روکنے کی کوشش کی تھی مگر یہ رکاوٹ اور مزاحمت پریشان کن نہیں تھی۔ حجاب شاید بے ہوش ہو چکی تھی۔ میں نے اسے بڑے آرام سے بازوؤں میں اُٹھا لیا۔ چند قدم کا فاصلہ طے ہوا تھا اور میں ایک بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب لوٹا تھا۔

☆☆

کب تک رہو گے آخر یوں دور دور ہم سے
ملنا پڑے گا آخر اک دن حضور ہم سے

وہ حواسوں سے یکسر بیگانہ تھی۔ پیلے بے حد خوبصورت لباس میں وہ اپنے تباہ کن حسن کی تجلیوں کے ساتھ میرے حواسوں پر چھا رہی تھی۔ گھرلا کے میں نے اسے بیڈروم میں بیڈ پر ڈال دیا۔ اس کا دوپٹہ اس کے تن سے جدا ہو گیا تھا۔ زہد شکن شعاعیں بکھیرتا روپ اپنی حشر سامانیوں کے ہمراہ بے خبری کے عالم میں میرے روبرو تھا۔ میں فتح کے نشے سے چور مسکرا دیا۔ اس کا چاند چہرا پھولوں کے زیورات کے ہالے میں اتنا روشن اتنا صبیح لگ رہا تھا کہ میں اپنے آپ کو بہکنے سے روک نہیں سکا تھا۔ مگر اگلے لمحے میں سیدھا ہو گیا۔ وہ بے ہوش تھی۔ یعنی بے خبر۔ اس طرح اس کا جو نقصان ہوتا وہ بے خبر رہتی۔ مجھے چھین جھپٹ کے بغیر کیا لطف آتا بھلا۔ مجھے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا تھا۔ تب مجھے احساس ہوا تھا میں پچھلے ایک دن سے بھوکا ہوں۔ میں کمرے سے نکلنے کے بعد دروازہ لاکڈ کر چکا تھا۔ کچن میں زرینہ مصروف عمل تھی۔ میں نے اسے کھانا تیار کرنے کا کہا اور خود لاؤنج میں صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ عون مرتضیٰ نے آرام سے نہیں بیٹھنا تھا میں جانتا تھا جبھی احتیاطاً میں نے اپنی رہائش گاہ بدل لی تھی۔ اس جگہ کا پتا ولید کے پاس بھی نہیں تھا۔ میں اس معاملے میں بہت محتاط رہا تھا۔ جب تک زرینہ کھانا لے کر آئی میں نے عون مرتضیٰ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پہلی سے دوسری بیل پر اس نے میری کال پک کر لی تھی۔

”کیسے ہیں سالا صاحب! اپنے ہونے والے بہنوئی صاحب سے بات کا اتنا اشتیاق؟ اُف ابھی تو ہم نے آپ کی سسٹر کی نقاب کشائی بھی نہیں کی ریئلی!“

”بکواس بند کرو تم خبردار جو اپنی گندی زبان پر تم اس کا نام لائے۔“

وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ میں بے ساختہ ہنسنے لگا۔

”کم آن عون! چلو ٹھیک ہے نہیں لیتا نام زبان سے مگر ہاتھوں سے تو اسے چھوؤں گا نا“ اس کے بغیر گزارا نہیں ہے۔ ویسے فکر نہ کرو میں چند دن گزارنے کے بعد تمہیں بہت جلد ماموں بننے کی بھی خوشخبری سناؤں گا۔“

میں نے کسی قدر خباثت سے کہا تو اس نے طیش میں فون بند کر دیا تھا۔ میں نے پھر ٹرائی کیا تیسری مرتبہ کی کوشش پر اس نے پھر فون ریسو کیا تھا۔ میں نے اس کی تھکی تھکی آواز سنی تھی۔

”ایسا مت کرو داؤد تمہاری دشمنی مجھ سے ہے عورت تو عزت ہوتی ہے اور عزت سب کی سانجھی۔“

اس کی آواز میں بھراہٹ تھی۔ میں مجنونانہ انداز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”تمہیں سبرینہ یاد ہے عون مرتضیٰ! میں اس سے محبت کرتا تھا۔ لیکن تم نے اس کی وجہ سے مجھے ذلیل و خوار کیا اور اسے مجھ سے چھین لیا۔“

”یہی تو میں کہنا چاہ رہا ہوں تمہارا مجرم میں ہوں۔ میں، ہر قسم کی سزا کے لیے تیار ہوں۔ مگر حجاب کو چھوڑ دو۔ یہ عزت داروں کا شیوہ نہیں ہے۔ یہ سراسر بزدلی ہے۔“

”اچھا!!!“ میں نے دانت پیسے تھے۔

”مجھے سبق مت پڑھاؤ سمجھے! میں نے تو اسے عزت سے ہی اپنانا چاہا سارا بگاڑ تمہارا پیدا کیا ہوا ہے اب بھگتو۔“

میں نے پھنکارتے ہوئے کہہ کر فون بند کر دیا وہ مجھے پکارتا رہ گیا تھا۔ میں کچھ دیر کھولتا رہا تھا۔ زرینہ کھانے کی ٹرالی کے ساتھ پہنچی تو میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ بہت دنوں بعد میں نے سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ بڑے سائز کا کافی کا مگ چڑھایا پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس دوران میری ہدایت کے مطابق زرینہ حجاب کے لیے کھانا ٹرے میں سجا کر لے آئی تھی۔ میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا اور خود لپک کر حجاب کے کمرے کی جانب لپکا۔ اندر سے دروازہ دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ وہ یقیناً ہوش میں آ چکی تھی۔ میں تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آیا اور اسے درشتی سے پکڑ کر اپنی جانب رخ پھیرا۔

”کیا تکلیف ہے تمہیں کیوں چلا رہی ہو؟“

میں نے اسے سلگتی نظروں سے گھورا تھا۔ جواباً وہ بپھر سی گئی تھی۔

”عون بھیا کو مار دیا نا آپ نے میں آپ کو زندہ نہیں چھوڑوں گی“ وہ پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ میرے پکڑتے سنبھالتے بھی اس نے اپنے لمبے ناخنوں سے مجھے کھرونچ ڈالا تھا۔ اب اس قسم کی بدتمیزی برداشت کرنا میری کوئی مجبوری نہیں تھی جبھی میں نے بلا دریغ اسے زناٹے کا تھپڑ رسید کر دیا تھا۔ وہ اُچھل کر پیچھے جا کر گری اور ساکت ہو گئی۔ میں جو جھلستی نظروں سے اسے گھور رہا تھا ایک دم ٹھٹھکا۔ اس کا یوں حواس کھو دینا مجھے تشویش میں مبتلا کر گیا تھا۔ میں سرعت سے اس کے نزدیک پہنچا اور پنجوں کے بل جھک کر بیٹھتے ہوئے اس کا چہرا تھپکا تھا۔ وہ مکمل طور پر غافل تھی۔ آنسوؤں سے تر چہرہ بھیگی پلکیں اور بکھرے بالوں کے ساتھ پھولوں کی بڑی بڑی بالیاں پہنے وہ کسی طرح بھی مہندی کی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔ میں نے اس کا چہرہ اپنے زانو پر رکھا اور اس کے سر کا پچھلا حصہ ٹٹولا تھا۔ اگلے ہی لمحے میرے ہاتھ کی پوریں گاڑھے اور سرخ خون سے بھر گئیں۔ یہ چوٹ یقیناً اتنی گہری تھی جس نے اسے لمحوں میں ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے کارپٹ سے اُٹھا کر بیڈ پر منتقل کیا اور خود متفکر سا واچ مین سے رابطہ کرنے لگا۔

”بشیر یہاں قریب کوئی ڈاکٹر ملے گا۔“

”ملے گا صاحب! جی ٹی روڈ پر ڈاکٹر کا کلینک ہے۔ خیریت؟“

”تم اسے یہاں لے کر آؤ فوری! کہنا ایمرجنسی ہے۔“

”جی صاحب!“ اس نے تابعداری سے کہا تھا میں ریسور رکھ کر پلٹا وہ یونہی ساکن لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے ٹہلتے ہوئے سگریٹ سلگایا اور ڈاکٹر کا انتظار کرنے لگا۔ تب ہی میرے سیل پر بیپ ہونے لگی تھی۔ میں نے چونک کر نمبر دیکھا۔ عون مرتضیٰ کا تھا۔ میں نے سرد سی نظر ڈال کر سیل فون سائلینٹ پر کر دیا۔ پندرہ منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد بشیر نے مجھے ڈاکٹر کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

”فوری اندر بھیجو اسے اور تم گیٹ پر ہی رہنا اور الرٹ رہنا کسی بھی قسم کا خطرہ ہو فوری مجھے اطلاع

دینا۔‘‘میں نے ایک بار پھر اسے وہی تاکید کی جو میں پہلے بھی کر چکا تھا۔

’’آپ فکر نہ کرو صاحب۔‘‘

اس نے کہا تھا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ میں نے آگے بڑھ کر حجاب کے اوپر کمبل پھیلا دیا۔ تب ہی ڈاکٹر دستک دے کر اجازت لیتا ہوا اندر آیا تھا۔ پھر اس کے سوالوں نے مجھے عاجز کر دیا تھا۔

’’یہ آپ کی بیوی ہیں؟‘‘

’’انہیں چوٹ کیسے لگی۔‘‘ وغیرہ وغیرہ اس کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے میں نے خود کو کمپوز رکھنے کی کوشش کی تھی اور بڑے دھڑے سے جھوٹ پر جھوٹ بول دیئے تھے۔ ڈاکٹر نے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد مرہم پٹی کر دی تھی۔ اور زخم کی جانب سے تشویش کا اظہار کیا تھا۔

’’انہیں ہوش کب تک آ جائے گا ڈاکٹر صاحب!‘‘

’’میری تشویش اور پریشانی کم از کم مصنوعی نہیں تھی۔‘‘

’’میں نے انجکشن دے دیا ہے کچھ دیر تک ہوش بھی آ جائے گا۔ مگر بہتر ہوگا انہیں ذہنی ٹینشن سے محفوظ رکھا جائے۔‘‘

مجھے ہدایتیں اور نصیحتیں دینے کے بعد ڈاکٹر رخصت ہو گیا تھا۔ میں کچھ دیر خاموش کھڑا حجاب کو دیکھتا رہا پھر پلٹ کر باہر آ گیا تھا۔ زرینہ کو دودھ گرم کر کے لانے کا کہہ کر میں پھر اندر آیا تو حجاب دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا پورا چہرہ ایک بار پھر آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ تیزی سے اُٹھ کر میری جانب آئی اگلا لمحہ حیران کن ثابت ہوا۔ وہ میرے پیروں میں بیٹھ گئی تھی اور بار بار ایک ہی التجا کرنے لگی کہ میں اسے واپس بھیج دوں۔ میرے اندر جیسے زہر بھر گیا۔ ہونٹ بھینچے میں نے اپنے قہر کو دبایا تھا اور اس سمیت اس کی التجاؤں کو بھی نظر انداز کر دیا۔ وہ تھک ہار کر چپ ہو گئی مگر اس کے آنسوؤں میں شدت آ گئی تھی۔ میں پہلے خود صوفے پر بیٹھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا تھا میں نے اسے چپ ہونے کا کہا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب اور بے بسی پھیل گئی۔

’’آپ نے مجھے لانا تھا لے آتے مگر عون بھیا کو تو نہ مارتے۔‘‘

میں نے اس کی بات پر جھلا کر اسے دیکھا تھا۔ پھر زہر خند سے پھنکار کر بولا تھا۔

یہ ماتم پھر کسی وقت کے لیے اُٹھا رکھو کیونکہ تمہارا چہیتا ابھی زندہ ہے۔ پھر محض اسے یقین دلانے کی خاطر میں نے سیل فون اُٹھا کر عون کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ میں ہر صورت اس کا رونا دھونا بند کرانا چاہتا تھا۔ اور اس لیے یہ ناگوار کام کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے کال پک کی میں نے اسپیکر آن کر دیا تھا۔ کچھ دیر میں نے عون سے طنزیہ اور کلسانے والی گفتگو کی تھی۔ میرا لہجہ بے حیا اور بدلحاظ تھا۔ میرے خیال میں ابھی تو موقع آیا تھا اس سے بدلے چکانے کا، اسے تڑپانے کا۔ وہ مکمل طور پر میرے سامنے بے بس تھا۔ حجاب کچھ دیر ساکن بیٹھی رہی پھر میرے پاس سے اُٹھ کر بیڈ پر جا بیٹھی۔ معاً اس کی نگاہ اپنے دوپٹے پر پڑی تو وہ جیسے چونک اُٹھی تھی میں نے اسے خفت زدہ اور بے حد شرمندہ ہوتے دیکھا تو طنزیہ انداز میں ہنس پڑا تھا۔ وہ دوپٹہ اوڑھ رہی تھی اور میرے

اندر کوئی تمسخرانہ قہقہے لگا رہا تھا۔ میں اُٹھ کر اس کے نزدیک آ گیا۔

’’کھانا کھا کر فریش ہو جاؤ۔ آج ان تمام فاصلوں کو میں ختم کر دوں گا جو تمہارے منحوس بھائی کی وجہ سے ہمارے درمیان ہمیشہ رہے ہیں۔‘‘

اس نے چونک کر بلکہ خوفزدہ ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر اس کا سر بے ساختہ نفی میں ہلنے لگا۔

’’خبردار کسی قسم کی کوئی بکواس نہیں سمجھیں؟‘‘ میں غرا اُٹھا تھا۔ مگر وہ خائف نہیں ہوئی۔

’’تم جیسے اوباش اور لفنگے اس دنیا میں قدم قدم پر ملتے ہیں مگر ان کے منہ تو نہیں لگایا جاتا نا؟‘‘

اس کا لہجہ زہر آلود اور بے خوف تھا مجھے آگ لگنی ہی چاہیے تھی۔ میں نے ایک غضب کی حالت میں اسے جھپٹ لیا پھر اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر بے دردی سے جھٹکے دیتے ہوئے بولا تھا۔

’’نہ لگنا منہ، گلے لگ جانا۔ منہ ہم خود لگا لیں گے۔ ہونٹوں کو بھی خود لگا لیں گے۔ تم خوبصورت ہو۔ بلوریں جار میں چھلکتی ہوئی وہ مہنگی شراب ہو جسے پینے کو دل مچل جاتا ہے۔ اگر تمہارا بھائی اتنا نہ اکڑتا تو آج تم اس انجام تک نہ پہنچی ہوتیں۔‘‘

میں نے کسی قدر حقارت سے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے مگر کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے مجھ سے نگاہ ہٹا کر کچھ فاصلے پر پڑے کرسٹل واز کو دیکھا تو میں بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

’’فارگاڈ سیک اب یہ واز اُٹھا کر میرے سر پر نہ دے مارنا۔ میں پاکستانی فلموں کے ولن کی طرح اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں ہوں۔‘‘ میں نے گویا اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔

’’آگے مت بڑھو، ابوداؤد میں کہہ رہی ہوں آگے مت بڑھیں۔‘‘

جھپٹ کر کرسٹل واز اٹھاتے وہ حلق کے بل غرائی تھی۔ میں ایک بار پھر ہنس پڑا۔

’’تو تم آؤ گی کیا؟ یار اچھا نہیں لگتا۔ پیش رفت رومانس میں مرد کی جانب سے ہی ہونی چاہیے۔‘‘

میں نے پھر اس کا تمسخر اڑایا تھا۔ اس کی بات کا دانستہ الٹا مطلب نکالا اس کا چہرا غم و غصے اور ہتک کے احساس نے بے تحاشا سرخ کر دیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر مجھے اس پر کسی صورت بھی ترس نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے اس پر گرفت مضبوط کی پھر اس کا منہ اپنے فولادی پنجے میں جکڑ کر بھینچتے ہوئے درشتی سے بولا تھا۔

’’آئندہ اس قسم کی باتوں سے گریز کرنا۔ تم مجھ سے کسی طرح بھی جیت نہیں سکتی ہو۔ یہ تمہیں سمجھ جانا چاہیے آج کی رات ہے بس، اس کے بعد تمہارا یہ غرور اور طنطنہ بھی خاک میں مل جائے گا۔ پھر تو تم خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہو گی مجھ سے لڑنا جھگڑنا تو دور کی بات۔‘‘

میرے لہجے میں ہی نہیں میری آنکھوں میں بھی تحقیر اور حقارت تھی۔ وہ ایک دم گم صم سی ہو گئی۔ میں نے اسے کھانا کھانے اور ہاتھ لینے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔ وہ تب بھی ساکن بیٹھی رہی۔ میں خود کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا۔ تب ہی وہ اُٹھ کر میرے نزدیک آ کھڑی ہوئی تھی میں چونک کر متوجہ ہوا۔ اور ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

اس نے مجھے آنسو بھری نظروں سے دیکھا تھا پھر جیسے تڑپ کر بولی تھی۔

''مجھ سے شادی کرلیں ابو داؤد فارگاڈ سیک مجھے ذلیل مت کریں۔''

میری ہنسی نکل گئی۔ اس سے جو سنگین قسم کی گفتگو میں نے کی تھی اس کا مقصد بھی یہ تھا کہ وہ میرے آگے جھک جائے کجا مجھے اس کی منتیں یا زور زبردستی کرنی پڑے نکاح کو۔ نکاح میرے لیے صرف اس لیے ضروری تھا کہ میں قانوناً اس پر دسترس حاصل رکھنا چاہتا تھا۔ یہ بات تو میں بھی جانتا تھا کہ عون مرتضیٰ ہرگز ٹک کر بیٹھنے والا نہیں۔ جلد یا بدیر وہ حجاب کو لازماً مجھ سے چھڑانا چاہے گا۔ انسلٹ اور توہین کے ساتھ انتقام لے اس سلسلے کو وہ عمر بھر کو ہضم کرنے والا نہیں تھا۔ میں نے اس پر اپنے تاثرات واضح نہیں کیے۔ اور مزید طنز کے تیر برسانے کے بعد اس پر احسان جتلانے والے انداز میں نکاح پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے اسے تیار ہونے کا علم دے دیا تھا۔ اس کے انداز میں بڑی واضح شکست تھی جو مجھے مسرت سے ہمکنار کر رہی تھی۔ پھر میں اُٹھ کر نکاح کے انتظامات میں لگ گیا تھا۔ شام کے بعد رات سے پہلے پہلے ہمارا نکاح ہوا تھا اس کے بعد میں اس کے پاس کمرے میں آیا تو بلڈ ریڈ کلر کے کامدانی شرارے اور کامدار چولی میں وہ ساکن سی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے ایستادہ تھی اور زرینہ اس کے بھاری دوپٹے کو پنوں کی مدد سے اٹکانے کی کوشش میں مصروف۔ اس کا اناڑی پن صاف ظاہر تھا میں نے اسے ڈانٹ کر وہاں سے بھگا دیا۔ پھر جب اس کی جانب متوجہ ہوا تو شرارت شوخی اور مسکان میرے ہر انداز سے عیاں تھی۔ میری نظریں جتنی بے لگام تھیں، لہجہ اس سے کہیں بڑھ کر گستاخی سمیٹ لایا۔

''تمہاری ڈیمانڈ پوری ہوگئی۔ اب میں اپنی خوشی پوری کرسکتا ہوں نا؟''

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ خالی نظروں سے ٹکر ٹکر مجھے دیکھے گئی۔ میں مسکرایا پھر کسی قدر شوخی سے بولا تھا۔

''دیکھو آج میں نے تمہیں خراج تحسین پیش کرنے کو کتنے سارے انتظام کر رکھے ہیں۔ میں پلٹا اور سائیڈ ٹیبل پر پڑی شمپین کی بوتل اُٹھا کر اس کی سیل توڑنے لگا۔ ایک بڑا گھونٹ بھرا پھر بوتل اس کی آنکھوں کے آگے لہرائی۔''

''ایک یہ......اور ایک نظم جو ابھی تمہارے حسن کی نذر کروں گا۔''

میں زور سے ہنسا پھر مخمور نظروں سے اسے دیکھا۔ ایک اور بھی ہے مگر وہ سرپرائز ہے عین وقت پہ بتاؤں گا۔ پہلے نظم سنا دوں ہاں''

میں نے اکٹھے دو گھونٹ بھر کے اسے مسکرا کے دیکھا۔

اب اور نہیں میری جان!
چنچل ہوا آ کے مجھ سے کھیلے گی
چاند پھر اہتمام سے میرے کمرے میں اُترے گا
کمرے میں بہاروں کا سماں ہوگا
میرا چاند گھونگھٹ میں چھپا ہوگا

اس کو گھونگھٹ سے جب میں آزاد کروں گا
چھیننے کی وہ مجھ سے فریاد کرے گا
آنکھ کا کاجل
بکھرا آنچل
گجرا
مہندی
اور سنگھار
کتنے ہوں گے اس کے ہتھیار
اور میں ہوں کا خالی ہاتھ
خالی ہاتھوں جب میں اس کو مالا مال کردوں گا
رات کا آنچل دھیرے دھیرے سرک کے دور ہو جائے گا
آسمان کا چاند مجھ سے جل کر دور کہیں چھپ جائے گا

میں نے نظم سناتے ہوئے اس سے دست درازی بھی شروع کردی تھی۔ مگر وہ تو جیسے موم کی گڑیا تھی۔ جس میں نزاکت اور لطافت تو تھی مگر جان نہیں۔ میں نے بغور رک کر اسے دیکھا اور دل جلانے والی مسکراہٹ سے بولا۔

''ویسے حیرت ہے تم نے تو شاید نہ شرمانے کی قسم کھا لی ہے۔ یار شرماؤ نا مجھے لڑکیاں شرماتی ہوئی اچھی لگتی ہیں'' میں نے اسے چھیڑا تھا۔ میری بات کے جواب میں اس کے وجود میں ایک تبدیلی آئی وہ تھا آنکھوں سے آنسوؤں کا بے آواز بہنا۔

''اُفوہ اس کا مطلب تم بولو گی نہیں۔ مگر جان من میں تو گونگوں کو بھی بلوا لوں تم تو کیا شے ہو۔ آ جاؤ شاباش۔''

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور سہارا دے کے بیڈ تک لے آیا اس کا انداز میکانکی تھا۔ بیڈ پر اسے تقریباً دھکیل کر میں اس کے مقابل خود بھی گر گیا۔ پھر میں نے سیل فون اُٹھا کر عون مرتضیٰ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ اس مرتبہ میری کال پک نہیں ہوئی میں جیسے پاگل ہونے لگا۔ گالیاں کوسنے دیتے میں چھٹی مرتبہ ٹرائی کر رہا تھا جب کال ریسو ہوگئی۔ ورنہ جتنا طیش اور جنون میرے اندر اُترا ہوا تھا۔ اگر وہ ساری رات میری کال پک نہ کرتا تو میں شاید ساری رات بار بار نمبر ملاتا اور اسے وہ سنواتا جو میں نے اسے سنوانے کی غرض سے کال کی تھی۔

ہیلو۔

عون مرتضیٰ کی بوجھل آواز میری سماعتوں میں اُتری تھی۔

''کیسے ہو سالا صاحب! مبارک ہو آج سے تم باقاعدہ میرے سالے ہوئے۔ تمہیں پتا ہے میں اس

وقت اپنی گولڈن نائٹ سیلبریٹ کرنے جا رہا ہوں۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ رابطہ منقطع ہو گیا۔ مجھے حجاب کی سسکیاں سنائی دیں۔ جن پر دھیان دیئے بنا میں نے پھر اس کا نمبر ملایا دوبارہ، مگر وہ بہرہ بن گیا تھا۔ شاید، میں نے غصے میں پاگل ہوتے اسے ایک ٹیکسٹ لکھا تھا۔

"شراب پی کر میں تمہاری بہن کی آج جی بھر کے توہین سے دوچار کرنے والا ہوں۔ سالا صاحب! اگر غیرت مند ہو تو آ کر بچا لو اس کو ہاہاہا!!"

ٹیکسٹ اسے سینڈ کرنے کے بعد میں حجاب کی سمت متوجہ ہو گیا۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اس کا نازک وجود جیسے زلزلوں کی زد پر تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا کاندھا دبوچا پھر ایک جھٹکے سے اس کا رخ پھیر کر چہرہ اپنی جانب موڑ لیا۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک کپکپاتے ہوئے لب بھیگتی ہوئی ریشمی پلکوں کا مرتعش سایہ جو اس کے گالوں پر لرز رہا تھا میں اسے کینہ توز نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر اسے اپنے نزدیک کرنے سے قبل میں نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آف کر دی تھی۔ پھر میں تھا میری جارحیت۔ وحشت اور سفاکی اور وہ تھی اور اس کا احتجاج سسکیاں آہیں اور کراہیں۔ وہ جتنا تڑپ رہی تھی مجھے اسی قدر تسکین مل رہی تھی۔ وہ جس قدر فریاد کر رہی تھی میں اس حد تک سفاکی کو چھونے لگتا تھا۔ میں نے آٹھ سالوں کی نفرت اور وحشت ان چند گھنٹوں میں اس کے وجود پر ثبت کر دی تھی۔ پھر جب میرے اندر لگی آگ کسی حد تک بجھ گئی تو میں کروٹ بدل کر سو گیا تھا۔

☆☆

اگلی صبح میری آنکھ کھلی تو حجاب میرے پہلو میں کروٹ کے بل لیٹی شاید سو رہی تھی۔ وہ شاید کچھ دیر قبل ہی سوئی تھی۔ ابھی تک اس کے نیم وا ہونٹوں سے وقفے وقفے سے سسکی ٹوٹ کر بکھرتی تھی۔ چہرہ اور پلکیں ہنوز نم تھیں۔ آنکھوں کے پپوٹے سوجن کا شکار تھے۔ شاید رات بھر اس نے رونے دھونے کا شغل جاری رکھا تھا۔ تبھی اس نے نیند میں کروٹ بدلی تھی۔ اور میری نظر اس کے گال کے نیچے سرخی مائل زخم کے نشان میں اُلجھ گئی۔ ایک زہر خند مسکان میرے ہونٹوں پر پھیل گئی تھی۔ میں نے کچھ سوچا پھر سیل فون اُٹھا کر عون مرتضیٰ کا نمبر ڈائل کیا۔ مجھے اس وقت بہت حیرت ہوئی جب وہ میرے منہ سے قابلِ اعتراض باتیں سن کر بھی اگلی مرتبہ فون پک کر لیا کرتا تھا۔

"کیسے مزاج ہیں سالا جی؟"

رابطہ بحال ہوتے ہی میں نے کاٹ دار طنز فرمایا تھا۔

"ابوداؤد میں تمہاری منت کرتا ہوں۔ حجاب کو چھوڑ دو۔"

وہ جیسے روہانسا ہو گیا تھا۔ میں ہنس پڑا۔

"اس کے باوجود کہ وہ اب ویسی نہیں رہی۔ سو رہی ہے ساری رات میں نے جگائے رکھا ورنہ تمہاری بات کرا دیتا۔"

"دیکھو اگر تم نکاح کر چکے ہو اس کے ساتھ تو بھی پلیز اس قسم کی گفتگو مت کرو۔ ہم تمہیں تمہارے رشتے کی حیثیت سے قبول کر لیں گے۔"

اس نے جیسے میری بات سنی ہی نہیں تھی۔ میں پھنکارا۔

"اتنا بے وقوف سمجھتے ہو مجھے۔ اب وہ یہاں سے تب ہی نکلے گی جب وہ میرے کم از کم ایک بچے کی ماں بن جائے گی۔ اور سنو کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا چاہو تو تمہاری مرضی ہے ورنہ میں نے اس سے نکاح نہیں کیا انتقام کے کھیل میں عزتیں نہیں بخشی جاتی ہیں۔"

میرے لہجے میں حقارت اور زہر تھا۔ میں نے دانستہ غلط بیانی کی تھی۔ مقصد ظاہر تھا اسے زیادہ سے زیادہ ذہنی اذیت پہنچانا۔

دوسری جانب کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر سلسلہ کاٹ دیا گیا تھا۔ تب حجاب ایک دم اُٹھی تھی مگر اسی تیزی سے واپس پھر بستر پر ڈھے گئی۔ وجہ کیا تھی میں نہیں جانتا تھا البتہ میں نے اسے بہت سکون سے دیکھا تھا۔ اس نے مجھ سے کچھ کہا تھا مگر میری توجہ پھر ہٹ گئی۔ اس کی وجہ عون کا فون تھا۔ میں نے زہر آلود نظروں سے اسکرین کو گھورا پھر سیل فون حجاب کی طرف بڑھا کر اسے بات کرنے کو کہا تھا۔

"تم بات کرو اس سے۔ اسے شاید یقین نہیں آ رہا کہ تم نے میری منتیں کر کے مجھ سے نکاح کیا ہے۔" میں نے پھنکار کر کہا مگر اس کے انکار نے مجھے بھڑکا کے رکھ دیا تھا۔ میں نے اسے تشدد کا نشانہ بنایا اور اپنی بات دہرائی تھی۔ اور عمل کروا کے دم لیا تھا۔ رات کے بعد پھر میری فتح ہوئی تھی۔ ہاں میری ہار کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اب مجھے پرسکون ہو جانا چاہیے تھا مگر میں پرسکون نہیں ہوا۔ مجھے صبر آ جانا چاہیے تھا مگر مجھے صبر نہیں آیا۔ میرے اندر ہنوز وحشتوں کا راج تھا۔

☆☆

سب کاٹ دو
بسمل پودوں کو
بے آب سسکتے مت چھوڑو
سب نوچ لو
بے کل پھولوں کو
شاخوں پر بلکتے مت چھوڑو
یہ فصل امیدوں کی ہمدم
اس بار بھی غارت ہو جائے گی
کھیتی کے کونے کھدروں میں
اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے
پھر اگلی رات کی فکر کرو

جب پھر اک بار اجڑتا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا
جب تک یہی کچھ کرنا ہے

پتا نہیں کیا ہوا تھا اسے وہ ایک بار پھر بے ہوش ہوگئی تھی۔ بے ہوشی بھی ایسی، جس نے پریشان کر کے رکھ دیا۔ میں نے اپنے تئیں اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کی تھیں مگر سب بے کار گئی تھیں۔ مجبوراً ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ ڈاکٹر نے اس کی طرف سے تشویش کا اظہار کیا تھا۔ اس نے اس بے ہوشی کو خطرناک قرار دیتے ہوئے آئندہ اسے خوش رکھنے کی تاکید کی تھی۔ ڈاکٹر کو رخصت کر کے میں دوبارہ اس کی سمت متوجہ ہوا تو وہ بے دم سے انداز میں بستر پر پڑی تھی شکستہ، زخم خوردہ سا انداز تھا۔ جانے کیوں مجھے اس سے ہمدردی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے گال ہنوز بھیگے ہوئے تھے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرا خشک کیا تھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں پھر خالی نظروں سے مجھے تکتے ہوئے اس نے مجھ سے وہی التجا کی تھی۔

"مجھے چھوڑ دیں مجھے جانے دیں۔"

میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ یہ بات بہر حال میں ماننے سے قاصر تھا۔ میں نے اسے کچھ کھانے اور دوا لینے کی تاکید کی تھی۔ پھر زرینہ کو پکار کر اس کے کھانے کو کچھ منگوایا تھا اور اس ہمدردی میں اسے اپنے ہاتھ سے کھلانے لگا۔

"تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ اس لیے بھی کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

جواب میں وہ اگر خود ترسی کا شکار ہوئی تھی تو میں بے حسی پر اتر آیا۔ میں نے اپنے معمول کے کام نپٹائے تھے۔ مگر ڈرنک نہیں کی، پتا نہیں کیوں؟ بس دل نہیں چاہا تھا۔ اس کے بعد میں سیل فون لیے باہر آ گیا۔ میں نے اب کی مرتبہ پھر عون کو کال کی تھی۔

"حیرت ہے تم ابھی تک پہنچے نہیں مجھ تک۔ یار تمہاری ڈیئر سسٹر کے جسم پر کل رات میں نے گن کے اتنے زخم لگائے تھے جتنے تم نے یونیورسٹی میں لڑائی کے دوران مجھے لگائے تھے۔ میں بڑا انصاف پسند ہوں زیادتی مجھے پسند نہیں۔ آج میں اسے زیادہ اذیت نہیں دوں گا بس اتنی جتنی تم نے اس کے سامنے ہیرو بنتے ہوئے مجھے دی تھی۔ او کے فائن اینڈ گڈ بائے۔"

میں نے اس کے صبر کو ضبط کو اچھی طرح آزما کر فون بند کر دیا تھا۔ اور پلٹ کر اندر آ گیا۔ وہ بستر پر دراز تھی میں نے دیکھا اس کے بازو میں لگی ڈرپ ابھی کچھ دوا باقی تھی مگر میں نے اس کی نیڈل ہٹا دی۔ اور اس کے ساتھ بستر میں گھس گیا۔ اس کا رنگ بالکل فق ہو گیا تھا۔ جسے نشانہ بناتے ہوئے میں نے اسے کچھ دیر چھیڑا تھا۔ وہ آنسو بہانے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔ سو آنسو بہانے لگی۔ یا پھر منت کر سکتی تھی اس نے وہ کام بھی کیا۔ وہ مجھے رفیوز نہیں کر رہی تھی محض مجھ سے پناہ مانگ رہی تھی۔ اس کے باوجود مجھے توہین محسوس ہوئی تھی۔ میں نے اسے ڈانٹا تھا پھر جب میرا طیش ذرا دھیما پڑا تو میں نے اس پر احسان عظیم کرتے ہوئے اسے سونے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ جان چھوٹ جانے پر حیران نظر آئی۔ مگر پھر وہ اتنی مطمئن ہوئی تھی کہ اگلے چند منٹ میں گہری

نیند سو گئی تھی۔ میں نہیں سو سکا اور جاگ کر کروٹیں بدلتا رہا۔ کچھ فاصلے پر موجود وجود میں میری ساری توجہ اٹکی ہوئی تھی۔ بالآخر میں نے مضطرب ہوتے اُٹھ کر ٹیبل لیمپ آن کر دیا۔ مدھم روشنی نے گہرے اندھیرے کو نگل لیا تو حجاب کے خدوخال واضح ہونے لگے۔ سفید مرمریں رنگت، بے تحاشا حسین آنکھیں، کھلے ریشمی بال یوں چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھے جیسے چاند کے گرد بدلیاں۔ میں یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ چہرے پر بلا کا سکون تھا۔ حالانکہ کل رات وہ کتنی مضطرب تھی۔ مگر آج میں نے ذرا سی نرمی برتی تو کیسے وہ پر سکون نظر آ رہی تھی۔ کیا شے بنایا ہے عورت کو خدا نے، ہر ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کی صلاحیت عطا کی۔ ہر سختی جبر سہہ جانے کی ہمت بخش دی۔ اماں کہا کرتی تھیں عورت بہت عظیم ہستی ہے۔ مجھے وہ واقعی عظیم لگنے لگی۔

مجھے کبھی کی پڑھی ہوئی ایک نظم اس پل شدت سے یاد آنے لگی۔

کبھی موسم بن کر پگھل جاتی ہیں
کبھی سورج کی تپش سے جل جاتی ہیں
یہ لڑکیاں کتنی عجیب ہوتی ہیں
سنبھل کے چلیں پھر بھی پھسل جاتی ہیں
اللہ نے رکھا ہے ان میں ایسا ہنر
جس سانچے میں چاہو ڈھل جاتی ہیں
کبھی ذرا سی بات پر کر لیتی ہیں آنکھیں نم
تو کبھی پہاڑ سے غم کو بھی سہہ جاتی ہیں
اتنی سادہ کہ اپنی رسوائی پر بھی
صبر کا تھام کے دامن سنبھل جاتی ہیں

جانے کس جذبے سے مغلوب ہوتے ہوئے میں اس پر جھکا تھا اور اس کی صبیح پیشانی کو نرمی سے چوم لیا۔ وہ کتنی حسین لگ رہی تھی۔ اس کا پورا وجود جیسے بہت ہی ملائم سی روشنی کے ہالے میں مقید تھا۔ اتنی روشن، اتنی اجلی، اتنی حسین اور منفرد کہ میری نگاہ اس پر سے ہٹنا بھول گئی۔ پھر مجھے پتا ہی نہ چلا میں کیا کر رہا ہوں۔ بس میرا دل اس لمحے ایک اُلوہی احساس سے معمور تھا۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کل رات اگر میں نفرت کی انتہا پر تھا تو آج رات میں محبتوں کی معراج کو چھو آیا تھا۔ کل میں سراپا قہر تھا تو آج سراپا محبت۔ میں نے شعوری یا لاشعوری طور پر ان تمام اذیتوں کو کم کرنا چاہا تھا جو اسے میری وجہ سے ملی تھیں۔

☆☆

اگلی صبح میری آنکھ کمرے میں پھیلے نامانوس شور سے کھلی تھی۔ میں نے آنکھیں مسل کر شور کے اس منبع کو کھوجا اور کسلمندی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ فاصلے پر موجود سیل فون کی بیل چند لمحوں کو بند ہو کر پھر زور و شور سے بجنے لگی تھی۔ فون داور بھائی کا تھا ایمرجنسی تھی مجھے فوراً جانا پڑا۔ عجلت میں تیار ہو کر میں روم میں آیا تو حجاب

ابھی تک سو رہی تھی میں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اس کے اوپر کمبل درست کرتا باہر آ گیا۔ زرینہ کچن میں مصروف تھی۔ میں نے اسے حجاب کا خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔ اور گاڑی لے کر فوراً نکل گیا۔ ہاسپٹل میں بھابھی کے علاوہ داور بھائی اور اماں وغیرہ سب جمع تھے۔ مجھے اسی چکر اور پریشانی میں وہاں دو دن لگ گئے تھے۔ اس دوران میں نے ایک آدھ مرتبہ حجاب سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی تھی مگر چونکہ میں سیل فون گھر بھول آیا تھا جبھی بیل ہوتی رہی مگر کال کسی نے پک نہیں کی تھی۔ دو دن بعد جب میں لوٹا تو میرا غصے سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ مگر پہنچتے ہی جو خبر مجھے سننے کو ملی اس نے مجھے ایک دم ہونٹ بھینچ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

حجاب کو عون مرتضیٰ وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں ٹینشن زدہ سا کمرے میں آ کر بستر پر گر گیا۔ اب ایک نیا محاذ شروع ہو چکا تھا۔ حجاب کو وہاں چھوڑنا میری اَنا کو گوارا نہیں تھا جبھی میں مضطرب سا سوچنے لگا تھا اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ انہی سوچوں میں مبتلا میں نے کروٹ بدلی تو میرا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا تھا۔ میں نے ٹٹول کر اسے اٹھایا تو وہ ایک طلائی جھمکا تھا۔ اسے میں حجاب کو پہنے دیکھ چکا تھا۔ میرے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

تمہیں ایک مرتبہ پھر یہاں آنا ہے حجاب ابو داؤد! صرف اس لیے نہیں کہ تم انتقام کی وجہ ہو۔ بلکہ تم خاص ہو۔ اب وجہ صرف انتقام تو نہیں ہے۔ کچھ اور بھی ہے ایک کمی کا احساس۔ میں نے سوچا تھا اور احتیاط سے اس کا جھمکا دراز کھول کر اس میں منتقل کر دیا تھا۔

☆☆

آنکھ کی ندیا، اشک کی نہیا
یاد تمہاری چاند کی رات
جھرنا، جگنو، ٹم ٹم تارے
کتنی پیاری چاند کی رات
سوکھے پتے سرد ہوائیں
سونی سڑکیں میں اور تم
شاہ اور ملکہ ہاتھ ہیں تھامے
اور درباری چاند کی رات

وقت گزاری کو میں چینل سرچنگ کر رہا تھا۔ کہ ایک جگہ میرا ہاتھ تھم گیا۔ بہت مدھم میوزک اور چنچل آواز میں گیت چل رہا تھا میں دھیان سے سننے لگا جانے کیوں وہ لڑکی مجھے ٹوٹ کر یاد آئی جسے کبھی میں نے اپنے دل میں اہمیت نہیں دی تھی اور میرا ذہن بھٹکنے لگا۔

پتا نہیں وہ بھی مجھے یاد کر رہی تھی یا جان چھوٹ جانے پر شکر منا رہی تھی۔ میں کچھ ایسا مضطرب ہوا کہ ایک بار پھر ولید سے کانٹیکٹ کرنے لگا۔

یار وہ تیرا دوست پولیس آفیسر کیا جھک مار رہا ہے۔ اسے کہو میرے ساتھ چلے میں ہر صورت آج

حجاب کو لانا چاہ رہا ہوں۔

اس سے کانٹیکٹ ہوتے ہی میں جھلا کر بولا تھا۔ جواباً وہ فضول ہنسی ہنسنے لگا۔

''خیریت تو ہے نا جناب! کہیں آپ کو محبت شحبت تو نہیں ہو گئی؟''

''مقصد کی بات کرو ولید! مجھے مذاق پسند نہیں۔'' میں نے اسے ڈانٹ کے رکھ دیا تو وہ بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''بات کر لی ہے جی! ایس پی صاحب جس کیس میں بزی تھے وہ کامیاب ہو گیا ہے آپ کا کام اسی وجہ سے لیٹ ہوا کہ میں ایس پی صاحب کو آپ کے ساتھ بھیجنا چاہتا تھا کہ عون بھائی کی اپنی بھی اچھی خاصی سورس ہے یہ کام بیچ میں بھی اٹک سکتا تھا نا۔''

اس کی وضاحت نے میرے تنے ہوئے اعصاب کو کسی حد تک ڈھیلا کر دیا۔ اس نے ایس پی سجاد ملک سے میری بات کرائی تھی۔ میں نے مختصر الفاظ میں بتایا کہ حجاب کا بھائی اسے میرے ساتھ خوش نہیں دیکھنا چاہتا وغیرہ وغیرہ۔ ایک فرضی داستان تھی جس سے میں نے اسے مطمئن کیا اور اپنے نکاح کے بابت بتایا اس نے مجھے شام چار بجے آنے کا کہہ دیا تھا۔ میں چار بجے سے بھی پہلے تھانے پہنچ گیا۔ وہاں سے ہم عون مرتضیٰ کے گھر پر گئے تھے۔ ایس پی سجاد ملک نے مجھے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا تھا اور خود ایک لیڈی پولیس کانسٹیبل اور دیگر اہلکاروں کے ساتھ اندر چلے گئے۔

''آپ فکر نہ کریں ہم ابھی آپ کی ڈیئر وائف آپ کے حوالے کر دیں گے۔''

ایس پی نے جاتے جاتے کسی قدر شوخی سے مجھے مخاطب کیا تو میں دانستہ مسکرایا تھا انتظار کے یہ چند منٹ بہت کٹھن تھے۔ دیکھا جاتا تو آج کی جو ہار تھی وہ بھی کم سنگین نہیں تھی۔ کاش میں بھی اندر جا کر عون مرتضیٰ کی بے بسی اور لاچاری کو دیکھ سکتا۔ وقت گزاری کو میں نے سگریٹ سلگا لیا تھا۔ پھر وہ مجھے آتی نظر آئی۔ سرخ کلر کے بے حد خوبصورت سوٹ میں ہمرنگ دوپٹے کو بدحواسی میں اوڑھے اڑتے بالوں کو سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان، وہ کتنی دلکش لگ رہی تھی مگر اس قدر حراساں بھی، میں نے اسے جی بھر کے دیکھا تھا اور اطمینان سے بھی۔ اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں اور ان کے کناروں پر شبنمی قطرے اٹکے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً روئی تھی۔ پولیس اہلکاروں نے اسے میرے حوالے کیا اور وِش کرتے ہوئے رخصت ہوئے، میں نے اسے بہت وارفتگی سے خود سے لپٹا لیا تھا۔ پھر اسے ساتھ لیے واپس لوٹ آیا تھا مگر وہ گم صم اور خاموش رہی تھی۔ پھر جانے کیا ہوا اس کا یہ سکتہ ٹوٹ گیا اور وہ بے تحاشا روتی چلی گئی۔ میرا اچھا بھلا خوشگوار موڈ غارت ہو گیا تھا۔ میں نے اسے بے تحاشا ڈانٹا تھا۔ مگر وہ بجائے خائف ہونے کے مجھ سے اُلجھ گئی تھی۔ پھر کیا تھا بس میرا دماغ اُلٹ گیا تھا۔ وہ بپھری تو میں بھی قہر بن گیا تھا۔ میں نے اسے وہیں اچھا خاصا دھنک کے رکھ دیا۔ اس بد دماغ عورت کو عزت راس ہی نہیں تھی تو میں کیا کر سکتا تھا۔ میرے سارے نرم گرم احساسات جیسے کثیف دھوئیں میں بدل گئے تھے۔ میں اس پر غصہ تو نکال چکا تھا مگر اس کی خراب ہوتی حالت نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ گھر پہنچنے تک میں ڈاکٹر سے

کنسلٹ کر چکا تھا۔ ڈاکٹر نے چیک اَپ کیا میڈیسن دیں پھر مجھے عجیب نظروں سے دیکھ کر بولے تھے۔

''آپ کو شاید اپنی وائف کی زندگی عزیز نہیں ہے۔ میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ ان کے لیے ٹینشن فری ہونا از حد ضروری ہے۔ ان کا دل کمزور ہو چکا ہے وہ کوئی شاک برداشت کرنے کی پوزیشن میں فی الحال نہیں ہیں۔ انہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں ورنہ آپ انہیں موت کی طرف دھکیل گے۔ ڈاکٹر صاحب چلے گئے تو میں واقعی حجاب کے لیے پریشان ہو چکا تھا۔ مگر میری توجہ التفات نے بھی اسے نہیں بہلایا تھا وہ بے حد زود رنج ہو رہی تھی۔ پھر اس نے جو باتیں کہیں وہ مجھے طیش دلا گئی تھی۔ عون مرتضیٰ نے اس سے غلط بیانی نہیں کی تھی میں اسے یہ سب کہہ چکا تھا مگر اسے حجاب سے بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''بولیں دیانہ آپ نے مجھے دھوکہ۔ ایک عزت ہی تو مانگی تھی میں نے آپ سے گنہگار ہونے سے بچنا چاہا تھا نا بس؟''

وہ سسک رہی تھی۔ میں نظریں چرا گیا۔

''یہ سچ نہیں ہے حجاب!''

''تو کیا عون بھیا جھوٹ بول رہے ہیں؟'' وہ چیخی

میں نے اسے ٹیز کرنے کو غلط بیانی کی تھی۔ میں نے اسے اصل بات بتادی مگر وہ شاید مجھ پر اعتماد کھو چکی تھی۔ پھر ہمارے بیچ جھگڑا طول پکڑتا چلا گیا۔ وہ صدمے میں تھی تو میں طیش میں۔ اور اسی طیش میں میں نے اسے بے نقط سنادی تھیں ایک بار پھر میں غصے میں آپے سے باہر ہو کر اول فول بک گیا تھا۔ وہ گنگ ہو گئی تھی۔ میں اس کے احساسات کی پرواہ کیے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆☆

پھر میں اس سے بس اپنا مقصد حاصل کرتا رہا تھا۔ میں نے اپنی کہی بات ثابت کر دکھائی تھی کہ اس کی حیثیت میری کیپ سے زیادہ نہیں تھی۔ پھر میں اسے لے کر لاہور چلا آیا تھا۔ میں اکثر اس میں اٹریکشن محسوس کرتا۔ کبھی کبھار مجھے لگتا وہ ایک ساحرہ ہے جس نے مجھے اپنے سحر میں دھیرے دھیرے جکڑنا شروع کر لیا ہے۔ کراچی سے لاہور کا سفر بائی روڈ ہوا تھا اسی لیے ایک دو جگہ پر قیام بھی کرنا پڑا۔ وہاں ہوٹلز میں مَیں نے اس کے ساتھ کو بہت انجوائے کیا تھا۔ ایک بار پھر مجھے لگا وہ بس محبت کرنے کو بنائی گئی ہے۔ اماں اور بھابھی وغیرہ کے لیے حجاب سے میری شادی ایک انکشاف ہی تھا۔ پھر وہاں بھی ہمارا آپس میں دو تین مرتبہ اختلاف اور جھگڑا ہوا۔ پتا نہیں کیوں اس نے ہر معاملے میں میرے ساتھ ضد باندھ لی تھی۔ شاید وہ مجھ سے اس طرح بدلہ لینے کی کوشش کرتی تھی۔ جو بھی تھا اب میرے اندر کا اُبال ختم ہوتا جا رہا تھا اور میری خواہش تھی میں اس کے ساتھ ایک اچھی اور بھرپور زندگی گزاروں۔ مگر وہ میری اس کوشش پر پانی پھیر دیتی تھی۔ اس نے مجھ سے حد سے بڑھی ہوئی بدتمیزی کی تھی جس کے نتیجے میں مَیں نے اسے بہت بے دردی سے زدوکوب کیا تھا۔ اس کے بعد میں وہاں رکا نہیں تھا۔ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا اگر میں وہاں مزید رہا تو شاید اسے زندہ نہ چھوڑوں، میں ان دنوں

اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ جبھی میں واپس کراچی آ گیا۔ وہاں سب کچھ ویسا ہی تھا مگر ایک کمی کے احساس سمیت، شروع میں مَیں اس کی کمی کو سمجھ اور جان ہی نہ سکا۔ میں بے حد مصروف رہنے لگا تھا۔ پچھلے دو سالوں سے تقریباً میں اپنے کام سے اتنا غافل ہوا تھا اس فضول لڑکی کے چکر میں اُلجھ کر اچھا خاصا نقصان ہو چکا تھا۔ میں دن رات ایک کر کے بزنس کو توجہ دینے لگا۔ ولید سے اب بھی کبھی ملاقات ہو جاتی تھی۔ اس نے جو تعاون کیا تھا میں اس پر دل و جان سے اس کا مشکور تھا۔ وہ عیاش طبع انسان تھا کام سے جی چرانے والا، میں ہر ماہ اس کا منافع اسے دے دیا کرتا تھا۔ ایک بار میں نے اس کا خصوصی شکریہ ادا کیا تھا اور ذرا کریدنے کی کوشش بھی کہ عون یا حجاب کے ساتھ اس کی ایسی کیا دشمنی تھی جس کی بنا پر اس نے میرا اس حد تک ساتھ دیا۔ جواب میں وہ اول تو بات گھما گیا تھا میرے اصرار پر اس نے صرف اتنا بتایا تھا۔ ان لوگوں کی طرف اس کے ذاتی قسم کے کچھ حساب نکلتے تھے۔ میں سمجھ گیا خاندان میں اس قسم کی رنجشیں اور تلخیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جن میں سے کچھ کینہ پرور لوگ فریق ثانی کو زیادہ اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیا کرتے ہیں۔ خیر عون مرتضیٰ سے مجھے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

کراچی آ کے میں نے اپنا آفیشل نمبر آن کر لیا تھا۔ جب میں نے ڈبل سم والا ملٹی میڈیا سیل لیا تو دوسرا پرسنل نمبر بھی آن کر لیا۔ یہ اسی روز کی بات ہے جب میں آفس میں تھا تو حجاب کی کال آنے لگی تھی۔ میں میٹنگ میں تھا جبھی دھیان نہیں دیا مگر وہ متعدد بار ٹرائی کر رہی تھی اس کے باوجود میں نے اس کی بات سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ فی الحال میں اپنے دل میں اس کی گنجائش نہیں رکھتا تھا۔ اماں جیسی فطرت کی عورت اور سائرہ آپا کے ساتھ گزارا کرنا عام بندے کے بس کا روگ نہیں تھا۔ مجھے اندازہ ہو سکتا تھا وہ وہاں کیسی زندگی گزار رہی ہوگی۔ اس کے باوجود میں نے دانستہ اس سے گریز اور تغافل برتا تھا۔ مقصد اسے اذیت اور سزا دینے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ مزید چند منٹ گزرے تھے کہ بھابھی کا فون آ گیا۔ انہوں نے مجھے حجاب کی حالت زار سنائی اور اسے لے جانے پر اصرار کرنے لگیں۔ میں جھنجلا کر رہ گیا۔

''وہاں کیا مسئلہ ہے بھابھی!''

''مسئلہ ہے نا بتایا تو ہے۔ اماں اور سائرہ نے اس کا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ اوپر سے اس کی حالت بھی ایسی، سارا دن کچن میں کھڑی ہو کر کام کرتی ہے۔''

''تو کرنے دیں۔ موم سے نہیں بنی کہ پگھل جائے۔'' میں نے تندی سے جواب دیا اور اِدھر کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی۔

''داؤد وہ ماں بننے والی ہے تمہارے بچے کی۔ ایسی حالت میں عورت بہت حساس، کمزور اور سہارے کی متلاشی ہوتی ہے۔ ہمدردی کے دو بول بھی اس کی سیروں کے حساب سے ہمت بندھانے ہیں۔ تم نے اسے مشقت اور ظلم کے حوالے کر دیا۔ یہ کیسی محبت ہے تمہاری؟''

''آپ سے کس نے کہہ دیا مجھے اس سے محبت ہے۔ اونہہ! محبت تو کیا مجھے تو اس سے ہمدردی تک نہیں ہے۔ جو ہو رہا ہے ہونے دیں۔ بلکہ میں اماں سے کہوں گا ذرا اس پر ہاتھ اور سخت کریں۔ بہت منہ پھٹ

ہیں محترمہ!" میں اس وقت اتنا غصیلا اور بدمزاج ہو رہا تھا کہ اس خوشخبری نے بھی مجھ پر اثر نہیں دکھایا۔ بھابھی یقیناً میری باتیں سن کر سکتے میں آگئی تھیں پہلے تو انہیں یقین نہیں آیا تھا۔ پھر تاسف زدہ انداز میں بولی تھیں۔

"اگر تم اس سے محبت نہیں کرتے تھے داؤد تو اتنے پاپڑ بیل کے شادی کیوں کی؟"

"یہ کوئی اور چکر ہے بھابھی! ضد انتقام اور نفرت کا۔ اب خدا کے لیے مجھ سے تفصیل مت پوچھیے گا۔" میں نے عاجز ہو کر کہا تو بھابھی نے گہرا سانس کھینچا تھا اور اسی متاسفانہ انداز میں بولی تھیں۔

"مجھے لگ رہا ہے میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا ہے داؤد! خدا تمہیں نیک ہدایت سے نوازے!"

ان کا فون بند ہوا تو میں نے شکر کا سانس بھرا تھا۔ مگر یہ سکون زیادہ عرصے تک میرے ساتھ نہیں رہ سکا۔ چند دن گزرے تھے جب اماں نے فون پر چیخ چلا کر مجھے ایک اطلاع دی۔ اطلاع کیا تھی ایک بم تھا جو بلاسٹ کر دیا تھا انہوں نے، حجاب کو وہاں سے عون مرتضیٰ آ کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ مجھے اس پل لگا تھا میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ جو ہوا تھا ہرگز اچھا نہیں ہوا تھا۔ اب وہ یقیناً میرے ساتھ قانونی لڑائی لڑتے۔ حجاب کے ساتھ سلوک میرا جیسا تھا اس کے بعد میں ہرگز کسی خوش فہمی کو نہیں پال سکتا تھا۔ اور عون مرتضیٰ کو تو موقع چاہیے تھا مجھ سے بدلہ لینے کا۔ میں غم و غصے کی زیادتی سے پاگل ہوتا اماں اور سائرہ آپا پر چلاتا رہا کہ ان کی موجودگی میں وہ چلے کیسے گئی؟ آخر اس نے پہلے عون سے رابطہ تو کیا ہوگا۔ میرا طیش تھا کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ دیکھا جاتا تو یہ میری شکست تھی نا قابل بیان شکست۔ جواب مجھے ہرگز ہرگز گوارا نہیں تھی۔ اس شکست کو مجھے پھر فتح میں بدلنا تھا چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑتا کچھ بھی۔

☆☆

پھر میرا خدشہ درست نکلا تھا۔ اگلے چند مہینوں میں مجھے حجاب کی طرف سے خلع کا نوٹس مل گیا تھا۔ مجھ پر جو الزامات لگائے گئے تھے وہ غلط نہیں تھے بلکہ میں تو اس سے بھی بدتر سلوک کر چکا تھا اس سے جس کا ذکر تک نہیں تھا۔ اس کے باوجود میرا طیش تھا کہ سب کچھ درہم برہم کر دینے پر آمادہ تھا۔ جس وقت مجھے یہ نوٹس ملا میں ٹیرس پر موسم کا لطف اُٹھاتے ہوئے کافی پی رہا تھا۔ نوٹس پڑھتے ہی میں نے بپھرے ہوئے انداز میں کافی سمیت مگ دور پٹخ دیا تھا۔ اس وقت مجھے جتنی بھی گالیاں یاد تھیں میں نے سب عون اور حجاب کو دے دیں مگر میرا طیش پھر بھی ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اسی وقت عون کا نمبر ملا لیا۔ مگر وہ میرا فون پک نہیں کر رہا تھا۔ میں نے تلملاتے ہوئے اسے اور گالیاں دیں پھر ایک ٹیکسٹ بھیجا تھا۔

"تمہاری ڈیئر بہن میرے بچے کی ماں بننے والی ہے سالا صاحب! اتنا تو تم بھی جانتے ہو گے کہ پریگنینسی پیریڈ میں طلاق نہیں ہوتی۔ اور اس بھول میں مت رہنا میں کبھی اسے آسانی سے چھوڑ دوں گا۔ نو نیور! اس کے لیے میں تمہیں تو دنیا چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہوں مگر......"

میں نے سیل فون دوبارہ پاکٹ میں رکھ لیا تھا۔ پھر بہت سارے دن اسی بے کیفی اور ٹینشن میں گزرے تھے جب ولید ایک اہم اطلاع کے ساتھ چلا آیا۔

"آپ کے سالا صاحب کی شادی ہو رہی ہے داؤد!"

"ہاں اچھا عیسیٰ کی ہوگی۔"

میں نے بے دھیانی میں اس کی بات سنی تھی وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

"نہیں یہی تو بات ہے۔ شادی عیسیٰ کی نہیں عون بھائی کی ہو رہی ہے۔ وہ بھی عیسیٰ کی منگیتر سے۔ سنا ہے لڑکی بہت کم عمر اور حسین ہے۔ عون بھیا کی تو لاٹری نکل آئی جی......!"

وہ دانت نکوس کر کہہ رہا تھا میں ٹھٹھک گیا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو ولید؟" میرے انداز میں اضطراب تھا۔

آپ تصدیق کرا لیں۔ یہ سارا کام آناً فاناً ہوا ہے۔ اندر کی خبریں بھی ہیں۔ عیسیٰ نے لڑکی سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ شاید بدنامی کے ڈر سے عون صاحب یہ کام کر رہے ہیں۔ ثواب کا ثواب اور مفت کی عیاشی!" وہ اپنے مخصوص فضول انداز میں بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے مجھے شادی کا دن اور تاریخ بھی بتائی تھی۔ میں کسی سوچ میں گم ہونے لگا۔ اس اہم دن پر مجھے بھی تو کچھ کرنا چاہیے تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

☆☆

عون کی بارات رات کی تھی۔ اور مجھے اسی وقت کا انتظار تھا جب بارات روانہ ہو جاتی۔ ولید نے مجھے بارات کی روانگی کا وقت بھی بتایا تھا۔ میں تیار ہونے کے بعد گاڑی میں آن بیٹھا تھا۔ جب تک میں عون کے گھر پہنچا بارات روانہ ہو چکی تھی۔ پھر بھی احتیاطاً میں نے ولید سے تصدیق کرا لی۔ حجاب برات کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ یہ بات مجھے ولید نہ بھی بتاتا تو میں جانتا تھا۔ اس کی ڈلیوری نزدیک تھی ایسی حالت میں وہ جا بھی نہیں سکتی تھی۔ میری یہاں آنے کی وجہ بھی وہی تھی میں ان سات آٹھ مہینوں میں جتنی شدتوں سے اس کی کمی محسوس کر چکا تھا اس کے بعد آج کا موقع مس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مقصد صرف اس پر اپنے آئندہ کے عزائم واضح کرنے اور عون کو کورٹ جانے سے روکنا ہی نہیں تھا۔ دل کے کسی کونے میں اسے دیکھنے اسے چھونے کی پاگل کر دینے والی خواہش مجھے بہت راتوں سے گہری نیند سوتے میں جگا دیتی تھی پھر باقی کا وقت جاگتے اور کروٹیں بدلتے گزرتا تھا۔ بات اگر عورت کے قرب کی تمنا کی ہوتی تو بھی ٹھیک تھا میں اس ضرورت کو پورا کر سکتا تھا آج بھی بہت سی لڑکیاں میری راہوں میں پلکیں بچھاتی تھیں مگر خواہش تو عجیب تھی۔ وہ صرف وہ۔ میں حیران تھا میرے جیسا لاپرواہ اور بے نیاز بندہ جو سبرینہ کے بعد کبھی کسی کا طلبگار نہیں ہوا تھا یہاں اس مقام پر آ کر کیسے بے بس ہو گیا تھا۔ میرا مقصد یہاں کسی سے اُلجھنا اور ہنگامہ کرنا نہیں تھا جبھی میں اس کے گھر کی عقب کی سائیڈ پر گاڑی روک کر رات کی تاریکی میں چوروں کی طرح دیوار پھلانگ کر اندر گھسا تھا تو وجہ یہی احتیاط تھی۔ سیدھے راستے مجھے کوئی آسانی سے گھسنے نہ دیتا۔ مجھے ہر صورت اندر جانا اور حجاب سے ملنا تھا۔ لڑائی بھڑائی مشکل کام نہیں تھا مگر میرا معاملہ تو پہلے ہی کورٹ کچہری تک جا پہنچا تھا میں اس معاملے کو گھمبیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جہاں سے میں نے دیوار پھلانگی تھی ایک مرتبہ پہلے بھی میں اس طرح یہاں آ چکا تھا۔ میں اس گھر کا داماد تھا مگر یہاں سے مجھے وہ عزت نہیں ملی تھی جو میرا حق تھا۔

مجھے اس خیال سے پھر طیش آنے لگا۔ لان کے عقبی حصے میں بھی آرائشی لیمپ روشن تھے جس کی وجہ سے ماحول منور ہورہا تھا۔ شادی والا گھر تھا سجاوٹ اور آثار نظر آرہے تھے میں محتاط انداز میں آگے بڑھتے ہوئے ٹھٹھک گیا۔ سیل فون کان سے لگائے لان میں چہل قدمی کے انداز میں ٹہلتا ہوا عیسیٰ گفتگو میں مصروف تھا۔ مجھے اس مقام پر کسی کی مداخلت کا ہرگز بھی خدشہ نہیں تھا۔ میں جتنی تیزی سے بھی کوئی ایکشن لیتا اس کی نظر سے بچ نہیں سکتا تھا۔ اس پل وہ اپنے دھیان میں مڑا اور ایک دم ساکن ہوکر رہ گیا۔ ہم ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ لان میں موجود آرائشی روشنیاں ہمیں ایک دوسرے کو بے حد واضح دکھا رہی تھیں۔ وہ جتنا حیران تھا میں اس حد تک نخوت زدہ

"میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرنا عیسیٰ ورنہ......"

"آپ یہاں کیسے داؤد بھائی!" معاً وہ سنبھلا تھا اور اس نے سیل فون کان سے ہٹا کر رابطہ منقطع کیا پھر رواداری سے آگے بڑھ کے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں خیر سگالی کے اس مظاہرے پر ششدر ہوگیا۔

"آیئے ہم اندر چلتے ہیں۔ بہت عرصہ ہوا آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوسکی۔ کیسے ہیں آپ؟"

اس نے زبردستی میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس کی گرم جوش گرفت دوستانہ لہجہ و انداز مجھے ناگواری کے احساس سے دوچار کر گئے۔ مجھے یہ سب کچھ منافقانہ محسوس ہوا تھا۔

"میرے ساتھ ڈرامہ بازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر! سائیڈ پر ہو جاؤ۔ مجھے ہر صورت حجاب سے ملنا ہے اگر تم نے فضول کی غیرت مندی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا سمجھے!"

میں نے ہونٹ سکوڑ کر آنکھیں نکال کر کہا تھا۔ مجھے ایک دم بہت غصہ آنے لگا تھا۔

"حجاب اندر کمرے میں ہے۔ آپ مل سکتے ہیں۔ میں بھلا آپ کو منع کیوں کروں گا؟"

اس نے جواباً اسی رسانیت اور رواداری سے کہا تو میری پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی۔

"اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں دیکھ لوں گا تمہیں۔"

انگلی تنبیہ کے انداز میں اُٹھا کر اسے گھورتے ہوئے میں نے سرد آواز میں کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ پورا گھر روشن تھا۔ گھر میں خاموشی تھی میں نے کچن میں جھانکا وہاں تقریباً سبھی ملازم جمع تھے اور کھانا کھا رہے تھے۔ میں آگے بڑھ کر حجاب کے کمرے تک آگیا۔ حجاب بالکل سامنے ہی نظر آگئی مگر اس کا رخ دوسری جانب تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ پر وہ کچھ اور سمجھی تھی میں کچھ کہے بغیر اس کے سامنے آگیا۔ وہ پہلے ٹھٹھکی تھی پھر حق دق رہ گئی۔ میں اسے ایک طویل عرصے بعد دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی قدر موٹی ہوگئی تھی۔ بھرا بھرا صحت مند شاداب چہرہ، اس روپ میں اس پر جیسے ٹوٹ کر نکھار آیا تھا۔ چہرا جیسے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ وہ سامنے تھی جس کی وجہ سے میں کئی راتوں کا رتجگا کاٹ چکا تھا۔ میرے اندر ایک انوکھی خوشی، ایک نئی ترنگ جاگ اُٹھی۔ میں نے اس سے ایسے خوشگوار موڈ میں گفتگو کا آغاز کیا جیسے ہمارے بیچ ناراضی اور فاصلے آئے ہی نہ ہوں۔ میں اسے سرتاپا بغور دیکھ رہا تھا۔ میری نظروں کی تپش پر وہ جیسے موم کی طرح پگھل رہی تھی مگر یہ احساس ناگواری کا تھا۔ اس نے خود کو ڈھانپا تھا گویا میری نظروں سے بچنا چاہا۔ میں جو اس کا محرم تھا۔ میرے اندر اس کے اندازِ گفتگو نے بھی آگ بھڑکائی تھی۔ جبھی

میں نے ایسی ہی آگ اس کے اندر بھڑکا دی۔ وہ بہت حساس تھی مگر صرف اپنوں کے لیے اور وہ اس کے بھائی اور والدین تھے۔ میرے لیے وہ کبھی اس طرح نہیں تڑپی تھی۔ کبھی اس طرح نہیں روئی تھی۔ اسے کبھی مجھ سے محبت نہیں رہی تھی۔ اسے شاید کبھی مجھ سے محبت نہیں ہوسکتی تھی۔ ایک میں تھا۔ احمق گدھا کہ اسے پتا نہیں کیا سمجھنے لگا تھا۔ اُبلتا ہوا خون میرے دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ مگر میں نے خود کو کمپوز کرلیا۔ میں یہاں اس سے لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ لڑے تو ہم ہمیشہ ہی تھے۔ میں یہاں اسے منانے قائل کرنے اور اپنی راہیں ہموار کرنے آیا تھا۔ میں نے اس کی کوشش شروع کردی مگر وہ میری کچھ مانتی، کچھ سنتی تب تھا نا۔ اس کا ہر انداز ناگواری لیے تھا جان چھڑانے والا تھا۔ میرے دل پر چوٹ پڑی تھی۔ کیا واقعی اس کے پاس میرے لیے کچھ نہیں تھا؟ کیا وہ صرف مجھ سے ہمیشہ مجبوری نبھاتی رہی تھی؟ یہ اس کا انداز اور رویہ ہی تھا جو مجھے پھر سے پتھر بننے اور تیر برسانے پر مجبور کر گیا۔ پھر اس کے بعد میں نے وہ کیا تھا جو مجھے مناسب لگا۔ میں اسے دھمکیاں دیتا رہا تھا۔ میں نے وہاں کتنا وقت گزارا مجھے اندازہ ہی نہ ہوسکا۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کے ساتھ وقت اتنی تیزی سے بیتا تھا کہ میں حیران رہ گیا تھا۔ بارات واپس آگئی تھی دلہن کو لے کر، فائرنگ اور آتش بازی کے علاوہ گاڑیوں کی آواز سے بھی بخوبی اندازہ ہورہا تھا اور میں ابھی وہیں تھا۔ حجاب نے مجھے ہاتھ جوڑ جوڑ کر وہاں سے جانے پر مجبور کردیا تھا۔ میں وہاں سے آ تو گیا تھا مگر مجھے لگتا تھا میں اپنے وجود کا کوئی اہم حصہ وہیں چھوڑ آیا ہوں۔ کیا وہ حصہ حجاب تھی؟ میں تب سمجھ اور جان ہی نہ پایا۔

☆☆

میں رات بہت لیٹ سویا تھا۔ جبھی اگلی صبح خلافِ معمول بہت دیر سے آنکھ کھلی وہ بھی سیل فون کی تسلسل سے بجتی ہوئی بیل کی آواز پر۔ میں نے بامشکل آنکھیں کھولی تھیں اور سیل فون اُٹھا کر کال ریسو کی "ہیلو! کون؟"

میرا دماغ ابھی تک غنودگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"سو رہے ہو یار! اُٹھ جاؤ باپ بن گئے ہو تم۔"

دوسری جانب ولید تھا اطلاع اتنی خاص اور اہم تھی کہ میری آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھا!

"تمہیں کیسے پتا؟" میرے لہجے میں بے حد ایکسائٹمنٹ تھی۔

"جناب یاد رہے تو آپ نے ہمیں خود اپنے سسرال کی ہر خبر پر نظر رکھنے کو کہا ہے۔ گو کہ میں شبیر نہیں ہوں۔" جواباً اس نے خوشدلی سے قہقہہ لگایا تو میں بھی ہنس دیا تھا۔

"رات ہی حجاب کو ہاسپٹل لے جایا گیا تھا۔ صبح ڈلیوری ہوئی ہے۔ بیچاروں کی ساری رات بھاگ دوڑ میں گزر گئی۔ آپ نے تو عون مرتضیٰ کو اچھا وختا ڈالا۔ اپنی شادی کی رات بھی بیچارا ہاسپٹل کے کاریڈور میں چکراتا ہوا نظر آیا۔"

وہ اب مجھ سے بے تکلف ہوگیا تھا۔ جیسے مزے لے لے کر بولا۔ جواباً میں نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔

"ہائے اس کی وہ نوخیز 'نئی' نویلی دلہن تو ساری رات اپنے سجنیا کی راہ تکتی رہی ہوگی۔"

ہم دونوں کتنی دیر ایسی ہی بے تکی ہانکتے رہے تھے۔ پھر ولید نے ایک اہم سوال کیا تھا۔

''حجاب ابھی ہاسپٹل میں ہی ہے۔ آپ دیکھنے جائیں گے اپنے بیٹے کو؟''

''اسے دیکھنے اور پیار کرنے کا سب سے زیادہ حق مجھے ہی تو حاصل ہے۔ جاؤں گا کیوں نہیں۔''

''مگر داؤد صاحب آپ نے اپنے آپ کو کنٹرول رکھنا ہے۔ احتیاط ضروری ہے۔ آپ جانتے ہیں نا کورٹ تک معاملہ پہنچ چکا ہے۔''

ولید نے جیسے مجھے معاملے کی نزاکت کا احساس دلانا چاہا تو میں نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

''ڈونٹ وری! میں خیال رکھوں گا۔'' میں نے رسانیت سے کہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے بھرپور تعاون کا ایک بار پھر یقین دلایا اور سلسلہ کاٹ دیا۔ یہ اس کا تعاون ہی تھا کہ میں ہاسپٹل میں حجاب سے مل سکا تھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔

☆☆

حجاب سے ہونے والی اس ملاقات نے بھی مجھے کوئی اچھی امید دلائی تھی نہ کوئی خوشی بخشی۔ وہ مجھ سے بے حد متنفر ہو چکی تھی۔ میری خیر سگالی کی ہر کوشش ناکام گئی تھی۔ اس کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں ہمیشہ کی طرح بھڑک اُٹھتا۔ مگر اس کے برعکس میرے اندر ایک ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جانے کیوں مجھے اپنی یہ ہار روہانسا کرتی چلی جا رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا حجاب کو میں نے حاصل کر کے بھی گویا نہیں کیا۔ میں اسے پا کر بھی کھونے والوں میں شمار ہوا تھا۔ فتح جسم کی تسخیر میں تو نہیں ہوتی۔ محبت کی فتح تو دلوں کی جیت میں ہوتی ہے اور میں یہ جنگ بہت بُرے طریقے سے ہارا تھا۔ اب میرے پاس ایک ہی حل تھا کہ میں عون مرتضیٰ سے گزارش کرتا کہ وہ کورٹ سے کیس واپس لے لے اور حجاب کو واپس میرے حوالے کر دے۔ میں اب اس کے ساتھ محبت کا سلوک کر کے اسے جیتنا چاہتا تھا۔ پتا نہیں کیوں میں نے انتقام کے بعد اس بات کو بھی اپنی زندگی کا اہم مقصد کیوں سمجھ لیا تھا! شاید میں بہت شدت پسند تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دل کے تابع رہنا چاہتا تھا۔ اب دل کا یہ تقاضا تھا تو میں نے اپنی ساری توانائیاں اسی جانب مرکوز کر دی تھیں۔ میں نے عون سے اس سلسلے میں رابطہ کیا۔ مگر وہ تو میری بات تک سننے کا بھی روادار نہیں تھا۔ جیسے تیسے جب میں نے اس پر اپنا مقصد واضح کیا تو جواب میں اس کی آنکھوں میں اتنی نفرت اور برہمی اُتر آئی تھی جو بیان سے باہر تھی۔ اس نے مجھے بہت بے عزت کیا تھا۔ اتنا کہ میں کھول کر رہ گیا۔ خیر سگالی اور بہتری کے وہ جذبے جو بے حد خاص تھے۔ عون مرتضیٰ کی اسی نفرت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ میں ایک بار پھر زخم ٹھونک کر میدان میں اُتر آیا۔ اب ہم پھر سے دشمن تھے جنہیں بس اپنی اپنی فتح عزیز تھی۔

☆☆

اس کے بعد ہمارا آمنا سامنا کورٹ میں ہوا تھا۔ حجاب اس کی حامی کے طور پر اس کے ساتھ تھی۔ میرے اندر بھانبڑ جل اُٹھے۔ میں خود کو ہرگز بھی کمپوز نہیں رکھ سکا اور کورٹ میں ہی میری عون مرتضیٰ سے تلخ کلامی ہو گئی تھی۔ کورٹ میں کیس کی سماعت شروع ہوئی تو مجھے اندازہ ہوا میرا پلہ کس قدر ہلکا ہے۔ مجھے یہ خوش فہمی پالنے کی

ضرورت نہیں تھی کہ میں یہ کیس جیت جاؤں گا۔ حالانکہ میں نے اپنا ایک ہی موقف رکھا تھا ''کہ عون مرتضیٰ میری بیوی کو میرے خلاف بیان دینے پر مجبور کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔'' حجاب کے بیان نے گو کہ اس کی تردید کی تھی مگر میں اپنے موقف سے ایک انچ نہیں سرکا تھا۔ وہیں کورٹ میں مَیں طے کر چکا تھا۔ مجھے آئندہ کیا کرنا ہے۔ جیتنے کے لیے زور زبردستی اور بدمعاشی ضروری ہوتی ہے۔ اور بے ایمانی بھی اور دھوکہ بھی، میں بھی پہلے انہیں اصولوں پر کاربند ہو کر جیتا تھا۔ میں اب پھر ایسے ہی جیتنا چاہتا تھا۔ کیس کی اگلی سماعت پندرہ دن بعد کی تھی اور مجھے پورا یقین تھا میں اس دوران کوئی حل نکال لوں گا۔ مگر یہ میری خام خیالی ثابت ہوئی اگلے دس دن گزر گئے اور میں حجاب اور عون کو دھمکیاں دینے کے سوا کوئی ڈھنگ کا کام نہ کر سکا۔ میرا ذہنی دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ جو دعویٰ کیا تھا مجھے لگتا تھا وہ خاک کا ڈھیر ثابت ہونے والا تھا۔ متوقع سکی ہزیمت اور ذلت کے احساس نے ان دنوں مجھے نیم دیوانہ کر رکھا تھا کہ قدرت کو مجھ پر رحم آ گیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ عون مرتضیٰ کا ایکسڈنٹ ہو گیا مجھے یہ اطلاع بھی ولید نے پہنچائی تھی۔ اگلا سبق بھی مجھے اسی نے دیا تھا۔ اور میں اس کی چالبازی اور ذہانت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہا۔ وہ واقعی میرا خیر خواہ اور دوست ثابت ہو رہا تھا۔ حجاب جتنی جذباتی اور احمق تھی مجھے بھی یقین تھا وہ ہمارے چلائے اس چکر میں آسانی سے پھنس جائے گی اور آنے والے وقت نے ثابت کیا میری سوچ غلط نہیں تھی۔ میرا اندازہ بھی غلط نہیں تھا۔

☆☆

میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا جبھی جیت کے خمار نے مجھے اگلے کئی دن تک کسی اور جانب توجہ دینے کے قابل نہیں چھوڑا۔ عیسیٰ اس دوران مسلسل مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف رہا تھا اور میں اس کی کوشش کو مسلسل ناکامی کا منہ دکھا رہا تھا۔ یہ ایک ہفتے بعد کی بات تھی۔ جب میں آفس سے نکل کر گھر آنے کو پارکنگ کی جانب آ رہا تھا کہ وہ جانے کہاں سے نکل کر ایک دم میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''واٹ نان سنس!''

میں نے کسی قدر نخوت سے اسے اجنبیت بھری نظروں سے گھور کر دیکھا تو وہ تلخی سے مسکرانے لگا۔

''بدتمیزی یہ ہے جو میں کر رہا ہوں یا وہ جس کا مظاہرہ آپ کر رہے ہیں؟''

''تمہیں کس نے کہا کہ میں اس شہر میں منصف مقرر ہوا ہوں۔''

میں نے دانستہ تاؤ دلانے کو اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکراتے ہوئے کہا تو اس کا چہرا سرخ پڑ گیا تھا۔

''صحیح کہتے ہیں۔ آپ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کو یہ عہدہ ملے۔''

بکواس بند کرو۔ میں دھاڑا تو اس نے جواباً غصیلی نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔

''داؤد بھائی میں آپ کے ساتھ انسانیت سے پیش آ رہا تھا اور آ رہا ہوں مگر آپ مجھے بدتمیزی پر مجبور کر رہے ہیں۔ حجاب کو لے جانا چاہتے تھے آپ! یہی میں بھی کرنا چاہتا تھا مگر مناسب اور عزت دار طریقے سے تعاون کر رہا تھا میں، مگر آپ نے سارا کام بگاڑ کے رکھ دیا۔ مجھے بے حد افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ ہمدردی اور اچھائی کے قابل ہی نہیں ہیں۔

اس کے متاسفانہ لہجے میں بے حد کرب شامل ہوگیا تھا۔

''کر چکے تم اپنی تقریر؟''

میں نے حقارت بھرے انداز میں کہا تو اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے کچھ اور سرخ ہوگیا۔

''آپ بالکل بھی اچھا نہیں کررہے ہیں داؤد بھائی! اتنی زیادتی کا حساب بھی انسان کو چکانا پڑتا ہے۔''

وہ بے بسی کی انتہا پر چلا گیا تھا۔ میں نے جیسے حظ لیا تھا اس کی اس بے بسی سے۔

''سالا صاحب جب وہ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اہم بات ابھی نوٹ کرلیں۔ میں آپ کے پاس آکر گزارش پیش نہیں کروں گا۔ او کے؟''

موسیٰ کی رنگت واضح طور پر پھیکی پڑ گئی۔ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ہلکے سے دھکے سے اسے اپنے راستے سے ہٹاتا ہوا میں متکبرانہ انداز میں چلتا اپنی گاڑی تک آیا تھا اور ایک جھٹکے سے اسٹارٹ کرنے کے بعد سرعت سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس کا ساکن و جامد سراپا بہت دیر تک سائیڈ مرر میں میری نگاہ کی دلچسپی اور مسکراہٹ کا باعث بنا رہا تھا۔

☆☆

مت پوچھیے کہاں دل کو لگا لیا ہم نے
خود پر حیراں ہوں یہ کیا کیا ہم نے
میں اس کو چاہتا ہوں یہ اس کے تصور میں بھی نہیں
اک طوفان اُٹھے گا اگر اس کو بتا دیا ہم نے

پھر اس کے بعد وہ ایک کٹھ پتلی تھی میرے ہاتھوں میں۔ جسے میں اپنی مرضی کے مطابق حرکت دے سکتا تھا مگر نہیں یہ میری خام خیالی تھی۔ اس کی یہ سعادت مندی۔ یہ خاموشی وقتی تھی۔ جس روز ہمیں کورٹ جانا تھا اس کی یہ خاموشی ٹوٹ گئی تھی اور اتنی بری طرح سے ٹوٹی تھی کہ ایک بار پھر طوفان آگیا۔ وہ کسی طور بھی اپنے بھائی کے خلاف گواہی دینے پر آمادہ نہیں تھی۔ یہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی ہی تھی جس نے مجھے پھر سے وحشی بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں یکسر بھول گیا تھا کہ میں پچھلے دنوں اس کے لیے کیسی خاص فیلنگ محسوس کرتا رہا تھا۔ اس وقت میرے پیش نظر صرف اپنے مقصد کا حصول تھا۔ میں صرف فتح حاصل کرنا چاہتا تھا عون مرتضیٰ کو ہرانا میری زندگی کا مقصد بن چکا تھا۔ اور میں نے وہ مقصد حاصل کرلیا تھا۔ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ میں نے کیا کھودیا ہے۔ کیس کا فیصلہ حجاب کے بیان کی بدولت میرے حق میں ہوگیا تھا۔ اور میں فتح و کامرانی کے احساس میں مبتلا بہت دنوں تک اپنے اس نقصان کو جان ہی نہ پایا جو شاید آئندہ زندگی میں مجھے کسی بڑی کسک میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ اور وہ نقصان تھا ''حجاب'' کو کھو دینے کا تھا۔ عجیب بات ہے نا وہ میرے پاس تھی میری پہنچ میں مگر مجھے لگتا تھا وہ کہیں نہیں ہے۔ وہ واقعی کھو گئی تھی۔ اسے میں نے سچ مچ گنوا دیا تھا۔

☆☆

شکوے تو ہوں گے ہم سے
شکایتیں بھی ہوں گی ہم سے
پر اپنوں سے کبھی گلہ نہیں کرتے
اچھے نہیں بُرے ہی سہی
پر ہم جیسے لوگ
ملا نہیں کرتے

میں نے کسلمندی سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر موجود تھی اور اسامہ کے کپڑے بدلنے میں مصروف تھی۔ فیروزی کلر کے سوٹ میں ستے ہوئے چہرے اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ تھکی تھکی سی نظر آئی تھی۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''کتنی مرتبہ کہا ہے اس قسم کے فضول کام نہ کیا کرو۔ گورنس کس مرض کی دوا ہے؟''

میرے لہجے میں بہت واضح ناگواری تھی۔ اس نے کچھ چونک کر ایک نظر مجھے دیکھا اور بغیر کسی تاثر کے پھر سے اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ بے نیازی اور لاتعلقی اب اس کا معمول بن گئی تھی۔ مگر میں اس کا عادی نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس وقت بھی اس کی خاموشی نے مجھے تپا ڈالا تھا۔

''تم بہری ہو؟ سنا نہیں ہے میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

اس کی کلائی پکڑ کر مروڑتے ہوئے میں نے غرا کر کہا تو اس نے مجھے پھر ایک نظر دیکھا۔

ٹھیک ہے میں آئندہ نہیں کروں گی۔

اس کا لہجہ اس کے چہرے کی طرح سے ہی بے تاثر تھا۔ میں ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ اب میری کسی بات سے اختلاف نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس کی بے حسی اور لاتعلقی توڑنے کو اس کی خاموشی کا قفل توڑنے کو ہر حربہ آزما لیا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں سرکی۔ میں نے اس سے تعلق میں نفرت اور محبت دونوں کی انتہا کو چھوا تھا میں پھر یہ حربہ آزما چکا تھا محض اس کی چپ توڑنے کو میں نے ایک بار نہیں متعدد بار اس پر ستم ظریفی کی انتہا کر دی مگر اس کے منہ سے احتجاج کا ایک لفظ نہیں نکل سکا تو میں خود اپنے آپ میں شرمسار ہو کر رہ گیا پھر اس کا ازالہ کرتے ہوئے اسے منانے کی سعی میں مَیں نے اس پر محبتوں اور عنایتوں کی بھی بارش برسا کر دیکھ لی مگر اس کی بے حسی نہیں ٹوٹی تو میں جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔ میں جیسے بھی اس کے حصول کے لیے تڑپا تھا آج کل اس سے ہزار گنا بڑھ کر شدت سے میں اس کی توجہ اور محبت کی خاطر مچل رہا تھا جو مجھے مل کے نہیں دے رہی تھی۔ ناکامی میرے نصیب کا حصہ بن کے رہ گئی تھی بے بسی میرا مقدر بن گئی تھی۔ جھنجھلاہٹ اور طیش میں محض اس کی توجہ حاصل کرنے کو میں نے اُلٹے سیدھے قدم بھی اُٹھائے راتوں کو دیر سے گھر آنا شروع کیا۔ شراب نوشی کی کثرت کر دی مگر اس نے جیسے میری طرف سے اپنی آنکھیں ہی بند نہیں کی تھیں شاید میرا ہونا نہ ہونا اس کے لیے ایک برابر ہو کے رہ گیا تھا۔ اور میرا طیش تھا کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اسی طیش میں مَیں نے

ایک اور انتہائی قدم اُٹھایا تھا میں ڈرنک تو اکثر رہنے لگا تھا۔ اس رات میں کلب میں موجود تھا اور ایک ٹیبل پر سر جھکائے بیٹھا ڈرنک کرنے میں مصروف تھا جب علینہ میرے نزدیک آ گئی تھی۔

"ہیلو ابوداؤد؟" وہ چہکی تھی میں چونک کر متوجہ ہوا۔

"اداس ہونا؟" میری پھیکی مسکان نے شاید میرے اندر کا بھید عیاں کر دیا تھا۔ اور میں نے بلا تامل مان لیا۔

"تمہاری پارسا بیوی تمہارا خیال نہیں رکھتی؟" اس کا لہجہ رقابت کی آگ میں جل رہا تھا۔ جواب میں میرے لبوں پر خاموشی تھی میں ٹیبل کی سطح کو گھورتے ہوئے شیمپین کے گھونٹ بھرتا رہا۔

"دل پشوری کو بیوی کا وجود ملے ضروری تو نہیں ہے ابوداؤد! میں آج بھی تمہاری منتظر ہوں۔"

اس نے میری آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تو میں نظریں چرا گیا تھا۔

"ابھی تک ویسے ہی پارسا ہو؟" وہ زہرخند سے بولی تھی اور میں کسی خیال کے تحت چونک گیا تھا۔

"تم آج میرے ساتھ چل سکتی ہو؟"

میں نے ایکا ایکی ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ میں ہر قیمت میں اس پتھر میں جھونک لگا دینا چاہتا تھا۔

"کہاں؟" وہ اک ادا سے مسکرائی جیسے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہو۔

"میرے گھر۔ ہم رات اکٹھے گزار سکتے ہیں۔"

میری بات نے اس کی باچھیں چیر دی تھیں۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ابوداؤد! میں تو ازل سے تمہاری تھی۔ ابد تک تمہاری رہوں گی۔"

وہ ایک دم مستی میں آ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ آج ڈرنک میں نے کچھ زیادہ کر لی تھی۔ علینہ کو مجھے سہارا دے کر گاڑی تک لانا پڑا ڈرائیونگ بھی اسے خود کرنا پڑی تھی۔

"میں کر لوں گا علینہ!"

میں نے نرمی سے تو کہا تھا۔ جواباً وہ بے حد شوخی سے ہنس دی۔

"نہیں میری جان! میں یہ رسک کم از کم آج کی رات نہیں لے سکتی یہ رات تو میری زندگی کا حاصل بننے والی ہے نا۔ اسے کسی حادثے کے حوالے کیسے کر سکتی ہوں۔"

اس کا لہجہ بے حد معنی خیز تھا جواب میں میں دانستہ خاموش رہا۔ وہ نہیں جانتی تھی میں اپنے مقصد کے لیے اسے استعمال کرنے والا ہوں۔

"تمہاری وائف گھر پر نہیں ہے کیا ابوداؤد؟"

"گھر پر ہی ہے کیوں؟" میں ذرا سا چونکا۔

"تو پھر ہم کہیں اور چلتے ہیں نا خوامخواہ بدمزگی ہوگی۔"

اس نے کچھ بے چین ہو کر کہا تو میں نے دل سے خواہش کی تھی کاش بدمزگی ہو جائے۔ میں علینہ

کے ہمراہ گھر پہنچا تو میری طبیعت کچھ اور بھی بگڑ گئی تھی۔ میں علینہ کے سہارے سیدھا بیڈ روم میں ہی آیا تھا۔ حجاب اس وقت بستر پر دراز تھی۔ اسامہ اس کے سینے پر اوندھے منہ لیٹا سو رہا تھا۔ خود اس کی اپنی آنکھیں بھی بند تھیں۔ مگر کھٹکے کی آواز پر اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ میں بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت ابھری تھی اگلا احساس غیر یقینی کا تھا۔ مگر یہ لمحاتی کیفیت تھی۔ اگلے پل اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ میں مسکرایا تھا۔

"حجاب میٹ مائی فرینڈ علینہ! یو نو یہ مجھے بہت محبت کرتی ہے۔ آج یہ یہیں رہے گی میرے ساتھ اسی بیڈ روم میں۔ تم ایسا کرو دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔"

اس کے چہرے پر نگاہ جمائے اس کے تاثرات کو جانچتے ہوئے میں نے بظاہر بے نیازی سے کہا تھا۔ اس کے چہرے پر لمحہ بھر کو تغیر ابھرا تھا پھر وہ ویسا ہی سپاٹ نظر آنے لگا۔ کچھ کہے بغیر اس نے جھک کر اسامہ کو اُٹھایا تھا اور اسی خاموشی سے باہر نکل گئی۔ میں شاکڈ کھڑا رہ گیا تھا۔ توہین آمیز سا احساس میری رگ و پے میں سرایت کرتا چلا گیا۔ اس کا مطلب تھا اسے بالکل بھی میری پرواہ نہیں تھی۔ اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ میں اس کے سامنے ہی اس کا حق کسی اور کو دے دوں۔ میرے دل و دماغ میں شعلے سے لپکنے لگے۔ میرا جی چاہا تھا میں کھڑے کھڑے اطراف میں آگ لگا دوں۔ ویسی آگ جیسی میرے اندر بھڑک اُٹھی تھی۔

"کیا ہوا ابوداؤد تم اس طرح خاموش کیوں ہو گئے ہو؟"

علینہ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے حیرت بھرے انداز میں استفسار کیا تھا۔ میں نے جواب میں خالی نظروں سے اسے دیکھا پھر اسے جھٹکتا ہوا باہر آ گیا تھا۔ 'حجاب' مجھے لاؤنج میں مل گئی تھی۔ اسامہ ہنوز اس کی گود میں تھا۔ مجھے روبرو پا کے اس کی پیشانی شکن آلود ہوئی تھی البتہ اس نے کچھ کہنے سے گریز کیا تھا۔

"میں اس عورت کو واپس چھوڑ آتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم میری پذیرائی کرو۔"

میں نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر جیسے سرگوشی کی تھی۔ اس نے جواباً تیز نظروں سے مجھے گھورا تھا۔

"آپ بھاڑ میں بھی چلے جائیں تو میں ایسا نہیں کروں گی۔ پذیرائی وہاں ہوتی ہے جہاں محبت ہو میرا خیال ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے؟"

اس کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا بے حد سرد تھا۔ میں نے ہونٹ بھینچ کر بے بس نظروں سے اسے دیکھا پھر کچھ توقف سے بولا تو میرے انداز میں واضح شکست اور لاچاری تھی۔

"میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں حجاب! جواب میں محبت کی چاہ رکھنا میرا حق نہیں ہے؟ تم بھول کیوں نہیں جاتی ہو پچھلی باتیں۔ ہم نئے سرے سے بھی تو زندگی شروع کر سکتے ہیں۔"

"آپ کیوں نہ بھول گئے تھے؟ آپ نے کیوں نہ معاف کر دیا تھا مجھے! میں...... جس کا کوئی قصور نہیں تھا مگر پھر بھی میں نے آپ کو معاف کیا۔ آپ کو قبول کیا۔ آپ کے ساتھ زندگی گزارتی رہی مگر اس روز انتہا ہو گئی تھی۔ آپ نے حجاب کو مار دیا تھا۔ اب وہ زندہ نہیں ہے تو کیسے پذیرائی کرے کیسے محبت کا جواب محبت سے

دے۔اسے اب تو معاف کردیں۔اس کی اب تو جان چھوڑ دیں۔لوگ مردوں کوتو تنگ نہیں کیا کرتے۔وہ اپنی بات کے اختتام تک پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔میری آنکھوں کی جلن بڑھنے لگی۔ میں کچھ دیر یونہی اسے دیکھتا رہا تھا پھر شکستگی سے واپس پلٹ گیا۔ میں کمرے میں لوٹا تو علینہ میری منتظر تھی مگر میں اس کی توقع اور امیدوں پر پورا نہیں اُتر سکا۔آپ نے کبھی کسی ٹوٹے ہوئے انسان کو کسی کی توقع یا امید پر پورا اُترتا دیکھا ہے؟ میں کیسے اُتر سکتا تھا صبح دم جب وہ گئی تو مجھ سے بے حد خفا تھی۔

☆☆

ہم آج بھی ہیں سوچ میں ڈوبے ہوئے محسن!
خود سے کبھی دنیا سے روٹھے ہوئے محسن!
دینے کے لیے اس کو جو ہم نے تھے سنبھالے
وہ پھول کتابوں میں ہیں سوکھے ہوئے محسن
وہ اپنی جفاؤں میں کچھ تو کمی کریں آج
اک عمر ہوئی شہر وہ چھوڑے ہوئے محسن
ہم نے یہ کہا تھا کہ انہیں پیار ہے ہم سے
ہم آج بھی بزم میں جھوٹے ہوئے محسن
یادوں میں ان کی ہمیں راحت جو ملی ہے
ہم آج ہیں اندر سے کچھ ٹوٹے ہوئے محسن

محبت۔زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ایک تلخ حقیقت۔ میں نے اسے تب مانا جب میں اندر سے اس محبت کے ہاتھوں خالی ہوگیا تھا۔اس کی توجہ اس کی محبت کی ایسی طلب میرے اندر اُٹھی تھی جس نے روح کے ایوانوں میں ہر سمت پھول اُگا دیئے۔ میں خود پر غور کرتا تو حیران رہ جاتا یہ میں ہوں؟ وہی ابوداؤد جس کی اکڑ جس کا طنطنہ کمال تھا۔جس نے کبھی اپنے آگے کسی کو قابل درخوِاعتنا نہیں جانا تھا۔وہ محبت کے ہاتھوں اس بُری طرح سے شکست کھا گیا تھا کہ خود اسے اپنے اوپر رحم آنے لگا تھا۔سکون زندگی سے ختم ہوکر رہ گیا تھا۔میں دل کا کاسہ لیے ہر پل اس کی توجہ اور محبت کے سکوں کی آس میں کسی گداگر کی طرح بیٹھا رہتا اور وہ اتنی ہی بے حس ہوگئی تھی۔ وہ ایک بار پھر پریگننٹ ہوئی تو میں نے اس کی نازبرداری اور چاؤ چونچلے اُٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ میں اس کی توجہ حاصل کرنے کو بھی نہیں کررہا تھا۔میں تو بس اپنے دل کے ارمان پورے کرنا چاہتا تھا جو ایک محبوب بیوی کے لیے شوہر کے دل میں اُمڈتے ہیں۔

''تم خوش رہا کرو حجاب! میں تمہیں مطمئن دیکھنا چاہتا ہوں۔''

رات کو جب میں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اسے لان میں چہل قدمی کرا رہا تھا۔ میں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا اور بہت اپنائیت آمیز انداز میں اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔اس نے جواب میں ایک گہرا سانس بھرا اور سر جھکا لیا تھا۔ مجھے اس کا جواب نہ پا کر مایوسی تو ہوئی مگر ہمت نہیں ہاری۔

''کچھ بات کیا کرو نا۔ میں تمہیں سننا چاہتا ہوں۔''

''کیا بات کروں؟'' وہ بے حد بے زار نظر آنے لگی۔

''چلو یہی بتاؤ ہم اپنے بچے کا کیا نام رکھیں گے؟ تمہیں یاد ہے اس مرتبہ نام رکھنے کا اختیار تمہارے پاس ہے۔''

میں نے مسکرا کر بشاشت سے کہا تو اس کے چہرے کی بے زاری میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔

''نہیں آپ خود رکھ لینا۔''

''حجاب مجھے بیٹیاں اچھی لگتی ہیں۔اس مرتبہ ہمارے ہاں بیٹی ہونی چاہیے۔''

''خدا نہ کرے۔''

اس نے جس طرح ہول کر کہا تھا۔ میں نے متحیر نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا مطلب؟ تمہیں لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں؟''

''بیٹیاں کیسے بُری لگ سکتی ہیں یہ تو اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ میں تو اس کے نصیب سے خائف ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں ایک دم آنسو بھر آئے اور میں جیسے مجرم سا بن گیا۔ مجھ سے کتنی دیر تک کچھ بولا نہیں گیا تھا۔وہ بھی جیسے نڈھال ہوگئی تھی سنگی بنچ پر بیٹھ کر گہرے سانس بھرنے لگی۔

''تھک گئی ہو؟ آؤ اندر چلتے ہیں۔''

میں اسے سہارا دیئے اندر لایا تو تب بھی اس کی سانس پھول رہی تھی۔ ڈاکٹر نے ہر ممکن طریقے سے اسے خوش رکھنے کی تاکید کی تھی۔

''حجاب مجھے اس چیز کا نام بتا دو پلیز! جو تمہارے چہرے پر مسکراہٹ لا دے۔ میرا یقین کرو میں اپنی جان وار کر بھی حاصل کرسکا تو کروں گا۔''

میں بے حد ملتجی ہوگیا تھا اس کے ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے میں نے جس دلگیری سے کہا اس کا حجاب پر بالکل اثر نہیں ہوا تھا۔

''عزت اگر ایک بار چھن جائے تو کبھی واپس نہیں ملتی۔ مان اور بھروسے اگر ٹوٹ جائیں تو جوڑے نہیں جاسکتے۔ابوداؤد آپ نے مجھ سے میری یہی متاع چھین لی ہے اب کہاں سے لائیں گے جان وار کر بھی نہیں۔''

اس نے بھراہٹ زدہ آواز میں کہا تھا اور رخ پھیر کر لیٹ گئی۔ میں ساکن بیٹھا رہ گیا تھا۔ مجھے لگا میں اسے کبھی خوشی نہیں دے سکوں گا۔ مجھے لگا میں ہمیشہ کے لیے ہار گیا ہوں۔ ہاں دلوں کی ہار سے بڑھ کر بھی کوئی ہار ہوتی ہے۔ مار ڈالنے والی ختم کر دینے والی۔ میری بدنصیبی تھی کہ یہی ہار میرا نصیب بن گئی تھی۔ نارسائی کی آگ میں اب مجھے عمر بھر جلنا تھا۔اس سے بڑھ کر بھی کوئی اذیت ہوسکتی ہے کہ جس سے آپ محبت کرتے ہوں اسے حاصل بھی کرچکے ہوں اس پر دسترس بھی پا چکے ہوں پھر بھی وہ آپ کی پہنچ سے دور ہو۔ پھر بھی آپ

اسے حاصل نہ کر پائیں۔نہیں اس سے بڑی کوئی اذیت نہیں تھی۔

☆☆

کہا تھا نا اس طرح سوتے ہوئے مت چھوڑ کے جانا مجھے
مجھے بے شک جگا دینا بتا دینا
محبت کے سفر میں میرے ساتھ چل نہیں سکتیں
جدائی کے سفر میں میرے ساتھ چل نہیں سکتیں
تمہیں راستہ بدلنا ہے
میری حد سے نکلنا ہے
تمہیں کس بات کا ڈر تھا
تمہیں جانے نہیں دیتا
کہیں پر قید کر لیتا
ارے پگلی!
محبت کی طبیعت میں زبردستی نہیں ہوتی
جسے رستہ بدلنا ہو
اسے رستہ بدلنے سے
جسے حد سے نکلنا ہو
اسے حد سے نکلنے سے
نہ کوئی روک پایا ہے
نہ کوئی روک پائے گا
تمہیں کس بات کا ڈر تھا
مجھے بے شک جگا دیتیں
میں تم کو دیکھ ہی لیتا
تمہیں کوئی دعا دیتا
کم از کم یوں تو نہ ہوتا
میری ساتھی!
حقیقت سے
تمہارے بعد کھونے کے لیے
کچھ بھی نہیں باقی

مگر پھر بھی مجھے دیکھو
ابھی بھی کھونے سے ڈرتا ہوں
میں اب سونے سے ڈرتا ہوں

میں عون ہوں۔عون مرتضیٰ! خدا نے جسے ہمیشہ نوازا تھا۔میری سوچ اور صلاحیت واوقات سے بڑھ کر شاید پھر کسی کی نظر لگ گئی۔درہم برہم ہو گیا سب کچھ اور میں بکھر سا گیا۔کہتے ہیں وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔ہاں یہ سچ ہے۔اگر اچھے دن ہم نے دیکھے ہوتے ہیں تو پھر تنگی اور آزمائش بھی ہمارا نصیب بنی ہوتی ہے۔یہ قانون قدرت ہے۔ہر انسان کو آزمانے اور پرکھنے کا اُس ''مالک دو جہاں'' ''بے نیاز شہنشاہ'' کا اپنا انداز ہے۔یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی جب ہمارا یونیورسٹی پیریڈ اپنے اختتام کی جانب رواں دواں تھا۔سبرینہ اور ابوداؤد سے میں وہیں متعارف ہوا تھا۔جو آگے چل کر میری زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئے تھے۔

نواں حصہ

ہوتا ہے نا اس طرح بھی کہ کچھ لوگ آپ کی زندگی میں بہت یادگار رہ جاتے ہیں۔ چاہے ان کا کردار کتنا ہی ثانوی کیوں نہ ہو مگر آپ کوشش کے باوجود انہیں بھول نہیں پاتے۔ ابوداؤد اور سبرینہ کے نام میری زندگی کے لیے بھی ایسے ہی اکٹوپس ثابت ہوئے۔ جو چمٹ جاتے ہیں تو خون چوسے بغیر جسم سے الگ نہیں ہوتے۔ یہی وہ دو شخصیتیں تھیں جن پر میں نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ بھروسہ کیا۔ سب سے زیادہ محبت اور مان بخشا مگر یہی وہ دو لوگ تھے۔ جنھوں نے میرے بھروسے کو ریزہ ریزہ کر دیا اور میری محبت کو شدید نفرت میں بدل دیا۔ زندگی میرے لیے کبھی اتنی کٹھن نہیں تھی جتنی ان دونوں سے ملنے کے بعد ہوگئی۔ سبرینہ ابوداؤد سے پہلے میری زندگی میں آئی تھی۔ وہ بہت خوبصورت نہیں تھی ہاں البتہ وہ خود کو بہت خاص اور حسین بنا کر دوسروں کے سامنے پیش کرتی تھی۔ پہننے اوڑھنے اور گفتگو کا بہت سلیقہ تھا اسے۔ دلوں کو جیتنے کا فن بھی اسے بخوبی آتا تھا۔ وہ طرحدار تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ یونیورسٹی کے اکثر لڑکے اسے دل و جان سے پسند کرتے تھے۔ دوسری طرف میں تھا۔ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں ہمیشہ آگے رہنے والا۔ میں ذہین اور قابل تھا اسکول و کالج سے لے کر پھر یونیورسٹی تک میں ہمیشہ اساتذہ کا چہیتا رہا تھا۔ کلاس میں میری پوزیشن ہمیشہ ٹاپ پر رہی تھی۔ یونیورسٹی میں بھی میں ٹاپر ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل کر گیا تھا۔ ڈبیٹ کا مقابلہ ہو یا الیکشن مجھے کوئی ہرا نہیں سکا تھا یہ میرا ایک ریکارڈ تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اگر مجھے پسند کرنے والے لوگ تھے تو ناپسند کرنے والے بھی۔ سبرینہ کا شروع میں شمار پہلی کیٹیگری میں ہوا تھا تو ابوداؤد کا ہمیشہ دوسری کیٹگری میں شمار ہوا۔ وجہ بھی کچھ اور نہیں سبرینہ ہی ٹھہری یہ تو مجھے بہت بعد میں جا کے پتا چلا کہ سبرینہ اس کی رشتہ دار تھی اور اس کی منگیتر بھی۔ یوں اگر دیکھا جاتا تو ابوداؤد کی مجھ سے نفرت اور چڑ جائز تھی کہ میں اس کی منگیتر کے ساتھ آزادانہ گھومتا پھرتا تھا اور ایک طرح سے اس کا حق غصب کر رہا تھا۔ مگر تب تک میں یکسر لاعلم تھا۔ خیر سبرینہ سے میری دوستی یا محبت سبرینہ کی پیش رفت کے بعد ہی آگے بڑھی تھی۔ اس نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا جسے تھامنے میں بہر حال مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا کہ وہ یونیورسٹی کی بے حد اہم لڑکی تھی۔ یہ دوستی ہمارے بیچ کب اور کیسے محبت کا بیج بو گئی مجھے کبھی اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ وہ مجھے پسند کرتی تھی تب بھی اس کا اعلان وہ ببانگ دہل کرتی تھی پھر اس نے اپنی محبت کو مجھ سے کہاں چھپانا تھا۔ سبرینہ ایسی لڑکی تھی جس کی محبت کے ملنے پر لڑکے مجھ سے رشک اور حسد میں مبتلا ہو گئے تھے۔ میں ہر کسی سے بے نیاز محبت کے راستوں

پر اس کے سنگ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ یہاں فائنل ایئر تھا جب وہ ناخوشگوار واقعہ ہوا جس نے بعد میں میری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مجھے آج بھی یاد ہے میں اس روز کچھ کتابیں ایشو کروانے یونیورسٹی کی لائبریری میں آیا تھا جب سبرینہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی وہیں آ گئی تھی۔

عون مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔

میں الماری کے کیبنٹ میں سے اپنی مطلوبہ کتابیں ڈھونڈ رہا تھا اس نے میرا بازو پکڑ کر کہا تھا۔

''ہاں بولو؟ میں پوری طرح اپنے کام میں محو تھا''

''تم سنو گے دھیان سے تو بولوں گی نا۔'' وہ پتا نہیں کیوں جھلا گئی تھی۔ میں مسکرایا تھا پھر اسے دیکھنے لگا۔

اب بولو!

''عون وہ ایک لڑکا ہے فضول سا وہ مجھ پر لائنیں مار رہا ہے۔''

اس نے کسی قدر رازداری سے بتایا تھا۔

''کیا مار رہا ہے؟'' میں نے اچھنبے میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''لائنیں مطلب مجھ پر ڈورے ڈال رہا ہے۔ فضول میں راہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مجھے دیکھ کر اتنی فضول شاعری سناتا ہے کہ بس خون کھول جاتا ہے۔''

میری پیشانی پر ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ مجھے اعتراف ہے میں ان دنوں بہت جذباتی اور کسی قدر احمق ہوا کرتا تھا۔ بہت جلدی غصے میں آ جانے والا۔

''کون ہے وہ کیا نام ہے؟''

میرا لہجہ میرے شدید طیش کے باعث زہر آلود ہو گیا تھا۔ جواب میں اس نے مجھے ابوداؤد کا نام اور بائیوڈیٹا بتا دیا۔

''اتنا عجیب و غریب ہے نا کہ مجھے تو دیکھ کر ہی غصہ آ جاتا ہے اسے۔ اور جرأت دیکھو اس کی یونیورسٹی کی سب سے حسین لڑکی کو پٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

اس کے لہجے میں نفرت اور نخوت بھرا ہوا تھا۔

''میں پوچھ لوں گا اس سے۔''

میں نے جواباً اسے تسلی دی تھی۔ مگر اس کے بعد اپنی پڑھائی کی مصروفیت میں گم ہو کر اس بات کو ذہن سے محو کر بیٹھا تھا۔ جب کچھ دن گزرنے پر سبرینہ غصے میں بھری ہوئی میرے پاس آئی تھی اور کاغذوں کا ایک پلندہ میرے سامنے پٹخ کر اس نے مجھ پر برستے ہوئے کہا تھا۔

''تم بزدل ہو یا بے غیرت میں نہیں جانتی۔ میں نے تمہیں خبردار کیا تھا اس کے بارے میں مگر تم نے اس سے بات کرنی بھی گوارا نہیں کی۔ اس کی دیدہ دلیری دیکھو اور دھڑلہ ملاحظہ کرو یہ سارے لیٹرز اس نے ایک ہفتہ کے اندر میرے گھر کے پتہ پر بھیجے ہیں۔ میں تمہاری ہونے والی بیوی ہوں عون کیا میری عزت کا

تمہیں اتنا ہی خیال ہے کہ کوئی بھی منہ اُٹھا کر مجھے چھیڑ دے یا اتنے تھرڈ کلاس سطحی لیٹرز لکھ دے؟''

وہ غصے میں لال پیلی ہو رہی تھی۔ لال پیلا تو میں بھی ہو گیا تھا۔ نوجوانی کا دور تھا گرم خون جوان خون طعنوں سے مزید ابال کھا گیا۔ پھر میں نے جو کیا تھا وہ اپنے آپ کو غیرت مند ثابت کرنے اور بزدلی کا دھبہ اُتارنے کو کیا تھا۔ اس سے پہلے میں ابو داؤد کو ایک تنبیہ کر چکا تھا جس کا اثر نہ لے کر اس نے مجھے کچھ اور غصہ دلا دیا تھا۔ اس روز ایک تماشا ہی ہوا تھا۔ پوری جامعہ کے سامنے میں نے ابو داؤد کی درگت بنائی تھی۔ پوری جامعہ نے اس روز اسے ذلیل ہوتے دیکھا تھا اور میری واہ واہ کی تھی تب مجھے احساس تک نہ ہوا تھا میں نے کچھ غلط کیا ہے۔ یا مجھے کسی نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ میں بس فتح کے نشے میں چور رہا تھا۔ اس معاملے کے بعد جو اساتذہ اور پرنسپل صاحب کی تنبیہ اور ڈانٹ میں نے سنی یا ناراضی سہی وہ بھی مجھے سبرینہ کے التفات کے باعث زیادہ محسوس نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس کارنامے پر بہت نازاں بہت خوش ہوئی تھی۔ پھر شعوری یا لاشعوری طور پر میں ابو داؤد کا منتظر رہا تھا۔ میں سمجھتا ہوں ہر انسان کے اندر کمینگی کا احساس ہوتا ہے۔ میں اس شکست کے بعد اس کی شرمندگی اور سبکی کو محسوس کر کے لطف اُٹھانا چاہتا تھا۔ مگر میری یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ وہ پھر کبھی یونیورسٹی میں مجھے نظر نہیں آ سکا۔

ہمارا فائنل ایئر مکمل ہوا اور ہم نے یونیورسٹی کو خیرآباد کہہ دیا۔ اس کے بعد عملی زندگی کا آغاز ہوا تھا میں پپا کے ساتھ بزنس جوائن کر چکا تھا۔ سبرینہ کے ساتھ میری محبت کچھ اور آگے بڑھ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس سے شادی کو اتاؤلا ہوا جا رہا تھا۔ ہماری شادی والدین کی باہم رضامندی سے ہوئی تھی مگر جانے کیوں مجھے لگتا تھا مما سبرینہ کو کچھ خاص پسند نہیں کرتیں۔ ان کے خیال میں سبرینہ بہت براڈ مائنڈڈ تھی۔ وہ اپنی بہو خاص طور پر بڑی بہو ہرگز بھی ایسی نہیں چاہتی تھیں مگر میری پسندیدگی اور خواہش کے آگے انہوں نے چپ سادھ لی تھی۔ ہماری شادی طے ہو چکی تھی اس کے باوجود سبرینہ مجھ سے روز ملتی تھی جس دن میں اپنی مصروفیت کی بنا پر اس سے نہ مل پاتا وہ خود میرے پاس آ دھمکتی۔ اس نے کبھی آفس یا گھر آنے پر تعرض نہیں برتا تھا مگر میں جانے کیوں شرمندہ ہو جاتا اگر وہ آفس آتی تو مجھے پپا سے نظریں چرانا پڑتیں اور گھر پر مما اور بھائیوں سے۔ تو اس کی وجہ سبرینہ کی مجھ سے بے تکلفانہ گفتگو اور التفاف کے کھلم کھلا مظاہرے تھے۔ میں اکثر جز بز ہو جایا کرتا اور دبے لفظوں میں متعدد بار اسے بتایا بھی کہ ہمارا گھرانہ روایات پسند ہے ہمارے ہاں لڑکے لڑکی کا یوں آزادانہ میل جول پسند نہیں کیا جاتا۔ مگر وہ جواب میں بڑے دھڑلے سے اپنے گھر اور روایات کو گنوانا شروع کر دیتی کہ ''وہ لوگ بہت روشن خیال اور صاف ذہن کے مالک ہیں۔ وقت کی رفتار کے ساتھ چلنے والے وغیرہ۔''

ایسے میں مجھے خاموش ہو جانا پڑتا۔ ایسا ہوتا ہے آپ جب کسی سے محبت کرتے ہیں تو پھر اس کی خامیوں سے بھی آپ کو سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ سمجھوتہ میں نے بھی کیا تھا مگر میں یہ سمجھوتہ ساری زندگی نہیں کر سکا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ سبرینہ کی ذات کی ہر خامی نظرانداز کر دینے والی نہیں تھی۔

☆☆

وہ اکثر مجھ سے کہتی تھی
وفا ہے ذات عورت کی
مگر جو مرد ہوتے ہیں بہت بے درد ہوتے ہیں
کسی بھنورے کی صورت گل کی خوشبو لوٹ لیتے ہیں
سنو تم کو قسم میری
روایت توڑ دینا تم
نہ تنہا چھوڑ کے جانا نہ دل کو توڑ کے جانا
مگر پھر یوں ہوا محسن!
مجھے انجانے رستے پر اکیلا چھوڑ کر اس نے
محبت چھوڑ دی اس نے
وفا ہے ذات عورت کی
روایت توڑ دی اس نے

وہ درحقیقت کیا تھی۔ میں اسے سمجھ ہی نہ سکا۔ میں وہی تھا جسے بھرپور کوشش اور خواہش سے اس نے حاصل کیا تھا۔ میں اس کی آرزو تھا، محبت تھا۔ وہ یہی کہتی تھی مگر جب میں اسے مل گیا پتا نہیں یہ اٹریکشن کیوں ختم ہو گئی۔ اس کا دل مجھ سے اتنی جلدی کیوں بھر گیا وہ مجھ سے اتنی جلدی کیسے اکتا گئی۔ شاید جو اس نے محبت کی تھی وہ محبت نہیں تھی کیونکہ محبت کے جذبے اور احساس میں کہیں بھی کوئی چور دریچہ اور روزن نہیں کھلتا۔ ہاں پیار میں ایسا ہوتا ہے۔ فیسی نیشن اور اٹریکشن میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ یہ وقتی احساس ہوتے ہیں۔ اس کے احساس کو میں انہیں میں سے کوئی نام دے سکتا ہوں۔ ہماری شادی کے شروع کے چند مہینے وہ بہت خوش مگن اور کھلی کھلی رہی تھی۔ اس کے باوجود کہ وہ میرے گھر والوں کو تب بھی پسند کرتی تھی نہ ان سے گھلنا ملنا اسے گوارا تھا۔ شادی کے بعد بھی میری ساری ذمہ داریاں مما پر تھیں۔ میرے کپڑے دھلوانا، وارڈ روب میں رکھوانا، ناشتہ، کھانا وغیرہ سب کچھ مما پر تھا۔ یہاں تک کہ اس نے خود اپنی ذمہ داریاں بھی مما پر ڈال دی تھیں۔ میں اکثر شرمندہ ہو جایا کرتا۔ مگر مما حرف شکایت زبان پر نہیں لاتی تھیں۔ یا شاید انہیں مجھ سے اتنی محبت تھی کہ وہ اس قسم کی باتیں بتلا کر مجھے ٹینشن دینا نہیں چاہتی تھیں۔ جو اکثر سبرینہ میرے کانوں پھونکتی رہتی تھی۔ وہ اکثر مجھے مما، پپا، بھائیوں یہاں تک کہ حجاب کے متعلق بھی بھڑکانے اور کان بھرنے کی کوشش کرتی۔ تب حجاب بہ مشکل گیارہ بارہ سال کی تھی۔ اسے کسی کی انسلٹ کرنے یا جھگڑے کا کیا پتا تھا مگر سبرینہ حجاب کے متعلق مجھے ہر روز بتایا کرتی کہ اس نے آج مجھ سے بدتمیزی کی میری فلاں چیز توڑ دی۔ میں نے روکا تو آگے سے بدتمیزی کی۔ وہ بہت زبان دراز ہے، آپ نے اسے بہت سر چڑھا رکھا ہے وغیرہ۔ میں لازماً اس کی باتوں میں آ جاتا اگر جو اس کے طور طریقے میری نگاہوں سے اوجھل ہوتے۔ صبح میں آفس جاتا تو وہ سو رہی ہوتی۔ واپسی پر وہ ہر روز نک سک سے تیار

ملتی۔ کبھی اپنی ماں کے گھر جانے کی فرمائش، کبھی لانگ ڈرائیو پر تو کبھی آؤٹنگ وغیرہ۔ اس نے کبھی میری تھکن کا احساس نہیں کیا تھا۔ میں تو جیسے صحیح معنوں میں شادی کر کے پھنس گیا تھا۔

اپنا کیا دھرا تھا بھگتنا تو پڑنا تھا۔ اس روز میں آفس میں تھا جب اس نے فون کر کے مجھے بتایا کہ وہ اپنی مما کی طرف ہے میں واپسی پر اسے لے لوں۔ میری اس روز بہت اہم میٹنگ تھی فارغ ہوتے مجھے رات ہو گئی تھی۔ بہر حال میں آفس سے واپسی پر سبرینہ کے میکے چلا آیا تھا۔ اس روز گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ ملازم نے مجھے بتایا تھا۔ بیگم صاحبہ لاؤنج میں ہیں۔ میں لاؤنج کی جانب بڑھتے ہوئے ٹھٹک گیا تھا۔ اندر سے سبرینہ کے زور زور سے بولنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ مجھے جس بات نے ساکت کیا تھا وہ اس کی گفتگو میں ابوداؤد کا تذکرہ تھا۔ ابوداؤد میرے لیے قصہ پارینہ بن چکا تھا بیشک مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ مجھ جیسے حساس اور نرم طبیعت کے مالک شخص کی کسی سے اس حد تک روا رکھی گئی زیادتی اکثر پشیمانی اور شرمندگی کا باعث بنتی رہی تھی۔ یہ یاد میرے لیے ہمیشہ پچھتاوا بنی تھی کہ میں کسی کے ساتھ ناروا سلوک کر چکا تھا۔ میں دانستہ دروازے کے باہر رک گیا تھا۔ وہ اپنی مما سے بہت جوش بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔

”اسے میری سمجھ داری کہیں مام کہ میں نے اس کھڑوس آدمی سے عون کے ذریعے نجات حاصل کر لی۔ ورنہ آپ نے تو بابا کے پریشر میں آ کر میری شادی اپنے اس دور پار کے پینڈو بھانجے سے کرا دینی تھی۔ وسیع جائیداد کے لالچ میں۔ رئیلی مجھے تو اسے دیکھ کر بھی گھن آتی تھی۔ سوکھا سڑا، ڈریکولا۔ وہ ایک شوہر کے طور پر مجھے ہرگز پسند نہیں تھا۔ کہاں عون مرتضیٰ جیسا ویل ڈریسڈ، بے حد وجیہہ شخص اور کہاں وہ اجڈ ہکلا سا ابوداؤد! جسے نہ ڈھنگ سے بولنا آتا تھا نہ اعتماد تھا اس میں، آپ کو تو داد دینی چاہیے میری سمجھ داری کی کہ میں نے ایسا داؤ کھیلا کہ پتا ہی صاف کر دیا اس کا۔ وہ تو شکر ہے عون نے تب ان لیٹرز کو کھول کر نہیں پڑھ لیا تھا ورنہ وہ شاید ذرا سا غور کرنے پر میری ہینڈ رائیٹنگ کو بھی پہچان جاتا۔“

وہ ہنس رہی تھی۔ میں سن کھڑا تھا۔

”تم نے بھی بے وقوفی کی سبرینہ! تمہیں وہ لیٹرز خود نہیں لکھنے چاہیئے تھے اگر پکڑی جاتی تو پھر……“

اس کی مما بھی اس کے ساتھ ہنس رہی تھیں مگر انہوں نے ٹوکا بھی تھا۔ اس کا مطلب وہ اس سازش میں شامل تھیں۔

”پکڑی تو نہیں گئی نا۔ بس میں کسی اور کو اس راز میں شریک کرنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ معاملہ بہت نازک تھا۔“

”افوہ اب بھی چپ کرو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں بیٹا! تمہارے بابا کے آنے کا بھی ٹائم ہے۔ کسی نے سن لیا تو مصیبت آ جائے گی۔“

اس کی مما نے اسے پھر ٹوکا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ سن تو لیا گیا تھا۔ مصیبت بھی آ گئی تھی مگر ان پر نہیں بس مجھ پر۔ مجھے لگا تھا جیسے کسی نے میرے دل پر، میرے دماغ پر وزنی پتھر رکھ دیا ہو۔ میں اتنا ڈسٹرب ہوا تھا کہ

سبرینہ سے ملے بغیر وہاں سے چلا آیا۔ اگلے دن وہ خود گھر آ گئی تھی اور مجھ سے خفا بھی تھی کہ میں اسے لینے کیوں نہیں آیا۔ مگر میں اتنا ڈسٹرب تھا کہ اس کی کسی بات کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ شادی کے بعد اس کی بہت سی باتوں سے مجھے بے زاری اور چڑ محسوس ہوتی تھی مگر یہ پہلا موقع تھا کہ ان کی اس اصلیت کے کھل جانے پر میں نے اس سے نفرت محسوس کی۔ اس کے نزدیک ”میں“ کیا تھا۔ ترپ کا ایک پتا جسے اس نے اپنی کامیابی اور جیت کے لیے استعمال کیا۔ اس نے صرف ابوداؤد کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی میرے ساتھ بھی دھوکہ کیا تھا۔

☆☆

میرے ہمسفر
میرے بے خبر
تیرے نام پر
وہ جو پھول کھلتے تھے ہونٹ پر
وہ نہیں رہے
وہ نہیں رہے کہ جو ربط تھا درمیان
وہ بکھر گیا
میرے ہمسفر ہے وہی سفر
مگر ایک موڑ کے فرق سے
تیرے ہاتھ سے میرے ہاتھ کا
وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ
کئی موسموں میں بدل گیا
اسے ناپتے اسے کاٹتے
میرا سارا وقت نکل گیا۔

اس کے بعد ایک خلش، ایک کسک تھی جس نے میرا گھیراؤ کر لیا تھا۔ میں نے کہا تھا نا میں فطرتاً نرم دل اور حساس تھا۔ میری چوبیس سالہ زندگی کا ریکارڈ تھا کہ میں نے دانستہ کبھی کسی کو دکھ نہیں پہنچایا تھا اس کی ایک واضح مثال سبرینہ تھی۔ اس کی بات مجھ پر کھل گئی تھی اس کے باوجود میں نے اسے جتلایا نہ باز پرس کی۔ کہیں اندر مجھے یقین کامل تھا کہ وہ مکر جائے گی۔ اور ایسا ہی ہونا تھا۔ میں اس کی فطرت جان گیا تھا۔ مگر ہمارے تعلق میں جو سچائی اور خلوص تھا اس میں دراڑ پڑ گئی تھی۔ چند ماہ مزید گزرے میں نے اپنے کسی رویے سے سبرینہ کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ جو ہو چکا تھا اس کا ازالہ شاید ممکن نہیں تھا کہ ابوداؤد اس کے بعد کبھی مجھے نظر نہیں آ سکا تھا۔ پھر اس معاملے کو لے کر مزید بگاڑ پیدا کرنا لاحاصل تھی۔ ہماری شادی کو سال ہونے جا رہا تھا جب مما نے مجھے ایک دن اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ اس روز سبرینہ اپنے میکے گئی ہوئی تھی اور رات وہیں گزارنے کا ارادہ

تھا۔ یہ ہفتے میں اس کا پانچواں چکر تھا۔ مگر میں نے کبھی خوامخواہ پابندی لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''خیر یت مما! آپ مجھے پریشان لگ رہی ہیں۔''

میں نے مما کے چہرے کو بغور دیکھا جہاں سنجیدگی کی گہری چھاپ تھی۔

''بیٹے آپ کو نہیں لگتا ہماری زندگی میں کوئی کمی ہے؟''

ان کے سوال نے مجھے حیران کر دیا تھا۔

''میں سمجھا نہیں مما!'' میں نے الجھ کر ان کو دیکھا تھا جواب میں انہوں نے گہرا سانس بھرا تھا۔

''بیٹے سبرینہ سے باقی جو مجھے شکایتیں تھیں ان کا میں نے کبھی تذکرہ آپ سے کرنا مناسب نہیں سمجھا مگر یہ بات ہی ایسی تھی کہ میں خاموش نہیں رہ سکتی۔ مجھے نہیں پتا وہ یہ سب تمہاری ایما پر کر رہی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس حرکت پر بے حد صدمہ ہوا ہے۔'' بولتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی تو میرے دل کو دھکا لگا تھا۔ میں نے اُٹھ کر ان کے ہاتھ تھام کر چوم لیے ''پلیز مما کھل کر بات کریں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ بخدا آپ کو دکھ دینے کا تو میں تصور بھی گناہ سمجھتا ہوں۔''

میری بات کے جواب میں وہ کچھ دیر آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں سمیت مجھے دیکھتی رہیں تھیں پھر کچھ کہے بغیر انہوں نے بیڈ کی سائیڈ دراز کھول کر کچھ نکالا اور میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''یہ مجھے تمہارے روم کی صفائی کرتے ہوئے ملی ہے۔ ظاہر ہے سبرینہ کے علاوہ کون استعمال کر سکتا ہے۔ وہ شاید کچھ جلدی میں گھر سے نکلی تھی اپنا پرسنل دراز جس میں جیولری وغیرہ رکھتی ہے لاک کرنا بھول گئی۔ میری نظر پڑی تو جیولری سمیٹ کر رکھتے نگاہ اس پر پڑ گئی۔ بیٹے آپ کو یا اسے ہو سکتا ہے ابھی بچوں کی ضرورت نہ ہو مگر ہمیں تو بہت ارمان ہے، ہم اس گھر میں تمہارے بچوں کی چہکاریں سننا چاہتے ہیں۔''

وہ آنسو پونچھ کر کہہ رہی تھیں جبکہ میں شرمندگی، سبکی اور خفت سے جیسے زمین میں گڑھ گیا تھا۔ مما نے جو چیز میرے ہاتھ پر رکھی تھی وہ ترک حمل کی گولیوں کی شیشی تھی جس کی سیل ٹوٹی ہوئی تھی اور کچھ گولیاں استعمال بھی ہوئی تھیں۔ سبرینہ یہ استعمال کرتی تھی اور مجھے خبر تک نہیں تھی۔ بچوں کی خواہش صرف مما کی نہیں تھی خود میری بھی تھی اور میں اس موضوع پر سبرینہ سے بہت بار بات بھی کر چکا تھا۔ مگر اس نے ہر بار مجھے ٹالا تھا اور کہا تھا وہ ابھی اس جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتی۔ مگر مجھے گمان تک نہیں تھا وہ یہ گھناؤنا کام بھی کرتی ہوگی۔ یہ دوسرا موقع تھا جب سبرینہ کی وجہ سے میں شرمندگی اور صدمے کا شکار ہوا تھا۔ مما سے کچھ بھی کہے بغیر میں وہاں سے اُٹھ کر آ گیا تھا۔ میری خاموشی کو انہوں نے اللہ جانے کیا مفہوم پہنایا تھا مگر میری شرمندگی مجھے ایک لفظ کہنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ میرے اندر کوئی آگ بھڑک رہی تھی جو یونہی بجھنے والی نہیں تھی۔ میں نے سبرینہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا جبھی میں نے اس وقت اس کے گھر پر رابطہ کیا تھا۔ فون اس کی مدر نے اُٹھایا تھا۔

''آنٹی سبرینہ سے میری بات کرا دیں۔''

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے مقصد کی بات کی تھی۔ جواب میں انہوں مجھے بتایا سبرینہ گھر پر

نہیں ہے اپنی کسی دوست کی طرف گئی ہوئی ہے۔ مجھے شدید کوفت نے آن لیا۔

''او کے! جب وہ آئے تو اسے میرا میسج دے دیجیے گا۔ اسے کہیے مجھے فون کرے۔''

اس کی مدر نے اثبات میں جواب دے کر فون بند کر دیا۔ ایک گھنٹہ دو گھنٹے گزر گئے۔ میں جو اس کی کال کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ مضطرب ہو کر پھر خود ہی رابطہ کیا تھا۔

''آنٹی آپ نے سبرینہ کو میرا میسج نہیں دیا؟''

ضبط کے باوجود میرے لہجے سے خفگی اور تپش چھلک گئی تھی۔

''وہ ابھی لوٹی ہی نہیں ہے تو میسج کیسے دے سکتی تھی۔''

اس کی مما کے جواب نے میرا دماغ بھک سے اڑا دیا۔ میری بے ساختہ نظریں وال کلاک کی سمت اُٹھ گئی تھیں۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔

''ابھی تک نہیں لوٹی؟ ٹائم کا پتا ہے اسے؟''

میں کسی قدر روڈ ہونے لگا۔ آدھی رات کے وقت بھی وہ گھر سے باہر تھی۔ یہ بات مجھے غصہ دلا گئی تھی۔

''بارہ ہی بجے ہیں۔ تین تو نہیں بج گئے۔ پارٹیز میں اس طرح دیر تو ہو جاتی ہے۔ یہ کراچی ہے کوئی پسماندہ گاؤں نہیں جہاں عشا کی اذان سے پہلے لوگ سو جاتے ہیں۔ اور وہ ایک لبرل فیملی سے تعلق رکھتی ہے واضح رہے۔''

اس کی مما کو پتا نہیں کیوں تپ چڑھ گئی تھی۔ مجھے کھری کھری سنا کر انہوں نے فون پٹخ دیا۔ میں کھول کر رہ گیا تھا۔ وہ رات جیسے تیسے میں نے بسر کی تھی اگلے دن صبح آفس جانے سے قبل میں اس کی طرف پہنچ گیا تھا۔

''تم؟، اتنی صبح کیوں آ گئے ہو؟ ابھی تو وہ سو رہی ہے۔''

سبرینہ کی مدر نے مجھے سبرینہ کے روم کے باہر ہی گھیر لیا۔ وہ شاید جاگنگ کر کے لوٹی تھیں۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس بے ترتیب سانس بکھرے بالوں سمیت وہ بے حد عجیب نقشہ پیش کر رہی تھیں۔

''سو رہی ہے تو جگایا بھی جا سکتا ہے۔ مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

ان کا لہجہ جتنا خراب تھا۔ رات جس طرح انہوں نے میرے ساتھ مس بی ہیو کیا تھا۔ اب میں بھی ان کا لحاظ کرنے والا نہیں تھا۔

''تم شوہر ہو اس کے شوہر ہی رہو سمجھے! مالک یا بادشاہ بننے کی کوشش مت کرو۔ بہر حال وہ تمہاری زر خرید نہیں ہے'' وہ پھٹ پڑی تھیں۔ میں حیران رہ گیا اللہ جانے وہ بات کو جھگڑے کا روپ کیوں دے رہی تھیں۔

''دیکھیے آنٹی! میری بات کا یہ مطلب کہیں سے بھی نہیں نکلتا۔ آپ خوامخواہ خفا ہو رہی ہیں۔'' میں نے خود کو کمپوز کر کے کسی قدر تحمل سے جواب دیا مگر وہ کچھ اور بھی بلند آواز سے چیخنے لگی تھیں۔

''شٹ اَپ! میں بات بڑھا رہی ہوں؟ تم جو بدتمیزی کر رہے ہو اس کا پتا ہے۔ میں کہہ رہی ہوں نا اس وقت تم جاؤ تم اس سے ابھی نہیں مل سکتے ہو۔''

آنٹی کی چیخ و پکار پر میں تو خائف ہوا ہی تھا جہاں ہم کھڑے تھے وہاں سبرینہ کے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور سلیپنگ گاؤن کی کھلی ڈوریوں اور بکھرے بالوں خمار آلود آنکھوں والا ایک لمبا تڑنگا شخص نکل کر خفا خفا سا ہمارے سامنے آن رکا۔

''واٹ ہینڈ؟ یہ صبح صبح کیسا شور مچا دیا گیا ہے۔''

''اسد بیٹے! آپ اندر جاؤ اس سے تو میں خود نپٹ لوں گی''

آنٹی نے اسے جتنی نرمی سے مخاطب کیا تھا میری طرف دیکھ کر اس قدر دانت کچکچا کے بولی تھیں۔

''مگر یہ ہے کون؟''

اس نے اپنی بہکی بہکی سرخ آنکھیں مجھ پر ٹکائی تھیں۔ ہر بار بولنے کو منہ کھولنے پر اس کے ہونٹوں سے ناگوار بو کا ایک بھبھکا اڑتا تھا، جو میری طبیعت مکدر کر چکا تھا۔

''عون ہے سبرینہ کا ہزبینڈ۔'' آنٹی نے ایک بار پھر دانت کچکچا کر کہا تو اس نے چونک کر مجھے بغور دیکھا تھا۔ پھر ششدر سا بولا۔

''عون؟ مگر یہ تو کہیں سے بھی بدشکل اور کنگلا نہیں لگتا یا دیا جیسا آپ نے کہا تھا۔''

اس کے الفاظ نے مجھے دھچکا پہنچایا تھا۔ میں نے ٹھٹھک کر باری باری دونوں کی شکل دیکھی اور ناگواری سے گویا ہوا تھا۔

''کیا کہا گیا ہے میرے بارے میں آپ سے؟''

میں محسوس کر چکا تھا۔ آنٹی خائف ہو رہی ہیں۔ اور جلد از جلد مجھے وہاں سے رخصت کر دینا چاہتی ہیں۔ چاہے دھکے مار کر ہی سہی۔ ان کے تنے ہوئے نقوش اور زہر خند تاثرات یہی واضح کر رہے تھے۔

''اسد میں نے کہا نا بیٹے آپ اپنے کمرے میں جاؤ۔ اس سے میں خود نپٹ لوں گی۔''

''اوئے نکلو تم یہاں سے۔ سبرینہ تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی اب تم دفع ہو جاؤ۔''

انہوں نے پہلے اس اسد نامی آدمی پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا مگر لہجوں میں زمین آسمان کا فرق آ گیا تھا۔ میں اس درجہ توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا نہ ان کے منہ مزید لگنا چاہتا تھا۔ جبھی ایک جھٹکے سے پلٹ کر وہاں سے چلا آیا۔ وہ دن میرے لیے بہت اذیت انگیز تھا۔ مجھے کسی پل قرار نہیں تھا۔ سبرینہ میرا غلط انتخاب تھی میں جان چکا تھا۔ وہ موقع پرست تھی مجھے علم ہو گیا تھا۔ مگر وہ لالچی یا بدکردار بھی ہوگی اس کا مجھے قطعی یقین نہیں آتا تھا۔ اس نے ابوداؤد جیسے بے حد مالدار جاگیردار لڑکے کو بری طرح ٹھکرا کر مجھ سے شادی کر تھی۔ اگر دولت اس کی ترجیح ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتی۔ وہ لوز کریکٹر ہوگی یہ میرے دل کو لگتی نہیں تھی بات۔ مگر مجھے یقین کرنا پڑا تھا جب میں نے اسے متعدد بار اسی اسد نامی شخص کے ساتھ مختلف ریسٹورنٹس اور شاپنگ آرکیڈ میں تکلف کی ہر دیوار گرائے بانہوں میں بانہیں ڈالے گھومتے دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا وہ واپس آ جائے گی۔ یا کم از کم مجھ سے کانٹیکٹ کرے گی۔ اس نے مجھ سے کانٹیکٹ تو کیا تھا مگر خلع کے مطالبے کے واسطے۔ مجھے اس کی بات

ماننی تھی مگر اس سے قبل میں اپنے ذہن کی ساری گرہیں کھول لینا چاہتا تھا۔ میں نے طلاق کی ایک شرط رکھی تھی۔ آخری بار اس سے ملنے کی شرط۔ اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ اگلے دن ہی مجھ سے مقرر کی گئی جگہ پر ملنے چلی آئی تھی۔ میں نے اس روز شاید آخری مرتبہ بغور اسے دیکھا تھا۔ وہ پہلے سے کہیں بڑھ کر تر و تازہ فیشن ایبل اور بے باک نظر آ رہی تھی۔

''اگر تمہیں یہ سب ہی کرنا تھا تو تم نے میرے ساتھ شادی کیوں کی؟''

جانے کیسے میری زبان سے شکوہ پھسل گیا تھا۔ جواباً وہ کھنک دار ہنسی ہنس دی۔ ایسی ہنسی جس میں طنز کی آمیزش تھی۔

''تم نے اسد شیرازی کو غور سے دیکھا ہے عون؟''

اس کے اس بے تکے سوال نے میری پیشانی پر ناگواری کا تاثر ابھار دیا تھا۔ جسے نظر انداز کیے اس نے مزید گوہر افشانی جاری رکھی تھی۔

''وہ تم سے زیادہ ہینڈسم ہے۔ تم سے کہیں زیادہ دولت مند ہے۔ وہ سب کچھ جو تم اگلے کئی سالوں میں بھی مجھے نہیں دے سکتے اس نے ابھی مجھے دے دیا ہے۔ یہ دیکھو۔''

اس نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اس کے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پلاٹینم کی رنگ تھی جس میں ڈائمنڈ جڑا ہوا تھا۔

ابھی یہ شروعات ہے صرف دوستی کا ایک نذرانہ۔ وہ مجھ سے شادی کا خواہاں ہے۔ ایسی انگوٹھیاں تو کیا مجھ پر جیولری کے سیٹ وار کر صدقہ کر سکتا ہے۔ اور ایک تم ہو، ایک معمولی سا بزنس ہے تمہارا۔ جس میں چار بھائی شراکت دار ہو۔ پھر بہن کا حصہ بھی برابر کا۔ صرف ایک گھر ہے ایک گاڑی۔ سوری عون مرتضیٰ! مجھے اپنے خوابوں کی فوری تعبیر چاہیے تھی۔''

اس کا انداز کتنا سرسری تھا۔ اس کا لہجہ کتنا بے نیاز تھا۔ اس نے مجھے کند چھری سے ذبح کر دیا تھا اور اسے میری تکلیف اور اذیت کا اندازہ تک نہیں تھا۔ وفا، ایثار، محبت کی وہ ساری داستانیں جو وہ مجھے سنایا کرتی تھی خود بھول بیٹھی تھی۔ اب اسے کچھ یاد کرانے شکوہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا مگر میں بے وقوف تھا اسے یہ سب یاد کرانے لگا۔ میں نے اس سے شکوہ کیا وہ ترک حمل کی دوا کیوں استعمال کرتی تھی۔ وہ میری مجرم تھی بہت ساری باتوں میں۔

جواباً وہ ہنس پڑی تھی۔ وہی جلا کر خاک کر دینے والی، توڑ کر بکھیر دینے والی، بے حس ہنسی۔ میں بہت شروع میں جان گئی تھی عون کہ تم میرا غلط انتخاب ہو۔ تمہارے خوبرو چہرے کو میں کب تک دیکھ کر اپنا دل بہلا سکتی تھی۔ زندگی صرف محبت اور حسن سے تو دل بہلا کر نہیں گزاری جاتی نا۔ جبھی میں نے یہ احتیاط برتی تھی۔ دیکھو آج کام آ گئی نا ورنہ اگر ہمارا کوئی بچہ ہوتا تو تم مجھے اس کی وجہ سے زبردستی زنجیر پا کرنے کی کوشش کرتے میں بھی شاید بچے کی وجہ سے مجبور ہو جاتی۔

اس کے لہجے و انداز میں کسی قسم کی شرمندگی یا ندامت کا شائبہ تک نہ تھا۔ میں لٹے پٹے سے انداز

میں اسے دیکھتارہ گیا۔اس روز میں کتنا بے بس تھا، کتنا دکھی تھا۔وہ کبھی نہیں جان سکتی تھی۔اور جب وہ اُٹھ کر جا رہی تھی تو اس نے اچانک رک کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک اور بات کہی تھی۔جس نے میرے پارہ پارہ دل کو عورت ذات سے ہمیشہ ہمیشہ کے محتاط کرنے کے ساتھ نفرت سے بھی بھر دیا۔

''مجھ پر الزام عائد کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا عون مرتضٰی کہ بے وفائی کرنے والی میں پہلی یا آخری عورت نہیں ہوں۔مجھ سے پہلے بھی عورتیں یہ کام کر چکی ہیں بعد میں بھی کرتی رہیں گی۔''

پھر وہ چلی گئی تھی۔پھر میں نے اسے چھوڑ بھی دیا تھا مگر اس کی یادیں اس کی باتیں مجھے کبھی چھوڑ کر نہ جا سکیں تو وجہ یہی تھی میں اسے بھلا نہیں سکا تھا۔بھلانا چاہتا ہی نہیں تھا۔اس لیے کہ میں ایسا دھوکہ پھر کھانے کو ہرگز تیار نہیں تھا۔اس کے لیے ضروری تھا کہ میں یہ سب یاد رکھوں۔جبھی میں نے ان سب کو تمام تر تلخی کے باوجود کبھی فراموش نہیں کیا۔

☆☆

اس کے بعد بہت سارا وقت خاموشی سے بیت گیا۔مما پپا سے ظاہر ہے یہ بات اور اس کی وجہ چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔پپا نے میرے فیصلے کو جلد بازی قرار دیا جبکہ مما مطمئن تھیں۔

وہ گھر بسانے والی عورت ہی نہیں تھی بیٹے! اچھا ہوا آپ نے اس سے نجات حاصل کر لی۔مگر مما کا یہ اطمینان عارضی ثابت ہوا جب ان کی خواہش پر میں نے دوسری شادی سے انکار کر دیا۔شروع شروع میں انہیں میرے ارادے کی پختگی اور عزائم کا پتا نہیں چلا جبھی سال چھ ماہ کے وقفے سے کسی لڑکی کو پسند کر کے بیٹھ جاتیں۔کبھی پپا کے ذریعے فورس کرنے کی کوشش کرتیں مگر میں اپنی بات سے جب ایک انچ بھی نہ سرکا اور گزرتے وقت کے ساتھ یہ میرا ارادہ ویسا ہی مضبوط رہا تو ان کی تشویش اور پریشانی بڑھنے لگی۔یہ واحد معاملہ تھا جہاں میں نے ان کی پریشانی کی پرواہ کی تھی نہ تشویش کی۔میرا سارا دھیان اور توجہ بزنس اور چھوٹے بھائی بہن پر مرکوز ہو گئی تھی اپنے بارے میں سوچنا اور کڑھنا میں چھوڑ چکا تھا۔میرا مزاج یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔بہت شوخ و شریر تو میں پہلے بھی نہیں تھا۔مگر ایسا تدبر اور سنجیدگی بھی میری طبیعت میں نہیں تھی جو سبرینہ والے واقعہ کے بعد میرے مزاج کا حصہ بن گئی تھی۔میں جانتا تھا مما میری وجہ سے خاصی پریشان ہیں مگر میرے پاس ان کی پریشانی کا کوئی حل نہیں تھا۔بس سبرینہ والے واقعہ کے بعد شعوری یا لاشعوری طور پر میں خائف ہو گیا تھا۔دوسری شادی کا مطلب تھا ایک اور تجربہ اور میں خود کو تجربوں کی نذر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ضروری تو نہیں تھا میری زندگی میں آنے والی دوسری عورت سبرینہ جیسی نہ ہوتی۔بس یہی خوف تھا جس نے آئندہ زندگی مجھے تنہا گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆

وقت کچھ اور آگے سرک گیا۔بظاہر زخم مندمل ہو گئے تھے۔ان دنوں میں آفیشل ٹور پر سری لنکا میں تھا جب ابوداؤد سے میری غیر متوقع دوسری اور بے حد اہم ملاقات ہوئی تھی۔سچی بات ہے میں اسے پہچان نہیں سکا تھا۔وجہ میری یادداشت کا کمزور ہونا نہیں اس کی شخصیت کا زبردست تغیر تھا۔پہلی ملاقات بغیر تعارف کے

رہی۔میری طرح وہ مجھے پہچاننے سے قاصر نہیں رہا تھا۔اور یقیناً مجھ سے نفرت کرتا تھا جبھی کچھ دیر مجھے گھورتے رہنے کے بعد میری بات کا جواب دیئے بنا ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا تھا۔گو کہ میں اسے پہچان نہیں سکا تھا مگر یہ تو جان گیا تھا نا کہ وہ پاکستانی ہے دیارِ غیر میں اپنے کسی ہم وطن کا مل جانا بھی انوکھی خوشی سے ہمکنار کرتا ہے۔مگر اس کے رویے نے مجھے اُلجھا دیا تھا۔جبھی میں نے بیچ میں گزر جانے والے دو تین دنوں کے باوجود اس واقعہ کو بھلانے سے قاصر رہا تھا پھر جانے کیوں مجھے لگا تھا جیسے میں اسے جانتا ہوں۔اس کے چہرے پر اس کی آنکھیں تھیں جو وہی تھیں اس کی آنکھیں مجھے دیکھی بھالی لگتی رہی تھیں۔دوبارہ میرا اس سے ٹکراؤ ایک ریسٹورنٹ میں ہوا تھا۔میں وہاں لنچ کرنے گیا تھا کہ میری نگاہ کونے کی اس ٹیبل پر جا پڑی جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا اور کھانا کھانے میں مصروف تھا۔جو اس کا رویہ تھا اس کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں اس سے گریز برتتا مگر میں اسی رویے کی وجہ سے اُلجھا ہوا تھا اور اس اُلجھن کو سلجھانا چاہتا تھا جبھی میرے قدم بے اختیار اس کی جانب بڑھ گئے تھے۔جب میں نے اسے مخاطب کیا تھا تو متوجہ ہونے کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر وہی ناپسندیدہ تاثرات ابھر آئے۔میں نے اس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت مانگی تھی جو اس نے نہیں دی۔یہ بد اخلاقی کا بہت بڑا مظاہرہ تھا مگر میں بھی جیسے ڈھیٹ بن گیا۔میں نے اس سے شاپنگ آرکیڈ میں ہونے والے تصادم پر معذرت کی تھی۔مجھے کسی دانشور کی بات ازبر تھی کہ ہر برائی کا توڑ اچھائی میں پوشیدہ ہے۔اس کی بدمزاجی اور بد اخلاقی کو میں اپنے مہذبانہ انداز اور شائستگی سے دور کرنے پر تل گیا تھا۔یہاں دیارِ غیر میں ہم سب اپنے ملک کی پہچان اور شناخت لے کر آتے ہیں۔ہمارے رویے ہمارے عمل ہی ہماری خوبی اور خامی کے مظہر ہوتے ہیں۔مجھے ابوداؤد کا غیر شائستہ رویہ ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔اور اپنے طور پر میں نے اس کی اصلاح کا بیڑا اُٹھا لیا تھا۔بس اس وقت تک میری محض اتنی ہی سوچ تھی مگر اس نے میری اس کوشش کو ناکامی کی ایک زوردار ٹھوکر ماری تھی اور وہاں سے اُٹھ گیا تھا۔انداز میں ناگواری اور خفگی تھی۔میں کبھی ایسا مستقل مزاج نہیں رہا تھا نہ میری انا ایسی تھی کہ اتنی عزت افزائی کے بعد میں پھر اُٹھ کر اس کے پیچھے جاتا مگر اس وقت میرا یہ عمل خود میرے لیے بھی غیر متوقع تھا۔پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے یا شاید قسمت میں اس کے ہاتھوں جو شکست اور کرب میرا نصیب بنا تھا اس کی شروعات ہو چکی تھی۔میں اس کے پیچھے آیا تھا اور اس رویے کی وضاحت پوچھی تھی۔اس نے اسے میری غلط فہمی قرار دیا اور مجھ سے جان چھڑانا چاہی۔میں اس طرف سے مطمئن ہوا تو اگلی اُلجھن اس کے سامنے رکھ دی۔مجھے واقعی اس کا چہرہ خاص طور پر آنکھیں کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھیں۔میں نے اس کا نام پوچھا تھا۔اور جب اس نے اپنا نام بتایا تو میرے ذہن میں جیسے کانٹا چبھا تھا۔یہ وہ نام تھا جسے میں کبھی شعوری طور پر بھی فراموش نہیں کر سکا تھا۔وہ حیرت انگیز طور پر بدل چکا تھا۔بے حد وجیہہ اور خوبرو اس کی پرسنالٹی بے حد گرومڈ اور شائننگ تھی۔ایک نظر دیکھنے میں ہی وہ امیر کبیر بزنس مین نظر آتا تھا ایسے ہی انداز و اطوار تھے۔اس کا بہترین لباس بلکہ ہر انداز سے امارت چھلکتی تھی۔ امیر تو خیر وہ پہلے بھی تھا مگر شخصیت کا یہ نکھار اور دلکشی حیران کن تھی۔میں صحیح معنوں میں ششدر رہ گیا۔

میرے اندرونی جذبات جو بھی تھے میں نے بظاہر اس سے ملنے پر خوشی کا اظہار کیا اور اس میں کوئی

شک بھی نہیں تھی کہ میں اسے اپنے روبرو پا کے خوش ہوا تھا۔ دُعا میں اکثر میں اسے ملنے اور اس کے ساتھ نادانستگی میں کی گئی زیادتی پر خدا سے معافی مانگنے کے ساتھ ازالے کا ایک موقع بھی مانگا کرتا تھا۔ مجھے لگا تھا مجھے وہ موقع فراہم کر دیا گیا تھا۔ میں اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا جبھی میں نے دانستہ اس ملاقات کو طول دیا تھا۔ میں زبردستی اسے اپنے اپارٹمنٹ لے آیا۔ مقصد اس سے کچھ بات کرنا کچھ اس کے متعلق جاننا تھا۔ میں اس سے دوبارہ ملنے کا خواہاں تھا۔ وہ مجھ سے کترا رہا تھا مگر میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ اس کے بعد شاید وہ سری لنکا سے واپس چلا گیا کہ پھر میری تلاش کے باوجود وہ مجھے وہاں نظر نہیں آیا تھا۔ پاکستان آجانے کے بعد بھی میں لاشعوری طور پر اسے ہر جگہ کھوجا کرتا۔ مگر وہ تو جیسے دنیا کی بھیڑ میں گم ہو گیا تھا۔ ہمارے دودھیال میں شادی کی تقریب تھی خاصی دور کے رشتہ دار تھے۔ مما کی ان دنوں طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ جبھی انہوں نے مجھے اس شادی میں شریک ہونے کا کہہ دیا۔ میں چونکہ اس قسم کی تقریبات میں خود کو مس فٹ محسوس کیا کرتا تھا جبھی جان چھڑانے کی کوشش کی مگر مما نے بھیج کر دم لیا۔ عین وقت پر حجاب بھی میرے ساتھ جانے کو مچل گئی تھی۔ دو دن کی شادی سے فراغت کے بعد ہم واپس آنے کی تیاری میں مصروف تھے کہ موسم زبردست تغیر کے بعد کچھ کا کچھ ہو گیا اور ہم جو فلائیٹ کے لیے ائیر پورٹ روانہ ہو چکے تھے کچھ متفکر ہو گئے۔ ایسے موسم میں پلین کنسل ہو جانا تھا۔ میں کچھ متفکر ہو گیا تھا واپس میں جانا نہیں چاہتا تھا کہ حجاب کے ایگزیم شروع ہونے والے تھے۔ اس کی پڑھائی کا حرج ہونا تھا۔ جبھی میں نے بائی ائیر کی بجائے ٹرین سے سفر کرنے کا فیصلہ کیا اور ائیر پورٹ کی بجائے ہم لوگ اسٹیشن آ گئے۔ بھاگ دوڑ کر کے ارجنٹ ٹکٹس لینے کے بعد ہم ٹرین کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ بارش طوفانی تھی اور ٹرین حسب معمول لیٹ۔ میرے برعکس حجاب اس موسم اور اس سفر کو انجوائے کرنے کے موڈ میں تھی۔ اس کا موڈ خوشگوار تھا اس نے ٹی پاٹ سے چائے نکال کر خود بھی پی تھی اور مجھے دیتے ہوئے بولی تھی۔

”بھیا میرے کوکیز ختم ہو گئے ہیں پلیز ذرا جا کے لے آئیں۔“

کوکیز کے بارے میں مَیں اس کی پسندیدگی سے آگاہ تھا جبھی اسے اپنا خیال رکھنے کا اشارہ کرتا اسٹیشن کی ٹک شاپ کی جانب آ گیا۔ کوکیز کے ساتھ جوس کے کچھ پیکٹ خرید کر میں واپس پلٹ رہا تھا جب ایک مرتبہ پھر ابوداؤد سے میری ملاقات ہو گئی تھی۔ اس نے شاید مجھے نہیں دیکھا تھا۔ برستی بارش کی شدید بوچھاڑ سے بے خبر وہ ٹہلتے ہوئے سگریٹ کے کش لیتا جانے کس گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جب میں نے جا کر اسے چونکا دیا۔ اس کے دوبارہ مل جانے کا احساس میرے لیے بے حد خوشگوار تھا جبھی جب میں نے اس سے بات کی تو یہ خوشگواری میرے ہر انداز سے چھلک پڑی تھی۔ مگر مجھے لگا اسے مجھے دیکھ کر ہرگز کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ ہو سکتا تھا اس کا مزاج یہی ہو میں نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لی تھی۔ میرے پیشِ نظر میرا اور مقصد تھا یعنی میں اس کے ساتھ انجانے میں غلط فہمی کی بنا پر جو زیادتی کر چکا تھا میں اپنے رویئے سے اس کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ میں اسے زبردستی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اور چائے پیش کی تھی۔ میری اس دوستانہ روش کے باوجود بھی اس کا رویہ لیا دیا سا ہی رہا تھا۔ تب مجھے ایک دم سے لگا تھا وہ اس تلخ یاد کو ذہن سے محو نہیں کر پایا۔ میں نے مناسب سمجھا اس سے براہ

راست اس موضوع پر بات کر کے معذرت کر لوں۔ اور میں نے ایسا ہی کیا۔ مگر میری بات کے آغاز میں ہی وہ منکر ہو گیا تھا۔ میں نے پھر بھی اس سے باقاعدہ ایکسکیوز کیا تھا۔ میں اس احساس جرم کے ساتھ مزید نہیں جی سکتا تھا۔ اس نے میری بات جیسے غائب دماغی سے سنی تھی اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ تب میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھ لی۔ میں کبھی کسی بات کے پیچھے نہیں پڑا تھا مگر یہ معاملہ ایسا تھا کہ میں پیچھے ہٹنا نہیں چاہ رہا تھا۔ اس وقت مجھے بہت اچھا لگا تھا جب اس نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی کہ میں غلط سوچ رہا ہوں۔ وہ اس بات کو فراموش کر چکا ہے۔ کاش میں نے تب اس کی بات کا یقین نہ کیا ہوتا تو بعد کے مسائل اور رسوائی واذیت کا شکار ہونے سے بچ جاتا مگر ایسا کب ہوتا ہے۔ جو کچھ تقدیر نے ہمارے مقدر میں لکھ دیا ہے اسے ہم کیسے ٹال سکتے ہیں۔ میں تو تب یہ بھی نہ جان سکا تھا کہ تب حجاب پر اس نے کیسی گندی نظر ڈالی ہے۔ اس نے میری بجائے حجاب کو انتقام کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کر کے میری ہستی کی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔

☆☆

آنے والے کڑے وقت سے بے نیاز میں ابوداؤد سے اتنا عرصہ ملاقات نہ ہونے پر پریشان ہوتا رہتا تھا۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے جب ایک روز اچانک ولید خالہ بی کے ساتھ ہمارے گھر چلا آیا۔ اس کی آمد غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ اکثر ہمیں ملنے کی غرض سے آیا کرتا تھا۔ مگر جو آمد کا مقصد اس نے بیان کیا اسے جاننے کے بعد میرا خون کھول اُٹھا تھا۔ وہ حجاب کے لیے اپنا پرپوزل لایا تھا۔ اس کا اور حجاب کا ہرگز بھی کوئی جوڑ نہیں تھا۔ وہ میرا ہم عمر تھا اور حجاب مجھ سے پورے بارہ سال چھوٹی تھی۔ بات اگر صرف ایج ڈیفرنس کی ہوتی تو بھی قابل برداشت تھی۔ ولید نکما اور فضول شوق پالنے والا نکھٹو آدمی تھا۔ کوئی کام ٹک کر کبھی نہیں کیا تھا۔ حجاب کی ابھی عمر ہی کیا تھی۔ ابھی بچی تھی وہ ابھی تو میں ویسے ہی اس کی شادی کے حق میں نہیں تھا۔ ولید جیسے انسان کو تو میں ہرگز اس قابل نہیں سمجھتا تھا۔ غصہ مجھے اس بات کا آیا تھا کہ وہ یہ فضول آس لے کر ہمارے گھر آ تا رہا تھا۔ میں نے اس روز ولید کی اچھی خاصی انسلٹ کی تھی اور آئندہ کے لیے اسے اپنے گھر آنے سے صاف منع کر دیا۔ گو کہ بعد میں ہمارے بڑوں نے بیچ میں پڑ کر اس تلخی کو کم کر دیا تھا۔ ولید کا آنا جانا کسی خاص موقع تک محدود ہو کر رہ گیا۔ وہ بھی اب ہماری کوشش ہوتی حجاب سے اس کا سامنا نہ ہو۔ وقت مزید کچھ آگے سرک گیا۔ اس دوران ابوداؤد سے میری متعدد بار ملاقات ہوئی اور وہ انہی ملاقاتوں کی بدولت میرے بے حد نزدیک آ گیا تھا۔ یہ قربت اس وقت کچھ اور بڑھ گئی تھی جب اس کی خرابی طبیعت اور بہتر دیکھ بھال نہ ہونے کی بنا پر میں اسے اپنے ہاں لے آیا تھا۔ میں نے بتایا نا کہ میں اس کے ساتھ بھلائی کر کے اپنی اس زیادتی کا ازالہ کرنے کا خواہاں تھا۔ اور میرا یہ عمل مجھے پوری طرح تو نہیں مگر کسی حد تک ازالہ محسوس ہوا تھا۔ مگر یہ سچ ہے۔ بچھو اپنی فطرت سے ہٹ نہیں سکتا۔ اس کا کام ڈسنا ہے تو چاہے اسے ڈوبنے سے بچانے والا ہاتھ ہی کیوں نہ ہو وہ اس تفریق میں پڑے بغیر بس اپنی فطرت سے مجبور ہو گا۔ ابوداؤد نے اپنے عمل سے یہی ثابت کیا تھا میری ہر نیکی کے جواب میں اس نے مجھے معاف کیے بنا اپنا بدلہ چکایا تھا۔

☆☆

اس کے بعد اس کا داخلہ آزادانہ میرے گھر میں ہونے لگا۔ وہ اکثر مجھ سے ملنے کے بہانے میرے گھر آ دھمکتا اور میں اس کے مذموم ارادوں سے بے خبر ہر بار خوشدلی اور محبت سے اسے خوش آمدید کہتا رہا۔ دل و جان اس پر لٹاتا رہا۔ اس بات سے انجان رہ کر کہ اسے اپنے گھر میں نقب لگانے کا موقع تو میں خود فراہم کر رہا ہوں۔ حجاب کے ساتھ جو کچھ ہوا اپنی ذلت و رسوائی سے ماورا ہو کر میں جب سوچتا مجھے اپنا وجود برزخ میں جلتا اور تڑختا ہوا محسوس ہوتا۔

اس روز مجھے اس سے کچھ اہم کام تھا۔ میں اس سے ملنے اس کے آفس آیا تو اس کی بجائے اس کی سیٹ پر ولید کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔

''تم؟؟'' میں کسی طرح بھی اپنی حیرت پر قابو نہیں رکھ سکا تھا جواباً وہ طنزیہ مسکرایا تھا۔ ''آپ تو مجھے بالکل نا اہل اور بے کار سمجھتے تھے ناعون بھائی! مگر ایسا نہیں ہوتا۔ میری بھی ایک حیثیت ہے میں ابوداؤد کا بزنس پارٹنر ہوں۔''

اس نے جیسے اہم اطلاع بہت فخر سے مجھے دی تھی۔ میں مسکرا دیا تھا اور اسے اس کامیابی پر مبارک باد دیتا ابوداؤد کے بارے میں استفسار کرنے لگا۔ جواب میں اس نے ابوداؤد کی بیماری کا بتایا تھا۔ میں کچھ متفکر سا ہوتا اس سے ملنے اس کے گھر چلا آیا۔ واچ مین مجھے جانتا تھا۔ گاڑی پورٹیکو میں روک کر میں اس کے بیڈ روم میں ہی آ گیا اس سے پہلے بھی جتنی بار میں اس کے ہاں آیا تھا اس نے کبھی مہمانوں کی طرح مجھے ڈرائنگ روم تک محدود نہیں رکھا تھا۔ دروازہ ناک کرنے کے بعد میں اندر داخل ہوا تو ابوداؤد مجھے کمرے میں نظر نہیں آیا تھا۔ واش روم کے بند دروازے کے پیچھے سے پانی گرنے کی آواز اس کی وہاں موجودگی کی گواہ تھی۔ میں اس کے انتظار میں بیٹھتے ہوئے قدرے چونک گیا۔ اس کے بستر کے تکیے پر ایک ادھ کھلی ڈائری سے ایک تصویر کا کونہ جھانک رہا تھا۔ یونہی بے خیالی میں مَیں نے ڈائری بند کر کے رکھنا چاہی تو چکنے صفحے کے درمیان سے تصویر پھسل کر نیچے جا گری۔ میں جو نارمل سے انداز میں تصویر اُٹھانے کو جھکا تھا جیسے اسی زاویے پر سکتے میں آ گیا۔ سفید لباس میں کھلے بالوں کے ساتھ بے تحاشا ہنستے ہوئے وہ کسی اور کی نہیں حجاب کی تصویر تھی۔ حجاب کی تصویر ابوداؤد کے بیڈ روم میں پڑی اس کی پرسنل ڈائری سے برآمد ہوئی تھی۔ مجھے لگا تھا میرے جسم کا سارا خون میرے دماغ کی طرف پوری قوت سے دوڑنے لگا ہے۔ تصویر کے پیچھے جو اشعار لکھے گئے تھے وہ اس درجہ سطحی اور اخلاق سوز تھے کہ میں اپنے طیش پر بہ مشکل قابو رکھ سکا۔ میرا جی چاہا تھا واش روم کا بند دروازہ توڑ کر اندر گھس جاؤں اور ابوداؤد کو مار مار کر عالم بالا پہنچا کر دم لوں۔ ایک وحشت اور اضطراب کی کیفیت میں مَیں نے ڈائری جھپٹ کر اُٹھائی تھی اور اس کے صفحے اکھاڑ کر پرزہ پرزہ کر کے پھینک دیئے تھے۔ میرا پورا وجود جیسے جل اُٹھا تھا ایک لمحے کو میرا جی چاہا تھا میں ابوداؤد سے ابھی نپٹ لوں۔ میں اس سے ملے بغیر وہاں سے چلا آیا۔ میرا خیال تھا یہی بہتر تھا اگر اس روز وہ میرے سامنے اسی ہیجانی کیفیت میں آ جاتا تو شاید نہیں یقیناً میں اسے شوٹ کر دیتا۔ گزرتے وقت کے ساتھ میرے دماغ کی کھولن کم نہیں ہوئی تھی۔ ابوداؤد کا گھٹیا طرز عمل مجھے اکثر بے قابو کرنے لگتا۔ مگر

میں چونکہ ایک مرتبہ اس سے زیادتی کر چکا تھا جبھی دوبارہ اس سے مس بی ہیو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہی سوچ تھی جو ہر بار اس کے ساتھ کوئی انتہائی حرکت سے باز کرا جاتی تھی۔ میں نے اس سے درگزر بس اس حد تک کیا تھا البتہ اس سے مزید کوئی تعلق واسطہ رکھنے کا میرا بالکل کوئی خیال نہیں تھا۔ مگر شاید اب وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ جبھی اس نے اس روز ریسٹورنٹ میں جب فیضان میرے ساتھ تھا زبردستی ہمیں جوائن کیا تھا اور بات چیت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ فیضان کی وجہ سے میں اس کا لحاظ کرنے پر مجبور تھا کہ یہ بات ایسی تھی جسے میں اپنے سگے بھائی پر بھی عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میری خاموشی ابوداؤد کے حوصلے بڑھا رہی تھی۔ فیضان کے وہاں سے ہٹتے ہی جیسے اسے مجھ سے کھل کر بات کرنے کا موقع میسر آ گیا۔ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا تھا اور میں اسے ایسا کوئی موقع دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس کے سامنے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے میں نے اس کی وضاحت اور شرمندگی پر پہلی بار اسے دیکھا۔ وہ بے حد اضطراب کا شکار نظر آ رہا تھا۔ اس نے میرے سامنے بہت مہذبانہ انداز میں معذرت کی اور پھر حجاب کے حوالے سے اپنے جذبوں کو اتنے احترام سے آشکارا کیا کہ میں ایک بار پھر اس کی باتوں میں آ گیا۔

میں پاگل تھا اس سے ایک بار پھر دھوکہ کھا گیا۔

میں نے سوچا تھا۔ اگر یہ واقعی اتنا سچا ہے حجاب سے اتنی گہری محبت کرتا ہے تو کیا حرج ہے۔ اس کے جذبوں کو پذیرائی بخش دی جائے۔ وہ ویل آف فیملی سے تعلق رکھتا تھا ایک بھرپور اور خوبصورت زندگی اپنی شریک حیات کو دے سکتا تھا۔ خود بھی ہینڈسم تھا۔ حجاب ہماری اکلوتی تھی بے حد نازوں پلی، اس کے لیے ہماری خواہش کسی ایسے ہی لڑکے کی تھی جو اسے ہر لحاظ سے سکھی اور خوش رکھ سکے۔ پھر کیا حرج تھا وہ آدمی ابوداؤد ہی ہو۔ اس میں اور کوئی خرابی نہیں تھی۔ بس وہ عمر میں کچھ زیادہ بڑا تھا حجاب سے مگر یہ کوئی ایسا قابل اعتراض معاملہ نہیں تھا۔

یہی سوچیں تھیں جنہوں نے مجھے ڈھیلا پڑنے اور ابوداؤد کی خطا معاف کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ آہ کاش میں نے یہ غلطی نہ کی ہوتی۔ آہ کاش میں نے اپنے ہاتھوں اپنی بہنی کو مصیبتوں اور اذیتوں کے حوالے نہ کیا ہوتا۔ مگر یہ تقدیر کا لکھا تھا۔ اسے ہم کیسے ٹال سکتے تھے۔

☆☆

ابوداؤد کو معاف کر دینے اور اس کا عندیہ پورا کر دینے کے بعد میں ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ لاشعوری طور پر میں نے خود کو اپنے اس جرم سے اور زیادتی سے معاف پا لیا تھا۔ میں نے گھر میں پپا اور مما کے سامنے یہ پروپوزل رکھا تو انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ابوداؤد ان کا دیکھا بھالا تھا اور انہیں پسند بھی۔ بس وہ حجاب کی اتنی جلدی شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ ابھی صرف رشتہ طے ہوگا۔ شادی حجاب کی تعلیم مکمل ہونے پر کی جائے گی۔ اس موقع پر جب گھر میں یہ خوشی کی خبر گردش کر رہی تھی۔ مما نے ایک بار پھر میری شادی کا موضوع چھیڑ دیا۔ مگر میری ناں ہاں میں نہیں بدلی۔ ابوداؤد کے گھر والے پہلی بار ہمارے گھر آئے تو حجاب پہ اصل بات کھلی تھی۔ جس کے بعد اس نے احتجاجاً رو رو کر حشر کر لیا۔ مما تو اس کی اس درجہ خفگی پر باقاعدہ پریشان ہو گئی تھیں۔

''عون بیٹے حجاب نے تو آسمان سر پر اُٹھایا ہوا ہے۔ کھانا بھی نہیں کھا رہی۔''

''آپ فکر نہ کریں میں اس سے بات کروں گا۔''

''اگر پھر بھی نہ مانی تو؟'' وہ خدشات کا شکار تھیں۔ میں مسکرا دیا۔

''ایسا نہیں ہوگا۔ آپ نے اسے ابوداؤد کی تصویر دکھائی؟''

''میں نے کوشش کی تھی مگر اس نے نہیں دیکھی۔ صاف کہہ دیا جب شادی نہیں کرنی تو کیوں دیکھوں۔''

''او کے میں بات کرتا ہوں۔''

میں اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مما مجھے بتا چکی تھیں کہ وہ اپنے کمرے میں بند ہے۔ میں اس کے روم کے باہر آرکا اور اچھی خاصی دردسری کے بعد دروازہ کھلوایا تھا۔ وہ کسی ننھی بچی کی طرح بے حد ناراض تھی۔ اسے منانا میرے لیے کبھی بھی مشکل کام نہیں رہا تھا۔ وہ بچپن سے مجھ سے بے حد نزدیک تھی۔ مما اور پپا سے بھی بڑھ کر میں نے اس کے لاڈ اُٹھائے تھے۔ بلکہ مما اس کے بگاڑ کا الزام بڑے دھڑلے سے میرے سر رکھا کرتی تھیں۔ حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ وہ بگڑی ہوئی نہیں تھی۔

''میں نے اسے ابوداؤد کے متعلق بتایا تھا اور اسے قائل کرنے کی کوشش بھی کی۔ پتا نہیں وہ کس حد تک متفق ہوئی تھی البتہ یہ ضرور تھا کہ اس نے وہ احتجاج ختم کر دیا۔ یوں میری وجہ سے خالصتاً میری وجہ سے اس کے مقدر میں سیاہی لکھ دی گئی جس نے اس کی زندگی کی ساری روشنی ساری خوشیوں کو نگل لیا۔

☆☆

جس روز ہم کھانے پر ابوداؤد کے ہاں انوائیٹ تھے مجھے حجاب کی خفگی اور اداسی رہ رہ کے مضطرب کرتی رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے وہ ہم سب کے زور ڈالنے پر نہ چاہتے ہوئے بھی مان گئی ہے۔ میرے دل پر بوجھ سا آ گرا تھا۔ وہ اداس تھی۔ جبکہ میں اسے خوش دیکھنے کا متمنی تھا۔ میری پرسوچ نظریں ٹھہر ٹھہر کر ابوداؤد پر اُٹھ رہی تھیں۔ یوں تو وہ تھا ہی ہینڈسم مگر اس دن کچھ زیادہ ہی گریس فل اور وجیہہ لگ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا اگر حجاب ایک مرتبہ ابوداؤد سے مل لے اسے دیکھ لے تو شاید نہیں یقیناً وہ اداسی ختم ہو جائے گی۔ وہ بھی نارمل لڑکیوں کی طرح اپنی زندگی کے اس بے حد اہم موقع پر خوش اور مطمئن نظر آئے گی۔ ابوداؤد کی ظاہری شخصیت سے کسی نوجوان لڑکی کا متاثر ہونا اور شریک حیات کے طور پر اسے قبول کرنا ہرگز مشکل نہیں تھا۔ بس کچھ ایسی ہی سوچ اور خیالات کی وجہ سے میں اس رات ابوداؤد کو اپنے ساتھ لے کر آیا تھا مگر حجاب کی کم عقلی نے سب کچھ اُلٹ پلٹ کر دیا۔ اس کا حلیہ ایسا نہیں تھا کہ میں اسے ابوداؤد سے متعارف کرا سکتا۔ بلکہ اُلٹا میں ابوداؤد سے شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ کہ وہ حجاب کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا۔ خیر اس رات میں نے ابوداؤد پر اپنی اس سوچ کو آشکار نہیں کیا تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھ کر پھر چلا گیا تھا۔ مگر اس کے بعد میں نے محسوس کیا حجاب کے رویے میں واضح تبدیلی آ گئی ہے۔ وہ ویسے ہی خوش اور مطمئن نظر آنے لگی تھی جیسی میں چاہتا تھا۔ تب میرے لیے یہ اطمینان کا ہی باعث تھا۔

☆☆

منگنی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ حجاب ہماری اکلوتی بہن تھی۔ ہم ہرگز اس کی خوشی کے موقع پر کوئی کمی

نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔ جبھی ہر شوق پورا کیا گیا ہر ارمان نکالا گیا تھا۔ منگنی میں ابھی کچھ دن تھے جب ابوداؤد مجھ سے ملنے چلا آیا۔ اس نے خاصے جھجکتے ہوئے انداز میں تقریب میں اپنی شمولیت کی بات کی تھی۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ہم بہت آزاد خیال لوگ نہیں تھے مگر وقت کے ساتھ چلنے میں قباحت نہیں تھی۔ میں نے خوشدلی سے اسے اجازت دی تھی۔ وہ ایک دم میرا مشکور نظر آنے لگا تو مجھے ہنسی آنے لگی تھی۔ منگنی کی تقریب میں وہ اتنا اسمارٹ اس قدر ڈیشنگ نظر آ رہا تھا کہ مجھے اپنے انتخاب پر فخر ہونے لگا تھا۔ مگر میں نہیں جانتا تھا اسی انتخاب پر میں کبھی بے تحاشا شرمندگی بھی محسوس کروں گا اور وہ وقت دور نہیں ہے۔ سب سے پہلا شاک مجھے اس وقت لگا جب اس کی مہمان خواتین میں سے ایک خاتون کو میں نے اس کے ساتھ بے حد بے تکلف دیکھا۔ اپنے انداز و اطوار لباس وغیرہ سے وہ ہرگز کسی شریف گھرانے کی نہیں لگتی تھی۔ گو کہ ابوداؤد اس کے التفات کے آگے کچھ خائف اور جھینپا ہوا نظر آ رہا تھا مگر یہ بات طے تھی کہ اس کا اس عورت کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق یا شناسائی ضرور تھی۔ پھر اس نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش میں میرے شک کو گہرا کر دیا تھا۔ میں نے اس کے سامنے اپنے اندر کے شک اور تشویش کو عیاں نہیں کیا تھا۔ تقریب میں رسم کا آغاز ہو گیا۔ وہ عورت سائے کی طرح ابوداؤد کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ جہاں کہیں وہ اس کے ساتھ نہ ہوتی اس کی نظریں اس کا حصار کیے رکھتیں۔ میں پہلی بار اضطراب اور تشویش کا شکار ہوا تھا۔ حجاب کے معاملے میں ذرا سی بھی کوتاہی یا کمی کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں ابھی اسی تفکر اور تشویش سے نہیں نکل سکا تھا کہ ایک اور دھچکا مجھے سہنا پڑا۔ ابوداؤد کے بڑے بھائی اور والدہ نے رسم کے بعد مما سے ایک انوکھی فرمائش کر دی۔ ''ابوداؤد اور حجاب کے نکاح کی فرمائش'' مما تو ایک دم سٹپٹا کے رہ گئی تھیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم نے تو منگنی تک ہی اس تقریب کو محدود رکھنا تھا اتنا اچانک......''

میں چونکہ اس جگہ سے نزدیک تھا جہاں پر گفتگو ہو رہی تھی جبھی فوراً متوجہ ہوا اور اُٹھ کر سرعت سے مما کے پاس آیا۔ جہاں وہ دونوں مما سے اپنی بات منوانے اور انہیں قائل کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔

''منگنی کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے آنٹی! نکاح اہم فریضہ ہے۔ پھر کیا حرج ہے اگر اسی طرح یہ بندھن کچھ اور مضبوط ہو جائے۔''

ابوداؤد کے بھائی کی بات نے میری پیشانی پر تیوری چڑھا دی تھی۔

''محترم ہم خود بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ ویسے بھی اگر آپ کا اس قسم کا کوئی ارادہ تھا تو آپ کو پہلے ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ عین وقت پر بات کر کے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟''

میرا لہجہ بے حد کڑا اور سرد تھا۔ مجھے صحیح معنوں میں بے حد غصہ آیا تھا۔ میرے انداز نے اسے گڑبڑا دیا۔

''عون صاحب آپ شاید ہماری بات کا بُرا مان گئے ہیں؟''

''آپ یہ بتائیے یہ آپ کی رائے ہے یا آپ کو کسی نے کہا ہے؟''

میں نے اسی تیز اور ترش لہجے میں استفسار کرتے ہوئے اسٹیج پر حجاب کے ہمراہ براجمان ابوداؤد پر ایک کڑی نگاہ ڈالی تھی۔

”یہ خالصتاً ابوداؤد کی خواہش ہے۔ اس نے ہمیں آپ سے بات کرنے کا کہا ہے۔“

اب کی مرتبہ جواب ابوداؤد کی والدہ نے دیا تھا وہ میرے تاثرات سے خائف نظر آنے لگی تھیں۔

”تو پھر آپ انہیں کہہ دیجیے کہ ہمارا ایسا ہرگز کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ جو کرنا چاہتا ہے کر لے۔“

میرا صحیح معنوں میں اس وقت دماغ اُلٹ سا گیا تھا۔ مما نے میرے شدید لہجے اور الفاظ کی سنگینی پر مجھے گھور کر کسی قدر خفگی سے دیکھا۔ جبکہ ابوداؤد کی والدہ اور بھائی میرے تیوروں سے بالکل ہی سٹپٹا کر رہ گئے تھے۔ اسی دوران ابوداؤد بھی ہمارے پاس چلا آیا۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا ہے۔ پھر اس نے جس طرح اپنے بھائی اور ماں کو سارا الزام دے کر خود بری الزمہ ہوا میرے لیے یہ بات جتنے شاک اور تاسف کا باعث تھی اس کے بھائی اور ماں کے حق دق چہرے دیکھ کر مجھے ابوداؤد کے جھوٹ کا صاف اور واضح اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ بعد میں بھی وضاحتیں دیتا رہا تھا۔ مگر میرا دماغ سائیں سائیں کرتا رہا تھا۔ ابوداؤد کی اس حرکت نے مجھے چونکا کر اس کی جانب سے محتاط ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ ابوداؤد کی طرف سے اگر میں متنفر نہیں بھی ہوا تھا تو مشکوک ضرور ہو گیا تھا۔ جانے کیوں مجھے تب ہی لگنے لگا تھا جیسے میں نے جذباتیت اور جلد بازی میں ایک غلط فیصلہ کر لیا ہے۔ ایک غلط قدم اُٹھا لیا ہے۔ میں ان دنوں بہت زیادہ پریشان رہنے لگا تھا۔ جیسے کوئی بھی صحیح فیصلہ نہ کر پا رہا ہوں کہ مجھے آئندہ کیا کرنا چاہیے۔ میں خدا سے صحیح فیصلے کی توفیق اور رہنمائی کا طلبگار رہنے لگا۔ انہی دنوں مجھے ابوداؤد کی بیماری کی اطلاع ملی تھی۔ رشتے کا تقاضا تھا کہ مجھے پپا کے ساتھ اس کی عیادت کو جانا پڑا اس کی والدہ نے ہمارا استقبال کیا تھا اور ہمیں داؤد کے کمرے میں ہی لے گئیں۔ ابوداؤد سو رہا تھا۔ میں نے اس کی والدہ کو اسے جگانے سے منع کیا مگر وہ اُٹھ چکا تھا۔ میں اس کی طرف سے بدظن ہو چکا تھا۔ جبھی میرا اس سے بات کرنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ پپا کے ساتھ ہی بات چیت میں مصروف رہا تھا اور میں بے زاری سے اِدھر اُدھر نظریں گھماتا رہا تھا جب اچانک میں ساکن رہ گیا تھا۔ بیڈ کے سرہانے کی جانب کارپٹ پر لمبی گردن والی خالی بوتل جھانک رہی تھی۔ بلاشبہ وہ شراب کی بوتل تھی۔ ابوداؤد کے کمرے میں اس بوتل کی موجودگی خود گواہ تھی کہ اسے استعمال کرنے والا کون تھا۔ میرے اندر بلا کے سناٹے اُتر آئے تھے۔ ایک بار پھر مجھے لگا تھا جیسے میں اپنی زندگی کی سنگین غلطی کر بیٹھا ہوں۔ مجھے قطعی سمجھ نہیں آئی تھی اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ابوداؤد کو سمجھانا یا اس قسم کی فضولیات سے باز رکھنا ایک دیوانے کا خواب تھا۔ میرا دماغ یہ سوچ کر ماؤف ہوا جا رہا تھا کہ میں حجاب کو خود اپنے ہاتھوں اس کے حوالے کر دوں۔ یہ ناممکن، تھا ہر صورت ناممکن مجھے آئندہ کیا کرنا تھا کس طرح حجاب کو اس سے نجات دلانا ہے میں نہیں جانتا تھا مگر یہ طے تھا کہ مجھے اپنی جان پر بھی کھیل کر اگر حجاب کو اس آگ سے گرنے سے بچانا پڑا تو میں بچاؤں گا۔

☆☆

میں نے اُلفت کے تقاضوں کو نبھایا اکثر
اور لوگوں نے میرا درد بڑھایا اکثر

میں نے گرے ہوئے لوگوں کو اُٹھانا چاہا
اور لوگوں نے سرِ راہ گرایا اکثر
میں نے چاہت کو دنیا میں تماشا نہ کیا
اپنے ڈھلتے ہوئے اشکوں کو چھپایا اکثر
یوں تیرے ترک تعلق سے شکایت کیسی
چھوڑ دیتا ہے میرا ساتھ بھی سایہ اکثر

اس کے بعد میری صحیح معنوں میں راتوں کی نیند اُڑ گئی تھی۔ اضطراب مجھے ہر پل بے کل رکھنے لگا۔ شاید پریشانیوں نے میرے دل کا راستہ دیکھ لیا تھا۔ میرے دوست کے فادر کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ میں انہی کی عیادت کو ہاسپٹل گیا تھا کہ کاریڈور سے گزرتے ہوئے ایک اَدھ کھلے دروازے کے آگے سے گزرتے میری بے دھیانی میں اُٹھی نگاہ پلٹنا بھول گئی تھی۔ وہ ابوداؤد ہی تھا۔ بستر پر لیٹی ہوئی اس لڑکی کے پہلو میں بیڈ کی پٹی سے ٹکا ہوا۔ دونوں کے درمیان جیسے تکلف کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ ذرا سا غور کرنے پر مجھ پر مزید انکشاف ہوا تھا یہ وہی عورت تھی جسے منگنی کی تقریب میں مَیں نے داؤد کے گرد پروانہ وار نثار ہوتے دیکھا تھا۔ تب اس لمحے ابوداؤد نے اس سے بے زاری اور لاتعلقی کا اظہار کیا تھا۔ جان تو میں تب ہی گیا تھا اس کے جھوٹ کو مگر اب تو جیسے اس کا جھوٹ کسی طمانچے کی صورت منہ پر مارا جا سکتا تھا۔ میں سنبھلا تھا اور بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ کاریڈور سے ہٹ کر ہاسپٹل کے لان میں آ گیا۔ مگر میں اس زاویئے سے کھڑا ہوا تھا کہ وہ دونوں اسی اَدھ کھلے دروازے سے ہیولوں کی صورت دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دونوں ہنوز ایک دوسرے کے نزدیک تھے اور میرے اندر کا بھونچال شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ میں نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا اور اس کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں اس کی کھنکتی فریش آواز میری سماعتوں میں اُتر کر حشر برپا کرنے لگی۔ میں نے اس سے زیادہ بات نہیں کی تھی۔ مگر جس طرح، جس دھڑلے سے اس نے جھوٹ بولا وہ میرے دل میں اس کی نفرت اور بغض کو کچھ اور بھی بڑھاوا دے گیا تھا۔ میں اس بات کے طیش کو دبا نہیں پا رہا تھا جب ایک اور ایسا شدید واقعہ ہوا جس نے میری ذات کو جیسے کسی طاقتور بارود سے اُڑا دیا تھا۔ پچھلے دنوں کی ذہنی ٹینشن نے مجھے مستقل سر درد میں مبتلا کر ڈالا تھا۔ عجب بے بسی تھی کہ میں فوری اور حتمی قدم اُٹھانے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ مما پپا کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا یہ اتنا آسان نہیں تھا کہ میں اپنے منتخب کردہ بندے کو خود سے بُرا بنا کر پیش کرتا۔ پھر مجھے حجاب کے جذبات کی بھی پرواہ تھی۔ اسے اس راہ پر زبردستی لانے والا بھی میں ہی تھا۔ میرے حوصلے“ میری ہمتیں جیسے جواب دیتی جا رہی تھیں۔ میں آفس میں بھی اسی قدر اضحلال کا شکار رہا تھا۔ جبھی پپا نے مجھے ڈاکٹر سے چیک اَپ کرانے اور گھر جا کے آرام کا مشورہ دیا تھا۔ میں اتنا اَپ سیٹ تھا کہ انکار کرنے کی بجائے ان کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ مگر واپسی کے سفر میں جب گاڑی سگنل پر رکی تھی تب مجھے جو منظر نظر آیا تھا اس نے میری آنکھوں میں خراشیں ڈال دی تھیں۔

حجاب یونیفارم میں تھی۔ ابوداؤد کی گاڑی میں، اس کی موجودگی میرے کرب اور اذیت کو دوچند کر

گئی تھی۔ مجھے نہیں پتا تھا ابوداؤد نے یہ کام کب سے شروع کیا تھا۔ ایسی ناقابل برداشت شکست! ہونٹ کاٹتے ہوئے میں نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔ ابوداؤد کے ہمراہ حجاب کو دیکھنا اور برداشت کرنے کا مادہ کم از کم میرے اندر نہیں تھا۔ وہ میری عزت سے کھیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا بس نہیں چلا تھا کہ میں اس تک جا کے اس کے وجود کے ٹکڑے کر دیتا۔ مجھے اپنی برداشت اپنے ضبط پر حیرت ہوئی تھی۔ پھر میں نے حجاب کو ڈھکے چھپے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ تب وہ کچھ ہراساں اور پریشان نظر آنے لگی۔ میں کچھ اور ابھی اُلجھ گیا تھا۔ میں ابوداؤد سے جس قدر کتراتا، بچتے، جان چھڑانے کی کوشش کرتا وہ اسی قدر مسلط ہو رہا تھا مجھ پر۔ انہی دنوں فیضان کی منگنی کا فنکشن اُٹھ کھڑا ہوا تو وہ اس بہانے آن دھمکا۔ میں بے حد جھنجھلا کر رہ گیا۔ جو بھی تھا اب جبکہ اس کے انداز و اطوار مجھ پر عیاں ہو چکے تھے میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے جبھی ایک فیصلہ کیا تھا اور فیضان کی منگنی سے اگلے روز ہی پپا اور مما کے سامنے اپنی بات رکھ دی مگر بہت محتاط انداز میں۔

”مما اگر حجاب کی نسبت ختم کر دی جائے تو آپ کا کیا خیال ہوگا اس بارے میں؟“

میری بات سن کر مما حقیقی معنوں میں سانس لینا بھول گئیں۔

”آپ ہوش میں ہیں عون مرتضیٰ!“

انہوں نے بے دریغ مجھے ڈانٹ کر رکھ دیا۔ پپا بھی ٹھٹھک گئے تھے اور بغور مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے چہرے پر اضطراب تھا میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔

”آپ نے ایسی بات بلاوجہ تو نہیں کی ہوگی بیٹے میں جانتا ہوں۔ بہتر ہوگا آپ کھل کر وضاحت کریں۔“ مما کی نسبت پپا نے فہم و فراست کا مظاہرہ کیا تھا مجھے اس پل لگا جیسے میرے گلے میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا ہو۔ میں نے سرخ ہو کر جلتی آنکھوں کو اُٹھا کر لحہ بھر کو انہیں دیکھا تھا۔

”سوری پپا! میں بے حد شرمندہ ہوں کہ میرا یہ فیصلہ بے حد غلط تھا۔ ابوداؤد ہرگز اس قابل نہیں کہ ہم اس کے حوالے عمر بھر کے لیے حجاب کو کر دیں۔ آپ جانتے ہیں نا حجاب مجھے کتنی عزیز ہے۔“ شدت ضبط سے میری آواز بھینچی ہوئی تھی۔ مما نے باقاعدہ گھور کر مجھے دیکھا تھا۔

”اب کیا آپ کو الہام ہو گیا ہے عون کہ وہ اس قابل نہیں۔ رشتہ طے کرتے وقت تو اس میں دنیا جہاں کی خوبیاں تھیں۔“

مما کو جلدی غصہ آ جایا کرتا تھا۔ وہ بی پی کی پیشنٹ تھیں۔ مجھے ان کی کسی بات پر غصہ نہیں آیا۔

”آپ اس کی پوری بات تو سن لیں حاجرہ!“ پپا نے نرمی سے ٹوکا تھا پھر سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

”یہی تو میں کہنا چاہ رہا ہوں کہ اس پرکھ میں مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اپنے تئیں تو میں نے بہترین ساتھی منتخب کیا تھا مگر......“

”ہوا کیا ہے یہ بھی بتاؤ نا بیٹے!“

پپا نے پھر ٹوکا تو میں نے سینے کی گہرائیوں سے کرب آمیز سانس کھینچی تھی اور نگاہیں چرا کر بولا تھا۔

”وہ اچھا آدمی نہیں ہے پپا! ڈرنک کرتا ہے اور بھی برائیاں ہیں۔“

مما کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ دہل کر مجھے دیکھنے لگیں۔

”تو تمہیں پہلے نہیں پتا تھا عون! اب ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟“

وہ پھپھک کر بولی تھیں۔

”غلطی انسانوں سے ہی ہوا کرتی ہے بیگم صاحبہ! خیر عون بیٹے آپ کو ہو سکتا ہے غلط فہمی ہوئی ہو۔ اس طرح کے معاملات میں عجلت نقصان کا باعث ہوا کرتی ہے۔ ہم کون سا ابھی شادی کر رہے ہیں۔ آپ اچھی طرح سے اپنی تسلی کر لیں پھر فیصلہ کریں گے۔“

پپا نے اسی رسانیت سے کہتے ہوئے اُٹھ کر میرا کاندھا تھپک کر تسلی دینا چاہی تھی۔ مگر میرا سکون تو شاید ہمیشہ کے لیے کھو گیا تھا۔

☆☆

اور تب جب میں ہر صورت کوئی حتمی قدم اُٹھا لینا چاہتا تھا ایک اور ایسی بات ہوئی جس نے جیسے میرے ہاتھ پیر باندھ کر رکھ دیئے۔ ابوداؤد کا ایکسڈنٹ ہوا تھا بہت شدید قسم کا۔ اس حادثے کی وجہ کیا تھی مجھے نہیں علم تھا مگر یہ ضرور ہوا تھا کہ میں فوری کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔ تب ان لمحوں میں جبکہ میں حجاب پر اس کی اُٹھنے والی نظر بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا مجھے حجاب کو اسے ملنے کی اجازت دینا پڑی تھی تو وجہ دوران بے ہوشی اس کا حجاب کو پکارنا تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت پر مما نے حجاب کو اس سے ملوا دیا تھا۔ میں ایک بار پھر کنفیوژڈ ہو کر رہ گیا۔ دوران بے ہوشی بھلا کیسے وہ دھوکہ یا مکر کر سکتا تھا۔ کیا وہ واقعی حجاب سے محبت کرتا تھا؟ اس قدر گہری کہ حواسوں میں نہ ہوتے ہوئے بھی وہ اس کا ہی متلاشی تھا۔ ان دنوں میرا اضطراب اور وحشت کچھ اور بھی بڑھنے لگی تھی تو وجہ حجاب کی اس کی ذات میں انوالومنٹ تھی۔ وہ جب تک ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہا تھا میں نے حجاب کا چہرا متوحش ہی دیکھا تھا۔ ابوداؤد ڈسچارج ہو چکا تھا۔ میں ہرگز اتنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ نہیں کر سکا کہ اس کی عیادت کو اس کے گھر جاتا۔ مگر میں سمجھتا ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے جو شکست مجھے دینی تھی وہ دے دی تھی۔ اسی وقت مجھے لگا تھا کسی نے میرے پورے وجود کا سارا خون نچوڑ لیا ہو جب بذریعہ کوریئر مجھے وہ خاکی لفافہ موصول ہوا تھا۔ بھیجنے والے نے اپنا نام پتہ پوشیدہ رکھا تھا۔ اس کا مقصد جو بھی تھا میں بس اتنا جانتا تھا میری عزت نیلام ہوگئی ہے۔ وہ ابوداؤد کے گھر کی تصویر تھی جہاں وہ حجاب کے ساتھ تھا میں ان تصویروں کے زاویوں کو جزئیات سے کبھی بیان نہیں کر سکتا۔ میری غیرت نے مجھے ان پر ایک کے بعد دوسری نگاہ ڈالنے کی ہمت نہیں دی تھی۔ تصویروں کا لفافہ میرے کانپتے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ میرے پہلو میں ایسا ناقابل برداشت درد اُٹھا تھا کہ میرا پورا وجود پسینوں میں نہا گیا۔

یہ اس سے محض چند دن بعد کی بات تھی۔ میں آفس میں تھا جب کسی انجان نمبر سے مجھے ایک میسج موصول ہوا تھا۔

”تصویریں دیکھ کر بھی اگر تمہاری غیرت کو جوش نہیں آیا تو آج لائیو تماشا جا کے وہاں دیکھ لو۔ ابوداؤد آج تمہاری عزت کو ایک بار پھر نیلام کرنے والا ہے۔“

میرے ہاتھ کی جنبش نے اگلے لمحے اس مسیج کو ضائع کر دیا۔ میں میکانکی انداز میں اُٹھا تھا۔ پھر مجھے پتا ہی نہیں چلا میں کیسے ابو داؤد کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ میرے سارے وجود میں جیسے زہریلی سوئیاں گڑی ہوئی تھیں۔ جب میں واچ مین سے اُلجھتا راستے میں آئی ہر شے کو ٹھوکروں کی زد پر اڑاتا، اس کے بیڈ روم میں گھسا تو میں بالکل حواسوں میں نہیں تھا۔ ابو داؤد غلط انسان ہے میں جان گیا تھا مگر وہ اس قدر سطحی ہوگا اس قدر گر جائے گا یہ تو میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ ورنہ میں ایک پل بھی اس بندھن کو قائم رہنے دیتا نہ حجاب کو اس سے ملنے کی کوئی راہ چھوڑتا کس قدر منتقم مزاج تھا وہ، اور اسی قدر بودا اور بزدل اس نے برسوں پرانے ایک بھولے بھٹکے واقعہ کو لے کر اگر مجھ سے بدلہ چکانا چاہا تھا تو نشانہ میری بجائے حجاب کو بنایا تھا۔ اس روز میں جیسے پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے نہیں یاد میں نے وہاں کیا کیا اور کیسے حجاب کو اس سے چھڑا کر واپس لوٹا۔ دل و دماغ میرے قابو میں نہیں تھے مجھے لگ رہا تھا میرا دل کسی بھی پل دھڑکنا چھوڑ دے گا۔ جو کچھ وہاں میری آنکھیں دیکھ چکی تھیں وہ میرے صبر، میرے ضبط کی انتہا تھی۔ گاڑی ڈرائیو کرتے میرے ہاتھ کانپتے رہے تھے اور آنکھوں کے آگے بار بار دھند پھیلتی جا رہی تھی۔ میری ذہنی حالت اس قدر مخدوش تھی کہ اس روز میں نے حجاب کے ساتھ بھی کسی قدر زیادتی کر دی۔ حالانکہ میری نگاہ میں وہ کہیں بھی قصور وار نہیں تھی۔ وہ معصوم تھی۔ بس اسے ٹریپ کر لیا گیا تھا۔ وہ بہت چھوٹی تھی۔ ابھی اتنی سوجھ بوجھ ہی نہ تھی اسے اچھے بُرے کی۔ اتنی سی عمر میں کہاں پہچان ہوتی ہے۔ یہ تو اس کی خواب سجانے کی عمر تھی مگر اس کے خوابوں کو تو چکنا چور کر دیا گیا تھا۔ وہ بہت حساس تھی مجھے اس کا دکھ اس ساری رات رلاتا رہا تھا۔ پھر اگلے بہت سارے دن میں اس اضطراب سے نہیں نکل سکا۔ حجاب پر جو پابندیاں میں نے عائد کی تھیں وہ تحفظات تھے جو میں سمجھتا تھا بے حد ضروری تھے۔ ابو داؤد کی اصلیت کھل کر سامنے آ جانے کے بعد میں کوئی رسک لینے کو ہرگز تیار نہیں تھا۔ عزت جیسا نازک آبگینہ ہلکی سی ٹھیس کا بھی متحمل نہیں ہوتا۔ اور میں ہر صورت اس عزت کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ جبھی میرا دوسرا فیصلہ جتنی بھی عجلت کا مظہر تھا مگر وقت اور حالات کی اہم ضرورت تھا۔ فراز میرا دوست تھا۔ وہ ابو داؤد کی طرح خوبرو تھا نہ دولت مند مگر اس کی شرافت و نجابت کی گارنٹی دی جا سکتی تھی۔ میں نے خود اس سے حجاب کی شادی کی۔ بات کی وہ ششدر ہونے لگا تھا۔ وہ حجاب کی عمر کے متعلق جانتا تھا۔ وہ ہماری حیثیت سے بھی آگاہ تھا۔ اس کے باوجود اس نے مجھ سے صرف ایک بات کہی تھی۔

''مجھے نہیں پتا عون تم نے کیا سوچ کر میرا انتخاب کیا۔ بہر حال میں صرف اتنا کہوں گا میں خود کو اس قابل نہیں پاتا۔ تم اپنے فیصلے پر ایک بار پھر غور کر لینا۔ پھر بھی اگر تمہارا فیصلہ یہی ہو تو میں اسے اپنی سب سے بڑی خوش بختی سمجھوں گا بلاشبہ!''

اور مجھے بھلا نظر ثانی کی کیا ضرورت تھی فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ جو وقت کی نزاکت کا متقاضی تھا۔ پپا نے میرا فیصلہ قبول کیا مگر مما خوش نظر نہیں آتی تھیں۔ فیضان متفکر اور عیسیٰ اور موسیٰ گم صم تھے۔ ہر قسم کا اختیار گویا میرے ہاتھ میں تھا۔ جسے میں بہ احسن خوبی نبھانا چاہتا تھا۔ مگر انسان تو بس سوچنے پر قادر ہے میں نے اصلاح اور بچاؤ کی جتنی بھی تدبیریں اختیار کی تھیں وہ ابو داؤد جیسے سرکش انسان کی گناہ آلود سوچوں اور عمل کے سامنے

ریتلی دیوار ثابت ہوئیں۔ عین نکاح کے موقع پر وہ کسی عذاب کی طرح نازل ہوا تھا اور سب کچھ ملیا میٹ کر کے رکھ گیا۔ میں اپنی سوچ ارادے اور عہد کے مطابق مر جانا یا مار دینا چاہتا تھا مگر میرے حواس عین اس وقت میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے جب نہیں چھوڑنے چاہیے تھے۔

☆☆

دو اعصاب شکن حادثے یکلخت ہوئے تھے۔ حجاب کو اغوا کر لیا گیا تھا۔ اور مجھے شدید زخمی۔ میرے گھر والوں کو وقتی طور پر حجاب بھول گئی میں یاد رہ گیا۔ میں جو شاید زندگی موت کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جسمانی سے کہیں بڑھ کر میں ذہنی اذیت اور کرب کا شکار تھا۔ ہوش میں آ جانے کے بعد میں پاگلوں کی طرح زخمی ٹانگ اور جسم کی پرواہ کیے بغیر اُٹھ اُٹھ کر دوڑنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ میں ہر صورت ہنی کو اس شیطان سے چھڑا لانا چاہتا تھا مگر میرا زخمی وجود اور میرے اپنے، میرے راستے کی بڑی بڑی دیواریں بن گئے۔ بے بسی، لاچاری اور اذیت کا ایسا لامتناہی سمندر تھا جس میں مَیں ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔ ہیجانی انداز میں بار بار چیختا اور روتا رہا۔ ہاں اس روز اپنی شکست اور بے بسی کے سامنے لاچاری سے پڑا میں بار بار رویا تھا۔ وہ رات بہت کربناک، طویل اور مہیب تھی بے حد مہیب جو کٹتی ہی نہ تھی۔ سانس اس دن زندگی کی ڈر کو جوڑنے کا باعث نہیں تھے ''آریاں'' تھیں جو ہر لمحہ رگ جاں کو کاٹ رہے تھے۔ بہت اذیت تھی۔ بہت زیادہ۔ تمام میڈیسن مجھ پر بے اثر جا رہی تھیں مسکن دواؤں سے مجھے بے خبر رکھنے کی کوشش کی گئی تھی مگر میری تو آنکھیں جیسے بند نہ ہونے کی قسم کھا بیٹھیں تھیں۔ پھر اس نے فون کیا تھا۔ جو بکواس اس نے کی وہ جیسے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''فیضان!'' میں وحشت بھرے انداز میں چیخا تھا۔

جی بھیا! وہ میرے نزدیک ہی تھا بے ساختہ مجھے تھام لیا۔ مگر وہ مجھ سے نگاہیں چار نہیں کر رہا تھا۔ ہاں ہم اب شاید کبھی ایک دوسرے سے آنکھ نہیں ملا سکتے تھے۔ لمبے دھڑنگے مضبوط بھائیوں کی موجودگی میں بہن کی عزت خطرے میں جا پڑی تھی اور ہم کچھ نہیں کر سکے تھے۔ خوف اور رسوائی کی بات صرف یہی نہیں تھی۔ فراز کی فیملی کے سامنے ہم کس درجہ ذلیل ہوئے تھے۔ اب ایک دنیا کے سامنے ہم رسوا ہونے والے تھے۔

''پولیس سے رابطہ کیا؟''

میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''نہیں بھیا پپا نے منع کیا ہے۔'' اس کے جواب نے مجھے دو آتشہ کر دیا۔

''کیوں؟ کیوں منع کیا ہے پپا نے؟ وہ ذلیل آدمی ہماری......'' فیضان پولیس کو کال کرو۔ تمہارے دوست کا بھائی ہے نا پولیس ڈیپارٹمنٹ میں؟ اسے کال کرو اسے ساری بات بتاؤ مجھے ہر صورت حجاب واپس چاہیے۔''

''بھائی ایک رات گزر چکی ہے اور......''

''اور کیا؟ ہاں اور کیا؟ ایک رات گزر گئی تو کیا ہم اسے مرنے زندہ در گور ہونے کو چھوڑ دیں؟''

''عون بیٹے بھول جاؤ اب اس بات کو صبر کر لو۔''

پپا نے آگے بڑھ کر میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے وحشت بھرے انداز میں ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"بھول جاؤں؟ صبر کرلوں؟ کیسے؟ نہیں پپا! وہ اسے جینے نہیں دے گا۔ وہ اسے لحہ لحہ مارے گا۔ میں جانتا ہوں اسے۔ میں اسے بہت اچھی طرح جان گیا ہوں۔"

میرا ضبط ایک بار پھر چھلک گیا میں ایک بار پھر سسک اُٹھا تھا۔ مما پپا کو دنیا کا خوف تھا مگر مجھے صرف حجاب کی پرواہ تھی۔ میں اسے اس عفریت سے ہر طور پر بچانا چاہتا تھا۔ پھر میں سب کچھ بھلائے اسی کوشش میں لگ گیا۔ انسپکٹر شیراز سے میں نے کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ اور اسے حجاب کی بازیابی کا کہا تھا۔ وہ ایک دیانت دار محنتی پولیس مین تھا۔ جی جان سے اس مشن پر لگ گیا۔ اس نے مجھے ایک جدید فون دیا تھا میری سم اس نے اس میں لگا دی تھی۔

"جب بھی اس کا فون آئے آپ نے لازمی کال اٹینڈ کرنی ہے۔ اس سے ہمیں اس کی رہائش کی لوکیشن وغیرہ سمجھنے میں بہت سہولت اور مدد ملے گی۔"

اور میں نے اس تلاش کو کامیاب بنانے کی خاطر اپنے ضبط، اپنے حوصلے کو آخری حد تک آزما لیا تھا۔ اس کی واہیات اور گندی باتیں سننا آسان نہیں تھا مگر مجھے خود پر جبر کرنا پڑا تھا۔ اور پھر تیسرے دن مسلسل کوشش اور تگ ودو کے بعد ہم اس کے ٹھکانے کا کھوج لگا کر وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ پورا گھر خالی تھا۔ بس چند ملازم تھے۔ ملازمہ کم عمر لڑکی تھی پولیس کو دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ شیراز نے واچ مین سے جو کچھ بھی پوچھا وہ صاف منکر ہو گیا تھا۔ وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ دو دن پہلے یہاں کوئی آدمی کسی اغوا شدہ لڑکی کو لایا ہے۔ شیراز نے ایک دو تھپیڑ بھی اسے مارے مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں سرکا۔

"ہماری صاحب تو شادی شدہ ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے کسی کام سے گئی ہے۔"

"اور تمہاری مالکن؟ وہ کہاں ہے؟" وہ غرایا تھا۔ جواب ندارد

"شیراز کہیں تمہیں غلطی تو نہیں لگ رہی۔ میرا مطلب ہے کہ......"

"ہرگز نہیں۔ وہ سیل فون ابھی بھی اسی گھر کے کسی کمرے میں موجود ہے۔ اینی وے ابھی سچ سامنے آجائے گا میرے کانسٹیبل اندر گئے ہیں تلاشی لینے۔"

اس نے یقین سے کہہ کر ایک طرح سے میری تسلی کرائی تھی۔ اس سے پہلے کہ اندر سے تلاشی لے کر کانسٹیبل باہر آتے حجاب کہیں سے نکل کر اچانک ہمارے سامنے آگئی۔ وہ اسی لباس میں تھی جو وہ گھر سے پہنے ہوئے تھی۔

"بھیا!......" اس کے ہونٹ کانپے تھے پھر وہ بھاگ کر مجھ سے آ کے لپٹ گئی تھی۔ میں نے بے ساختگی میں اپنی بانہوں کا مضبوط حصار اس کے گرد تان کر اس کی پیشانی کو محبت اور نرمی سے چوما۔ شیراز اسی وقت حجاب کا بیان لینا چاہ رہا تھا مگر میں نے مداخلت کی تھی۔ وہ کچھ متذبذب نظر آیا مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے

یہ بات مان لی تھی۔ شیراز واپس گاڑی میں آیا تو اس نے مجھے جو خبر سنائی اس نے مجھے ہونٹ بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شاید وہ ملازمہ سے حجاب اور ابوداؤد کے نکاح کی تصدیق کر کے آیا تھا۔ مگر میں اس نکاح کی حقیقت جانتا تھا۔ یہ محض ایک فراڈ تھا یہ بات شیراز کو بتانے والی نہیں تھی۔ مگر غم و غصے اور طیش میں میرے منہ سے نکل گئی۔ انسپکٹر شیراز سے میری اکثر میٹنگ ہونے لگی۔ اسی بھرپور تعاون پر میں اس کا مشکور تھا۔ مگر وہ بار بار ایک ہی بات کہتا تھا کہ اگر واقعی نکاح ہو چکا ہے اور وہ اصلی ہے تو پھر آپ اپنی سسٹر کو اس سے زیادہ دیر تک نہیں بچا سکتے۔ میں قانونی چارہ جوئی کا سوچ چکا تھا۔ مجھے ہرگز یقین نہیں تھا کہ ابوداؤد نے حجاب سے نکاح کیا ہے۔ وہ جتنا کمینہ تھا ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ بہر حال اگر ایسا ہوتا بھی میں تب بھی حجاب کو اس جیسے کم ظرف اور کمینے انسان کو کبھی نہ سونپتا۔ وہ اس قابل تھا ہی نہیں۔ حجاب کو اس کی پہنچ سے نکال کر میں کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا مگر شاید مما خوش نہیں تھیں۔ میں نے ان دنوں انہیں اتنا مضطرب اور بے کل دیکھا کہ حد نہیں۔

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں مما! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا نے ہمیں بڑے کرائسس سے نکال لیا ہے۔ یہ تو بہت معمولی مسئلہ ہے۔"

اپنے تئیں میں نے انہیں تسلی دلاسہ دینے کی کوشش کی تھی مگر وہ پھر بھی تشویش کا شکار رہیں

"ایک دنیا کو خبر ہو چکی ہے بیٹے! کہ وہ خبیث ہماری بیٹی کو پورے تین دن اپنی تحویل میں رکھ چکا ہے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ وہ تمہاری جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ پہلے بھی اس نے دریغ رکھ کر تو گولیاں نہیں چلائی تھیں اب پھر اگر خدانخواستہ......!"

انہوں نے دہل کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ میں نے پرتپش نظروں سے کسی قدر خفگی سمیت انہیں دیکھا

"تو اس کا کیا مطلب مما! مجھے زندہ سلامت رکھ کر آپ یا ہم حجاب کی قربانی دے دیں عزت کی بھی، جان کی بھی؟ یہ فیئر ہوگا یا پھر یہ ہمیں زیب دیتا ہے؟"

میں اتنا خفا، اتنا غصیلا ہو رہا تھا کہ چیخ پڑا۔ مما نے خائف نظروں سے مجھے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر آنسو بہانے لگیں تو مجھے خود کو کمپوز کرنا پڑا تھا۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ موت کا ایک دن متعین ہے۔ کسی کی بھی جرأت نہیں کہ اسے ایک لحہ بھی آگے پیچھے سرکا سکے۔ مما پھر ہم کیوں اس کے خوف سے اپنی عزت اور ایمان کا سودہ کرتے پھریں۔ نو مما! نو کمپرومائز! آپ مجھے بزدلی کے سبق مت پڑھائیں۔ میں حجاب کے ساتھ ہرگز بھی کوئی زیادتی نہیں ہونے دے سکتا۔"

میرا لہجہ دوٹوک اور قطعی تھا۔ مما نے بے بس نظروں سے مجھے دیکھا تھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں بے حد مطمئن ہو کر وہاں سے اُٹھا تھا۔

☆☆

میں حجاب کے حوالے سے پریشان تھا۔ ابوداؤد سے کسی بھی برائی کی توقع اب عبث نہیں رہی تھی۔

بھی میں۔ خصوصی طور پر حجاب سے بات کی تھی۔ اس نے اس موقع پر جو بات مجھ سے کہی وہ میرا ضبط چھلکانے کا باعث بنی تھی۔ میری توقع کے عین مطابق وہ اس جھوٹے نکاح کو صحیح سمجھے بیٹھی تھی۔ میرے منہ سے حقیقت سن کر اسے شاک تو لگا تھا مگر یہ ازحد ضروری تھا۔ کبھی کبھار سچائی جتنی بھی تلخ ہو آگاہی جتنی بھی کڑی ہو مگر ضروری ہوتی ہے۔ پھر اسی دن میرا وہ خوف اور خدشہ میرے سامنے آ گیا۔ ابوداؤد نے اپنی چال چلی تھی۔ شاک مجھے اس وقت لگا جب اس کے بھیجے پولیس آفیسر نے ثبوت کے طور پر اصل نکاح نامے کی کاپی مجھے دکھائی۔ مجھے لگا تھا میں ایک دم شکستہ ہو گیا ہوں۔ مجھے شکست فاش دینے اور حجاب کو تختہ مشق بنانے کی غرض سے اس نے بڑا مضبوط اور پکا کام کیا تھا۔ میری پوزیشن ایسی نہیں رہی تھی کہ میں حجاب کے دفاع کے لیے کوئی قدم اُٹھا سکتا اور وہ پھر اس مکروہ شخص کی تحویل میں چلی گئی۔ میرے شب و روز ایک مرتبہ پھر کانٹوں پر بسر ہونے لگے۔ بنا دیکھے بنا جانے بھی مجھے اندازہ تھا حجاب کی زندگی کیسی ہو سکتی تھی۔ وہ ایسی اضطراب کی گھڑیاں تھیں کہ میں جس نے کبھی زندگی میں اسموکنگ نہیں کی تھی ان دنوں ہر پل آگ سے کھیلنے لگا۔ میری توجہ جیسے ہر سمت سے ہٹ کر حجاب پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ میں ہارٹ پیشنٹ بن کر رہ گیا۔ مما، پپا ہی نہیں تینوں بھائی بھی میری وجہ سے بہت پریشان تھے مگر میں ان کی پریشانی رفع کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں رہا تھا۔ یہ محبت جو ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ آزمائش بن کر آتی ہے کڑی آزمائش! میں بھی اسی آزمائش سے گزر رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی گزرا تھا۔ جب بریرہ نے مجھے دھوکہ دیا تھا اور بے وفائی کا کاری زخم لگا گئی تھی۔ مگر تب میں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ وہ میرا اپنا دکھ تھا میں برداشت کر گیا۔ یہ میری ہنی کا دکھ تھا جو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ جو میری زندگی کا روگ بن گیا تھا۔ جو میری جان لے رہا تھا۔

☆☆

اداس موسم میں زرد پتے
منتظر ہیں بہار تیرے
نہ جانے کتنی رتوں سے پیاسے
یہ دشت تم کو بلا رہے ہیں
کبھی تو لوٹو
کبھی تو پلٹو
کہ زندگی میں ویرانیاں ہیں
بنا تمہارے یہ موسم کی ادائیں دیکھو
کبھی ہنسائیں کبھی رلائیں
تمہی کہو
اب کیا کریں ہم
یادر کھیں یا بھلا جائیں

بے کیف دن، طویل راتیں اور اداس زندگی، بس اب یہی انداز تھے جینے کے۔ پتا نہیں کتنی صدیاں بیت گئیں تھیں پھر ایک روز مجھے ایک انجان نمبر سے ایک کال آئی تھی۔ وہ کوئی خاتون تھیں۔ جنہوں نے اپنا تعارف مجھے ابوداؤد کی بھاوج کے طور پر کرایا تو میرے ہونٹ باہم پیوست ہو گئے تھے۔ پھر جو کچھ ان کی زبانی مجھے پتا چلا وہ سب جیسے میں جانتا تھا۔ اضطراب کی اصل وجہ یہی تو تھی۔ انہوں نے مجھ سے ابوداؤد کے رویے کی معذرت کی تھی اور ہر ممکن طریقے سے حجاب کو وہاں سے نکالنے کی استدعا کے ساتھ اپنے تعاون کا یقین بھی دلایا تھا۔ میں اسی پل آفس سے گھر جانے کو اُٹھ گیا۔ میرے چہرے پر یقیناً کوئی غیر معمولی تاثر تھا کہ مما مجھے دیکھ کر چونک گئی تھیں۔

"خیریت ہے بیٹے؟" انہوں نے مجھے بے اختیار تھام لیا تھا۔ اور میں بے آسرا بچے کی طرح ان کے وجود سے لگ گیا تھا۔

"مما حجاب بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ اگر ہم اسے اس عقوبت خانے سے نکال کر نہیں لائے تو وہ مر جائے گی۔ اس کی موت کا ذمہ دار صرف میں ہوں گا۔ مما اگر اسے کچھ ہوا تو میں پہلے مر جاؤں گا۔ میں شوٹ کر لوں گا خود کو۔"

میں حواس بحال نہیں رکھ سکا تھا۔ غم و غصے، تشویش، تفکر اور گھبراہٹ نے مل جل کر مجھے ادھ موا کر دیا تھا۔ مما میری حالت پر گھبرا گئی تھیں اور مجھے سنبھالنے کی سعی کرنے لگیں۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے بیٹے! اور تم کہاں جانا چاہ رہے ہو؟"

مجھے عجلت میں تیار ہوتے دیکھ کر وہ سراسیمہ ہونے لگی تھیں۔

"میں آپ کو سب کچھ واپس آ کے بتاؤں گا مما! ابھی سمجھ لیں میرے پاس اتنا ٹائم نہیں۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ حجاب وہاں میری منتظر ہے۔"

میں ان کی پکاروں کو نظر انداز کرتا عجلت میں نکل گیا تھا۔ کراچی سے لاہور تک کا سفر اسی تشویش اور اضطراب میں مبتلا رہ کر کیا تھا۔ میں وہاں پہنچا جو ایڈریس مجھے دیا گیا تھا تو ابوداؤد کی بھاوج نے ہی میرا استقبال کیا تھا وہ کچھ عجلت اور گھبراہٹ کا شکار نظر آتی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ یہ کام راز داری سے کر رہی ہیں۔ میں ان کی ہمدردی پر مشکور ہو کر رہ گیا۔ حجاب کو دیکھ کر مجھے دھکا لگا تھا۔ وہ اتنی ویک اور زرد ہو رہی تھی کہ پہلی نظر میں مَیں اسے پہچان نہیں سکا۔ میرے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ ابوداؤد میری سوچ سے کہیں بڑھ کر کمینگی پر اُتر آیا تھا۔ حجاب میرے ساتھ واپس نہیں آنا چاہتی تھی مگر یہ بات اس کی ماننے والی نہیں تھی۔ جبھی میں اسے سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ مما سمیت سب کو اسے دیکھ کر دھچکا لگا تھا۔ میرا خود دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ اب میں اسے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ابوداؤد یقیناً پوری تیاری اور عیاری کے ساتھ میدان میں اُترا تھا جبھی ہر معاملے میں مجھے شکست سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔ مگر اس شکست سے خائف ہو کر میں حجاب کی سیفٹی کی تدبیر سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اپنی سی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ مما اور ثانیہ جیسی سمجھدار خواتین کی زیر نگہداشت اور محبت کی وجہ سے حجاب کی نقاہت

اور کمزوری ختم ہوتی چلی گئی۔ یہ اللہ کا بہت خاص کرم تھا کہ اُس نے حجاب کو سنبھلنے کی ہمت عطا فرمائی تھی۔ حالات کسی حد تک قابو میں آگئے۔ حجاب بھی بظاہر سنبھلی ہوئی لگنے لگی تھی۔ میں اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھتا تو مجھے زندگی کا پھیکا پن ختم ہوتا ہوا محسوس ہوتا۔ حجاب کی طرف سے مما کی فکر ختم ہوئی تو انہیں ایک بار پھر میری شادی کا شوق چرا گیا تھا۔ اس مرتبہ ان کے اصرار میں اتنی شدت تھی کہ میں بوکھلا کر رہ گیا۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنی بات کو منوانے کی غرض سے ثانیہ اور حجاب کو بھی میرے پیچھے لگا دیا تھا۔ مگر یہ ایسا معاملہ تھا کہ میں کسی کی بھی ماننے اور سننے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ مما کا دھیان اپنی جانب سے ہٹانے کی غرض سے میں نے انہیں عیسیٰ کی شادی کا مشورہ دیا تھا۔ مقصد انہیں بہلانا تھا جس میں میں کامیاب رہا تھا۔ مما نے جی جان سے لڑکی تلاش کی۔ پتا نہیں ان کے دل میں کیا سمائی ہوئی تھی کہ وہ اس معاملے میں ہر جگہ مجھے ساتھ رکھ رہی تھیں۔ جس روز وہ لڑکی دیکھنے گئی تھیں اس روز بھی مجھے زبردستی ساتھ لے کر گئیں۔ حالانکہ اس روز میری میٹنگ تھی۔ اور میں نے جان چھڑانے کی کوشش بھی کی تھی مگر وہ مان کر نہیں دیں۔ عیسیٰ پڑھنے کی غرض سے باہر جا چکا تھا۔ موسیٰ اور فیضان کو وہ ان معاملوں میں اتنا نہیں ڈالا کرتی تھیں۔ میں نے یہی سمجھا تھا جبھی ان کی بات مان لی تھی۔ مما کو لڑکی کے گھر پر چھوڑ کر میں آفس جانے کو اسی لمحے واپس پلٹ گیا تھا۔ ڈرائینگ روم سے نکل کر کاریڈور کا موڑ مڑ رہا تھا جب کوئی اپنے دھیان میں چلتا ہوا زور سے مجھ سے ٹکرایا تھا۔ میں کچھ بوکھلا کر متوجہ ہوا تو یہ بوکھلاہٹ شدید خجالت میں بدل گئی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھی۔ اپنے نرم و نازک سراپے کے ساتھ میری جیسی خجالت اور خفت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں بے ساختہ نظریں چرا گیا۔

”آئی ایم ساری!“

مجھے کچھ تو کہنا تھا۔ اپنی بات مکمل کر کے میں رکا نہیں تھا۔ اپنا ڈھلک جانے والا چشمہ ناک پر سیٹ کرتے ہوئے میں کترا کر نکل آیا تھا۔ یہ بات اتنی معمولی اور غیر اہم تھی کہ اسے یاد رکھ ہی نہیں سکتا تھا مگر جب وہاں سے مما لڑکی کی پسندیدگی اور تعریفوں کے ساتھ لوٹی تو بے حد خوش تھیں۔ اس کی تصویریں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے مجھے زبردستی تصویر دکھانا چاہی تھی اور ایک طرح کا شکوہ بھی کیا تھا۔ میں تصویر پر ایک نگاہ ڈالتے ہی حیران ہو گیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو کاریڈور میں ہوا کے گھوڑے پر سوار مجھ سے ٹکرا گئی تھی۔ وہ لڑکی واقعی بہت انوسینٹ اور پیاری تھی عیسیٰ کے ساتھ بہت سوٹ کرتی۔ مما کی خوشی نے مجھے بھی مطمئن کر دیا تھا۔ مگر شاید یہ اطمینان مجھے راس نہیں آسکا تھا۔ جبھی سارا معاملہ ایک دم چوپٹ ہو گیا تھا۔ اور جس انداز میں سب کچھ درہم برہم ہوا اس نے مجھے چکرا کے رکھ دیا۔ عیسیٰ کے انکار اور اس کے بعد گھمبیر ہو جانے والی صورتحال نے مجھے اس حد تک فورس کیا کہ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہ گیا کہ میں ڈوبتی عزت کی اس ناؤ کو بچانے کی اپنی سی کوشش کروں۔ میں! جس کی وجہ سے ایک بار نہیں دو مرتبہ اس گھر اور اس کے مکین شدید اضطراب کرب اور ذلت سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ اب اس صورتحال میں یہ میرا حق تھا یہ میرا فرض تھا کہ اس موقع پر میں قربانی دیتا اور میں نے قربانی دے دی تھی۔ اس کے باوجود کہ میں ذہنی و قلبی طور پر اس کام کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ پتا نہیں یہ کیسی قربانی تھی جس پر دل آمادہ نہیں تھا۔ شاید نہیں یقیناً یہ مجبوری کا بندھن تھا جو

مجھے باندھنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

☆☆

یہ کوئی نہ جانتا تھا
میری تار تار محبتیں
میری دل فگار محبتیں
میری بے وقار محبتیں
جو اجڑ سکیں نہ پنپ سکیں
سر شاخ دل نہ سجا کبھی کوئی لمحہ کھلنے گلاب سا
سر باب جاں نہ رقم ہوا کوئی سانحہ۔ کوئی المیہ
میری بے یقین محبتیں
نہ عطا ہوئیں انہیں دیر میں نہ شرف ہی شہرت عام کا
نہ سند ہی کوئی دوام کی نہ وصال ہی کوئی سرخوشی
نہ تو شدتیں غم ہجر میں، جو گریزاں ان سے صعوبتیں
سب ہی راحتیں بھی تھیں اجنبی، نہ رقابتوں میں خلوص تھا
نہ تھیں استوار رفاقتیں کسی قید میں، کسی جبر میں، رہیں کور چشم بصارتیں
سو کتاب جاں کی عبارتیں، نہ سفید ہوئیں نہ سیاہ ہی
وہی ایک رنگ تھا سرمئی، وہ جو پیرہن ہے شام کا
یونہی عمر ساری گزر رگئی۔ کسی سرشیدہ سوال میں
کسی خواب کے سے خیال، میں کسی خوف جیسے ملال میں
اک عجب سی صورتحال میں
میری بدنصیب محبتو! میری ایک بات یہ جان لو
کبھی معتبر بھی جو ہو گئیں، اس زندگی میں ہی تم اگر
تو یہ دیر پا خوشی مجھے نئے دکھ سے کر دے گی آشنا
میں کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں گا وہ خوشی برتنے کا ذوق و شوق
جسے وقت لے کے بھی جا چکا

دسواں حصہ

سب سے زیادہ خفا میں عیسٰی سے تھا۔ اسی کی وجہ سے مجھے سب کرنا پڑا تھا۔ بات صرف میری ناپسندیدگی کی ہی تو نہیں تھی۔ فریق ثانی کے لیے بھی کوئی راہِ فرار نہیں چھوڑی گئی تھی۔ یہ سراسر مجبوری اور جبر کا بندھن تھا ایسے بندھن پائیدار کہاں ہوتے ہیں۔ پھر روشانے کو میں دیکھ اور مل چکا تھا وہ بہت کم عمر تھی۔ مجھ سے کم از کم بھی بارہ تیرا سال چھوٹی ہوگی۔ انڈراسٹینڈنگ ہونا تو دور کی بات، وہ تو شاید مجھے ایکسپکٹ بھی نہ کرتی۔ مگر نہیں ایکسپکٹ تو وہ کر چکی تھی۔ پھر وہی مجبوری۔ انسان اپنے رشتے ناطوں میں کس بے بسی سے جکڑا ہوا ہے۔ شادی کی ہر تقریب میں میں بے حد سنجیدہ اور کچھ گم صم نظر آیا تھا۔ عیسٰی بارات کے ساتھ نہیں آیا۔ وجہ ظاہرا تو حجاب کے پاس رکنے کی تھی۔ مگر پتا نہیں کیوں میرا ذہن کچھ مس کر رہا تھا۔ کچھ ایسا جو مجھ سے چھپایا گیا تھا۔ اور یہی چیز مجھے اضطراب بخش رہی تھی۔ تقریب میں، رسموں کے دوران بھی، میرے ذہن میں یہی جوالہ مکھی پکتا رہا۔ کبھی میں حجاب کی وجہ سے اَپ سیٹ ہونے لگتا۔ ابو داؤد جیسے شخص سے کسی بھی کمینگی اور گھٹیاپن کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔ وہ بہت سطحی انداز میں سوچتا تھا۔ جب تک ہم لوگ واپس نہیں آ گئے۔ میں مضطرب اور بے چین رہا تھا۔ اسی دوران میں نے دو سے تین مرتبہ فون پر حجاب کی خیریت معلوم کی تھی۔

"بھائی آج آپ کی شادی ہے یار انجوائے کریں نا پلیز!"

تیسری مرتبہ کال کرنے پر میں نے عیسٰی کی شوخ چلبلاتی آواز سنی تھی میں نے سرخ چہرے کے ساتھ ہونٹ بھینچتے ہوئے فون بند کر دیا۔ گھر پہنچتے ہی میں عیسٰی کی جانب لپکا تھا۔

"حجاب کہاں ہے؟ وہ ٹھیک ہے نا؟"

جواب میں اس نے دانت نکال لیے تھے۔ پھر آنکھیں نچا کر کسی قدر شوخی سے بولا۔

"روشی کی تو ایک ہی نند ہے وہ بھی سو پر بھاری پڑے گی اسے۔ کمال ہے دولہا صاحب نئی نویلی دلہن کو بھولے بہن کی فکر میں ہلکان ہو رہے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے بھیا! وہ ہماری بھی اتنی ہی سگی ہے جتنی آپ کی۔ گستاخی معاف!"

میرے تاثرات میں تلخی اُمڈتے دیکھ کر وہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر دفاعی انداز میں بولا تو میں اس کی مسخری پر دھیان دیے بنا اندرونی حصے کی جانب لپکا تھا۔ اس بات کو بھول کر کہ مما پیچھے سے مجھے آوازیں دے رہی تھیں۔ انہیں شاید وہاں بھی کچھ رسمیں وغیرہ کرنی تھیں۔ میں نے ایک نظر پلٹ کر انہیں دیکھا اور ان سنی کیے

اندر بڑھتا چلا گیا۔ پتا نہیں کیوں اس پل میرے دل کو پنکھ لگ رہے تھے۔ حجاب کی تلاش میں میں اس کے کمرے میں گیا تھا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ مگر اُلٹے قدموں مڑا تو بدحواس سی زبیدہ سے ٹکراؤ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

"صاحب وہ وہ چھوٹی بی بی کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے جی!"

اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں زور سے چونکا۔

"کہاں ہے حجاب!" میں چیخ پڑا تھا۔

زبیدہ نے ہاتھ سے کچن کی سمت اشارہ کیا۔ میں اندھا دھند اس سمت بھاگا تھا۔ حجاب وہیں تھی۔ کچن کے فرش پر وہ مجھے بے ترتیب پڑی نظر آئی تو میرا دل سہم سا گیا تھا۔

"حجاب! حجاب! آنکھیں کھولو۔"

میں وحشت زدہ ہو کر اس پر جھکا اور اسے جھنجھوڑا۔ وہ تقریباً بے ہوش ہو چکی تھی۔ میں اسے بانہوں میں اُٹھا کر باہر بھاگا تھا۔ مما اور عیسٰی بھی عجلت میں میرے ساتھ گاڑی تک آئے تھے۔ اگلے لمحے گاڑی ہاسپٹل کی جانب دوڑ رہی تھی۔

☆☆

وہ ساری رات بہت اضطراب میں گزری تھی۔ میں جتنا بے کل تھا اسی قدر افسردہ۔ مما نے دو تین مرتبہ میرے پاس آ کر مجھے گھر واپس جانے کا کہا تھا۔ مگر میں ہرگز بھی اس بات پر آمادہ نہیں تھا۔ بلکہ مجھے مما کی بات سن کر ہر بار غصہ آیا تھا۔

"بہت غلط بات ہے بیٹے! دلہن کیا سوچے گی؟ ہم ہیں نا یہاں۔"

انہوں نے جب چوتھی بار بھی مجھ سے یہ بات دبے دبے انداز میں آ کر کہی تو میں بے حد چڑ کر رہ گیا تھا۔

"آپ کی بہو میرے انتظار میں پلکیں فرش راہ نہیں کیے بیٹھی ہوگی مما! بلکہ شکر کر رہی ہوگی کہ جان چھوٹی۔ میری بہن آئی سی یو میں ہے اور میں گھر جا کے آرام کروں کتنی عجیب بات ہوگی یہ۔"

میرے تلخ و ترش انداز اور متاسفانہ لہجے پر مما نے مجھے بے حد ناراضی سے دیکھا تھا۔

"خدانخواستہ وہ کیوں شکر کر رہی ہوگی کہ جان چھوٹی؟ اپنے پاس سے مفروضے گھڑ کے اس پر الزام لگانے کی ضرورت نہیں ہے اچھا!"

انہوں نے مجھے بری طرح سے ڈانٹا تھا۔ میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ کچھ دیر مجھے آس بھری نظروں سے دیکھتی رہی تھیں مگر میں بے نیازی کا تاثر دینے کو دوسری جانب دیکھتا رہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر رہ گئی تھیں۔ اسی وقت آپریشن روم کا دروازہ کھلا تو میں باہر آئی ڈاکٹر کی جانب لپکا تھا۔

"پیشنٹ کے شوہر کدھر ہیں؟"

ڈاکٹر کا انداز پیشہ وارانہ تھا میں نے آہستگی سے بتایا وہ نہیں ہے اور اپنے تعارف کے بعد حجاب کی

خیریت دریافت کی تھی۔'

''دیکھئے عون صاحب! ہمیں چھ پیپرز پر سائن چاہیے جو پیشنٹ کے سرپرست کے ہونے چاہیے۔ سیزیرین ہوگا۔ اسی میں آپ کو پتا ہے ڈیفی کلٹی بھی ہوسکتی ہے۔ آپ کاؤنٹر پر چلے جائیں فائل وہیں ہوگی سیگنیچر کردیجیے گا۔ تھینکس۔''

ان پیپرز پر سائن کرتے ہوئے میرے ہاتھوں میں لرزش اور آنکھوں میں دھند اُتر آئی تھی۔ دل تمام تر شدتوں سے حجاب کی زندگی اور تندرستی کے لیے خدا کے حضور سجدہ ریز تھا۔ یہ خدا کا ہی کرم تھا کہ تہجد کی اذان کی ساتھ حجاب کی مشکل کو خدا نے آسان کیا تھا اور اس کے قدموں کے نیچے جنت بچھا دی تھی۔ اس کے ہوش میں آجانے تک میں مضطرب ہی رہا تھا۔ رات کو میں مما اور عیسیٰ حجاب کو لے کر ہاسپٹل آئے تھے۔ صبح حجاب کے بچے کی خوشخبری سن کر پپا عیسیٰ، فیضان، ثانیہ اور موسیٰ بھی باری باری حجاب اور بچے کو دیکھنے آگئے مگر مجھے اس وقت ناگواری کا احساس ہوا تھا جب میں نے روشانے کو بھی وہاں دیکھا تھا۔ مہندی لگے ہاتھوں پیروں کی وجہ سے وہ بہت سارے لوگوں کی نظروں میں آرہی تھی۔ مما کے ساتھ پپا بھی مجھے واپس گھر بھیجنے اور آرام کرنے کا مشورہ بار بار دینے لگے۔ میں جانا نہیں چاہتا تھا مگر ان لوگوں کے سامنے میری کوئی پیش نہیں چلی تھی۔ جس وقت میں گھر جانے کو اُٹھا تھا۔ پپا نے روشانے اور ثانیہ کو بھی ساتھ لے جانے کا کہہ دیا تھا۔ میں گہرا سانس بھرتا کوٹ کی جیب میں گاڑی کی چابی کی موجودگی کا اطمینان کرتا کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ دونوں مدھم آواز میں باتیں کرتی میرے پیچھے آرہی تھیں۔ جب ہم لوگ پورٹیکو میں پہنچے اس پل فیضان ہاٹ لائن کا ڈبہ اُٹھائے بائیک اسٹینڈ کرتا ہوا ہماری جانب آیا تھا۔

''روشی تم چلی جاؤ گھر، میں فیضان کے ساتھ آجاؤں گی۔''

ثانیہ کو پتا نہیں کیا سوجھی تھی کہ ایک دم سے فیصلہ بدل لیا۔ اس کے لہجے کی معنی خیزی پر میں نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی اور وہ روشانے کی سمت جھک کر سرگوشی میں کچھ کہہ رہی تھی۔ روشانے بری طرح جھینپی تھی اور اس نے پلکیں اُٹھا کر لمحہ بھر کو مجھے دیکھا تھا۔ مجھے اپنی سمت متوجہ پا کے وہ گڑبڑا گئی تھی۔ میں ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔

''بھیا سنبھالیں اپنی دلہن کو اور ہاں اسے ٹائم پر پارلر بھیج دیجیے گا۔ آج ولیمہ ہے آپ کا۔''

ثانیہ نے ہنستے ہوئے روشانے کو میری طرف دھکیلا تھا اور خود فیضان کے پیچھے چلی گئی۔ روشانے کے چہرے پر گلال بکھر گیا تھا۔ مگر میں ہنوز سنجیدہ تھا۔ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر میں نے گاڑی کی چابی نکالی تھی اور فرنٹ دروازہ اَن لاک کرنے کے بعد خود ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔ راستے میں ہمارے درمیان خاموشی رہی تھی۔ اس کی چوڑیوں کی جلترنگ بار بار گاڑی کے ماحول کو ڈسٹرب کرتی تھی تو میں بھی چونک سا جاتا تھا۔ گاڑی پورٹیکو میں روک کر میں اس کے اُترنے کا انتظار کیے بنا لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے روم میں چلا آیا۔ کوٹ اور رسٹ واچ اُتار کر رکھتے ہوئے میں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ ساتھ ہی چوڑیوں کی کھنک آنے والی کی خبر

از خود ہوگئی۔ میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور اطمینان سے اپنا کام کیا تھا۔ ٹائی اُتار کر بستر پر پھینکتے ہوئے میں شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے وارڈروب کی سمت بڑھا تو اسے پہلے سے وہاں مصروف پاکر وہیں تھم گیا۔ وہ پتا نہیں کس کام میں لگ گئی تھی۔

''آپ کے لیے کرتا شلوار رکھوں یا ٹراؤزر شرٹ؟''

ذرا سا رخ پھیر کر اس نے مجھے مخاطب کیا تو میں نے جیسے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ ہٹ جائیں میں خود کرلوں گا۔''

میں نے جواباً رسانیت سے کہا اور آگے بڑھ کر اس کی سنے بغیر سرمئی کرتا شلوار کا ہینگر نکال کر کپڑے لیے اور واش روم میں گھس گیا۔ ہاتھ لے کر تولیے سے سر خشک کرتا باہر آیا تو وہ کمرے میں نہیں تھی میں نے دھیان دیے بغیر ڈریسنگ ٹیبل تک آکر برش سے بال بنائے تھے۔ میرے جوتے ریک میں اور کوٹ ہینگ ہو چکا تھا۔ ٹائی بھی اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ یہ یقیناً روشانے کی کارگزاری تھی وہ بہت سلیقہ مند لگتی تھی۔ میں بستر تک آنے سے قبل انٹرکام تک گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں ریسور اُٹھا کر زبیدہ کو چائے کی تاکید کرتا وہ ایک بار پھر دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ میری نگاہ سرسری انداز میں اُٹھی تھی۔ پیازی فراک پر بے حد حسین کام تھا۔ کھلے ریشمی بالوں کے درمیان اُجلا دودھیا ملکوتی نقوش سے سجا چہرا، دوپٹہ ایک سائیڈ پر پڑا تھا چوڑی دار پاجامے میں وہ قدیم مغلیہ دور کی کوئی حسین کردار لگ رہی تھی۔ میری نظروں کو محسوس کرکے وہ اچھی خاصی کنفیوژ ہوئی تو میں فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل کر بیڈ کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی پھر چھوٹا میز اُٹھا کر بیڈ کے ساتھ رکھنے کے بعد ٹرے میرے نزدیک رکھ دی۔

''آپ نے خوامخواہ زحمت کی۔ میں چائے کے علاوہ کسی چیز کی طلب محسوس نہیں کررہا تھا۔''

میں نے رسانیت سے کہا تھا اور ہاتھ بڑھا کر چینی مکس کرکے چائے کا مگ اُٹھالیا۔ سپ لیتے ہوئے میری نگاہیں غیر شعوری طور پر اس کے لرزیدہ بے حد سفید ہاتھوں پر جا ٹھہریں۔ سلائس اُٹھا کر اس نے مکھن لگایا تھا پھر سلائس کو پلیٹ میں رکھنے کے بعد میری جانب بڑھا دیا۔

''خالی معدے کے لیے چائے نقصان دہ ہوتی ہے۔ آپ یہ ساتھ لے لیں۔''

انداز کی خاصیت نے مجھے ٹھٹکا کے رکھ دیا۔ کیا وہ اتنی جلدی حالات سے سمجھوتہ کرچکی تھی؟ وہ بھی اس صورت کہ عیسیٰ بھی اسی گھر میں اس کے آس پاس تھا۔ کچھ کہے بغیر میں نے پلیٹ تھام لی تھی اور سلائس کو فولڈ کرکے ہاتھ میں لیتے ہوئے ایک بائٹ لیا۔

''آپ ناشتہ نہیں کریں گی؟''

اسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے دیکھ کر میں نے الجھے سے استفسار کیا تھا۔ وہ جیسے چونکی۔ پھر سر کو نفی میں جنبش دی۔

''میں کرچکی ہوں۔'' ایکچوئلی میں ارلی مارننگ بریک فاسٹ میں جوس یا دودھ لینے کی عادی

ہوں۔کالج جانا ہوتا تھانا۔"

اس نے مسکرا کر بتایا تو میں نے محض سر ہلا دیا تھا۔سلائس اور چائے ختم کر کے میں واش روم جا کے ہاتھ دھونے کلی کرنے کے بعد اندر آیا تو وہ برتن سمیت کرٹرے میں رکھ رہی تھی۔

"آپ رہنے دیں میں زبیدہ سے کہہ دیتا ہوں وہ برتن لے جائے گی۔"

اُسے ٹرے سمیت باہر جاتے دیکھ کر میں نے ٹوکا تھا۔وہ ایک دن کی دلہن تھی مجھے اس کا یوں کام کرنا مناسب محسوس نہیں ہوا تھا۔

"ارے نہیں اتنا سا تو کام ہے میں ابھی آ جاتی ہوں۔"

وہ ایک بار پھر مسکرائی تھی تو میری نگاہ اس کے داہنے گال پر پڑتے بھنور میں جیسے اُلجھ کر رکی وہ پلٹ گئی تھی۔میں گہرا سانس بھر کے بستر پر دراز ہو گیا۔اتنا تھکا ہوا تھا کب آنکھ لگی مجھے پتا ہی نہیں چل سکا۔

☆☆

میں سو کر اُٹھا تو میری نگاہ کروٹ بدلتے ہوئے روشانے پر جا پڑی تھی۔بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بالوں میں انگلیاں پھیلاتے ہوئے وہ بہت مگن انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی۔کچھ اس قدر محو ہو کر کہ شاید میرے بیدار ہونے کی بھی اسے خبر نہیں ہوئی تھی۔میں ایک دم سا کن سا ہو گیا۔جبکہ وہ پہلے چونکی تھی پھر اتنی خجل ہوئی کہ بے ساختہ چہرے کا رخ پھیر لیا۔میں کچھ حیران، کچھ اُلجھا اُلجھا سا اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ گئی نہیں؟"

اُلجھے بال ہاتھ سے سمیٹ کر پیشانی سے ہٹاتے ہوئے میں نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"مجھے کہاں جانا تھا؟" وہ مجھے استعجاب آمیز نظروں سے تکنے لگی۔

"غالباً پارلر۔" میں نے رسانیت سے کہا تو وہ خفیف سی ہو گئی۔

"جی جانا ہے۔ثانیہ بھابھی تیار ہو رہی ہیں۔"

"کون ڈراپ کر رہا ہے آپ کو؟"

"فیضی بھائی جائیں گے۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اور دوپٹہ اُتار کر چادر اوڑھنے لگی۔میں سلیپر پہن کر باہر آ گیا۔موسیٰ گنگناتے ہوئے اسی سمت آ رہا تھا۔

"پپا آ گئے ہاسپٹل سے؟"

"جی آ گئے ہیں۔اب تو ولیمہ کا انتظام دیکھتے پھر رہے ہیں۔"

"او کے میں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔پپا پوچھیں تو بتا دینا۔"

میں نے سنجیدگی سے کہا تھا تبھی مما نے مجھے پکار لیا۔میں کچھ حیرانی سے پلٹا۔

"آپ بھی گھر آ گئی ہیں تو حجاب کے پاس کون ہے؟"

"حجاب اب ٹھیک ہے بیٹے! اسی نے خود مجھے گھر بھیجا ہے۔یہاں فنکشن ہے ظاہر ہے ہمیں گھر پر موجود ہونا چاہیے۔میں آپ سے بھی یہی کہہ رہی ہوں آپ اب مت جانا آپ کے پپا بلا رہے تھے آپ کو۔"

"مگر مما حجاب کے پاس کون ہے؟ اسے وہاں تنہا کیوں چھوڑ دیا آپ نے۔"

میں بے طرح جھنجھلایا تھا۔

"تنہا نہیں چھوڑا۔زبیدہ ہے وہاں ڈونٹ وری!"

"زبیدہ کیا کرے گی؟ اسی لیے میں نے کہا تھا آپ لوگ ولیمہ منسوخ کر دیں۔کوئی اتنا ضروری تو نہیں تھا مگر......"

"ضروری کیوں نہیں تھا عون! آپ جانتے ہو ولیمہ سنت نبوی ﷺ ہے۔"

مما نے جیسے مجھے ڈانٹا تھا۔

"مما یہ تقریب بعد میں بھی ہو سکتی تھی۔" میں نے پھر اپنی بات پر زور دیا۔

"عین وقت پر گھر بلائے مہمانوں کو کیسے منع کر دیتے؟ چند گھنٹوں کی بات ہے پھر ہم دوبارہ ہاسپٹل چلے جائیں گے۔آپ ٹینشن کیوں لے رہے ہو ریلیکس!"

میرے قریب آ کر انہوں نے مسکرا کر میرا کاندھا تھپکا تو میں ٹھنڈا سانس بھر کے جز بز ہو کر رہ گیا تھا۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ تمہیں روشی کیسی لگی؟ پیاری ہے نا؟"

انہوں نے یہ سوال بڑی رازداری اور کسی قدر تفاخر سے کیا تھا۔

"جی!!" میرا جواب مختصر مگر بے توجہی لیے ہوئے تھا جسے انہوں نے صاف محسوس کیا۔

"یہ کیا بات ہوئی عون! اتنی پیاری لڑکی مل گئی ہے آپ کو آپ پھر بھی ویسے ہی کول ہو۔"

"مما پلیز! اس ٹاپک کو فی الحال کلوز کر دیں۔آپ جانتی ہیں میں آل ریڈی پریشان ہوں۔"

میں نے کسی قدر عاجزی سے کہا تو انہوں نے جواباً محبت سے مجھے دیکھا تھا۔

"کیوں پریشان ہو؟ مت ہونا پریشان۔بس اب تم خوش رہا کرو۔"

ان کی سادگی پر مجھے ہنسی آ گئی تھی۔

"یہ اتنا آسان تھوڑی ہے مما! حجاب کی زندگی میری وجہ سے اَپ سیٹ ہو چکی ہے۔میں بہت گلٹی فیل کرتا ہوں۔" میں جیسے روہانسا ہونے لگا تھا۔

"خدا سب بہتر کر دے گا بیٹے! بس اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

میرا کاندھا تھپک کر انہوں نے جس اعتماد اور یقین سے کہا تھا وہ مجھے اچھا لگا تھا۔

☆☆

ولیمہ کی تقریب کو سچی بات ہے میں نے بے حد بے دلی سے نپٹایا تھا۔روشانے کی سب نے ہی تعریف کی تھی مگر میں نے نگاہ بھر کے اسے دھیان سے دیکھا بھی نہیں تھا۔میں حجاب کی وجہ سے متفکر تھا۔تقریب کے اختتام تک جیسے میرا ضبط جواب دے گیا تھا۔میں پارکنگ میں موجود موسیٰ کے پاس آیا تھا جو بائیک اسٹارٹ

کرتے ہوئے کہیں اڑان بھرنے کو تیار کھڑا تھا۔

''بائیک کی چابی مجھے دو موسیٰ!''

''کیوں؟ ارے آپ اپنی دلہن کے ساتھ گاڑی میں جائیں نا۔ بائیک ہم غریبوں کے لیے چھوڑ دیں یا پھر بائیک پر دلہن کو لے جانا چاہتے ہیں؟''

تبھی عیسیٰ آن دھمکا تھا اور اس نے آتے ہی ماحول کو خوشگوار تاثر دینا چاہا تھا اپنے تئیں شاید وہ میری خفگی دور کرنے کا خواہاں تھا۔

''تم گاڑی سے چلے جانا۔'' موسیٰ سے چابی لے کر میں نے اسے گویا ہدایت کی تھی۔ اور بائیک لیے ہوٹل کی پارکنگ سے نکل آیا۔ ہوٹل سے ہاسپٹل کا فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ پھر سردی بھی بہت تھی۔ میں ہاسپٹل پہنچا تو مجھے چھینکیں آنا شروع ہو چکی تھیں۔ حجاب مجھے کچھ ڈسٹرب لگی مگر وہ مجھے دیکھ کر حیران بھی ہو گئی تھی۔

''بھیا آپ؟ آپ کیوں آ گئے؟''

''ارے اپنی گڑیا کی طبیعت پوچھنے۔ کیسی ہو؟ اور ہمارا کامریڈ کیسا ہے؟''

میں نے پہلے اس کی پیشانی چومی تھی پھر بچے کو گود میں لے لیا۔ وہ آہستگی سے مسکرا دی۔

''آپ کو نہیں آنا چاہیے تھا بھیا! رات بھی آپ یہیں رہے ہیں۔ روشی کیا سوچے گی؟''

''تم نے اس کا نام سوچا کیا رکھنا ہے؟''

میں نے دانستہ موضوع بدل دیا۔ وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

''اسامہ اچھا نام ہے نا بھیا!''

''شیور بہت پیارا۔ تمہاری پسند ہے تو بس آج سے اس کا یہی نام ہوا۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہہ کر جھک کر بچے کو پھر چوما۔

''روشی کیسی لگ رہی تھی بھیا!''

اس کے سوال نے مجھے خفیف سا کر دیا تھا۔ میں بے ساختہ نظریں چرا گیا۔

''بتائیں نا بھیا!'' وہ جیسے مچل اٹھی میں نے اسے پیار بھرے انداز میں گھورا

''یہ تم اس سے خود پوچھ لینا۔ مجھے کیا پتا؟''

میں کچھ اور بھی خفت زدہ ہو گیا تھا۔ وہ ہنس دی۔

''اس سے تو آپ کا پوچھوں گی نا کہ آپ کیسے لگ رہے تھے؟''

اس نے شریر انداز میں کہا تو میں گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''پھر تو اپنے بھائی کی بدخوئیاں سننے کو تیار ہو جاؤ۔''

میں نے دانستہ اسے چھیڑا مقصد اس کا ذہن ریلیکس کرنا تھا۔ وہ جواباً ہنسنے لگی۔

''بدخوئیاں ہی کیوں؟ تعریفیں کیوں نہیں۔''

ہم باتیں کر رہے تھے جب موسیٰ اور فیضان پپا کے ساتھ وہاں آ گئے تھے۔

''عون آپ اب گھر جاؤ بیٹے''

''مگر پپا!......''

اگر مگر کچھ نہیں۔ بس آپ چلے جاؤ، ورنہ آپ کی مما نے ہم سب پر ڈنڈا اٹھا لینا ہے، محترمہ کل ہی اچھے خاصے غصے میں تھیں کہ ان کی لاڈلی بہو کی حق تلفی ہو گئی۔''

پپا کی بات پر میرا چہرا خفت اور خجالت سے سرخ ہو کر دہکنے لگا۔ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ عیسیٰ کی شرارتی شوخ نظریں جیسے میرے چہرے کو متبسم نظروں سے تک رہی تھیں۔ کچھ کہے بغیر میں وہاں سے نکل آیا تھا۔

☆☆

میں گھر پہنچا تو گھر میں معمول سے کچھ زیادہ چہل پہل تھی۔ گھر کی ساری لائیٹس روشن تھیں اور مما کچن سے باہر کھڑی زبیدہ کو کھانا سمیٹ کر فریز کی ہدایت کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر مسکرائیں۔

''آ گئے بیٹے! حجاب کیسی ہے؟''

''جی! حجاب ٹھیک ہے آپ زبیدہ سے کہہ کر کافی مجھے روم میں بھجوا دیجیے گا۔''

''اچھا بیٹے! میں بھیجتی ہوں۔''

میں کمرے میں آیا تو روشانے سامنے ہی صوفے پر بیٹھی تھی۔ ویسے ہی سجی سنوری ہوئی۔

''آپ نے چینج کیوں نہیں کیا؟''

میں حیرانی سے استفسار کرنے لگا۔ جواباً وہ کچھ نہیں بولی تو میں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''آپ کو ریلیکس ہو کر آرام کرنا چاہیے تھا۔ اچھی خاصی رات ہو گئی ہے۔''

''بھابھی نے مجھے آپ کا ویٹ کرنے کا کہا تھا۔''

وہ بے حد مدھم ہو کر بولی تو میرے اعصاب ایک دم کشیدہ ہو گئے تھے۔ کوٹ کے بٹن کھولتے میرے ہاتھ اسی زاویے پر ساکن ہو گئے تھے۔

''آپ کو چینج کرنے یا آرام کرنے کے لیے میری اجازت کی کیا ضرورت تھی؟''

میں نے کسی قدر سرد آواز میں پوچھا تو وہ کچھ سہم کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے زور سے سر جھٹکا تھا۔

''روشانے میں خواہ مخواہ پابندیاں عائد کرنے والا ٹپیکل شوہر نہیں ہوں سو ریلیکس! جائیں لباس بدل کر سو جائیں۔''

''جی بہتر!''

وہ آنسو بھری آنکھیں لیے اٹھ گئی۔ میں ہونٹ بھینچے کھڑا رہا تھا۔ لباس تبدیل کر کے وہ کمرے میں آئی تو میں بھی ڈریسنگ روم میں جا گھسا تھا۔ سلیپنگ گاؤن میں ملبوس میں واپس آیا تو زبیدہ کمرے میں کافی ک

ک رکھ کر واپس جا رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا پھر لائٹ بجھا کر ٹیبل لیمپ آن کر دیا تھا کافی کے سپ لیتے ہوئے میں نے اس کے کروٹ کے بل لیٹے وجود میں خفیف سے جھٹکے محسوس کیے تو ایک دم ساکن سا ہو گیا۔ وہ شاید میرے لہجے کی سختی کو پا کر ہرٹ ہوئی تھی۔ میں نے کافی کا مگ بے دلی سے واپس رکھ دیا۔

"روشانے!"

بیڈ پر اس کے مقابل بیٹھے ہوئے میں نے بے حد گھمبیر آواز میں اسے پکارا تھا۔ وہ جیسے ساکت سی ہو گئی۔

"پلیز لیسن ٹو می!"

میں نے رسانیت سے کہا تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ مگر اسی طرح کہ چہرے کا رخ میری جانب سے پھیرے رکھا تھا۔ شاید نہیں یقیناً وہ مجھ سے اپنے آنسو چھپانا چاہتی تھی میں نے گہرا سانس بھرا۔

"میں جانتا ہوں ہماری شادی آپ کے لیے غیر متوقع ثابت ہوئی ہے۔ شاید نصیب میں یہی لکھا تھا۔ ہم قسمت کے آگے بے بس ہوتے ہیں۔ میں آپ کو ذہنی طور پر اس بات کو قبول کرنے کو پورا ٹائم دینا چاہتا ہوں۔ جتنا اچانک اور غیر متوقع یہ آپ کے لیے تھی میرے لیے بھی اسی قدر ہے۔ میں مینٹلی اَپ سیٹ ہوں۔ پلیز آپ مجھے بھی کچھ وقت دیں۔ ایکچوئلی میں نہیں چاہتا کہ آپ کے حقوق کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہو۔ میں پورے خلوص اور نیک نیتی سے آپ کو اپنانا چاہوں گا۔ آپ جانتی ہیں نا میں پہلے بھی شادی کر چکا ہوں۔ آپ مجھ سے بہت چھوٹی ہیں میں ہرگز بھی ایسا کوئی تصور نہیں رکھتا تھا۔ یہ سب جتنا اچانک ہوا ہے اسی قدر میں اَپ سیٹ ہوں۔ آپ مجھے وقت دیں گی؟"

نپے تلے الفاظ میں مَیں نے اس پر اپنا نقطہ نظر واضح کیا تھا۔ اس نے رخ پھیر کر مجھے دیکھا۔ پھر بھیگی پلکوں سے مسکرا دی۔

"میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

"تھینکس اے لاٹ!"

میں نے ممنونیت سے کہا تھا۔ اور لیٹنے کے بعد کروٹ بدل لی۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆

وفا کی آرزو کرنا
سفر کی جستجو کرنا
جو تم مایوس ہو جاؤ
تو مجھ سے گفتگو کرنا
یہ اکثر ہو بھی جاتا ہے
کہ کوئی کھو بھی جاتا ہے
مقدر کو ستاؤ گے

تو پھر یہ سو بھی جاتا ہے
اگر تم حوصلہ رکھو
وفا کا سلسلہ رکھو
جسے تم اپنا کہتے ہو
تو اس سے رابطہ رکھو
میں یہ دعوے سے کہتا ہوں
کبھی ناکام نہ ہو گے
محبت کو سمجھ جاؤ
کبھی بدنام نہ ہو گے

میں نے حجاب کو بلایا تھا اور اس سے کھل کر بات کی۔ میں نے اسے بتایا تھا۔ میں عون پر خلع کا کیس دائر کرنا چاہ رہا ہوں۔ میرا خیال تھا وہ اختلاف کرے گی تو میں اسے سمجھاؤں گا۔ یہ طے تھا کہ مجھے حجاب کو اب اس کے پاس واپس نہیں جانے دینا تھا۔ مگر میری توقع کے برخلاف حجاب نے منع نہیں کیا تھا۔

"آپ کا ہر فیصلہ جو بھی آپ میرے لیے کریں گے بھیا مجھے قبول ہوگا۔ لیکن پلیز بھائی اس معاملے کے ختم ہو جانے کے بعد آپ مجھ سے کبھی دوسری شادی کے ٹاپک پر بات بھی نہیں کریں گے۔"

میں نے محسوس کیا تھا اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔ میرے دل پر چوٹ پڑی۔

"یہ بعد کی بات ہے فی الحال موضوع یہ نہیں ہے۔"

میں کترایا تو وہ روہانسی ہونے لگی تھی

"نہیں بھیا پلیز! آپ پرامس کریں مجھ سے، آپ مجھے کبھی فورس نہیں کریں گے۔"

"ہنی گڑیا! ہم پھر بات کریں گے نا!"

میں ہرگز بھی اس سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کرنا چاہتا تھا جبھی اسے ٹوک کر اُٹھ گیا۔ پھر اسی روز میں نے فیضان سے اس معاملے کو ڈسکس کیا تھا اور اسے کہا تھا وہ کل لازمی ابوداؤد کو خلع کا نوٹس بجھوا دے۔ جب ہم اس موضوع پر بات کر رہے تھے میں نے بہت عجلت میں عیسیٰ کو اس سمت آتے دیکھا تھا۔

"خیریت؟ کیا بات ہے؟"

میں نے اس کے متفکر چہرے کو بغور دیکھ کر سوال کیا تو وہ کچھ متذبذب نظر آنے لگا۔

"بھیا آپ حجاب کو طلاق دلوانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں!" میرا جواب دوٹوک اور قطعی تھا۔ وہ کچھ مضطرب نظر آنے لگا۔

"مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔"

"تم سے مشورہ کس نے مانگا ہے؟" مجھے شدید غصہ آیا تھا اسی حساب سے میرا لہجہ بھی درشت ہو گیا۔

"مائنڈ اٹ بھیا! یہ آپ کی زندگی کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ حجاب کی زندگی ہے۔"

"میں حجاب سے پوچھ چکا ہوں۔ وہ بھی یہی چاہتی ہے۔"

میں نے تلخ لہجے میں جیسے اسے جتایا تھا۔ عیسٰی زہرخند سے ہنسا۔

"اچھا! حالانکہ جہاں تک میں جان پایا ہوں وہ ایسا نہیں چاہتی۔ بھیا میں نے اس کی آنکھوں میں غم کو گھات لگائے بیٹھا دیکھا ہے۔ ایک افسردگی دیکھی ہے۔ آپ پلیز اس پر تو غور کریں۔"

غصے سے بات کرتے وہ ایک دم سے دھیما پڑ گیا اس کا گلا جیسے بھرا سا گیا تھا۔ میرے اندر کا اشتعال جیسے دھیما پڑنے لگا۔

"تم کچھ بھی نہیں جانتے ہو عیسٰی! بہتر ہے کہ تم خاموش رہو۔"

مجھے ایسا لگتا ہے بھیا! آپ کچھ نہیں جانتے۔ آپ جلد بازی کا بھی مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کچھ وقت تو دیں انہیں۔ حجاب اب تنہا نہیں ہے۔ بیٹا ہے اس کا۔ بچے کا بھی تو سوچیں۔ اسٹیپ فادر اسے ایکسپٹ کرے گا؟ بھیا جو معاملہ صلح صفائی سے حل ہو سکتا ہے اسے اس طرح کیوں ختم کر رہے ہیں؟"

وہ بے حد عاجز ہو کر بولا تو میں نے گہرا سانس بھر کے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں نے ایسا نہیں کیا ہوگا؟ میں نے ایسا ہی تو کیا تھا۔ مگر وہ کتے کی وہ دم ہے جو سو سال بھی نلکی میں رہے تو سیدھی نہیں ہو سکتی۔ تم بس خاموش رہو اور مجھے جو کر رہا ہوں کرنے دو۔" میں نے نرمی سے کہا تھا اور فیضان کو نوٹس بھجوانے کی تاکید کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆☆

میں آفس سے لوٹا تو لاؤنج سے کسی کے زور سے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے چلتے ہوئے دروازے سے جھانکا۔ اندر عیسٰی صوفے پر بیٹھی روشانے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستا ہوا کچھ کہہ رہا تھا۔ روشانے بھی ہنس رہی تھی۔ دونوں میں سے کسی نے بھی مجھے نہیں دیکھا۔ میں گہرا سانس بھرتا سیڑھیاں چڑھ کر اپنے روم میں آ گیا۔ باتھ لے کر باہر نکلا تو روشی اندر آ چکی تھی۔

"آپ کے لیے چائے بناؤں؟"

وہ میرا کوٹ ہینگر میں لٹکا رہی تھی۔ سلام کرنے کے بعد بولی۔

"جی بنا دیں مگر ذرا جلدی، مجھے کام سے پھر باہر جانا ہے۔"

میں ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے کھڑا ہو کر بال بنانے میں مصروف ہو کر بولا۔ تو وہ سر ہلاتی باہر چلی گئی تھی۔ میں نے بال بنائے پھر رسٹ واچ اُٹھا کر کلائی پر باندھتا کمرے سے باہر آ گیا۔ عیسٰی اور موسٰی دونوں اسامہ کے ساتھ ہال کمرے میں کھیلنے میں مصروف تھے۔

"بیٹے آپ روشی کو شام کو کہیں گھمانے ہی لے جایا کرو۔"

مما اسی وقت وہاں آئی تھیں آتے ہی اپنا من پسند موضوع چھیڑا۔

"جی تو اور کیا؟ اور کچھ نہیں آپ تو واپسی پر بیگم صاحبہ کے لیے گجرے بھی نہیں لاتے۔ نئی نویلی اور اتنی چارمنگ سی دلہن ہے آپ کی پھر بھی ایسی بے نیازی۔"

عیسٰی نے اسی پل وہاں چائے سمیت آتی روشانے کو دیکھ کر قدرے شوخی سے کہا تھا۔ وہ جھینپ کر ہنس دی۔

"حجاب کہاں ہے؟ اسے کہیں وہ بھی سب کے ساتھ بیٹھا کرے نا۔ اکیلے رہ کر تو پریشان ہی ہوتی ہوگی۔" روشانے سے چائے لیتے ہوئے میں نے دانستہ موضوع بدلا۔ مما ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئیں۔

"جاؤ روشی حجاب کو یہیں بلا لاؤ۔"

عیسٰی کے کہنے پر روشانے اُلٹے قدموں پلٹ گئی تھی۔ میں نے چائے ختم کر کے خالی مگ ٹیبل پر رکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اب پھر کہاں چل دیے؟"

مما بے چین ہوئی تھیں۔

"ضروری کام ہے مما!"

"میں نے کہا تھا روشی کو بھی لے جایا کرو ساتھ۔"

"کام کے لیے؟" میں ششدر ہوا تو عیسٰی اور موسٰی کھی کھی کرنے لگے۔ میں بھی خجل ہو گیا تھا۔ مما نے البتہ منہ بنا لیا۔

"او کے مما لے جایا کروں گا۔ اب تو رئیلی کام سے جا رہا ہوں۔"

میں نے محض ان کا دل رکھنے کو کہا تھا اور پلٹ کر باہر نکل آیا۔ پورٹیکو میں آ کر میں گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ رہا تھا جب میرے کرتے کی جیب میں پڑا ہوا موبائل وائبریٹ کرنے لگا تھا۔ سیل فون ہاتھ میں لے کر نمبر دیکھتے ہوئے میری پیشانی پر ناگواری کی شکنیں ابھری تھیں۔ انگلی کی جنبش سے میں نے ابوداؤد کی کال کو ڈس کنکٹ کیا تھا اور سیل فون آف موڈ کے ساتھ ڈیش بورڈ پر اچھال دیا۔ کچھ توقف کے بعد سیل ایک بار پھر وائبریٹ کرنے لگا۔ اس مرتبہ انجان نمبر تھا۔ میں نے گہرا سانس کھینچا اور گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے کال پک کی تھی۔

"السلام علیکم!"

"السلام! کہیے کیسے مزاج ہیں جناب!" ابوداؤد کی چہکتی آواز سن کر میرے ہونٹ باہم بھینچ گئے تھے۔

"کیوں زحمت کی ہے؟"

"ہماری ایک نہیں دو دو امانتیں ہیں تمہارے پاس! اب بھی زحمت نہ کریں گے تو کب کریں گے؟"

"مقصد کی بات کرو۔" میں پھنکارا۔ جواباً وہ بڑی ترنگ میں آ کر بولا تھا۔

"خفا کیوں ہوتے ہو جان من! مقصد کی بات اس سے بڑھ کے کیا ہو سکتی ہے؟"

"بکواس بند کرو۔" میں دھاڑا۔

"عون!!" اس نے اتنی رسانیت اتنی آہستگی سے کہا تھا کہ میں بہ مشکل سن پایا۔

"میں بگاڑ نہیں چاہتا۔ میں حجاب کو طلاق نہیں دینا چاہتا۔ تم سمجھ رہے ہو کورٹ میں جا کر تم جیت نہیں سکو گے۔ یاد رکھنا میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گا۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"نہیں۔ آگاہ کر رہا ہوں۔"

"کر دیا؟ اب دفع ہو جاؤ۔" میں نے سرد آواز میں کہا اور فون بند کر دیا۔ مگر میں ایک دم اَپ سیٹ ہو گیا تھا۔ یہ بات ابھی ہمارے گھر کے اندر تھی۔ کچھ دیر قبل میں نے فیضان سے ڈسکس کی تھی ابوداؤد تک کیسے پہنچی؟ میں جس قدر سوچ رہا تھا اُلجھن بڑھ رہی تھی۔ تبھی ابوداؤد کی دوبارہ کال آنے لگی۔ میں نے سلگتی نظروں سے اسکرین پر بلنک کرتے اس کے نام کو دیکھا تھا۔

"پوچھو گے نہیں اب مجھے کیا تکلیف ہے؟"

میرے کال ریسو کر لینے پر وہ ہنس کر بولا تھا۔

"تم خود بتا دو۔" میں نے جواباً طنز سے کہا تو وہ زور سے ہنس دیا۔

"مان جاؤ عون مرتضیٰ! میں تمہارے گھر آ جاتا ہوں۔ خوش اسلوبی سے معاملہ سلجھا لیتے ہیں۔"

"میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا اگر تم نے ایسا سوچا بھی۔"

میرا ضبط چھلکنے لگا تو میں چیخا۔

"کام ڈاؤن یار! اتنا غصہ نہیں کرتے۔ پرامس میں حجاب پر کوئی بری نظر نہیں ڈالوں گا۔ چار بھائیوں کی موجودگی ایسا کر کے میں واقعی ٹانگیں تڑواؤں گا۔" وہ بکواس شروع کر چکا تھا۔ میں نے تپ کر کال ڈسکنکٹ کر دی۔ میرا ذہن منتشر ہو چکا تھا۔ رات گئے میں واپس لوٹا تو ہنوز پریشان تھا۔ ہال کمرے کی لائیٹس آن تھیں اور عیسٰی وہیں کارپٹ پر لیٹا ہوا تھا مجھے دیکھ کر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آیئے بھیا!"

"نہیں میں تھکا ہوا ہوں۔ آرام کروں گا۔"

"چائے پی لیں۔ روشی بنانے گئی ہوئی ہے۔"

اس کی اگلی بات نے میرے اُٹھتے ہوئے قدم روک دیئے۔ میں نے کچھ پل اپنے اندر ایک سناٹا اُترتا محسوس کیا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے گھر کے تقریباً سبھی مکین اپنے کمروں میں تھے۔ پھر روشی کیوں عیسٰی کے ساتھ تھی؟ ایک تلخ اور ترش سوچ میرے ذہن میں آئی تھی جسے اگلے لمحے میں نے جھٹک دیا تھا۔

"نو تھینکس! اس وقت چائے پی کر میں سو نہیں پاؤں گا یار۔"

میں رسان سے کہتا آگے بڑھا تو اسی پل روشانے ٹرے میں کافی کے مگ لیے اندر آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر خوشدلی سے سلام کیا۔ میں جواب دیتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ میرے خیال کے مطابق میرے

پیچھے فوری نہیں آئی۔ شاید کافی پینے لگی تھی۔ چینج کرنے کے بعد میں بستر پر دراز ہو گیا تھا جب وہ اندر آئی۔

"کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں دوست کے ساتھ کھا لیا تھا۔"

"اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟"

"نو تھینکس! بس یہ لائٹ بند کر دیں۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر میں نے چونک کر سر اُٹھایا۔ وہ کمرے سے باہر جا رہی تھی میں نے حیرانی سے اسے پکارا تھا۔

"روشانے کہاں جا رہی ہیں؟"

"ابھی کچھ دیر میں آتی ہوں۔"

اس نے مجھے پتا نہیں اطلاع دی تھی یا اجازت مانگی تھی۔ میں صحیح جج نہیں کر سکا۔ اس کے جانے کے بعد میں کتنی دیر تک بے حس و حرکت لیٹا اپنے اندر گونجتے سناٹے کو سنتا رہا تھا۔ پھر کروٹ بدل لی تھی۔

☆☆

"بھیا پلیز آپ اس طرح کر لیں۔ آئی تھنک ان کی بات سننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

عیسٰی پچھلے پچیس منٹ سے مجھے قائل کرنے کی کوشش میں مسلسل مصروف تھا۔ اس کا موقف تھا کہ ابوداؤد کو گھر آنے دیا جائے اور اس کی بات سنی جائے۔

"جب مجھے اس کی ان فضول باتوں کو ماننا نہیں ہے تو پھر فائدہ؟"

میں کسی قدر جھنجلا رہا تھا۔

"ضروری تو نہیں ہے عون کہ آپ کو وہ قائل نہ کر سکیں۔"

ثانیہ بھابھی نے بھی دبے ہوئے انداز میں کہا تو میں نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"ہم اصلاح کی ایک کوشش کرنا چاہ رہے ہیں کیا حرج ہے اگر اس کا نتیجہ دیکھ لیا جائے۔"

میرے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے عیسٰی نے لجاجت سے کہا تھا۔

"او کے۔ از یو وش!"

میں نے نروٹھے پن سے کہا تھا اور وہاں سے اُٹھ گیا۔ تبھی ابوداؤد کو وہاں آنے کی پرمشن اور بہانہ مل گیا۔ مگر اس وقت میرے اطمینان کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ جب حجاب نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ جہاں ابوداؤد کا چہرا اُترا تھا۔ عیسٰی باقاعدہ جھنجلایا ہوا نظر آنے لگا۔

"بس ہو گئی تمہاری تسلی؟ اب تم یہاں سے تشریف لے جاؤ۔"

میں نے کسی قدر تلخی سے کہا تھا۔ وہ جواب میں کینہ توز نظروں سے مجھے گھورتا وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا تھا۔ میں کاندھے جھٹک کر باہر آیا تو کاریڈور میں روشانے اور عیسٰی کو ایک دوسرے کے نزدیک کھڑے راز

دارانہ انداز میں گفتگو کرتے دیکھ کر خوامخواہ کھنکارا تھا۔ دونوں چونکے اور کچھ خائف سے نظر آنے لگے۔ میں نظر انداز کیے آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ میرے دل میں ایک کانٹا سا چبھا رہ گیا تھا۔

☆☆

کس بات کا بدلہ لیا ہے تم نے
ہمیں اپنا بنا کر
اس طرح تنہا چھوڑ دیا کہ
ہم اپنے بھی نہ بن سکے

میرے اندر جو اضطراب در آیا تھا وہ دھیرے دھیرے گہرا اور اذیت انگیز ہوتا جا رہا تھا۔ یہ میرا محض وہم نہیں تھا۔ عیسٰی اور روشانے کے درمیان کچھ تھا ایسا، جو مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس رات جب وہ بہت دیر تک نہیں لوٹی تھی اور مجھے نیند بھی نہیں آئی تھی تو میں کچھ پریشان ہو کر اس کی تلاش میں بیڈروم سے نکل آیا۔ پورا گھر مدھم اندھیرے اور گہرے سناٹے کی زد میں تھا۔ رات کے وقت کا مخصوص سکون ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ میں حیران تھا روشانے آخر اس وقت کہاں رہ گئی وہ بھی اس صورت جبکہ گھر کے سبھی مکین سونے کی غرض سے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ مجھے کچن کا خیال آیا تھا۔ اب اکثر کچن کی تمام ذمہ داریاں اسی نے اپنے سر لے رکھی تھیں۔ عین ممکن تھا وہ ابھی تک وہیں مصروف ہو۔ کچن میں جانے کے ارادے سے میں سیڑھیاں اُتر کر سیکنڈ فلور پر آیا تھا۔ جب لاؤنج کی لائیٹ جلتی دیکھ کر دروازے سے جھانکا۔ ہاتھ میں کافی کا مگ لیے روشانے مجھے وہیں بیٹھی نظر آئی تھی مگر وہ اکیلی نہیں تھی۔ عیسٰی اس کے ساتھ تھا۔ اور دونوں بہت مدھم آواز میں کچھ بات کر رہے تھے۔ مجھ پر پہلے نگاہ روشانے کی پڑی تھی۔ میں نے واضح طور پر اس کا چہرا پھیکا پڑتا محسوس کیا۔

''آ آپ!'' اس کا لہجہ بھی ہلکا سا لرز گیا تھا۔ عیسٰی نے چونک کر پلٹتے ہوئے مجھے دیکھا روشانے کی طرح وہ بھی جیسے ایک دم خائف نظر آنے لگا۔

''ہم ایک مووی دیکھ رہے تھے۔ ٹائم کا پتا ہی نہ چلا۔''

عیسٰی نے ایک فضول وضاحت دی تھی۔ اس کا اٹکتا، رکتا لہجہ اس کے جھوٹ اور اندرونی خلفشار کی صاف چغلی کھا رہا تھا۔ میں نے ہونٹ بھینچے رکھے۔ ٹی وی آف تھا۔ ان کے جھوٹ کا از خود پول کھل رہا تھا۔ ایک لفظ کہے بغیر میں نے قدم واپسی کو موڑ دیے۔ میرے دل و دماغ میں جوار بھاٹے اُٹھ رہے تھے۔ مجھے لگ رہا تھا آٹھ سال پہلے کا وقت مجھ پر پلٹ کر پھر آ گیا ہو۔ میرے سامنے سبرینہ کھڑی ہو۔ اپنی تمام تر ڈھٹائی، بے شرمی اور بدلحاظی کے ساتھ۔ ہاں وہ روشانے نہیں تھی وہ سبرینہ تھی۔ دکھ میرے اندر رونے لگا۔ میری قسمت میں شاید باوفا اور باکردار عورت نہیں لکھی گئی تھی۔ یہ بھی تو المیہ تھا کہ روشانے عیسٰی سے منسوب ہوئی تھی۔ مگر عیسٰی نے شادی سے انکار کر دیا۔ جب وہ مجبوری کا بندھن مجھ سے باندھ چکی تو عیسٰی کو اپنی غلطی کا احساس جاگ اُٹھا۔ ہاں یہ بہت واضح اور سامنے کی بات تھی۔ روشانے عیسٰی کے جوڑ کی ہی تھی۔ مجھے تب مما پپا کی وجہ سے بھی یہ قدم

نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔ بیڈروم میں آ کر میں کانپتے ہاتھوں اور بھینچتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ دراز سے سگریٹ کیس نکال کر سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ مجھ سے کچھ دیر بعد کمرے میں آ گئی تھی۔ اور میری خاموشی اور خطرناک سنجیدگی یقیناً اسے خائف کر رہی تھی کچھ دیر وہ تذبذب میں رہی تھی۔ پھر بیڈ پر میرے پہلو میں آن بیٹھی۔

''عون!!''

خاصی تاخیر سے اس نے مجھے مخاطب کیا تو اس کی آواز میں انجانے خدشات کی لرزش تھی۔

''مجھے صرف یہ بتاؤ روشانے! میرا انتظار بہت زیادہ طویل ہو گیا تھا؟ تم اگر ویٹ نہیں کر سکتی تھیں تو مجھے بتاتیں۔ میں نے ساری عمر تم سے دور تو نہیں رہنا تھا۔''

میرے اندر جو طوفان اُٹھ رہے تھے انہیں دبا کر میں نے رسانیت سے بات شروع کی مگر میرا لہجہ متوازن نہیں تھا۔ غم و غصہ اور شدید دکھ مجھے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ میں سمجھتا تھا وقت اور حالات سے مجھے اپنے ہر دکھ کو سہنے اور برداشت کرنے کا حوصلہ مل گیا ہے مگر نہیں میں آج بھی اتنا ہی کمزور اور دکھی تھا جتنا آج سے آٹھ سال پہلے ہوا تھا۔

''آپ بہت غلط سمجھ رہے ہیں عون! فار گاڈ سیک! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

وہ روہانسی ہو گئی تھی اور اپنی صفائی پیش کرنے لگی تھی۔ مجھے اس پل اس سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ میں نے دہک اُٹھنے والی آنکھوں سے قہر بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

''یہ غلط سمجھنے پر مجھے کس نے مجبور کیا؟'' میں پھنکارا تھا۔ اس کے آنسو بے اختیار بہنے لگے۔

''میری بات سنیں عون! میری بات سنیں۔''

''مجھے کچھ نہیں سننا سمجھیں تم؟ غلطی میری تھی۔ میں نے تم سے شادی کر لی۔ مجھے بس یہ غلطی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میرا اور عیسٰی کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ میں کسی لحاظ سے بھی اس کی طرح کا نہیں تھا۔ پھر تم مجھے ایکسپٹ بھی کیسے کرتیں؟ آج ایک اور عورت کے ساتھ ساتھ مجھے میرے بھائی نے بھی لوٹا ہے اور ایسا صرف تمہاری وجہ سے ہوا۔ صرف تمہاری وجہ سے۔ ورنہ تم وہی تھیں نا جس سے وہ از خود شادی کرنے سے انکار کر چکا تھا۔''

میں ضبط کھو کر چیخ اُٹھا۔ وہ خائف تھی تھر تھر کانپتی، آنسو بہاتی سر کو نفی میں زور زور سے ہلاتی رہی۔ میرے دل میں اس کے لیے موجود نفرت کچھ اور بڑھ گئی۔

''تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میں مزید ایک لمحہ بھی تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ صبح اس گھر سے بھی چلی جانا۔'' میرا ضبط واقعی جواب دے رہا تھا۔ وہ ایک دم سرسوں کے پھول کی طرح زرد پڑ گئی۔ وہ کمرے سے باہر نہیں گئی۔ اس کی اس ڈھٹائی نے مجھے آگ لگا دی۔ اور میں وہ ضبط کھو گیا جس کا میں اب تک بمشکل مظاہرہ کر پا رہا تھا۔ میں اُٹھا اور اسے بازو سے پکڑ کر دروازے سے باہر دھکا دینے کے بعد ایک دھماکے سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ یہ طے تھا کہ اب میں اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆

اگلے دن میں آفس سے آیا تو وہ مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ پھر مما سے پتا چلا کہ وہ اپنی ماں کے گھر چلی گئی

ہے۔ گو کہ یہ بات انہوں نے جس انداز میں بتائی تھی اس سے کسی طرح بھی میں یہ اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ ان پر بات کھلی ہے۔ مگر میرا اپنا دل عجیب سی خاموشی کی زد پر آ گیا تھا۔ روشانے کا چپ چاپ بنا کسی وضاحت یا صفائی کے چلے جانا بھی اس کے جرم کو ثابت کرتا تھا۔ میری آنکھوں کی جلن یکلخت بڑھ گئی۔ بعد میں پیش آنے والے حالات مجھے خائف کرنے لگے۔ ایک بار پھر طلاق اور پھر یہیں پر اکتفا نہیں ہونا تھا لازماً عیسیٰ اور وہ ایک بھی ہونے کی بات کرتے۔ مجھے لگا جیسے فضاؤں میں آکسیجن کی ایک دم کمی ہوگئی ہو۔ مجھے سانس لینے میں شدید دشواری محسوس ہونے لگی تو گھبراہٹ میں ویسے ہی اُٹھ کر باہر آ گیا۔ حالانکہ آج کے دن مجموعی طور پر مجھے بہت بڑی کامیابی ملی تھی۔ حجاب کے کیس میں ہماری جیت کے امکان روشن تھے۔ ابوداؤد کی شکل دیکھ کر بھی مجھے تسکین نہیں ملی۔ جس پر ہار کے خوف نے سیاہی پھیر دی تھی۔ سب کچھ پسِ پشت چلا گیا تھا۔ یہ حادثہ اس بُری طرح اثر انداز ہوا تھا مجھ پر کہ میں جیسے پوری ہستی سمیت ہل کر رہ گیا تھا۔ میں غائب دماغی کی حالت میں ڈرائیو کر رہا تھا یقیناً غلطی میری اپنی تھی کہ میں سامنے سے آنے والی گاڑی کو نہ دیکھ سکا۔ حادثہ یقینی تھا جو ہو کر رہا۔ اس کے بعد مجھے کچھ خبر نہیں رہی تھی۔ حواسوں میں لوٹنے کے بعد میں نے اتنے پریشان چہروں میں ان دو چہروں کو بھی دیکھا تھا جو میرے لیے سب سے زیادہ اذیت کا باعث تھے۔ عیسیٰ اور روشانے۔ میرے کرب میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

”وہ اب کیوں آئی تھی؟ وہ پھر سے کیوں آئی تھی؟“

کتنا ہراس تھا اس کی آنکھوں میں، کتنا خوفزدہ اور متوحش تھا اس کا چہرا، کیا وہ میرے زندہ بچ جانے پر متاسف تھی؟ ہاں یقیناً! آہ کاش میں مر گیا ہوتا۔ میں زندہ کیوں بچ گیا تھا۔ اس روز میں اپنے دکھ پر رونے کو بھی بے بس ہو گیا تھا۔ لاچاری اور کرب جب حد سے بڑھ جائے تو آنسو چھلک ہی جاتے ہیں۔ میں بھی اس روز بہت دیر تک آنسو بہاتا رہا تھا۔ سب اداس تھے۔ میرے دکھوں پر پریشان، مگر کوئی بھی میری روح کے اضطراب سے آگاہ نہیں تھا۔ جو میری رگ جاں پر خنجر بن کر وار کر رہا تھا۔ چند دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد جب میں ڈسچارج ہو کے گھر آیا تو عیسیٰ ہی مجھے سہارا دیئے ہوئے تھا۔ ہاسپٹل میں بھی میں نے اسے اپنے لیے بے حد پریشان پایا تھا۔ وہ راتوں کو بھی میرے لیے جاگتا تھا میری ایک کراہ پر تڑپ اُٹھنے والا عیسیٰ مجھے اتنے بڑے دکھ سے کیوں بھلا دو چار کر گیا تھا؟ اور سمجھتا تھا کہ مجھے خبر نہیں ہے۔ پتا نہیں روشانے نے بھی اسے نئی صورتحال سے آگاہ کیا تھا یا نہیں؟ مجھے نہیں پتا تھا ان کے بیچ کیا طے پایا تھا۔ مجھے جاننے کا انٹرسٹ بھی نہیں تھا۔ ہاں البتہ روشانے کی موجودگی مجھے اُلجھن اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ جب بھی میرے آس پاس ہوتی میں آنکھیں موند لیتا۔ یہ سچ تھا میں اب اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

”ہاسپٹل میں ڈسچارج ہو جانے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ ٹھیک ہو گئے ہیں۔ ابھی آپ کو مکمل بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہے۔ بھیا پلیز بے احتیاطی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔“

عیسیٰ نے مجھے مخاطب کیا تھا۔ میں نے ایک نظر اسے دیکھا۔ سادہ، بے ریا چہرہ ایک دم روشن اور منور۔ وہ میرا بھائی تھا ہمیشہ سے مجھ سے امپریس۔ لاشعوری طور پر ہر وہ عمل اپنانے کی کوشش میں کوشاں، جو مجھ

میں اس نے دیکھا تھا۔ کیا روشانے......؟ مگر نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، مگر ایسا ہے۔ ہاں سچ کہا ہے کسی نے زر، زن اور زمین ہی اصل فساد اور شر کا باعث ہے۔ مگر وہ اپنے عمل پر ذرا بھی شرمندہ نظر نہیں آتا۔ کیوں؟ کیا وہ اتنا بے حس ہو گیا؟ یا پھر وہ مجھے ابھی تک بے خبر انجان سمجھ رہا ہے۔ جو بھی تھا۔ جو کچھ بھی تھا۔ مجھے لگ رہا تھا۔ میرے دماغ کی شریانیں انہی سوچوں کے باعث پھٹ جائیں گی۔

”میں نے یخنی بنا دی ہے روشی بیٹے! عون اُٹھے تو اسے پلا دینا۔ دوا کے متعلق بھی عیسیٰ نے تمہیں بتا دیا ہے نا۔ ٹائم پر دیتی رہنا بیٹا! اور سنو خود کو سنبھالو ان چند دنوں میں تم آدھی بھی نہیں رہ گئی ہو۔ اپنا خیال رکھو بیٹے! خدا نے کرم کیا ہے بہت! عون اب ٹھیک ہے۔ ہاں؟“

میں آنکھیں بند کیے کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا جب میں نے مما کی آواز سنی تھی وہ یقیناً روشانے سے ہی مخاطب تھیں میرے اندر زہر دوڑنے لگا۔ مما بھلا اصلیت کیا جانتی تھیں؟ وہ یونہی کچھ دیر اسے تسلی دیتی رہی تھیں۔ پھر جب وہ باہر جانے لگیں تو میں روشانے کے ساتھ کمرے میں تنہا رہ جانے کے خیال سے وحشت زدہ سا ہو کر رہ گیا۔ جبھی بے اختیار مما کو پکار لیا تھا۔

”جی بیٹے! آپ جاگ رہے ہو جان!“

مما تیزی سے بڑھ کر مجھ پر جھکی تھیں۔ میں نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور انہیں چوم کر اپنی نم آنکھوں سے لگایا تھا۔ پھر آہستگی سے بولا تھا

”مجھے تنہا چھوڑ کر کہیں مت جائیں مما! پلیز میرے پاس رہیں۔“

یقیناً میرے لہجے میں ایسا اضطراب اور وحشت تھی کہ مما پریشان ہو گئی تھیں۔

”میں آپ کے پاس ہوں بیٹے! بس نماز پڑھنے جا رہی تھی۔“

انہوں نے جھک کر میری پیشانی چومی پھر کچھ پریشان ہو گئیں۔

”عون بیٹے آپ کا ٹمپریچر پھر بڑھ رہا ہے۔ روشی عیسیٰ کو بلاؤ۔“

”نہیں مما! میں ٹھیک ہوں۔ آپ بس میرے پاس رہیں۔“

میں نے بڑی سرعت سے موسیٰ کو بلانے سے ٹوکا تھا پھر مما کا ہاتھ بھی مضبوطی سے پکڑ لیا۔ مگر شاید مما نے روشانے کو پھر بھی بھیج دیا تھا جبھی اگلے چند لمحوں میں عیسیٰ کسی قدر پریشانی کے عالم میں میرے سرہانے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے میرا صرف ٹمپریچر ہی نوٹ نہیں کیا تھا بی پی بھی چیک کرنے میں مشغول ہو گیا۔ میں ہونٹ بھینچے اس سے دانستہ نگاہیں ہٹائے گہرے سانس بھرتا رہا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے نا کبھی کبھار اپنے دکھ اپنے اندر رکھنا۔ اپنے مجرموں کو اپنے سامنے پانا اور انہیں کچھ نہ کہہ سکنا۔ مجبوریاں، رشتوں کی نزاکتیں یہ سب کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ میں یہ سوچ کر ہلکان ہوا جاتا تھا۔ مما، پپا پر اس بات کے کھل جانے پر کیا صدمہ ٹوٹے گا۔ وہ شاید اس ذلت اور رسوائی کے ساتھ پہاڑ جیسے غم کو سہہ نہ پائیں۔ پپا جو حجاب کے ساتھ پیش آنے والی ٹریجڈی کے بعد ہی ہارٹ پیشنٹ بن کر رہ گئے تھے۔ اور مما جن کے آنسو ابھی حجاب کے دکھ پر بہتے نہیں تھمتے تھے۔ پھر روشانے تو ان کی بہت چہیتی تھی۔

من پسند اور بے حد لاڈلی۔ وہ یہ دکھ سہار نہیں سکتیں تھیں۔ میں شدید اضطراب کا شکار تھا۔ مجھے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں منجدھار میں پھنس گیا تھا۔ کسی فیصلے کا کوئی اختیار جیسے میرے پاس نہیں رہا تھا۔

"جب آپ میں ہمت نہیں ہے دکھ سہنے کی تو کیوں اتنے بڑے بڑے فیصلے کرتے ہیں؟ کیوں نہیں معاملات کو خدا کے سپرد کر دیتے؟"

عیسٰی کی ہلکی سی جھنجلاہٹ لیے بات نے مجھے چونکایا ہی نہیں سرد بھی کر دیا تھا۔ کیا وہ اتنا بے باک ہوگیا تھا کہ اب براہِ راست مجھ سے اس موضوع پر کھل کر بات کرتا؟ میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا مطلب ہے؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

میں نے آنکھیں کھول دیں اور اسے غصیلے انداز میں دیکھا۔ جواب میں اس نے سرد آہ بھری تھی۔

"بھیا آپ ہرگز انجان نہیں ہیں۔ جانتے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔"

اس کے انداز میں کسی قدر خفگی تھی۔ مجھے اپنا دل تھمتا ہوا محسوس ہوا۔ مجھے خود حیرانی ہوئی۔ اتنا بہت کچھ ہو جانے کے باوجود شاید میں لاشعوری طور پر سدھار کا خواہش مند تھا۔ مجھے صحیح طور اپنی کیفیت، اپنے خوف کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ میں ایک بار پھر طلاق دے کر دنیا میں ہو جانے والی بدنامی سے خائف تھا یا پھر مما، پپا کو اس کرب ناک دکھ سے بچانے کا متمنی۔ مجھے سمجھ نہیں آئی میں کیا چاہتا ہوں۔ یقیناً میں اس رشتے کو بچانا اور نبھانا چاہتا تھا۔ اس کے باوجود کہ فریق ثانی کی یہ مرضی نہیں تھی۔ لیکن اس طرح تو نہیں ہوتا ناں۔ وہ بھی اس صورت جب کہ خود میرا اپنا بھائی بھی وہی چاہ رہا تھا جس سے میں خائف تھا۔ میں نے گہرا سانس کھینچا۔

"تم صحیح کہہ رہے ہو عیسٰی! مجھے یہ کرنا چاہیے۔"

میں جب بولا تو ہزار ہا ضبط کے باوجود میری آواز بھیگ گئی تھی۔ جبکہ میرے برعکس اس میرے ایک جملے نے جیسے اسے شادی مرگ میں مبتلا کر دیا۔ وہ پہلے جتنا حیران ہوا تھا پھر اسی قدر خوش نظر آنے لگا۔

"رئیلی بھیا! اوہ مائی گاڈ! میں کیسے خود کو یہ یقین دلاؤں کہ آپ کو اعتراض نہیں اور آپ مان گئے ہیں۔ اب دیکھیے گا بھیا! سب ایک دم سے ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹھہریں میں ذرا شکرانے کے نفل تو پڑھ آؤں۔"

وہ چہک کر کہتے مجھے لپٹا کر پیار کرتا ہنستا، مسکراتا پلٹ کر بھاگ گیا۔ میں ساکن جیسے پتھر کا ہو کر رہ گیا تھا۔ اتنی خوشی، اتنی ڈھٹائی کے مظاہرے نے مجھے، میرے دل کو لہولہان کر دیا۔ مما حیران نظر آ رہی تھیں۔

"ایسی کون سی خوشی کی خبر سنا دی تم نے بیٹے؟"

ان کی بات پر میں چونکا تھا میری دھندلاتی آنکھوں میں ان کا عکس واضح نظر نہیں آیا۔ جواباً میں نے ایک سرد آہ کھینچی تھی۔

"ہے ایک بات۔ آپ کو جب پتا چلے گی شاید آپ کو دکھ ہو۔ مگر مما! کچھ فیصلے ناگزیر ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو دکھ ہو تو خود کو سنبھال لیجیے گا اور اس بات پر یقین رکھیے گا۔ خدا اپنے بندوں کو ان کی ہمت سے بڑھ کر دکھ نہیں دیتا۔"

میں نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور مما کو حیران ششدر چھوڑ کر کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔ اب مجھ میں کسی کے سامنے کی ہمت نہیں تھی۔ مجھے ان ہمتوں کو مجتمع کرنا تھا اس بڑے فیصلے کے لیے جو ناگزیر ہو چکا تھا۔

☆☆

پھر وہ رات کا ہی کوئی پہر تھا جب میری آنکھ کھلی تھی۔ آنکھ کھلنے کا سبب کوئی احساس تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر رہا یہ احساس کیا ہے؟ میرا ذہن خوابیدہ تھا۔ دواؤں کا اثر میرے ذہن کو پوری طرح بیدار نہیں ہونے دے رہا تھا۔ کمرا نیم تاریک نہیں تھا مکمل طور پر تاریک تھا۔ شاید بجلی فیل ہوگئی تھی یا پھر کسی نے نائٹ بلب بھی بجھا دیا تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر رہا۔

"مجھے معاف کر دیں عون! فار گاڈ سیک مجھے معاف کر دیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔" یہ سرگوشی سے مشابہہ بھیگی بھرائی آواز کس کی تھی۔ یہ کچھ شناسا سا لہجہ تھا مگر میرا خوابیدہ ذہن شناخت سے قاصر رہا۔ میں نے اپنے چہرے پر کسی ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ پھر ہونٹوں کا۔ کپکپاتے ہوئے نم ہونٹ جو بار بار اک دیوانگی کے عالم میں میرے چہرے کے مختلف نقوش کو چھو رہے تھے۔ پھر کوئی گرم نم چیز بھی میرے چہرے کو تسلسل سے بھگونے لگی۔ میرا سینہ ایک گداز نرم و نازک بوجھ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ میں ساکن پڑا رہا۔ بے حس و حرکت۔ وہ کون تھا؟ میں نے سوچا۔ میرا ذہن ہنوز جیسے گہرے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"آپ جو سمجھ رہے ہیں وہ سب کچھ بہت غلط ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے عون! مجھ سے نفرت نہ کریں پلیز!" اِدھر دیوانگی اور سراسیمگی کا وہی عالم تھا۔ معاً میں ایک دم ساکن ہوگیا۔ وہ روشانے تھی۔ میرے بے حد نزدیک میرے سینے سے لگی ہوئی۔ وہ یقیناً رو بھی رہی تھی۔ مجھے لگا حیرت، غیر یقینی اور استعجاب سے میرا وجود برف کی سل میں ڈھل گیا ہو۔ مجھ میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔ بولنے کی صلاحیت تو جیسے میں پہلے ہی کھو چکا تھا۔ وہ جانے کتنی دیر تک یونہی مجھ سے لپٹی رہی۔ روتی رہی۔

"میں آپ سے محبت کرتی ہوں عون صرف آپ سے۔ آپ کو یقین تو کرنا چاہیے نا۔ آپ کو مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع تو دینا چاہیے نا؟"

وہ پھر کہہ رہی تھی۔ وہ پھر رو رہی تھی۔ میں یونہی ساکن پڑا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گئی۔ مجھ سے دور ہٹ کر بستر سے اُتر گئی۔ میں نے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی وہ شاید واش روم چلی گئی تھی یا پھر کمرے سے باہر میں سمجھنے سے قاصر رہا۔ پتا نہیں کتنی دیر میں یونہی لیٹا رہا پھر جانے کب دوبارہ غافل ہوگیا تھا۔ شاید مجھے نیند آ گئی تھی۔

☆☆

ہمیں چھوڑ چھاڑ کے بھیڑ میں
اب کس لیے ہو پکارتے
یہ جو ہجر ہے یہ تو روگ ہے

یہ جوروگ ہے یہی ہجر ہے
تو یہ طے ہوا کہ کبھی کبھی
کوئی خواب دیکھ کے روئیں گے
کبھی یاد آیا جو دشت دل
تو سحاب دیکھ کے روئیں
یہ کتاب لکھی جو عشق میں
یہ کتاب دیکھ کے روئیں گے
جو ڈسے ہوئے ہیں بہار کے
وہ گلاب دیکھ کے روئیں گے

اگلے دن وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی اور میں مخمصے میں مبتلا ہو رہا تھا آیا رات میں نے خواب دیکھا تھا یا واقعی وہ حقیقت میں میرے پاس آتی تھی۔ جو کچھ اس نے کہا تھا وہ سچ تھا یا محض حالات کی وجہ سے بولا گیا ایک اور جھوٹ۔ ہاں یقیناً وہ ایک جھوٹ تھا۔ میرے اندر کا اضطراب گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ میں ابھی اس وحشت بھرے احساس سے نہیں نکلا تھا کہ ایک اور افتاد ٹوٹ پڑی۔ حجاب کسی کو بتائے بغیر ابوداؤد کے ساتھ چلی گئی تھی۔ مجھ سے یقیناً یہ خبر چھپائی گئی تھی مگر کب تک؟ سب کے پریشان چہرے اور سوالیہ استعجابی آنکھیں از خود بھید کھول رہی تھیں جو بالآخر مجھ پر بھی عیاں ہو گیا۔

”وائے؟؟“

میرے اندر غضب کا احتجاج اور وحشت در آئی تھی۔

”کیوں کیا تھا حجاب نے ایسا؟“

میرا جی چاہا تھا میں خودکشی کرلوں۔ اتنی ذلت اور رسوائی سہہ کر بھی کیا کوئی کسر یا کمی باقی تھی کہ یہ سب ہوتا۔ میں جیسے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ سب جیسے ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ بالخصوص مجھ سے، سب خائف تھے۔ میں نے اس خبر کو پا کر اپنے آپ کو کمرے میں بند کرلیا تھا۔ مما کو میری فکر لگ گئی تھی۔ وہ بار بار آ کر دروازہ بجاتی تھیں اور مجھے پکارنے لگتی تھیں۔

”بے فکر رہیں مما! میرا خودکشی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آپ چلی جائیں۔ فی الحال مجھے تنہا چھوڑ دیں۔“ میں سارے ضبط کھو کر چیخ پڑا تھا۔

”بیٹے میری بات سنو، دروازہ کھولو پلیز!“

میں نے پپا کی آواز سنی تھی۔ یقیناً وہ بھی مما کے ساتھ تھے۔ مجھے اُٹھنا پڑا۔ نقاہت بیماری اور پے در پے لگنے والے شاکس نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔ جبھی میری چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔ دروازہ کھلا تو مما کے ساتھ پپا بھی تیزی سے اندر آ گئے۔

”عون کام ڈاؤن بیٹے!“

انہوں نے ایک نظر مجھے دیکھا تھا پھر مجھے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ میں سرتاپا کانپ رہا تھا۔

”اس نے ایسا کیوں کیا پپا! اس نے مجھے جیتے جی مار دیا۔“

میں اس پل اپنے اوپر ضبط گنوا بیٹھا تھا۔ ان کے کاندھے سے لگتے ہیں میرے آنسو بہنے لگے۔ ابوداؤد کی کال نے گویا جلتی پر کام کیا تھا۔ وہ میری بکی اور شکست پر مجھے ٹارچر کرتا رہا تھا

”کچھ مت سوچو۔ بس ریلیکس رہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

پپا نے مجھے اپنے ساتھ بھینچ کر تھپکا تھا مگر میرے اندر سرسراتی وحشت اور دکھ میں کمی واقع نہیں ہوئی۔

”کیا ٹھیک ہوگا؟ کچھ بھی نہیں پپا! سب غلط ہو گیا۔ میں نے جانا میں ہر جگہ پر غلط تھا۔ جبھی تو سب کچھ درہم برہم ہو گیا، برباد ہو گیا۔“

میں وحشت زدہ ہو کر چیخا اور ان کے بازوؤں سے نکل گیا۔ اپنے بال مٹھی میں جکڑ کر جھٹکے دیتے یقیناً میں حواسوں میں نہیں تھا۔

”خود کو سنبھالو بیٹے! اس طرح تو آپ بیمار پڑ جاؤ گے۔“

مما میری حالت دیکھ کر رونے لگیں وہ ابوداؤد اور ساتھ ساتھ حجاب کو بھی کوس رہی تھیں اور پہلی بار، زندگی میں پہلی بار مجھے حجاب سے نفرت محسوس ہوئی۔ وہ میرے لیے صرف اذیت کا سامان کرنے کو دنیا میں آئی تھی۔ اس نے ابوداؤد کے ساتھ مل کر ہمیشہ میرا سر جھکایا تھا۔ صرف اس نے نہیں روشانے اور عیسیٰ نے بھی۔ میرا رشتوں سے مکمل طور پر اعتماد اُٹھ گیا۔ میں اس دن گویا پوری طرح سے ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ رشتے جو مقدس تھے فرشتوں کی طرح میرے نزدیک ان کا مفہوم بدل گیا تھا۔ اس روز مما اور پپا کے سمجھانے بجھانے کے باوجود میں تڑپتا اور سسکتا رہا تھا۔ اس وحشت اور مایوسی کی حالت میں مَیں نے خودکشی کی کوشش بھی کی تھی۔ اس وقت جب کمرے میں کوئی نہیں تھا میں نے فروٹ کی باسکٹ سے چھری اُٹھا کر نہایت بے دردی سے اپنے ہاتھ کی وین کاٹ دی تھی۔ مجھے ان حالات میں جی کر مزید آزمائش اور دکھ دیکھنے گوارا نہیں تھے۔ میں جو ہر قسم کے حالات میں حوصلے سے مسکرانے کا دعویٰ کیا کرتا تھا آج ہار گیا تھا۔ میں جو خودکشی کرنے والوں کو بزدل گردانا کرتا تھا۔ اپنی سوچ سے شرمندہ ہو گیا تھا۔ بس ایک ہی سوچ تھی ایک ہی سوچ، اگر میں اس طرح خود کو ختم کرلوں تو پھر یقیناً حالات بہتر ہو جائیں گے۔ حجاب ابوداؤد کے ساتھ خوش رہ لے گی۔ ابوداؤد کے سینے میں بھڑکی انتقام کی آگ میری موت سے سرد پڑ جائے گی۔ روشانے اور عیسیٰ کے راستے کی رکاوٹ بھی دور ہو جائے گی۔ ارے میں کتنا احمق تھا مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا تھا۔ اس سوچ نے میرے اندر سے ہر ملال مٹا دیا، ہر تکلیف کو ختم کر دیا۔ میں جیسے بے حد پرسکون ہو کے لیٹ گیا تھا۔ کٹی ہوئی کلائی سے سرعت سے بہتا خون بستر کو رنگین کرتا جا رہا تھا۔

☆☆

خزاں کے موسم کی سرد شامیں

سراب یادوں کے ہاتھ تھامے
کبھی جو تم سے حساب مانگیں
بے نور آنکھوں سے خواب مانگیں
تو جان لینا کہ خواب سارے
میری حدوں سے نکل چکے ہیں
تمہاری چوکھٹ پر آ رکے ہیں
مسافتوں سے تھکے ہوئے ہیں
غبارِ راہ سے اٹے ہوئے ہیں
تمہاری نگری میں اجنبی ہیں
اس لیے کچھ ڈرے ہوئے ہیں
سوالی نظروں سے تک رہے ہیں
تمہاری چوکھٹ نہ جانے کب سے

میرے لیے یہ سوچ اور خیال ہی ناقابلِ قبول تھا کہ میں پھر زندہ بچ گیا ہوں میں مرجانا چاہتا تھا پھر موت نے بھی مجھے قبول کیوں نہیں کیا۔ درد جسم کا نہیں تھا۔ کرب بھی روحانی تھا اور اذیتیں بھی۔ میں ان سے ہمیشہ کی نجات چاہتا تھا مگر مجھے نجات نہیں دی گئی۔ مجھے کیوں بچایا گیا؟ میں بھڑک اُٹھا، چیختا رہا۔ میں شدید ترین فرسٹریشن کا شکار تھا۔ جبھی بپھرا تو پھر کسی سے سنبھالنے کا نہیں رہا تھا۔ ہاسپٹل میں ایک ہنگامہ مچ گیا تھا۔ میں نے ڈرپ کی نیڈل اُتار کر پھینک دی۔ بستر سے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش میں میرا پیر کسی شے میں اُلجھا تھا میں منہ کے بل جا گرا تھا۔ میری کلائی کے کچے زخم کے ٹانکے کھل جانے کے باعث خون جاری ہو گیا تھا۔ گرنے کی وجہ سے ناک پر شدید چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ میں ڈاکٹرز اور پپا کے ساتھ موسیٰ عیسیٰ کی گرفت سے مچل مچل کر نکلتا اور چیختا چنگھاڑتا رہا تھا۔ میں ہر صورت مرجانے اس زندگی سے جان چھڑانے کا متمنی تھا۔ میں شدید وحشت میں نہ جانے کیا کیا کچھ کہتا اور چیختا رہا تھا۔ مجھے کسی نہ کسی طور قابو کر کے بستر پر ڈالا گیا۔ مجھے بیک وقت تین چار لوگوں نے سنبھالا ہوا تھا مگر میں ان سے چھوٹنے کی کوشش میں پوری جدوجہد کرتا رہا تھا معاً میرے بازو میں ہلکی چبھن ہوئی تھی۔ شاید مجھے انجیکشن دیا گیا تھا۔ بے ہوشی کا، اس کے بعد میری مزاحمت ہی نہیں تھی میرا حواس سے ہر تعلق ختم ہو گیا۔ دوبارہ جانے کتنی دیر بعد میں میری آنکھ کھلی تھی۔ میں کمرے میں تنہا نہیں تھا۔ مما میرے سرہانے موجود تھیں۔ ان کی آنکھیں اس وقت بھی گیلی تھیں اور چہرے پر ہراس تھا۔ نماز کے اسٹائل میں دوپٹہ اوڑھے تسبیح ہاتھ میں لیے ان کے ہونٹ کچھ پڑھنے میں مصروف تھے۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر وہ بے ساختہ مجھ پر جھکیں۔

”عون میرے بیٹے! میری زندگی! تم......“

کچھ مزید کہنے کی کوشش ان کی بری طرح ناکامی سے دوچار ہوئی تھی۔ ان کی آنکھیں بے تحاشا برس

اُٹھیں۔ انہوں نے جھک کر بڑی بے تابی سے میری پیشانی کو بار بار چوما تھا۔

”آپ نے ایسا کیوں کیا جان! خدا کی قسم عون اگر آپ کو کچھ ہو جاتا نا تو میں آپ سے پہلے مر جاتی۔ ایسی حرکت کرتے آپ کو میرا خیال کیوں نہیں آیا؟“

وہ میرے سینے پر سر رکھ کے ہچکیوں سے رونے لگیں۔ میں بے حس ساکن پڑا رہا تھا۔ مجھے لگا تھا جیسے اندر سے میں ایک دم خالی ہو گیا ہوں۔

”عون کچھ بولو بیٹے! اپنے اندر کا غبار نکال لو۔“

”انہوں نے میرے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لے کر نرمی سے کہا تو میرے ہونٹوں پر زہر سے بجھی مسکراہٹ بکھر گئی۔“

”آپ نے مجھے مرنے کیوں نہیں دیا مما!“

اور میری بات نے ان کے غمزدہ چہرے کو ایک دم تاریک کر دیا تھا۔ بے ساختہ دہل کر انہوں نے میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”فار گاڈ سیک، آئندہ ایسی بات مت کہنا۔“

اور میں نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

روشانے رو رو کر پاگل ہوتی رہی ہے۔ نئی نویلی دلہن کن دکھوں میں پڑ گئی۔ ابھی تو اس کے ہنسنے کھیلنے کے دن تھے۔“

مما کا لہجہ غم کی شدت سے ٹوٹ رہا تھا۔ میرے چہرے پر زہریلی مسکان بکھر گئی۔

”آپ فکر نہ کریں مما! اس کے سارے دکھ دور کر دوں گا میں۔ اب مجھے کسی کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرنی۔“ میں نے گھٹے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور رخ پھیر لیا۔ میری آنکھوں کی جلن یکلخت بڑھ گئی تھی۔ اگر خدا کو میری موت ابھی منظور نہیں تھی تو پھر مجھے حالات کا سامنا تو کرنا چاہیے تھا اور اب میں تیار تھا۔

☆☆

ہم دشت کے باسی ہیں اے شہر کے لوگو!
یہ روح پیاسی ہمیں ورثے میں ملی ہے
دکھ درد سے صدیوں کا تعلق ہے ہمارا
آنکھوں کی اداسی ہمیں ورثے میں ملی ہے
جان دینا روایت ہے قبیلے کی ہماری!
یہ سرخ لباسی ہمیں ورثے میں ملی ہے
جو بات بھی کہتے ہیں اُتر جاتی ہے دل میں
تاثیر جو ہمیں اس ورثے میں ملی ہے

’’میں آپ کا سر دبا دوں؟‘‘

میں آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ میرے ہاتھوں کی انگلیاں کنپٹیوں پر تھیں۔ اضطراب کی کیفیت میں میں اپنی کنپٹیاں مسل رہا تھا جب اس آواز کو سن کر ٹھٹھکا۔ روشانے میرے سامنے تھی۔ ماند ہوتی رنگت اور آنکھوں تلے گہرے ہوتے حلقوں کے ساتھ وہ اپنی بے چین نظروں کو مجھ پر ٹکائے کھڑی تھی۔ میرا دماغ جیسے اسے سامنے پا کر خراب سا ہونے لگا۔

’’تم میرا گلا دبا دو۔ تمہیں بھی مجھ سے ہمیشہ کی نجات مل جائے گی۔‘‘

’’میں برس پڑا تھا۔ وہ سراسیمہ سی ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔‘‘

’’آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں عون!‘‘

وہ پتا نہیں کیوں روہانسی ہو گئی تھی۔ ہاں یہ اس کی اداکاری تھی۔ ہاں وہ اب تک مجھ پر عیاں نہیں ہوئی تھی پھر اب اپنا بھرم کیسے کھونا چاہیے گی۔

’’کیسی باتیں کر رہا ہوں؟‘‘ میں غرایا۔

’’کیسی باتیں کروں؟ ابھی اسی وقت تمہیں طلاق دے دوں۔ یہی چاہتی ہو نا تم؟ ایسے ہی کروں گا فکر مت کرو۔‘‘ میں حلق کے بل چیخا اس کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا۔ ہونٹ کانپنے لگے۔ وہ کھڑے سے یکلخت بیٹھ گئی تھی۔

’’عون!!‘‘

میں نے اس کی گھٹی گھٹی چیخ سنی تھی اور کچھ کہے بغیر قہر بھری نگاہ اس پر ڈالتا وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا۔ میں گھر کے کسی فرد کو انوالو کیے بغیر اسے ڈائیورس کرنا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا اگر گھر میں کسی کو بھنک بھی پڑ گئی اس میرے ارادے کی، تو ہزار رکاوٹیں ڈالی جائیں گی اور میں اب ایسا نہیں چاہتا تھا۔ جبھی فیضان کی بجائے میں نے شہر کے نسبتاً غیر معروف لائر سے بات کی تھی اور اسے طلاق کے کاغذات تیار کرنے کا کہا تھا۔ یہ بات میں نے ٹیرس پر رک کر کی تھی۔ پھر کچھ دیر کے بعد کمرے میں آیا تو وہاں کی صورتحال نے مجھے جیسے آگ لگا دی تھی۔ روشانے کارپٹ پر بیٹھی تھی اور عیسیٰ اسے سہارا دے کر اُٹھا رہا تھا۔ دونوں میں جیسے کوئی دوری نہیں تھی۔ اور وہ دونوں یہ کھیل میرے بیڈروم میں کھیل رہے تھے۔ میرا ضبط اور برداشت جواب دے گئی۔ میں پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے ان پر جھپٹ پڑنا چاہتا تھا مگر جیسے زمین نے میرے قدم جکڑ لیے تھے۔

’’مجھے چھوڑ دو عیسیٰ! فار گاڈ سیک! میرے حال پر رحم کرو۔ میری زندگی تباہ ہو گئی ہے۔ مجھے مر جانے، دو عون کی نظروں سے گر کر مجھے مر جانا ہی چاہیے۔‘‘

میں نے وہیں کھڑے اس کی روتی بلکتی آواز سنی تھی۔ اور نفرت سے ہونٹ سکوڑ لیے تھے۔

’’ہوا کیا ہے کہ تم یہ فضول حرکت کرنے لگی تھیں؟ روشانے پلیز مجھے بتاؤ ایسی کونسی افتاد ٹوٹ پڑی ہے کہ جس کا اتنا شدید ری ایکشن لے رہی ہو تم؟ حجاب کا یوں چلے جانا کوئی اتنا غیر متوقع عمل تو نہیں ہے کم از کم تمہارے لیے۔ یہ ہماری کوششوں کا ہی نتیجہ ہے مگر حجاب نے تھوڑی غلطی کی۔ معاملہ سدھارنے کی بجائے بگاڑ دیا۔ مجھے حیرانی ہے اس نے ایسا قدم کیوں اٹھایا۔ بھیج تو ہم بھی اسے وہیں دیتے مگر اس کی جلد بازی نے سارا کام خراب کر دیا ہے۔‘‘

عیسیٰ کی باتیں تھیں یا انکشاف! میں ششدر رہ گیا۔ بے اختیار میرے قدم پیچھے کی جانب اُٹھے اور میں دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔ یہ کون سا نیا کھیل تھا جو میری نگاہوں سے اوجھل رہ گیا تھا۔

’’کچھ بھی ٹھیک نہیں رہا ہے عیسیٰ! کچھ بھی۔ اس سارے معاملے میں شاید سب سے زیادہ نقصان میرے حصے میں آیا ہے۔ عون کی نظروں سے گر گئی ہوں میں۔ وہ بہت غلط سوچ رہے ہیں۔ میرے اور تمہارے بارے میں۔ وہ مجھے طلاق دینا چاہتے ہیں عیسیٰ! میں یہ ذلت نہیں سہوں گی۔ میں مر جاؤں گی اس سے پہلے ہی۔ مجھے مر جانے دو۔‘‘ وہ بُری طرح بلک رہی تھی۔ میں ساکن رہ گیا تھا۔

’’یہ کوئی نیا ڈرامہ ترتیب دیا گیا تھا کیا؟‘‘

میں نے بے حد مشکوک ہو کر سوچا۔

’’کیا مطلب ہے کیا کہنا چاہتی ہو؟‘‘

عیسیٰ کی آواز میں تحیر و استعجاب تھا۔ جواب میں روشانے کی سسکیاں گونجتی رہیں۔ اس کی خاموشی میرے لیے جان لیوا ثابت ہو رہی تھی۔

’’غلطی میری ہی تھی عیسیٰ! مجھے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر میں ہمدردی اور اصلاح کی کوشش میں مذہب کی مقرر کردہ حدود سے نکل گئی تھی۔ تم غیر محرم تھے میرے لیے، دیور کو حدیث مبارکہ میں آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ میرا دامن کیسے نہ جلتا۔ جس دھن میں مَیں مبتلا ہوئی تھی اس میں احتیاط کا دامن تو تھامنا چاہیے تھا نا مجھے۔ مگر ایسا نہیں کیا تو نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ عون کو کبھی پتا نہیں چلے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی۔ وہ کبھی سچ نہیں جان سکیں گے۔ اگر کبھی جان بھی گئے تو کبھی یقین نہیں کریں گے۔ بتاؤ اس سے بڑھ کر بھی میرا کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟‘‘

اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ عیسیٰ خاموش کھڑا تھا۔

’’میں خود بھیا سے بات کروں گا۔ ان کی غلط فہمی کو دور کروں گا۔ تم فکر مت کرو۔ اور پلیز اب دوبارہ یہ حماقت نہ کرنا۔‘‘ عیسیٰ نے شاید خود کو سنبھال لیا تھا۔ وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

’’عون صحیح کہتے تھے عیسیٰ! ابو داؤد کی فطرت میں احسان مندی ہے نہ شرافت! دیکھا وہ ہمیں بھی چرکہ لگا گئے نا۔ وہ ہیں ہی چیٹر۔ کاش ہم عون کے خلاف نہ چلے ہوتے۔ ہم نے ابو داؤد سے ہمدردی کا نہ سوچا ہوتا۔ حجاب کو خوشیاں دینے کی کوشش میں مَیں نے اپنی ساری خوشیاں کھو دیں صرف خوشیاں نہیں اعتماد اور بھرم بھی۔ صرف یہ ہوتا تب بھی قابل قبول تھا مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اب حجاب ابو داؤد کے ساتھ خوش ہو گی۔ وہ خوش نہیں ہو گی عیسیٰ! اگر ابو داؤد نے حجاب کو خوش رکھنا ہوتا تو وہ اس طرح اسے اپنے پاس آنے پر مجبور نہ کرتے۔‘‘

وہ ہنوز ہچکیاں بھر رہی تھی۔ میرا ذہن بے طرح اُلجھ گیا تھا۔

’’تم بالکل پریشان نہ ہو روشی! ہم سے تھوڑی سی غلطی ضرور ہوئی ہے مگر اس کام میں صرف ہم دونوں شامل نہیں تھے۔ فیضی بھائی، ثانی بھابی اور موسیٰ بھی ہماری گواہی دیں گے۔ میں نے کہا نا تم فکر مت کرو۔

ہم تمہارا نقصان نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ دونوں کمرے سے چلے گئے۔ تو میں اندر آ گیا۔ میرے دماغ میں جیسے ان کی آوازوں کی بازگشت تھی۔ مجھے یاد آیا تھا۔ شادی کے شروع دنوں میں بھی مجھے لگا تھا کچھ مسنگ ہے وہ کیا تھا جو مجھ سے چھپایا گیا تھا۔ جواب بھی ظاہر ہوا تھا۔ وہ بھی واضح تو نہیں تھا۔ بلکہ میری اُلجھن کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ پھر میں اس بات کو لے کر بھی مشکوک تھا کہ روشانے یا عیسیٰ میری ٹیرس پر موجودگی سے بے خبر تھے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ میں ان کی بات چیت سن نہیں رہا ہوں۔ عین ممکن تھا کہ وہ ایک کے بعد مجھے دوسرا دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہوں۔ میں کیسے اتنی آسانی سے یقین کر لیتا۔ میں نے کہا نا میرا ہر رشتے سے یقین ختم ہو چکا تھا۔

☆☆

وہ منزلیں بھی کھو گئیں، وہ راستے بھی کھو گئے
جو آشنا سے لوگ تھے، وہ اجنبی سے ہو گئے
نہ چاند تھا، نہ چاندنی، عجب سی وہ زندگی
چراغ تھے کہ بجھ گئے، نصیب تھے کہ سو گئے
یہ پوچھتے ہیں راستے، رکے ہو کس کے واسطے
چلو تم بھی اب چلے چلو وہ مہرباں تو کھو گئے

پتا نہیں زندگی اتنی تلخ اور اذیت انگیز کیوں ہو گئی تھی۔ کورٹ سے واپسی پر میں بے اختیار شاکی ہونے لگا تھا۔ ابو داؤد نے حسب خواہش مجھے ویسی ہی شکست سے دوچار کر دیا تھا جیسی وہ چاہتا تھا۔ جیسے اس نے دعوے کیے تھے۔ حجاب نے میرے خلاف کورٹ میں کھڑے ہو کر گواہی دی۔ مجھ پر الزام لگائے تو جیسے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی گئی تھی۔ مجھے لگا تھا یہ آخری ظلم تھا۔ یہ آخری زیادتی تھی جو مجھ پر ہوئی۔ اس کے بعد جو بھی ہو جاتا اب مجھ پر اثر ہونے والا نہیں تھا۔ ہاں ایسی ہی بے حسی اور لاتعلقی کے احساس نے مجھے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔ مجھ سے برعکس سب دکھی تھے۔ اس روز گھر میں موت کا سا سناٹا طاری رہا تھا۔ میں نے اسی روز لائر سے طلاق کے کاغذات بھی منگوا لیے۔ اب مجھے کسی کی وضاحت کسی صفائی کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ آج جو آخری زیادتی میرے ساتھ ہوئی تھی اس میں بھی کسی کا بہت اہم حصہ تھا۔ اس سازش میں بھی بہت سے لوگ شریک تھے۔ میں آج کے دن دو اہم کام کرنا چاہتا تھا۔ روشانے کو طلاق دے کر اس گھر اس شہر کو ہی نہیں اس ملک کو بھی چھوڑ جانا چاہتا تھا۔ میں تمام تلخ یادوں سے چھٹکارا پا لینے کا سوچ چکا تھا۔ اور مجھے ایسا ہی کرنا تھا۔ فی الحال میں سری لنکا جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے پاسپورٹ نکالا تھا اور ٹکٹ کنفرم کرانے کی کوشش میں لگ گیا۔ اس کام میں مجھے خاصی زیادہ جدوجہد کرنا پڑی تھی مگر یہ کام ہو گیا تھا۔ رات نو بجے کی میری فلائیٹ تھی۔ اور اسی دوران مجھے روشانے سے بندھے تعلق سے بھی نجات حاصل کرنی تھی۔ دو تین گھنٹے پہلے میں نے لائر سے کاغذات بھیجنے کا کہا تھا مگر ابھی تک نہیں آئے تھے میں نے ایک بار پھر اس کا نمبر ڈائل کیا۔

"جی عون صاحب!"

مجھے ان کی مصروف آواز سنائی دی۔

"جناب میں نے آپ سے گزارش کی تھی میرا کام ابھی کر دیں۔ مجھے ایمرجنسی ہے میں یہ کام کر کے ہی جانا چاہتا تھا۔"

میں نے کسی قدر جھنجھلا کر کہا تو جواباً ان کی ہراساں میری آواز سننے کو ملی تھی۔

"عون صاحب میں نے ٹی سی ایس کرا دیئے تھے پیپرز، دو گھنٹے کے اندر آپ کو ملنے تھے۔ ملے نہیں؟"

میں حیران رہ گیا۔

"نہیں۔ آپ سروس کے نمائندے سے پتا کروائیں پلیز!"

"اوکے میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں۔"

انہوں نے کہا تھا پھر سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں نے سیل کان سے ہٹا کر ہونٹ بھینچ لیے۔

"ان پیپرز کا انتظار تھا آپ کو بھیا!؟"

عیسیٰ کی آواز پر میں نے چونک کر سامنے دیکھا وہ ہاتھ میں لفافہ لیے کھڑا تھا۔ آنکھوں میں دبا دبا غصہ تھا۔

"ہاں یہی۔ مگر تم نے اسے کھولا کیوں؟"

میں لفافے کو چاک دیکھ کر کس قدر تلخی و غصے سے بولا تھا۔

"آپ واقعی ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں بھیا؟"

"تمہیں میرے پرسنل معاملے سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔ سمجھے؟"

میں پھنکارا اور اس کے ہاتھ سے لفافہ جھپٹ لیا۔

"مجھے کیوں غرض نہیں ہونی چاہیے؟ اس الزام کی زد پر صرف آپ کی بیوی نہیں آ رہی ہے۔ میں بھی آ رہا ہوں۔ مائنڈ اٹ بھیا! آپ سچ جانے بغیر کیسے اتنا بڑا اقدام اُٹھا سکتے ہیں؟"

وہ جواباً چیخ پڑا تھا۔ میں نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔

"چیخو مت۔ چیخنے سے سچائی پر پردہ نہیں پڑ جائے گا۔ میں اگر خاموش تھا تو اس کی وجہ وہ بھرم ہے جسے میں قائم رکھنا چاہتا ہوں۔"

میں زور سے دھاڑ تو عیسیٰ تلخی و تنفر سے مسکرایا۔

"سچ؟ آپ سچ کو جانتے ہیں بھیا؟" اس کا لہجہ بے حد طنزیہ تھا۔

"اپنی مرضی کی بات فرض کر لینا اور پھر اسے سچ سمجھ کر اپنی مرضی کا فیصلہ کسی پر مسلط کر دینا تو انصاف نہیں کہلاتا۔ آج آپ کو سننا پڑے گا کہ سچ کیا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا! سمجھے تم۔"

میں چیخ اُٹھا تو اس نے جواباً چیختے ہوئے مجھے زور سے دھکا دیا تھا۔

"چپ ہو جائیں آپ! آپ کچھ نہیں جانتے کچھ بھی نہیں۔ نہ یہ کہ آپ کے اس انتہائی اقدام کی وجہ سے کوئی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے اور نہ یہ کہ کسی کو غلط سمجھ کر آپ نے عمر بھر کے لیے اسے مصلوب کرنے کا سوچ لیا ہے۔ سنیں بھیا آپ جیسے جذباتی انسان اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں مگر پھر بھی ساری زندگی خود کو مظلوم سمجھتے ہوئے گزار دیے ہیں۔ کیا یہ سب سے بڑی حماقت نہیں ہے؟"

"بکواس بند کرو۔ مجھے تمہاری فلسفیانہ گفتگو سے کچھ لینا دینا نہیں ہے سمجھے؟"

میں حلق کے بل غرایا تھا۔ جواباً وہ زہر خند سے ہنس پڑا۔ اس کی آنکھیں بے حد لال ہو رہی تھیں۔

"یہ فلسفیانہ گفتگو ہے آپ کی نظر، میں تو یونہی سہی۔ مگر بھیا میری بات سنیں۔ جب روشانے سے شادی سے میں نے انکار کیا تو میرے انکار سے پہلے اس شادی سے انکار روشانے کر چکی تھی جانتے ہیں کیوں؟"

اس نے ذرا سا توقف کیا پھر اپنی لہو رنگ آنکھوں سے مجھے گھورنے لگا۔

"آپ کی وجہ سے۔ اس لیے کہ وہ آپ سے محبت کی دعویدار تھی۔ تب اس نے مجھے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔ وہ دھوکے کی زندگی گزارنے پر آمادہ نہیں تھی۔ جبھی اس نے یہ بولڈ اسٹیپ لیا تھا۔ مجھے اس کا فیصلہ پسند آیا تھا۔ بھیا میری اس سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی جو میں ہرٹ ہوتا۔ بلکہ مجھے خوشی ہوئی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ عون بھیا کبھی اس سے شادی نہیں کریں گے۔ آپ کو پتا ہے وہ آپ کے نام پر جوگ لینے کو بھی تیار تھی۔ وہ پاگل تھی۔ اس کا پاگل پن دیکھتے ہوئے میں نے اس کے ساتھ مل کر ایک پلان ترتیب دیا تھا۔ اور اپنی منگنی اس سے ہونے دی تھی۔ عین شادی کے موقع پر ... پیچھے ہٹ گیا ... ہماری حسب خواہش وہ سب ہوا تھا جو ہم نے چاہا تھا۔ بھیا اس میں روشانے کی دعاؤں کا کمال تھا جو اس نے طویل سجدوں میں رب کو مناتے ہوئے مانگی تھیں۔ میں نے شادی کے بعد یہ بات کسی سے نہیں چھپائی ماسوائے آپ کے، بس ہم آپ سے ڈر گئے تھے۔ جبھی بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔ عیسیٰ اور بھی پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا جبکہ میں یوں تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔

مجھے وہ ایک ایک پل یاد آیا تھا، جب جب روشانے نے مجھے حیران کیا تھا۔ شادی کے دن میری توقع کے خلاف وہ جتنی سرشار اور مطمئن تھی میں اُلجھا تھا اس بات کو لے کر، پھر جب اسی رات میں نے اسے اگنور کیا تو اس کا بے ساختہ رونا پھر میری تسلی پر مسکرا کر مجھے انتظار کا یقین دلایا، صرف یہی نہیں اس رات جو اس کا کھلم کھلا اظہار تھا۔ اس کی جو دیوانگی تھی جسے میں خواب سمجھ کر جھٹکتا رہا تھا۔ کیا یہ سب جھوٹ تھا؟ کیا عیسیٰ کی آنکھوں میں واضح طور پر نظر آنے والا سچ بھی جھوٹ تھا۔ میں سناٹوں کی زد پر تھا۔ آپ کی بارات کی رات ابوداؤد یہاں آیا تھا حجاب سے ملنے مگر حجاب سے قبل اس کا مجھ سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ وہ شاید مجھ سے جھگڑتا یا مار کٹائی کرتا۔ مگر میں نے ایسا اسے کوئی موقع نہیں دیا۔ میں نے اسے حجاب سے ملنے کی اجازت دی۔ مائنڈ مت کیجیے گا بھیا مگر میری نظر میں آپ کا رویہ شدید اور بے جا تھا۔ مجھے حجاب کی بہتری منظور تھی۔ میں ہرگز بھی طلاق کے حق میں نہیں تھا۔ وہ

بھی اس صورت جبکہ حجاب اب تنہا نہیں تھی۔ میں ابوداؤد کو ایک موقع دینا چاہتا تھا۔ میں اس کے نظریات جاننا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے بعد میں بھی متعدد ملاقاتیں کیں۔ وہ ہر صورت حجاب کو اپنے ساتھ رکھنے اور اسے خوش رکھنے کی ضمانتیں دیتا تھا میرے خیال سے اگر ایسا ہو جاتا تو کوئی برائی نہیں تھی مگر آپ کے رویے میں کوئی لچک نہیں تھی بھیا! میری روشانے سے دوستی تھی۔ میں نے اس سے یہ معاملا ڈسکس کیا اور اس کی رائے مانگی۔ وہ میری سوچ اور خیالات سے متفق تھی۔ اس نے مجھے انکریج کیا۔ ہم دونوں مل کر انہی کوششوں میں کچھ اس طور مصروف ہوئے کہ حالات کی نزاکت کو بھول گئے۔ روشانے مجھ سے منسوب رہی تھی۔ میرا اس کا رشتہ بہر حال مشکوک تھا۔ ہمیں احتیاط کرنی چاہیے تھی مگر ہم حجاب کی محبت میں اصلاح میں اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ ہمیں ان باریکیوں پر غور کرنے کا ٹائم ہی نہیں ملا۔ روشانے آپ پر بات کھل جانے کے بعد سراسیمہ ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے بھی بہت دیر سے معاملے کے بگاڑ کا بتایا۔ وہ آپ کو کھو کر زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی بھیا! جبھی اس نے خودکشی کی بھی کوشش کی۔ وہ تو میں نے بروقت دیکھ لیا۔ مگر وہ زود رنج رہنے لگی تھی۔ سچ آپ سننا نہیں چاہتے تھے بھیا! میں خدا کو حاضر ناظر جان کر ایک ایک حرف سچائی کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ آپ کو خدا کا ہی واسطہ ہے اب کوئی جذباتی فیصلہ مت کیجیے گا۔ یاد رکھیے گا اگر آپ نے اب بھی کوئی جذباتی فیصلہ کیا تو آپ صرف روشانے کو ہی نہیں اور بھی بہت سارے لوگوں کو جیتے جی مار ڈالیں گے۔

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں تھا۔ پلٹ کر چلا گیا۔ میں اسی طرح پتھرایا ہوا کھڑا رہا تھا۔

☆☆

میں اداس رستہ ہوں شہر کا، مجھے آہٹوں کی تلاش ہے
یہ ستارے سب ہیں بجھے بجھے، مجھے جگنوؤں کی تلاش ہے
وہ جو ایک دریا تھا آگ کا، سبھی راستوں سے گزر گیا
ہمیں کب سے ریت کے شہر میں، نئی بارشوں کی تلاش ہے

میں بے حد مضطرب ہو چکا تھا۔ غم و غصے کی جگہ دل میں ایک عجیب سا سناٹا اُتر آیا تھا اس میں بھی شک نہیں تھا کہ غیر یقینی اور شک ابھی تھا۔ میں حیران تھا۔ یہ ممکن ہے؟ روشانے کو مجھ میں کیا نظر آیا تھا کہ وہ مجھ پر مرمٹی تھی۔ اس سوچ کے برعکس جب میں عیسیٰ کی باتوں کو سامنے رکھ کر حالات و واقعات کی کڑیاں ملاتا تو ایک زنجیر بنتی نظر آتی تھی۔ یہی زنجیر تھی جو مجھے جکڑ رہی تھی۔ مجھے بے بس کر کے کھینچ رہی تھی۔ پتا نہیں میں عین فیصلے کے مرحلے پر پہنچ کر کیوں بے بس ہو گیا تھا۔ میں کمرے میں بند سچ اور جھوٹ کی پرکھ میں گھرا اُلجھتا رہا، سگریٹ پھونکتا رہا اور میری فلائیٹ کا ٹائم نکل گیا۔ گھڑی نے باآواز بلند رات گیارہ بجے کا اعلان کیا تب میں چونکا تھا اور ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ کچھ دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد میں نے اپنے معدے میں شدید اینٹھن محسوس کی تھی۔ تب مجھے اندازہ ہوا میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا پتا نہیں مما کو میرا خیال کیوں نہیں آیا۔ وہ تو مجھے کبھی یوں فراموش نہیں کرتیں۔ میں حیران سا کمرے سے نکل آیا۔ شاید عیسیٰ کی زبانی ان تک میرے ارادے پہنچ چکے

تھے۔اور اپنی لاڈلی بہو سے اس حد تک زیادتی کے مرتکب ہو جانے والے بیٹے سے وہ خفا ہو گئی تھیں۔

میں نے ایک قیاس کیا اور گہرا سانس بھرتا سیڑھیاں اُتر کر نیچے چلا آیا۔رات کے اس پہر گھر میں جو سناٹا تھا وہ مجھے چونکانے کا باعث نہیں بنا کہ ظاہر ہے سب اپنے کمروں میں جا چکے ہوں گے۔میں کچن کی سمت چلا آیا کہ اس وقت مما یا ثانیہ بھابھی کو کھانے کے لیے ڈسٹرب کرنا مجھے کسی طور پر بھی مناسب نہیں لگا تھا۔میں نے خود کھانا گرم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔کچن کی جانب آیا تو لائیٹ آن دیکھ کر مجھے جھٹکا لگا تھا۔کوکنگ رینج کے گرد برتنوں اور چیزوں کا انبار تھا اور دونوں چولہے آن تھے یوں لگتا تھا ابھی کوئی یہاں سے عارضی طور پر نکل کر گیا ہو۔

میں کچھ حیران سا آگے بڑھ آیا۔بکھرے ہوئے دھونے والے برتنوں کو سمیٹ کر سنک میں ڈالا اور دونوں چولہے بند کرنے کے بعد میں پلٹ کر فریج کا دروازہ کھول کر جائزہ لینے میں مصروف تھا جب ثانیہ اپنے دھیان میں اندر آئی تھیں مجھے دیکھ کر ایک دم ٹھٹک گئیں۔

”ارے بھیا آپ؟ کچھ چاہیے؟“

”آپ جاگ رہی ہیں ابھی تک؟“

میں نے دانستہ اس کا سوال گول کر دیا۔اگر میں اسے اپنی یہاں آمد کی وجہ بتا دیتا تو لازماً وہ میرے لیے کھانا گرم کرنے کھڑی ہو جاتیں جبکہ میں اس وقت نہ صرف کسی کو تکلیف دینا چاہتا تھا نہ، اپنی تنہائی میں کسی کی مداخلت چاہتا تھا۔

”جی بس وہ کھانا بجھوانا تھا نا ہاسپٹل، تو وہی کام کر رہی تھی۔“

”کیوں؟ عیسٰی گھر سے کھا کر نہیں گیا جو وہاں منگوایا ہے اس نے۔“

میں نے فریج بند کر دی اور سلیب سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ثانیہ نے جواب میں مجھے گہرا سانس بھر کے دیکھا تھا۔پھر کسی قدر آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

”فیضان صرف عیسٰی کا ہی نہیں، مما اور پپا کا بھی کھانا وہاں لے کر گئے ہیں۔“

”واٹ؟“

مجھے دھچکا لگا تھا میں نے چونکا ہو کر ثانیہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں ہی نہیں چہرے پر گہرے تاسف وملال کے رنگ تھے۔

”روشی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے بھیا! اس کی حالت بہت سیریس ہے۔“

اس کی فراہم کردہ اطلاع نے مجھے چکرا کے رکھ دیا۔میں نے تحیر واستعجاب میں گھر کر اسے دیکھا تھا۔

”کیا کہہ رہی ہیں ثانیہ؟ آئی مین کیا ہوا ہے؟“

میں نے خود کو سنبھال کر سراپا آواز میں استفسار کیا تھا۔

گیارواں حصہ

میری بات کے جواب میں کچھ پل وہ اسی یاسیت آمیز نظروں سے مجھے دیکھتی رہی پھر گہرا سانس کھینچ کر بولی تھی۔

”آپ نے ڈائیورس پیپر جو منگوائے تھے۔وہ واچ مین نے لا کر روشانے کو دے دیئے تھے۔اسے شاید پہلے سے کچھ اندازہ تھا جبھی اس نے لفافہ کھول کر چیک کر لیے۔اس کے بعد اسے کچھ ہو گیا تھا۔وہ بے ہوش ہو گئی تھیں بھیا! عیسٰی نے اسے گھر پر ٹریٹمنٹ دینے کی کوشش کی مگر حالت نہ سنبھلنے کی وجہ سے ہاسپٹل لے جانا پڑا۔نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔فیضان بتا رہے تھے ابھی تک ہوش نہیں آئی۔“

مجھے لگا تھا جیسے مجھے کسی نے ایک دم سرد ہواؤں کی زد پر تنہا چھوڑ دیا ہو ہر سمت ہواؤں کی سنسناہٹ تھی۔مجھے عیسٰی کے الفاظ یاد آئے، اس نے کہا تھا۔

”آپ کچھ نہیں جانتے، کچھ بھی نہیں۔نہ یہ کہ آپ کے اس انتہائی قدم کی وجہ سے کوئی زندگی وموت کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے اور نہ یہ کہ کسی کو غلط سمجھ کر آپ نے اسے عمر بھر کے لیے مصلوب کرنے کا سوچ لیا ہے۔“

بھلا یہ روشانے اور خود عیسٰی کے علاوہ کن کی بات ہو سکتی تھی۔وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔میری وجہ سے اور میں انجان تھا سمجھا ہی نہ تھا۔میں پتا نہیں ہمیشہ ہر بات کو سمجھنے میں اتنی دیر کیوں لگا دیتا تھا۔پھر عیسٰی کتنا دکھ پہنچا ہو گا اسے کہ میں نے اسے غلط سمجھا۔اس پر شک کیا اُف! میں کیا کروں؟“

میں ساکن وساکت کھڑا رہا ہونٹ بھینچے نظریں زمین پر گاڑے۔

”آپ کو شدید غلط فہمی لاحق ہوئی ہے بھیا! عیسٰی تو محض روشی کا دوست ہے بلکہ وہ اس کا بھائی بنا ہوا ہے۔آپ سے شادی میں اس نے اس کا بہت ساتھ دیا۔روشی تب ہی آپ کو پسند کرنے لگی تھی جب اس نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔یعنی آپ مما کے ساتھ پروپوزل کے لیے جب مما کے ساتھ ان کے گھر گئے تھے اور وہ آپ سے ٹکرا گئی تھی۔اس نے اپنی ہر بات بہت پہلے سے ہم سب کو بتا دی تھی۔بس گو وہ دونوں آپ سے ڈرتے تھے جبھی کسی نے آپ کو بتایا ہی نہیں۔صرف عیسٰی نے نہیں بعد میں ہم سب نے حجاب اور ابوداؤد والے معاملے میں ان کا ساتھ دیا تھا۔سوری بھیا لیکن ہم سمجھتے تھے حجاب کی زندگی برباد نہیں ہونی چاہیے۔ہم سب کا خیال تھا اس طرح اگر ہم ابوداؤد سے تعاون کریں گے۔اس کا نقطہ نظر سننے کی کوشش کریں گے تو بہتری کی کوئی راہ نکل سکتی ہے۔“

”روشانے کس ہاسپٹل میں ہے؟“

میں نے اس کی باقی کی باتیں جیسے سنی ہی نہیں تھی۔ حجاب اور ابوداؤد والی باتیں تو خاص طور پر۔

"عیسیٰ کے ہاسپٹل میں ہی ہے۔"

ثانیہ نے جیسے ہی بتایا میں نے قدم آگے بڑھا دیئے تھے میرا رخ ہاسپٹل کی جانب تھا۔

☆☆

تم ایسا کرنا
کوئی جگنو، کوئی ستارہ، سنبھال رکھنا
میرے اندھیروں کی فکر چھوڑو
بس اپنے گھر کا خیال رکھنا
ہماری آنکھوں نے جو پل کے دیکھے
وہ سارے سپنے سنبھال رکھنا
یہ جدائی اپنی تو عارضی ہے
نہ دل میں اس کا ملال رکھنا
تمہاری سانسیں، تمہاری دھڑکن
سنو ہماری امانتیں ہیں
ہماری خاطر ہی جان جاناں
ہمیشہ اپنا خیال رکھنا

میں ہاسپٹل پہنچا تو فیضان کو بے حد پریشان پایا تھا۔

"آ آپ آ گئے بھیا! میں نکل ہی رہا تھا آپ کو لینے کے لیے۔"

وہ مجھے دیکھتے ہی بولا تھا۔ میں نے چونک کر بغور اس کے متفکر چہرے کو دیکھا۔

"خیریت؟؟" میرا دل کسی انجانے پریشان کن خیال کے تحت زور سے دھڑکا۔

وہ اکچوئلی روشانے بھابھی کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے عیسیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بے ہوشی میں بھی مسلسل آپ کو پکار رہی ہیں اور...... بھیا پلیز اس وقت ہمیں ہی نہیں روشی بھابھی کو بھی آپ کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہے۔ نفرت اور غلط فہمی ایک طرف مگر معاملہ انسانی جان کا ہے۔ انسانیت کے ناطے......"

"کہاں ہے روشی!؟"

میں نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"آیئے میں آپ کو لے کر چلتا ہوں۔"

اس نے قدم آگے بڑھائے تو میں اس کی تقلید میں چل پڑا۔ آئی سی یو کے باہر کاریڈور میں ممی، پپا اور موسیٰ بھی موجود تھے۔ مما نے مجھے دیکھ کر شدید خفگی سمیت منہ پھیر لیا تو میرے دل پر جیسے کسی نے بے دردی

سے خنجر پھیر دیا تھا۔

"بھیا آ گئے ہیں پپا! ابھی انہیں اندر جانے دیں۔"

فیضان کے کہنے پر پپا نے جواب میں کچھ کہے بغیر میرا کندھا تھپک دیا تھا۔ فیضان دروازے کے نزدیک پہنچا اور اندر موجود عیسیٰ کو اشارہ کیا تھا۔ اگلے لمحے عیسیٰ دروازے پر آ گیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے بے اختیار اطمینان کا سانس بھرا تھا۔

"آپ اندر آ جایئے بھیا! میرا خیال ہے مجھے آپ سے کچھ کہنا نہیں چاہیے۔ اس قسم کی سچوایشن میں اگر آپ آ گئے ہیں تو آگے کیا کرنا ہے آپ یہ بھی بہتر سمجھتے ہوں گے۔"

اس کا لہجہ کسی حد تک خفگی لیے ہوئے تھا۔ میں نے جواب میں گہرا سانس کھینچا تھا اور نگاہ کا زاویہ بدل کر سامنے دیکھا۔ بیڈ پر سینے تک سفید چادر اوڑھے روشانے چت لیٹی ہوئی تھی۔ بازو میں ڈرپ جبکہ چہرے پر آکسیجن ماسک چڑھا ہوا تھا۔ اسے سانس بھی جیسے دشواری سے آ تی تھی۔ آنکھوں کے حلقے کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ میں آہستگی سے قدم اٹھاتا اس کے نزدیک آ گیا۔

"روشانے! آنکھیں کھولو۔"

میں نے اس کے ریشمی بالوں کو آہستگی اور نرمی سے سہلایا اس کے وجود میں کسی قسم کی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

"میں آ گیا ہوں روشی! اب تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا بلیومی! آنکھیں کھولو مجھے دیکھو۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے دبایا۔

"عیسیٰ! عیسیٰ!!!"

اس کے ہونٹوں نے جنبش کی تھی اور جیسے سسکی بھر کے پکارا میں چونک اٹھا۔ اس کے ہاتھ پر میری گرفت بے اختیار ڈھیلی پڑ گئی۔ شک کا ناگ پوری شدت سے کلبلایا۔ سب لوگ ایک بار پھر مجھے دھوکہ دے رہے تھے۔ بے ہوشی میں وہ میرا نہیں عیسیٰ کا نام پکار رہی تھی۔ میرے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے۔ میں زہرخند سے مسکرایا تھا۔ سچ اور جھوٹ کا پول کتنے خوبصورت انداز میں کھلا تھا۔ میرا جی چاہا میں اپنی حماقت اور بے وقوفی پر اپنا خود مذاق اڑا کر ہنسوں۔ تھا کوئی مجھ سے بڑھ کر پاگل!؟

"عیسیٰ! پلیز عیسیٰ عون کو روک لو۔ انہیں کہو مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میں نے صرف ان سے محبت کی ہے۔ صرف انہیں چاہا ہے۔ عیسیٰ عون سے کہو، مجھے بس ایک بار معاف کر دیں۔ میں بدکردار نہیں ہوں نا عیسیٰ! تم انہیں بتاؤ۔"

وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ اسی بے خبری کی کیفیت میں۔ اور میں جو تنفر اور تلخی کی انتہا کو چھو رہا تھا۔ جیسے پتھر کا ہو گیا۔

"عیسیٰ عون کو بتاؤ۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔"

اس کی آواز بتدریج مدھم ہوتے بالکل ختم ہو گئی۔ مجھے جیسے جھٹکا لگا تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا

اس کے جسم کو لگنے والے جھٹکے شدید ہو گئے تھے۔اس کی رنگت ایک دم نیلی پڑتی جا رہی تھی۔

''روشانے.............!روشی......!''

میں زور سے چیختا تھا۔اسے جھنجوڑا مگر وہ جیسے پتھر کی بن گئی تھی۔میرے اندر وحشت سرسرانے لگی۔

''عیسٰی عیسٰی!!!!اسے دیکھو کیا ہو رہا ہے؟عیسٰی اسے دیکھو......''

میں بے ساختہ چیختا چلا گیا۔اگلے لمحے آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور عیسٰی کے ساتھ کچھ اور ڈاکٹرز بھی خاصی عجلت اور افراتفری کے عالم میں اندر آئے تھے۔اور روشانے کے گرد گھیرا ڈال لیا۔اگلے کئی گھنٹے شدید تناؤ کے عالم میں گزرے۔بے حد اعصاب شکن ثابت ہوئے۔مما تو سجدے میں گر گئی تھیں۔پپا فون پر ملازم کو کسی بھی صورت بکرا لے کر صدقہ کرنے کا کہہ رہے تھے اور میں، مجھے بھی بھیگی آنکھوں والی اس لڑکی کی شدتوں پر، دیوانگی پر اعتبار آ گیا تھا۔جبھی میں اس لمحے شدتوں سے گڑگڑا کر خدا سے اس کی زندگی کا طلبگار ہو گیا تھا۔جبھی تو خدا نے رحم کیا تھا اور اسے زندگی بخش دی تھی۔

☆☆

دھیرے دھیرے وہ روبصحت ہو رہی تھی۔مما اور پپا نے باقاعدہ خوشی منائی تھی۔صدقات دیئے گئے،قرآن خوانی کی گئی اور شکرانے کے طور پر غریبوں میں کھانا تقسیم کیا گیا۔اسے جیسے کوئی چپ لگ گئی تھی۔میرے سامنے تو خاص طور پر خائف ہو جاتی۔جس روز اسے ہاسپٹل سے گھر لایا گیا۔مما بہت خوش تھیں۔

''مما پلیز،مجھے چند دن اپنے ساتھ رکھ لیں نا۔''

جس وقت میں کمرے میں آیا وہ مما کی گود میں منہ چھپائے کہہ رہی تھی۔

''بیٹے یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔آپ یہیں رہو گی۔''

مما نے جواباً اس کے بال سہلائے تھے اور محبت سے ساتھ لگا کر کہا۔میں چیئر پر بیٹھ کر دونوں کے لاڈ کا مظاہرہ سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔مما ابھی تک مجھ سے خفا تھیں۔

''میرا مطلب ہے مما!آپ میرے ساتھ میرے کمرے میں سوئیں۔میں آپ کے نخریلے بیٹے کے کمرے میں اب خود سے ہرگز نہیں جاؤں گی۔پتا نہیں کیوں اتنے پراؤڈی ہیں۔شاید سمجھتے ہیں۔میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔میں انہیں بتانا چاہتی ہوں مما!میں ان کے بغیر بھی جی سکتی ہوں۔بہت سارے لوگ محبت کو نہیں پاتے اور مرتے نہیں ہیں۔''مما نے ٹپٹا کر پہلے اسے پھر مجھے دیکھا تھا۔میں مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش میں ہونٹ بھینچے ہوئے تھا۔میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مما کو خاموش رہنے کا ملتجی اشارہ کیا۔وہ کچھ متذبذب اور جزبز ہوئیں۔شاید لاڈلی دلاری بہو کے راز بیٹے کے آگے کھلنا انہیں پسند نہیں آیا تھا۔

''چند دن آپ کے ساتھ رہ کر میں پھر مما کی طرف چلی جاؤں گی۔عون صاحب منتیں بھی کریں تو میں اب انہیں مشکل سے ہی لفٹ دوں گی۔ذرا ناک سے لکیریں نکلوا کر مانوں گی۔ہے نا مما!تا کہ آئندہ منہ پھلانے سے پہلے ذرا سوچ سمجھ کر......''

''آہم!''میں نے کھنکارا کر اپنی موجودگی کا احساس بخشا تو اس کی بات ادھوری رہ گئی۔اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر مجھے دیکھا تھا۔پھر ضبط اور خفت سے اس کا چہرہ بے تحاشا سرخ پڑ گیا تھا۔اس نے ہڑبڑا کر مما کو دیکھا اور ایک دم سے رخ پھیر لیا۔میں اس کی حالت پر حظ لیتا ہوا زور سے ہنس پڑا۔مما نے باقاعدہ گھور کر مجھے دیکھا تھا۔

''خبردار!جو میری بیٹی کو تنگ کرنے کی کوشش کی۔ہم بات نہیں کر رہے ہیں تم سے،چلو بھاگو۔''

میں زور سے کھانسا تھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔مما کو دیکھ کر دونوں ہاتھوں کو کانوں سے لگایا۔گویا معافی مانگی اور پلٹ کر باہر آ گیا۔

''مما!کہیں وہ سچ مچ تو خفا نہیں ہو گئے۔اُف انہوں نے ساری باتیں بھی سن لیں۔''

کمرے سے نکلتے ہوئے میں نے اس کی گھبراہٹ زدہ آواز سنی تھی اور کھل کر مسکرا دیا۔بہت عرصے بعد مجھے لگا تھا میرے دل پر دھرا بوجھ سرک گیا ہو۔زندگی کی خوبصورتی مجھ پر عیاں ہو رہی تھی۔

☆☆

مما کو میں نے کسی نہ کسی طور پر منا لیا تھا۔اور جس روز مما اسے میرے روم میں چھوڑنے آئیں۔تب تک وہ بالکل تندرست اور پھر سے ویسی ہی خوبصورت ہو گئی تھی۔

''میں اپنی بیٹی کو تمہارے پاس چھوڑ کے تو جا رہی ہوں عون مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔یہ مجھے بہت عزیز ہے،اسے کوئی دکھ اگر تم نے دیا تو سمجھ لینا مجھے دکھی کیا ہے۔بس جو حماقتیں کر چکے کافی ہیں۔پہلے ہی اتنی عمر ہو گئی ہے تمہاری!کیا بوڑھے ہو کر بچوں کے باپ بنو گے؟''

ان کی بات نے مجھے اچھا خاصا شرمندہ کر دیا تھا۔میں نے کسی قدر خفگی سے انہیں دیکھا مگر وہ بہو صاحبہ کے لاڈ اٹھانے میں مصروف تھیں۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بیٹے!اگر اس نے تمہیں دھمکانے یا پریشان کرنے کی کوشش کی تو ڈرنے کی ضرورت نہیں،بس مجھے بتانا۔کان کھینچ کر سیدھا نہ کر دیا تو کہنا۔''

جواباً اس نے بھی شد و مد سے سر ہلا کر گویا فرمانبرداری کی حد کر دی۔مما کے جانے کے بعد بھی اسے کھڑا پا کے میں نے کتاب بند کر دی اور براہِ راست اسے دیکھا۔

''تشریف رکھیے محترمہ!''

وہ ناخن کرید رہی تھی چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔پھر کچھ کہے بغیر جلدی سے بستر پر ٹک گئی۔

''تھینک یو۔کوئی خدمت ہمارے لائق!؟''

میرا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہو گیا تھا۔اس نے ٹپٹا کر مجھے دیکھا۔

''آئی ایم ساری!آپ نے شاید میری اس دن والی باتوں کو بہت مائنڈ کیا تھا۔''

''میری مجال!مجھے گھر سے تھوڑی نکلنا ہے آپ کو کچھ کہہ کے۔''

میں نے پھر اسی لہجے میں کہا تو وہ کسی قدر خفگی سے مجھے تکنے لگی۔

"عون پلیز!!!"

"کیا پلیز؟؟؟"

میں نے نروٹھے پن سے کہا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"اتنے اچھے ہیں نا آپ؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ سب کیوں کرتے۔ بس ترس کھایا ہے مجھ پر آپ نے اور کیا؟ ورنہ محبت تو کوئی نہیں کرتے آپ مجھ سے۔"

"یہ کیا کم ہے کہ میں نے تمہاری محبت کو ایکسپٹ کرلیا ہے؟"

میں اسے جان بوجھ کر چھیڑنے لگا۔ اس نے بوجھل پلکیں اُٹھا کر کچھ دیر دیکھا تھا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"جی بہت بڑا احسان ہے آپ کا۔ ورنہ جس غلطی کی مرتکب میں ہوئی تھی آپ نے مجھے معاف کر دیا وہی بڑی بات ہے۔"

"روشی!" میں نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں سچ بتاؤں گا تمہیں۔ میں نہیں جانتا کہ میں تمہیں کتنی محبت کرتا ہوں۔ مگر یہ سچ ہے کہ جب تم ہاسپٹل تھیں تو میں تمہیں کھونے کے خوف سے بہت ڈرا ہوا تھا۔ مجھے لگا تھا اگر تم مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تو شاید میں کبھی مسکرا بھی نہ سکوں گا۔ تم نے محبت پر سے میرا اُٹھا ہوا ایمان مجھے لوٹایا ہے۔ تم نے مجھے بتایا ہے محبت کتنی انمول اور خاص ہوتی ہے۔ مجھے تمہارا وہ بولڈ اسٹیپ جس پر تمہیں مجھ سے خوف آتا تھا کہ جانے میں کیا سوچوں تمہارے حوالے سے اس لیے اچھا لگا ہے روشی کہ تم اگر ایسا نہ کرتیں، مجھ سے محبت کو دل میں دبا کے رکھتیں تو میری زندگی ہمیشہ ویسی ہی رہتی۔ بے رنگ، پھیکی اور ویران۔ مجھے پتا ہی نہ چلتا کہ محبت کتنی طاقت ور کتنی انمول چیز ہے۔ میں ابھی تم سے بھلے محبت نہیں کرتا مگر میں تم سے محبت کروں گا ضرور۔ تم میری زندگی کا بلاشبہ انمول سرمایہ ہو۔ تم میرے لیے بہت خاص ہو۔"

میں نے اس کی جانب پیش رفت کی تھی۔ وہ میری بانہوں میں سمٹ کر میرے سینے میں منہ چھپا کر آنسو بہانے لگی تو میں نے بے اختیار اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"نہیں روشی! آج کے دن یہ آنسو نہیں بہیں گے۔ یہ محبت کی جیت کے لمحات ہیں۔ یہاں ہم خوشی اور مسکراہٹ کو ویلکم کہیں گے۔ مسکراؤ۔ اس لیے کہ تم مجھے مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔"

میں نے اس کے آنسو پونچھے تھے پھر جھک کر اس کی بھیگی آنکھوں کو چوما تو وہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔ اور میں بے حد آسودگی محسوس کرنے لگا تھا۔

☆☆

اگلی صبح نماز کے لیے اس نے مجھے جگایا تھا۔ چونکہ ٹائم کم تھا جبھی میں عجلت میں باتھ لے کر مسجد میں چلا گیا۔ نماز کے بعد میں جاگنگ کے لیے چلا جایا کرتا تھا۔ واپسی اس دن ذرا تاخیر سے ہوئی تھی۔ وہ میرے

انتظار میں لان میں ٹہل رہی تھی مجھے دیکھتے ہی تیزی سے میری جانب آئی۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ؟ اتنی دیر۔"

سی گرین خوبصورت سے سوٹ میں صبح کی ساری تازگی چہرے پر لیے وہ اتنی فریش اتنی جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی کہ میں بس اسے دیکھتا رہ گیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں جیسے کچھ نیا آ لگا ہو میرے چہرے پر؟"

وہ کسی قدر جھینپ کر بولی تو میں کس قدر شرارت سے بولا تھا۔

"نیا تو ہے۔ آپ اتنی حسین پہلے تو کبھی نہیں لگیں جتنی آج لگ رہی ہیں۔"

میرے ذومعنی لہجے میں جو معنی خیزی تھی اس نے روشانے کو کانوں کی لوؤں تک سرخ کر دیا تھا۔

"بہت بدتمیز نہیں ہو گئے آپ؟"

مجھے خفیف سا گھور کر وہ خفت زدہ سی بولی۔ تو میں زور سے ہنس دیا تھا۔

"اب ایسے الزام تو ہمیں روز ہی سننے کو ملا کریں گے۔"

میں ہنس دیا تھا۔ وہ جھنجلا کر مجھے وہیں چھوڑتی آگے بڑھ گئی۔ میں گنگناتے ہوئے کمرے میں آیا تھا اور تیار ہونے لگا۔ اسی روز بہت دنوں بعد میں نے وہی وائیٹ پینٹ کوٹ پہنا تھا جس میں روشانے نے پہلی بار مجھے دیکھا تھا۔ بہت سارا پرفیوم اپنے اوپر انڈیل کر جب میں والٹ، سیل فون اور چابیاں اُٹھا کر جیب میں ڈال رہا تھا میں نے دروازے پر آہٹ محسوس کی تھی۔ میں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ روشانے اندر آ رہی تھی۔

"خیریت بیگم صاحبہ! آج آپ کا دل کچن میں کیوں نہیں لگ رہا؟"

میں نے اسے چھیڑا تو وہ مجھے گھور کر مصنوعی غصے سے بولی تھی۔

"آپ سے ناشتے کا پوچھنے آئی تھی۔ ویسے خیریت؟ یہ سوٹ کیوں پہنا۔ ارادے خطرناک لگ رہے ہیں۔"

اس کا انداز مجھے کھل کر ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"جب ارادے خطرناک نہیں تھے تب بھی صورتحال خطرناک ہو گئی تھی۔ اب تو خیر پھنس گئے۔"

میں نے جیسے بیچارگی کا تاثر دیا تھا وہ مجھے دیکھ کر رہ گئی۔

"یعنی آپ پچھتا رہے ہیں؟"

"نہ جی ہم تو اتنے خوش ہیں کہ دھمال ڈالنے کو جی کرتا ہے ریئلی۔ ویسے یہ ٹائی کی ناٹ صحیح لگی ہے دیکھنا؟" میں نے بات کرتے سنجیدگی سے کہا تو وہ میرے داؤ کو سمجھے بغیر جھانسے میں آ گئی۔ جیسے ہی نزدیک آ کر جائزہ لینا چاہا میں نے اسے ایک دم بازوؤں کے گھیرے میں مقید کر لیا تھا اور زور سے ہنس دیا۔

"محترمہ ثابت ہوا آپ ہرگز بھی چالاک نہیں ہیں۔ آ گئیں نا میرے جھانسے میں؟"

"یو چیٹر۔"

اس نے جھینپ کر میرے کاندھے پر ہاتھ کا مکہ مارا تھا۔

''یار دل کر رہا تھا تم سے پیار کرنے کو۔ پھر آفس جانا تھا کہاں ہاتھ آتیں رات سے پہلے۔''

میں ہنوز ہنس رہا تھا۔ وہ کچھ دیر مجھے مصنوعی غصے سے گھورتی رہی پھر مسکرا کر میرے سینے سے سر ٹیک دیا تھا۔ میرے اندر جنموں کا سکون اُترتا چلا گیا۔

☆☆

پھر بہت سارے دن ایسے ہی آسودگی اور سرشاری کی کیفیت میں بیتتے چلے گئے تھے۔ زندگی سے مجھے جیسے سارے شکوے ختم ہو گئے۔ سارے دکھ ڈھل گئے تھے۔ میں مطمئن اور مگن ہو گیا تھا۔ کہ ایک بار پھر ابوداؤد نے میری زندگی میں ہلچل مچا دی۔ پہلے اس کا فون آیا تھا۔

''کیسے ہو عون مرتضیٰ؟''

اس کے دوستانہ لہجے پر میں زہرخند سے مسکرایا تھا۔

''تمہیں میری خیریت سے کیا لینا دینا؟''

''عون پلیز! چھوڑ دو اب ان باتوں کو!'' وہ ملتجی ہوا تھا اور میں حیران۔

''کن باتوں کو؟''

''دشمنی کی باتیں عون! میں تھک گیا ہوں۔'' پتا نہیں وہ واقعی مضمحل تھا یا مجھے لگا۔ بہر حال اب میں اس کے کسی فریب میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

''میں تم سے کسی بھی موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ بہتر ہوگا آئندہ مجھ سے کسی قسم کا کانٹیکٹ نہ کرنا۔'' میں نے رکھائی سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ میرا موڈ آف ہو چکا تھا۔

''کون تھا؟''

روشانے کے سوال پر میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ابوداؤد!''

''کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ سرک کر میرے قریب آ گئی۔ میں ہونٹ بھینچے رہا تو اس نے بے چینی سے مجھے مخاطب کیا۔

''عون پلیز مجھے بتائیں نا حجاب کیسی ہے؟''

''مجھے نہیں پتا۔ میں نے پوچھا نہیں۔ اس نے بھی بات نہیں کی۔''

میرا لہجہ ہنوز تھا۔ وہ کچھ دیر کو چپ سی ہو گئی۔

''آپ کو پوچھنا چاہیے تھا عون!''

''کیوں پوچھنا چاہیے تھا؟ کیوں پوچھوں میں۔ اس نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس کے بعد اس کی گنجائش نکلتی ہے؟ ہرگز نہیں۔''

میرا لہجہ تنا ہوا اور تند تھا۔ وہ کچھ خائف سی ہو گئی۔ مجھے بھی اپنے رویے کا احساس ہو گیا تھا۔

''آئی ایم ساری!''

میرے کسی قدر دھیمے لہجے میں کہنے پر اس نے گہرا سانس بھر لیا تھا۔ پھر رسانیت بھرے انداز میں میرے بازو پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر نرمی و لجاجت سے بولی تھی۔

''آپ کو پتہ ہے عون! حجاب وہاں جانا نہیں چاہتی تھی مگر وہ پھر بھی چلی گئی اور وہ بھی اپنی مرضی سے کیوں؟ آپ نے سوچا نہیں کیوں کیا اس نے ایسا؟''

''نہیں میں نے نہیں سوچا۔ اور مجھے کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ روشی پلیز تم مجھ سے اس ٹاپک پر بات مت کرو۔''

میں کسی قدر کرب میں مبتلا ہو کر بولا تو روشانے نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

''اس طرح مسئلے حل تو نہیں ہوتے ہیں عون!''

''پھر کیا چاہتی ہو تم؟'' میں جیسے بے حد عاجز ہوا تو وہ اسی نرمی سے بولی تھی۔

''میں نے بہت غور کیا ہے اس بات پر عون! کہ جب حجاب وہاں گئی ان دنوں آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا نا؟ پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے جیسے ابوداؤد نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا ہوگا۔ انہوں نے کسی نہ کسی طریقے حجاب کو ٹارچر کیا ہوگا کہ وہ یہ قدم اُٹھانے پر مجبور ہو گئی۔ عون وہ وہاں جانا نہیں چاہتی تھی۔ جس روز آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا اسی روز میری حجاب سے کھل کر اس موضوع پر بات ہوئی تھی۔ اس نے اپنا نظریہ واضح طور پر مجھ پر آشکارا کیا تھا اور بتایا تھا کہ اس کے دل میں ابوداؤد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ عون اس روز میں نے اپنی ہر کوشش ترک کر دی تھی۔ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے میں جانتی ہوں کہ اگر دل میں گنجائش نہ ہو تو پھر کسی ناپسندیدہ انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔''

روشانے کی بات نے مجھے گم صم کر کے رکھ دیا۔ حجاب مجھے کتنی عزیز تھی۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ ابوداؤد اس سے قبل مجھے چیلنج بھی کر چکا تھا کہ وہ حجاب کو چھین کر اور میرے خلاف بیان دلوا کر دکھائے گا۔ یقیناً یہ اسی کی کسی گھٹیا چال کا نتیجہ تھا۔ مجھے لگا میرا دل گھبرانے لگا ہو۔ اگر یہ سچ تھا۔ تو حجاب میری وجہ سے اس عقوبت خانے میں اپنے آپ کو مصلوب کرنے چلی گئی تھی۔ اور میں اُلٹا اس سے بدگمان ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ بس یہی تھی میری محبت۔ میری پہچان!؟؟

مجھے خود اپنے اوپر افسوس ہونے لگا۔ اضطراب اتنا بڑھا تھا کہ میں بے خیالی میں سگریٹ سلگانے لگا تھا جب روشانے نے میرے ہاتھ سے سگریٹ کیس اور لائیٹر لے لیا۔

''نہیں عون پلیز! آپ ایسا نہیں کریں گے۔''

اس کے لہجے میں دھونس تھی نہ زبردستی۔ بس محبت تھی۔ کیئر تھی۔ میں نے کچھ کہے بغیر اپنی جلتی آنکھیں کرب آمیز انداز میں بند کر لیں۔

"یہ بھی تو مسئلے کا حل نہیں ہے عون! پلیز مثبت انداز اپنایئے۔"

"کیا کروں میں؟ کیا کر سکتا ہوں۔"

میرے لہجے میں بے چارگی اور لاچاری تھی۔

"ابوداؤد کیا کہہ رہے تھے آپ سے؟"

"معافی کا خواہاں ہے۔ میں جانتا ہوں اسے ڈرامہ کر رہا ہے۔ وہ خبیث ہے پورا۔" میں مشتعل ہو کے چیخا۔ پھر احساس ہونے پر ایک دم دھیما بھی پڑ گیا۔

"روشی! مجھے اس پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ بہت جھوٹا انسان ہے۔ یا تم یہ سمجھ لو کہ میں اس سے دوسری مرتبہ دھوکہ نہیں کھانا چاہتا۔"

"لیکن عون یہ بھی تو دیکھیں ہماری دکھتی۔ رگ اس کے ہاتھ میں ہے۔ حجاب ہے اس کے پاس!"

اس کی بات پر میں جیسے پھر مضطرب ہو گیا۔ تو اس نے میرے اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے رسانیت سے کہا تھا۔

"آپ اس کی بات سنیں وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ عون پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ کہ اچھائی کی خاطر کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اصلاح کا بیڑا اُٹھایا جاتا ہے۔ پھر کہیں جا کے نتائج برآمد ہوا کرتے ہیں۔" اس کی بات میں وزن تھا میں قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

☆☆

اس سے اگلے دن جب میں خود اس سے کانٹیکٹ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ آفس مجھ سے ملنے چلا آیا اسے روبرو پا کے میرے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں تھیں۔

"السلام علیکم!"

وہ کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر وہ پہلے کی نسبت کچھ کمزور لگ رہا تھا۔ میں کچھ کہے بغیر اسے گھورتا رہا۔

"سلام کا جواب تو دے دو یار۔"

وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا تو میں پھنکارا تھا۔

"جن سے دشمنی اور نفرت کا رشتہ ہو ان پر سلامتی نہیں بھیجی جاتی۔"

اس کا چہرا کچھ تاریک ہو گیا۔ وہ چند ثانیے کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"عون! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے معاف کر دو۔ پرانی باتوں کو کسی بھیانک خواب کی طرح سے بھول جاؤ؟ عون پلیز! پلیز عون مجھے ایک موقع تو دو۔"

"میں تمہیں ایک سے زیادہ مواقع دے چکا مگر تم نے ثابت کیا کہ تم بدفطرت ہو۔ میں کیسے بار بار دھوکہ کھاتا رہوں؟"

میرے لہجے میں غراہٹ در آئی تھی۔ وہ اضطرابی کیفیت میں ہونٹ کچلتا مجھے دیکھتا رہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ غلط کیا۔ مگر عون میں حجاب کو خوش نہیں رکھ پا رہا۔ اس دن سے جیسے میں نے اسے مکمل طور پر کھو دیا ہے۔ جب میں نے اس سے زبردستی کورٹ میں تمہارے خلاف گواہی دلوائی۔ وہ مجھ سے اتنی خفا ہو گئی ہے کہ مجھ سے بات تک نہیں کرتی۔ اس کی طرف سے میں جیوں یا مروں مگر......"

"بالکل ٹھیک کر رہی ہے تمہارے ساتھ۔ تم اسی قابل ہو۔"

میں نے پھر پھنکار کر کہا تو کچھ دیر تک مضطرب نظروں سے مجھے دیکھتا رہا تھا پھر اس نے سر جھکا لیا۔ پتا نہیں مجھے کیوں لگا جیسے اس کی آنکھیں جھلملا گئی ہوں۔

"تو تم مجھے معاف نہیں کرو گے؟"

"اس خوش فہمی کو اپنے دل سے نکال دو۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تمہاری اس ڈرامے بازی کی؟ اب تو میرے پاس ایسا کچھ بھی کھونے کو نہیں رہا جس کی وجہ سے تم ابھی تک میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"

میں پھٹ پڑا تھا۔ اس نے جیسے ایک سرد آہ بھری تھی۔

"تم صحیح کہتے ہو عون! میں اپنے مطلب کی خاطر ہی تمہاری جانب آیا ہوں۔ اب بھی اسی مقصد کی وجہ سے۔ میں حجاب کو کھونے کے خوف سے ہراساں ہوں۔ وہ ہر گزرتے لمحے مجھ سے ہی نہیں زندگی سے بھی دور ہو رہی ہے۔ عون میں نے جان لیا۔ محبت میں زبردستی نہیں چلتی۔ میں نے زبردستی اسے حاصل کر لیا۔ تم سے چھین لیا۔ مگر میں اس کے دل سے تمہاری محبت نکال کر اپنی محبت ڈالنے میں کس بری طرح ناکام ہوا اس کا اندازہ تمہیں میری حالت دیکھ کر ہو گیا ہو گا۔ تم میری آخری امید تھے عون! میری تمہارے پاس آنے کی وجہ میں خود نہیں حجاب کا حوالہ ہی تھا۔ تمہیں اس سے بہت محبت تھی اور میں سمجھتا تھا یہ محبت ہی ہے جو انسان کو ہر مشکل اور کٹھن کام کے لیے بھی آمادہ کر سکتی ہے۔ جیسے مجھ جیسے انسان کا معافی مانگنا، کسی کے آگے گڑگڑانا۔ تم نے غور کیا؟ میں کیوں بے بس ہوا؟ خیر جانے دیتا ہوں۔ میرا خیال ہے وقت بیت گیا ہے۔ میرے سارے قصور اور گناہ حجاب کے کھاتے میں درج ہو چکے ہیں۔ تمہارا روایہ مجھے بتلا سکتا ہے کہ خدا نے بھی میری توبہ قبول نہیں کی۔ مجھ جیسا انسان کو معافی ملنی بھی نہیں چاہیے۔ وہ اس قابل نہیں ہو سکتا کہ اتنے دل اجاڑے اور پھر اپنے مقصد کے تام اتنی آسانی سے معاف کر دیا جائے۔"

اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ یاسیت آمیز بھرایا ہوا۔ وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ اور میں اس کے چلے جانے کے بہت دیر تک بھی اس کے رویے و انداز میں سچ اور جھوٹ کی پرکھ کرتا رہا تھا۔

☆☆

میں کس سے جا کے کہوں حال دیدۂ نم کا
کہ میرے دکھ سے تو آگاہ میری ماں بھی نہیں
وہ بار بار مجھے آزمائے جاتا ہے
یہ جانتا بھی ہے کوئی اپنے درمیاں بھی نہیں

یہ بارشیں بھی تو کچی چھتوں کی دشمن ہیں
مگر یہاں تو میرے سر پہ سائباں بھی نہیں

جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔ میں نے تو حساب کتاب رکھنا بھی چھوڑ دیا کہ زندگی میں اذیت کرب اور بے بسی کا نام ہو کر رہ گئی تھی۔ جس روز ابوداؤد نے مجھے اس عورت کی وجہ سے اپنے کمرے سے چلے جانے کا کہا تھا۔ اس کے بعد میں دوبارہ اس کے روم میں نہیں گئی تھی۔ اس کے کہنے، بلانے، یہاں تک کہ مجبور کرنے کے باوجود۔ جب اس کا دل چاہتا وہ خود میرے پاس آ جاتا۔ پتا نہیں وہ ایسا کیوں ہو رہا تھا۔ ٹوٹا ٹوٹا سا، بکھرا ہوا۔ مجھے ایسے دیکھتا، جیسے نگاہ کے رستے دل میں محفوظ کر رہا ہو۔ اس کے ہر رویے ہر انداز میں تبدیلی تھی۔ اتنی بے حسی اوڑھ لینے کے باوجود مجھے اس کا کیئرنگ کا انداز، دلجوئی کی مشقتیں محسوس ہونے لگی تھیں۔ بجائے اچھا لگنے کے میرا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگتا۔ یہ سچ ہے مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ کبھی بھی میرا خیر خواہ ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس نے ہمیشہ مجھے توڑا تھا۔ اپنا مقصد حاصل کیا تھا۔ اس تبدیلی، اس بدلاؤ کے پیچھے اس کا مقصد کیا تھا۔ ابھی آشکار نہیں کیا تھا۔ مگر میں لاشعوری طور پر منتظر تھی کہ وہ اپنی اصلیت سمیت مجھ پر کھل جائے۔ اسامہ کے رونے کی آواز پر میں اپنے خیالات سے چونک اٹھی۔ اسامہ سوتے سے جاگ گیا تھا۔ شاید اسے بھوک لگی تھی۔ میں نے اس کا فیڈر اٹھایا جو خالی تھا۔ میں نے رضیہ کو بلانے کے لیے انٹرکام پر رابطہ کیا مگر وہ شاید کچن میں نہیں تھی جبھی گھنٹی بجتی رہی تھی اس نے ریسور نہیں اٹھایا۔ گہرا سانس بھرتی میں خود اٹھی تھی۔ اسامہ کو کاندھے سے لگائے فیڈر ہاتھ میں لیے، میں کچن میں پہنچی تو رضیہ وہاں برتن دھونے میں مصروف تھی۔ مجھے ایک دم اس پر غصہ آ گیا۔

"کہاں پہنچی ہوئی ہو تم؟ میں کب سے انٹرکام پر کال کر رہی تھی۔"

میرے تیور دیکھ کر وہ بے طرح گھبرا گئی۔

"کب بیگم صاحبہ؟ میں تو جی ابھی صاحب کے کمرے سے باہر آئی ہوں۔ چائے منگوائی تھی انہوں نے، مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کہ آپ!......"

"اچھا ٹھیک ہے۔ یہ فیڈر اچھی طرح سے دھو کر دودھ بوائل کر کے ذرا جلدی ڈال کے دے جانا۔"

میں فیڈر اس کی جانب بڑھا کر واپسی کو مڑی تھی کہ اس نے مجھے بے ساختہ پکارا تھا۔

"آپ کے لیے ناشتہ تیار کر دوں؟"

میں نے وال کلاک کی سمت دیکھا۔ نو بج رہے تھے مگر کچھ کھانے کو ابھی بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اور یہ داؤد، یہ آفس بھلا کیوں نہیں گئے؟ میرا ذہن الجھا مگر میں نے اس بات کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی۔

"نہیں۔ ابھی بھوک نہیں ہے بس تم فیڈر تیار کر کے دے جانا۔"

"وہ بی بی جی! صاحب نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔"

میں نے ابھی ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ اس نے کسی قدر جھجک کر مجھے اطلاع دی۔ شاید وہ اس بات سے خائف تھی کہ میں اسے ڈانٹ نہ دوں۔ ہمارے بیچ جو فاصلے اور دوریاں و رنجشیں حائل ہوئی تھیں ان سے رضیہ ضرور پوری طرح آگاہ تھی کہ ہر وقت گھر میں رہتی تھی حالات کو اس سے چھپانا ممکن نہیں تھا۔ پھر ہم دونوں کو پرواہ بھی تو نہیں تھی۔

"تو یہ میرا سر درد تھوڑی ہے۔ جب دل چاہے گا کر لیں گے۔"

میری پیشانی شکن آلود ہوئی تھی۔ میں نے کسی قدر تلخی سے جواب دیا تھا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"وہ جی بی بی! میرا مطلب ہے کہ ان کی طبیعت کل رات سے ہی بہت زیادہ خراب ہے کل سے ہی انہوں نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ اب بھی جب میں چائے لے کر گئی تو خاموش لیٹے رہے۔ میں نے آوازیں بھی دیں مگر بولے نہیں۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے جی! شاید ان کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔"

رضیہ کی طویل وضاحت نے میرے چہرے کی ناگواری میں اضافہ کر دیا۔

"زیادہ خراب ہے تو مجھے کیوں بتا رہی ہو؟ میں ڈاکٹر تو نہیں ہوں۔ اتنی ہمدردی ہے موصوف سے تو ڈاکٹر کو فون کر جا کے۔"

میں نے شدید غصے میں اسے بری طرح جھاڑ کے رکھ دیا۔ اور تلملاتی ہوئی وہاں سے چلی آئی۔ اسامہ میرے کاندھے سے لگا پھر سو گیا تھا مگر میں بے خیالی میں اسے ساتھ لپٹائے تھپکتی اور ٹہلتی رہی۔ پانچ منٹ بعد ہی رضیہ فیڈر سمیت پہنچ گئی تھی۔

"یہ فیڈر لے لیں بی بی جی!"

اس کی آواز پر میں چونکی تھی پھر فیڈر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"سنو اب کیا حال ہے ان کا؟"

میرے لبوں سے بے اختیار جو جملہ پھسلا تھا اس نے مجھے خود ششدر کر دیا۔ وہ بھی کچھ حیران ہو کے مڑی تھی۔

"کن کا جی؟"

"تمہارے صاحب کا؟ اور کون بیمار ہے یہاں پر؟"

میں بری طرح سے جھلائی تھی۔ وہ اسی قدر خائف ہو گئی۔

"پتا نہیں جی! میں دوبارہ ان کے کمرے میں نہیں گئی۔"

"تو جاؤ۔ اگر ڈاکٹر کی ضرورت ہے تو ڈاکٹر کو فون کرو۔ نان سنس!"

میں پتا نہیں کیوں اتنا جھلا گئی تھی۔ وہ ڈری سہمی سی مجھے دیکھتی رہی پھر تیزی سے پلٹ کر بھاگ گئی۔ میں کتنی دیر یونہی ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔ میرا چہرا تنا ہوا تھا اور دل میں جانے کیوں تشویش اُمڈ آئی تھی۔ کیا میں ابوداؤد کی وجہ سے پریشان تھی؟

اپنے سوال نے مجھے خود حیران کر دیا۔ میں نے سوئے ہوئے اسامہ کو بیڈ پر لٹایا اور اس کے منہ میں فیڈر لگا کر کچھ دیر اسے تھپکا تھا۔ کمبل اس پر برابر کیا اور سیدھی کھڑی ہو کر کچھ لمحے جیسے اضطراب کی کیفیت میں رہی۔ پھر پلٹ کر باہر آ گئی تھی۔ رضیہ کچن میں ہی مصروف تھی۔ مجھے دیکھ کر الرٹ نظر آنے لگی۔

"ناشتہ بنا دوں بی بی صاحبہ؟"

"تم گئی تھی داؤد کے کمرے میں؟"

"جی! مگر انہوں نے ڈاکٹر کو بلانے سے منع کر دیا ہے۔"

"کیوں؟ کیا طبیعت ٹھیک ہوگئی ہے؟"

میرے سوال پر اس نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

"نہیں جی، طبیعت تو ویسی ہی ہے۔ مگر ڈاکٹر کو بلانے سے منع کر دیا ہے۔"

میں ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔ پھر کچھ کہے بغیر مڑ کے اپنے کمرے کی جانب جاتے جاتے جانے کیوں میرے قدم ابوداؤد کے روم کی جانب اُٹھ گئے تھے۔

"رضیہ! تم دفع ہو جاؤ یہاں سے، ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ کمبل سے منہ نکالے بغیر زور سے دھاڑے تھے۔ میں ایک پل کو وہیں تھم گئی۔ جی چاہا یہیں سے پلٹ جاؤں مگر مسئلہ یہ تھا کہ میں ابوداؤد کی طرح نہ بے حس تھی نہ سفاک! میں اتنی بے اعتنائی چاہتی بھی تو برت نہیں سکتی تھی۔

"ہاؤ ڈیئر یو۔"

"تمہیں سنتا نہیں ہے کہ......"

میں نے آگے بڑھ کر ان کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ پھنکارتے ہوئے اُٹھے تھے۔ مگر مجھ پر نگاہ پڑتے ہی جیسے ساکن ہو کر رہ گئے۔ کیا تھا ان کی بے تحاشا سرخ آنکھوں میں۔

"غیر یقینی، تحیر، استعجاب!!!"

میں نے گہرا سانس بھرا اور ان کے دہکتے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ جیسے مسمرائز ہو گئے تھے۔ یک ٹک مجھے دیکھے جا رہے تھے۔ مجھے بے حد اُلجھن ہوئی۔ تپ چڑھی تھی۔

"ڈاکٹر کو کیوں نہیں بلانے دے رہے؟"

"مجھے ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر مریض کو ڈاکٹر کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔" میں جھلانے لگی۔

"ہر مریض کو نہیں ہوتی۔"

وہ مجھے اسی طرح دیکھتے ہوئے اپنی بات پر زور دے کر بولے تو مجھے غصہ آنے لگا۔

"بہت خوب! پھر آپ کو اگر ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے تو کس کی ہے؟"

"تمہاری! تمہاری محبت کی۔ تمہاری مسیحائی کی۔"

وہ تو جیسے میرے کسی ایسے ہی سوال کے منتظر تھے۔ اتنی تیزی سے بولے اور لہجے و انداز میں ایسی شدت اور لپک تھی جس نے مجھے جکڑ سا لیا مگر مجھے جھنجھلاہٹ نے گھیر لیا تھا۔

"یہ ڈائیلاگز کہیں اور جھاڑیئے گا سمجھے آپ! فضول کی باتیں۔"

میری بات کے جواب میں خاموشی رہی۔ وہ بس بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے۔ مجھے دیکھتے رہے۔

پھر انہوں نے سگریٹ سلگا لیا تھا۔

"میں ڈاکٹر کو کال کر رہی ہوں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے ڈرامہ کرنے کی۔ چیک اپ بھی کرایئے اور دوا بھی کھانی ہوگی۔" میں نے کسی قدر تلخی سے کہا تھا اور پلٹ کر باہر آگئی۔ پھر پہلے میں نے ڈاکٹر کو کال کی تھی پھر کچن میں آ کر رضیہ سے ناشتہ تیار کرنے کا کہا تھا۔ دراصل میں خود کو لاپرواہ ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ رضیہ نے جتنی دیر ناشتہ تیار کیا اتنی دیر میں دانستہ ہر سوچ کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہیں کچن کی کھڑکی سے میں نے ڈاکٹر کو واچ مین کے ہمراہ داؤد کے روم کی سمت جاتے دیکھا تھا۔ رضیہ نے ناشتے کے لوازمات میرے آگے رکھے تو میں بے دلی سے ناشتہ کرنے میں مصروف ہوگئی۔ مگر چند نوالوں سے زیادہ میں حلق سے نہیں اُتار سکی تھی۔ اضطراب کی وجہ واضح تھی مگر میں ماننے سے، اعتراف سے کترا رہی تھی۔ چائے کا مگ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے میں نے رضیہ کو برتن اُٹھانے کا اشارہ کیا تھا۔ اور خود اُٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ ابوداؤد کو اس وقت میری ضرورت ہے میں جانتی تھی مگر میں اس ضرورت کو پورا کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ میرے دل میں سچی بات ہے گنجائش ہی باقی نہیں تھی۔ وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ اس کا کیسا عظیم نقصان ہو گیا تھا۔

میرے ہمسفر! تجھے کیا خبر!
یہ جو وقت ہے کسی دھوپ چھاؤں کے کھیل سا
اسے دیکھتے اسے جھیلتے
میری آنکھ گرد سے اٹ گئی
میرے خواب ریت میں کھو گئے
میرے ہاتھ برف سے ہو گئے
میرے بے خبر، تیرے نام پر
وہ جو پھول کھلتے تھے، ہونٹ پر
وہ جو دیپ جلتے تھے، بام پر
وہ نہیں رہے
وہ نہیں رہے کہ جو ایک ربط تھا درمیان
وہ بکھر گیا
وہ ہوا چلی
کسی شام ایسی ہوا چلی
کہ جو برگ تھے سرِ شاخِ جاں! وہ گرا دیئے
وہ جو حرف درج تھے ریت پر
وہ اڑا دیئے
وہ جو راستوں کے تعین تھے
وہ جو منزلوں کے امین تھے

وہ نشان پا بھی مٹا دیئے

میں نے خالی مگ ٹیبل پر رکھا تھا تب ہی دروازہ ناک ہوا۔ میں نے گردن موڑے بغیر رضیہ کو اندر آنے کی اجازت دی۔

''وہ بی بی صاحبہ! ڈاکٹر صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔''

رضیہ کی بات نے میری پیشانی شکن آلود کر دی تھی۔

''کیا بات؟'' میں نے نروٹھے پن سے سوال کیا تو وہ کچھ گھبرا کر بولی تھی۔

''پتا نہیں جی! انہوں نے تو بس مجھے آپ کو بلانے کا کہا ہے۔''

میں نے جواب میں ہونٹ بھینچ لیے پھر کچھ کہے بغیر اس سے پہلے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ دوپٹہ درست کرتے ہوئے میں داؤد کے کمرے کی جانب آ رہی تھی جب دروازہ کھلا اور ڈاکٹر صاحب باہر نکل آئے تھے۔ مجھے دیکھ کر کھنکارے۔

''مسز داؤد مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔''

''فرمائیے؟'' میں نے جواباً خشک آواز میں کہا۔

''آپ کا داؤد صاحب سے کوئی جھگڑا چل رہا ہے؟'' ان کا لہجہ گو کہ محتاط تھا اس کے باوجود مجھے بے حد ناگوار محسوس ہوئی۔ میں نے سرد نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ کچھ گڑبڑا کر بولے تھے۔

''دیکھیے میم پلیز آپ مائنڈ مت کریں۔ میں پرسنل نہیں ہو رہا مگر داؤد صاحب کی جو حالت ہے اس کے پیش نظر میں نے آپ سے بات کرنا مناسب خیال کیا۔ وہ کسی قسم کے تعاون کو تیار نہیں ہیں۔ چیک اَپ تو کرا لیا مگر دوا لینے سے صاف انکاری ہیں۔ سگریٹ اور شراب ان کے لیے زہر قاتل کی طرح ہے مگر وہ مسلسل ان دونوں چیزوں کے استعمال کی وجہ سے اپنے آپ کو تیزی سے تباہ کر رہے ہیں۔ مجھے تو لگ رہا ہے وہ کسی ضد میں یہ سب دانستہ کر رہے ہیں۔ آپ وائف ہیں ان کی، اتنا تو سمجھتی ہوں گی۔ بہر حال آپ سے یہ سب کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ کو پلیز کچھ کرنا چاہیے ان کی بہتری کی خاطر ورنہ خدانخواستہ......''

ڈاکٹر نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ پھر اپنا بیگ سنبھالے وہاں سے چلے گئے تھے۔ میں ساکن کھڑی رہ گئی تھی یوں جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہوں کہ کیا کرنا چاہیے۔ مجھے ان کی بات یاد آئی جو آخری بار مجھے منانے کو انہوں نے کہی تھی۔

''مجھے چھوڑ کر مت جاؤ ہنی! مجھے معاف کر دو۔ مان جاؤ حجاب! یاد رکھنا اگر تم نہ مانی اور مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں تو میں ساری رات یہاں بیٹھ کر ڈرنک کرتا رہوں گا۔ ان کے لہجے میں بیک وقت لجاجت اور ہٹ دھرمی تھی۔ مگر میں نے پرواہ نہیں کی تھی۔ اور اپنے کمرے میں آ گئی تھی تو انہوں نے بھی اپنی بات پوری کی تھی۔ اگلی صبح رضیہ نے ان کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے تین سے چار تازہ خالی ہونے والی بوتلیں نکال کر ڈسٹ بن میں پھینکی تھیں۔ اور ایش ٹرے میں جو سگریٹ کی راکھ کا ڈھیر تھا وہ الگ تھا۔ وہ بے حد ضدی انسان تھا۔ اس کا منانے اور معافی مانگنے کا انداز بھی الگ تھا۔ میں کس حد تک اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے سامنے ٹھہرتی کہ ادھر تو وہ حال تھا۔

کوئی گمان، کوئی وعدہ تلاش کرتا ہے
وہ واپسی کا ارادہ تلاش کرتا ہے
وہ ریت کرکے میرے خوابوں کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے

وہاں سے پلٹنے کے بجائے میں ان کے کمرے میں آ گئی تھی مگر بری طرح سے جھنجلائی، تلملائی ہوئی۔ یہ تلملاہٹ انہیں سگریٹ پھونکتے دیکھ کر کچھ اور بھی بڑھ گئی۔

''کیا تکلیف ہے آپ کو؟ کیوں جان مصیبت میں ڈالی ہوئی ہے۔ آخر آپ سدھر کیوں نہیں جاتے؟''

سگریٹ ان سے جھپٹ کر میں بے دریغ ان پر برس پڑی تھی۔

''حجاب ہنی! ہاتھ جلا لیا نا اپنا۔ عقل تو بالکل نہیں ہے تمہیں۔''

بے خیالی میں ان سے سگریٹ چھین کر میں نے مٹھی میں دبا لیا تھا۔ مجھے احساس تک نہ تھا کہ غصہ میرے دماغ کو چڑھا ہوا تھا مگر ان کی توجہ کے شاید کبھی ارتکاز میری جانب لگے ہوئے تھے۔ وہ جیسے میری تکلیف کا احساس کر کے تڑپ اُٹھے۔ سب سے پہلے میری بند مٹھی کھول کر سگریٹ اُٹھا کر پھینکا پھر جلس جانے والی ہتھیلی کی جلد کو پریشان کن نظروں سے دیکھنے کے بعد دراز سے مرہم ڈھونڈ کر لگانے میں مشغول ہو گئے تھے۔ انداز کی اپنائیت، توجہ اور محبت۔ لوٹ لینے والی، جکڑ لینے والی تھی۔ میں جیسے گنگ سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

''کچھ فرق پڑا تکلیف کو؟''

مرہم لگا کر انہوں نے اچانک سر اونچا کر کے مجھے مخاطب کیا تو میں اس کھوئی کھوئی کیفیت سے نکل کر چونک گئی۔

''مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے سمجھے آپ! میں نے کہا بھی تھا کہ اس قسم کے ڈرامے مت کیا کریں میرے ساتھ۔'' میں جیسے بھڑک اٹھی تھی۔ انہوں نے کچھ دیر مجھے دیکھا پھر گہرا سانس بھر لیا تھا۔

''یہ ڈرامہ نہیں ہے حجاب! محبت ہے۔''

''پلیز انف!'' میں چیخی تو وہ چپ چاپ میرا سرخ چہرا دیکھتے رہے تو مجھے جھنجلاہٹ ہونے لگی۔

''ڈاکٹر کیا کہہ رہا ہے؟ آپ میڈیسن نہیں لینا چاہتے۔ یہ ڈرنک اور اسموکنگ چھوڑتے کیوں نہیں ہیں؟''

''تمہیں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے، بی کاز تمہیں میری کیا پرواہ؟ مروں یا جیوں۔''

وہ کسی قدر سرد آواز میں بولے تو میں نے جواباً سلگتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''مجھے واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا مگر کوئی میرے سر چڑھ کے مرے مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے تم ایسا کچھ مت سوچو۔''

انہوں نے جیسے ہارے ہوئے انداز میں کہا تھا۔ میں کینہ توز نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

''تم مجھے معاف کر دو حجاب! پلیز! میں تمہیں اتنی محبت دوں گا کہ سارے دکھ بھول جاؤ گی۔''

وہ جیسے گڑگڑانے لگے۔ میرا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ پڑ گیا۔

"کر دوں گی معاف مگر ایک شرط ہے میری۔"

"کیا؟" وہ جیسے ایک دم پرجوش ہوئے۔

"مجھے میرے وہی عون بھیا لوٹا دیں۔ جو آپ کی وجہ سے چھن گئے ہیں۔ مجھے میری مما کی محبت، پپا کی شفقت دے سکتے ہیں؟ نہیں نا؟ میں بھی آپ کو معاف نہیں کر سکتی۔"

میں بے ساختہ چیختی چلی گئی۔ جبکہ وہ ساکن ہو کر مجھے تکتے رہے تھے۔ میں روتے ہوئے وہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں بھاگ آئی تھی۔

☆☆

میرے سر میں شدید درد تھا۔ دوا لے کر میں سو گئی تھی۔ دوبارہ آنکھ کھلنے پر میں نے رضیہ کو دیکھا۔ وہ میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ شاید اسی نے مجھے جگایا تھا۔

بی بی صاحبہ! بی بی صاحبہ! صاحب کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ گل خان نے بتایا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں گرے ہوئے تھے۔ اسی نے انہیں اُٹھا کر بیڈ پر لٹایا ہے۔ مگر انہیں ہوش نہیں آرہی۔"

رضیہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔ میں ایک دم سرد پڑ گئی۔ پھر میں ایک دم اُٹھی تھی اور دوپٹے اور چپل کی پرواہ کیے بغیر دوڑتی ہوئی ابوداؤد کے روم میں آ گئی۔ گل خان اور مالی کاکا دونوں ہی اندر تھے۔ اور ابوداؤد کو ہوش میں لانے کی تدابیر کر رہے تھے۔

"یہاں کیا جھک مار رہے ہو؟ جاؤ ڈاکٹر کو بلا کر لاؤ۔"

میں بے ساختہ چیخی تھی۔ دونوں گھبرا کر باہر چلے گئے۔ میں لپک کر ابوداؤد کے نزدیک آگئی۔ وہ کچھ بے ترتیب سے بستر پر دراز تھے۔ ان کی شرٹ بھیگی ہوئی تھی اور لانبی پلکوں والی غلافی آنکھیں سختی سے بند تھیں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ان کی پیشانی چھوئی تو جیسے سخت تشویش میں مبتلا ہو گئی۔ میں بستر پر ان کے سرہانے آکر بیٹھی تھی پھر جیسے تیسے انہیں سیدھا کیا تھا اور اپنے دوپٹے سے ان کا پانی سے تر چہرہ اور جسم خشک کرنے کے بعد کمبل برابر کر دیا۔

"ابوداؤد!" میں نے انہیں پکارا تھا اور آہستگی سے ان کے رخسار تھپتھپائے مگر ان کے وجود میں کسی قسم کی کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

"بہت ضدی ہیں نا آپ! اپنی بات منوانے کو جب اور کوئی طریقہ نہیں سوجھا تو اپنی جان کے دشمن ہو گئے۔" میرا دل اتنا گداز ہو رہا تھا کہ میں بے اختیار ہچکیوں سے رو پڑی۔

ہٹ دھرمی، ضد اور دھونس، زبردستی سے بھی بھلا دل فتح ہوتے ہیں ابوداؤد! مگر آپ نے تو مجھے ایسے بھی جیت لیا ہے۔ میں ہاری ہوئی تو ہوں۔ کیوں مجھ سے میری انا اور جھوٹا بھرم بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ اتنے ستم توڑے ہیں۔ میری ذرا سی بے رخی برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں۔ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں کیسے یقین کرلوں؟ جبکہ آج بھی آپ کے ہر انداز میں ویسی ہی جارحیت ہے۔ آج بھی اپنی بات منوانے اور جیت لینے کا خیال ہی آپ کو کچھ اور سوچنے نہیں دیتا۔"

مجھے پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ میں ان سے لپٹ کر روتے ہوئے سسکیاں بھرتے ہوئے آہستگی سے کہتی

رہی۔ حالانکہ جانتی تھی وہ کچھ نہیں سن رہے۔ کچھ نہیں سمجھ رہے۔ پھر بھی۔ دل پر بوجھ سا آتا تھا۔ دکھ سا آتا تھا۔ کیا یہ احساس کم تکلیف دہ تھا کہ یہ شخص جس سے میں اپنے تئیں نفرت کرتی رہی تھی اس کی تکلیف پر تڑپ اُٹھی تھی۔ وہ دردگر، ستم گر ہو کر بھی مجھے پیارا تھا۔ وجہ تو واضح تھی۔ اپنے آپ سے کترانا اور نظریں چرانا کیا معنی رکھتا تھا۔ حقیقت بدلنے سے تو رہی تھی۔ جانے کتنی دیر یونہی آنسو بہاتے بیت گئی۔ دروازے پر زوردار دستک ہوئی تو میں چونکی تھی۔ اور جلدی سے ابوداؤد سے الگ ہو کر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مالی کاکا اندر چلا آیا تھا۔

"اب کیا ہوا ہے انہیں؟ بلکہ جو ہو رہا ہے ہونے دیں۔ جبکہ آپ دونوں نے ایک ضد باندھی ہوئی ہے۔ محترمہ مجھے سمجھ نہیں آتی جب یہ مرنا چاہتے ہیں اور آپ کو پرواہ نہیں تو آپ مجھے بار بار زحمت کیوں دیتے ہیں؟"

ڈاکٹر صاحب آتے ہی مجھ پر برس پڑے تھے۔ وہ ساری نہیں کسی حد تک صورتحال سے آگاہ تو ہو ہی چکے تھے۔ ان کی خفگی کچھ ایسی بے جا بھی نہیں تھی۔ سبکی اور خجالت سے میرا سر اوپر نہیں اُٹھ سکا۔ وہ جھلاتے ہوئے آگے بڑھے اور ابوداؤد کو ٹریٹمنٹ دینے لگے۔ دس پندرہ منٹ اس کام میں مسلسل لگے رہنے کے بعد وہ سیدھے ہوئے تو ان کا موڈ ہنوز آف تھا۔

"یہ کچھ میڈیسن ہیں جو لازمی انہیں استعمال کرانی ہیں۔ اگر آپ نے اب بھی پراپر علاج نہ کرایا تو پلیز اسے میری گزارش سمجھ لیں کہ مجھے دوبارہ مت بلایئے گا۔ انسانی ہمدردی میں میں جہاں تک کر چکا ہوں کافی ہے۔ اگر انسان خود اپنے آپ کو بچانا نہ چاہے تو ہر دوا اور علاج بے فائدہ ہوتا ہے۔"

انہوں نے کسی قدر ناراضی سے کہا اور پلٹ کر جانے لگے تھے کہ میں نے بے ساختہ پکار لیا تھا۔

"ون اے منٹ ڈاکٹر صاحب! انہیں ابھی تک ہوش کیوں نہیں آیا؟"

میں ان سے نظریں چرا کر بولی تھی جواباً انہوں نے گہرا متاسفانہ سانس کھینچا اور ٹھہری ہوئی آواز میں گویا ہوئے۔ انہوں نے اپنا کیس خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سالہا سال کی شدت کی شراب نوشی نے ان کے پھیپھڑوں کو بُری طرح سے متاثر کیا ہے۔ اب صرف احتیاط اور پرہیز ہی ان کا علاج ہے۔ ساتھ میں پراپر چیک اپ اور سنجیدگی سے کروایا گیا علاج۔ خیر میں نے انجکشن دیا ہے۔ پانچ سات منٹ میں ہوش آجائے گی۔"

مجھے تسلی دینے اور دوا کا طریقہ استعمال سمجھانے کے بعد وہ کمرے سے چلے گئے تھے۔ میں ساکن بیٹھی ابوداؤد کو دیکھتی رہی۔ اب اس کے سوا کوئی حل نہ تھا کہ میں ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی۔ ایسا میں صرف ان کی ضد کی وجہ سے تو نہ کرتی، ان کی محبت کا بھی یہ تقاضا تھا کہ میں یہ سب کرتی۔ اور میں نے ان کی بات ماننے، انہیں معاف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بہر حال میں سب کچھ کھو کر اب یہ آخری پونجی بھی کھونا نہیں چاہتی تھی۔ میں اس نقصان کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

☆☆

"داؤد اُٹھ جائیں اب، میں ناشتہ لے کر آئی ہوں آپ کا۔"

میں نے ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہیں آواز دی تھی۔ وہ ذرا سا کسمسائے اور کروٹ بدل کر آنکھیں کھولیں۔ اور مجھے یک ٹک دیکھنے لگے۔

"چلیں فریش ہو کے آئیں جلدی سے۔"

میں نے آگے بڑھ کر ان کے جسم سے کمبل ہٹا دیا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئے مگر بستر نہیں چھوڑا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ خواب ہے نا حنی؟"

"نہیں حقیقت۔" میں نے جواباً رسانیت سے کہا تو وہ اسی سنجیدگی سے مجھے دیکھتے رہے۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا؟"

سوال ہُوا تھا اور میں چند ثانیوں کو جواب نہیں دے سکی۔

"ہاں!" میں نے گہرا سانس بھرا تو وہ مسکرائے تھے۔

"محبت کرتی ہو مجھ سے اس لیے؟"

"ساری باتیں ابھی پوچھ لیں گے۔ ناشتہ کر لیں پہلے۔"

میں نے بات بدل دی مگر ان کا موڈ نہیں بدل سکی۔

"چلو یہ بتاؤ خفا کیوں ہوئی تھیں مجھ سے؟"

میں نے جواب میں شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"آپ کو نہیں پتا؟" مجھے بے حد دکھ ہوا تھا جواب میں وہ کچھ آہستگی و نرمی سے مسکرائے پھر کسی قدر شوخی سے بولے تھے۔

"ہاں پتا ہے مجھے کہ:۔

وہ مجھ سے روٹھے ہیں تو صرف اس بات پر
کہ جب ہم پیار کرتے ہیں تو حد تک بھول جاتے ہیں۔

مجھے ان کی اس شرارت نے خفت زدہ کر دیا تھا۔ میں بے ساختہ نظریں چرا گئی۔ وہ میری کیفیت سے حظ لے کر ہنسنے لگے۔

"آپ ہمیشہ بدتمیز ہی رہیں گے۔ سدھرنے کی امید مجھے چھوڑ دینی چاہیے۔"

میں کسی قدر جھنجھلائی تھی۔ انہوں نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ دیکھو کتنا بدل گیا ہوں میں۔ صرف تمہاری وجہ سے تمہاری محبت میں۔ ورنہ مجھے کسی کی پرواہ کبھی نہیں رہی۔ میں نے کبھی کسی سے معافی نہیں مانگی۔ میں واقعی تم سے محبت کرتا ہوں کیا خوب ہے یہ شعر کہ:۔

کچھ رنگ تیرے روپ میں یوسفؑ کی طرح ہیں
ورنہ میں تیرے ہجر میں یعقوبؑ نہ بنتا

"بس ایسی ہی بات ہے جناب!"

ان کی آنکھوں میں شوخی کا رنگ تھا۔ محض میری ایک ذرا سی توجہ، ذرا سے التفات نے انہیں کتنی جلدی زندگی کی طرف پلٹایا تھا۔ میں انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"حجاب تمہیں یقین نہیں ہے نا میری بات کا؟"

انہوں نے ایک دم میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میں نے گہرا سانس بھر کے سر جھکا لیا۔ وہ کچھ دیر کو خاموش رہ گئے۔

"حجاب میں تمہاری خوشی کی خاطر عون سے بار بار معافی مانگتا رہا ہوں مگر وہ کسی بھی میری بات کا یقین کرنے کو تیار نہیں ہے۔ کیا کسی بُرے انسان کا بدل جانا خلاف فطرت ہے حجاب! جو کوئی میری بات ماننے کو تیار نہیں کہ میں بھی بدل سکتا ہوں؟"

وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر جا کر مجھ سے سوال کر رہے تھے اور میں نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا میں تو اس جگہ پر اٹک گئی تھی کہ وہ عون بھیا سے معافی مانگنے گئے ہیں۔

میری خاموشی پر انہوں نے گہرا سانس بھرا تھا اور آہستگی و نرمی سے گویا ہوئے تھے۔

"لیکن تم فکر نہ کرو حجاب! میں عون کو یقین دلا کر رہوں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں حنی! کہ تمہارے جو نقصان میری وجہ سے ہوئے ہیں میں انہیں ضرور پورا کروں گا۔"

"آپ ناشتہ کر لیں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

میں نے بات بدل دی تو وہ گہرا سانس بھرتے ہوئے اُٹھ کر واش روم میں چلے گئے تھے۔ میں سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی جب کسی بے حد شناسا پکار پر چونک کر متوجہ ہوئی۔ اگلے لمحے میں حق دق رہ گئی تھی۔ میری نگاہوں کے سامنے جو منظر تھا وہ اتنا ناقابل یقین تھا کہ میں آنکھیں پھاڑے بس مما، پپا، عون بھیا، روشی، فیضی بھائی کے ساتھ اپنے سب پیاروں کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ یہ میرا الوژن تھا۔ بھلا وہ سب مجھ سے ملنے کیسے آ سکتے تھے۔ میں نے سوچا تھا مگر جب مما نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگایا تو میرا یہ گمان یقین میں بدل گیا تھا۔ میں ان سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر روتی چلی گئی تھی۔

☆☆

اے موج ہوا تو ہی بتا!!
وہ دوست ہمارا کیسا ہے؟
جو بھول چکا ہمیں کب سے!
وہ جان سے پیارا کیسا ہے
کیا اس کے جیون لمحوں میں
کوئی لمحہ میرا باقی ہے
کیا اس کی جاگتی آنکھوں میں
میری یاد ابھی بھی باقی ہے
اگر ایسا نہیں تو تُو ہی بتا
ہم یاد اسے کیوں کرتے ہیں

وہ ہم سے بچھڑ کے خوش ہے اگر

تو پل پل ہم کیوں مرتے ہیں

اے موج ہوا تو ہی بتا

میں رات کو سونے کی غرض سے کمرے میں آئی تو ابوداؤد کا شکوہ بھرا میسج موجود تھا۔ جسے پڑھ کر میں بے ساختہ مسکراتی تھی۔ مجھے مما اور بھیا اپنے ساتھ ہی لے آئے تھے تو وجہ بہت ساری خوشی کی خبروں کا اکٹھا ہونا تھا۔ فیضان بھائی کا بیٹا ہوا تھا۔ روشانے پریگننٹ تھی اور عیسیٰ بھائی کے لیے بھی مما نے لڑکی پسند کر لی تھی۔ سب سے بڑی خوشی تو ہماری صلح تھی۔ ابوداؤد کو بھیا نے معاف کر دیا تھا تو اس کے پیچھے سب سے زیادہ عیسیٰ بھائی اور روشانے کی کوششوں کا کمال تھا۔ مجھ پر ساری باتیں آشکارا ہوئی تھیں تو میں کبھی جذبات میں آ کر روتی تھی کبھی ہنسنے لگتی۔ خوشی تھی، اطمینان تھا۔ محبتیں اور مان تھے۔ مجھے خدا نے سب کچھ لوٹا دیا تھا۔ ابوداؤد سمیت، میں وہاں آئی تھی تو واپس جانے کو اگر دل چاہتا بھی تو کبھی مما روک لیتی تھیں۔ کبھی روشی، تو کبھی عیسیٰ بھائی! ابوداؤد ہر روز مجھے لینے آتے اور ہر روز ہی منہ لٹکا کے چلے جاتے۔ اور میں ہنسی چھپاتی رہتی۔ آج ان کا یہ میسج ان کی خفگی کا اظہار تھا۔ میں نے اسی وقت انہیں کال کر لی۔

”آج آپ آئے کیوں نہیں؟“

سلام دعا کے بعد میں نے مقصد کی بات کی تھی۔

”محترمہ وہ میرا سسرال ہے۔ روز روز کا جانا قدر بھی کم کر سکتا ہے جو بڑی مشکلوں سے حاصل ہوئی ہے۔ تم عیش کرو۔ میرا کیا ہے میں راتوں کو سو نہ پاؤں تو کیا فرق پڑتا ہے۔“

وہ مصنوعی ناراضی سے بولے تو میں ہنستی چلی گئی تھی۔

”آپ آ جائیں، میں چلوں گی۔“

”پکا وعدہ ہے؟“ وہ ایک دم پرجوش ہوئے۔

”جی جناب! بالکل پکا وعدہ۔ اب اسامہ بھی تو نہیں رہتا نا ہر وقت آپ کا نام الاپتا ہے۔“

”اور تم؟؟“ ان کے لہجے میں اشتیاق در آیا۔

”میں تو یہاں زیادہ خوش ہوں۔ ظاہر ہے اتنے عرصے بعد پھر گھر والوں سے ملی ہوں۔“

میں نے جان بوجھ کر بے نیازی دکھائی تو جواباً انہوں نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

”ظالم لڑکی! کبھی اظہار محبت کر کے مجھے خوشی مت دینا۔“ ان کے شاکی انداز پر میں پھر ہنس دی۔

اور یونہی ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔ اور اُٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹ کر بیگ میں بھرنے لگی۔ کہ ان سے ملنے کی بے چینی تو مجھے بھی تھی۔ وہ جو ساری عمر دردگر رہا تھا اب مہربان ہوا تھا تو میں چاہتوں کے رنگ اپنی ہتھیلیوں پر بکھرتے دیکھنا چاہتی تھی تو میری یہ خواہش بے جا تو نہیں تھی۔ میں اُس رب کی شکر گزار تھی جس نے مجھے میری سبھی چاہتیں واپس سونپ دی تھیں۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی خوشی ہو سکتی تھی آپ کا کیا خیال ہے؟

پاکستان ڈائجسٹ ڈاٹ کام